بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رسم و رواج

کی

شرعی حیثیت

اس کتاب میں آپ پڑھیں گے۔۔۔

رسم ورواج کے جائز وناجائز ہونے کا اُصول، شرکیہ وبدعتیہ رسموں کی نشاندہی
رائج رسم ورواج جیسے سالگرہ، گودبھرائی، منگنی، دودھ پلائی، تیل مہندی، ختم ونیاز
عیدمیلادالنبی، گیارھویں، رجب کے کونڈے، ویلنٹائن ڈے، کرسمیس ڈے
نیوائیرنائیٹ، دم تعویذ، عُرسِ اولیاء، فالنامہ، بزرگوں کی سواری وغیرہ کا شرعی حکم

مصنف

ابو احمد محمد انس رضا قادری
تخصُص فی الفقه الاسلامی،الشهادةُ العالمية
ایم ۔اے اسلامیات،ایم ۔اے پنجابی، ایم۔اے اردو

مکتبہ اشاعۃ الاسلام،لاھور
فون نمبر:0301:7104143

بسم الله الرحمن الرحيم

الصلوة والسلام عليک يا رسول الله

وعلىٰ اٰلک واصحابک يا حبيب الله

نام کتاب۔۔۔۔۔۔۔ رسم ورواج کی شرعی حیثیت
مصنف۔۔۔۔۔۔۔۔ **ابواحمد محمد انس رضا قادری بن محمد منیر**
ناشر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مکتبہ اشاعۃ الاسلام، لاہور
پروف ریڈنگ۔۔۔۔۔ **ابواطہر مولانا محمد اظہر** عطاری المدنی
مولانا محمد ماجد علی عطاری المدنی
قیمت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
اشاعتِ ثالث۔۔۔۔۔۔۔ شعبان المعظم 1438ھ، مئی 2017ء

علماء اہلسنت کی کتب Pdf فائل میں حاصل کرنے کے لئے

"فقہ حنفی PDF BOOK"

چینل کو جوائن کریں

http://T.me/FiqaHanfiBooks

عقائد پر مشتمل پوسٹ حاصل کرنے کے لئے

تحقیقات چینل ٹیلیگرام جوائن کریں

https://t.me/tehqiqat

علماء اہلسنت کی نایاب کتب گوگل سے اس لنک سے فری ڈاؤن لوڈ کریں

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

طالب دعا۔ محمد عرفان عطاری

زوہیب حسن عطاری

یادداشت

دورانِ مطالعہ ضرورتاً انڈر لائن کیجئے، اشارات لکھ کر صفحہ نمبر نوٹ فرما لیجئے۔ ان شاءاللہ عزوجل علم میں ترقی ہوگی۔

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان

❁❁ . . فہرست . . ❁❁

انتساب

سیدی ومرشدی امیر اہلسنت مولانا محمد الیاس عطار قادری دامَت بَرَکاتُہمُ العالِیَہ کے نام جنہوں نے لاکھوں مسلمانوں کو سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پابند بنا دیا۔وہ مسلمان جو غیر مسلموں کے رسم ورواج کے مطابق نہ صرف زندگی گزارتے تھے بلکہ اس پر فخر کرتے تھے،ان مسلمانوں نے نہ صرف اپنی اصلاح کی بلکہ پوری دنیا کی اصلاح میں مصروفِ عمل ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

پیشِ لفظ

اسلام کے مطابق زندگی گزارنے میں صحیح عقیدے کا ہونا بہت ضروری ہے۔اگر عقیدہ ہی صحیح نہیں تو اَفعال کارآمد نہ ہوں گے۔ایک شخص صحابہ کرام علیہم الرضوان کومعاذ اللہ گالیاں دیتا ہواور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت میں نیاز دیتا ہےتو یہ محبت و نیاز اسکے لئے بے فائدہ ہے۔حضور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں"لا یقبل اللہ لصاحب بدعة صلوة ولا صوما ولا صدقة ولا حجا ولا عمرة ولا جهاد ولاصرفا ولا عدلا يخرج من الاسلام كما تخرج الشعرة من العجين" ترجمہ:اللہ عزوجل کسی بدمذہب کی نہ نماز قبول کرتا ہے نہ روزہ نہ زکوٰۃ نہ حج نہ جہاد نہ فرض نہ نفل۔بدمذہب اسلام سے یوں نکل جاتا ہے جیسے آٹے سے بال۔

(کنز العمال ،کتاب الایمان،فصل فی البدع،جلد1،صفحہ 385، مؤسسة الرسالة بیروت)

قبر آخر کی منازل میں پہلی منزل ہےاور قبر میں سب سے پہلے عقیدہ دیکھا جائے گا۔آج امت مسلمہ کی حالت بہت نازک ہے۔دین اسلام فرقہ واریت کا شکار ہے۔نئے نئے فرقے وجود میں آرہے ہیں،کوئی حدیثوں کا منکر ہےتو کوئی فقہ کا منکر ہے۔گمراہ اور بے دین لچھے دار بیانات کر کے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنارہے ہیں اور لوگ اپنی کم علمی کی وجہ سے انہیں بہت پسند کرتے ہیں۔مسلمانوں کی ایک تعداد ہے جو حق فرقے کی تلاش نہیں کرتی ، بلکہ فرقہ واریت سے تنگ آکر ایک نئے فرقے کی بنیاد رکھتی ہے،جس میں ایسے لوگ ہوتے ہیں جو یہ کہتے ہیں ہمارا کسی فرقے سے تعلق نہیں،ہم بس مسلم ہیں۔جی ہاں جو یہ کہتا ہے میرا کسی فرقے سے تعلق نہیں ہم مسلمان ہیں وہ بھی ایک نیا فرقہ ہے جیسے موجودہ

دور میں جماعت مسلمین ہے وہ یہی کہتی ہے کہ سب فرقے مشرک ہیں،ہم صرف مسلمان ہیں۔خود کو مسلمان تو ہر فرقے والے کہتے ہیں،لیکن صحابہ کرام وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حق فرقے کی پہچان کے لئے اپنے آپ کو مسلمان کے ساتھ اہل سنت وجماعت کہا ہے۔اس طرح اہل سنت وجماعت کہلوانے کی اصل وجہ یہی ہے کہ دیگر فرقوں سے امتیاز ہوجائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف فرقہ واریت کی پیشین گوئی کر کے اپنی امت کو تنہا نہیں چھوڑ دیا بلکہ حق فرقے کی پہچان بھی بتائی جو شروع سے لے کر اب تک اور قیامت تک نمایاں رہے گی، وہ یہ ہے کہ وہ گروہ تعداد میں زیادہ ہوگا۔ابن ماجہ کی حدیث پاک میں ہے"أنس بن مالك يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول إن أمتى لا تجتمع على ضلالة فإذا رأيتم اختلافا فعليكم بالسواد الأعظم" ترجمہ:حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا فرماتے تھے بےشک میری امت گمراہی پر اکٹھی نہیں ہوسکتی جب تم ان میں اختلاف دیکھو تو بڑے گروہ کی پیروی کرو۔

(سنن ابن ماجه ،کتاب الفتن ، باب السواد الاعظم ،جلد2،صفحه1303،دار إحياء الكتب العربية)

اب بڑا گروہ کون سا ہے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے ملاعلی قاری علیہ رحمۃ اللہ الباری ارشاد فرماتے ہیں"لا ريب انهم اهل السنة والجماعة" یعنی بلاشک وشبہ وہ گروہ اہل سنت وجماعت ہے۔

(مرقاۃ، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، جلد 01،صفحہ259، دار الفکر، بیروت)

آج پوری دنیا میں تمام فرقوں سے تعداد میں بڑھ کر اہل سنت ہی ہیں اور حنفی،شافعی،حنبلی،مالکی،چشتی،قادری،سہروردی،نقشبندی،اویسی وغیرہ سب عقائد کے لحاظ

سے سُنّی ہیں۔صحابہ کرام سے لے کر اب تک تمام صحابہ وتابعین،ائمہ مجتہدین،علماء،صوفیا،فقہاء رحمہم اللہ نے اہل سنت و جماعت کے حق ہونے کا ہی ارشاد فرمایا ہے۔تفسیر ابن کثیر میں ہے"وهذه الأمة أيضًا اختلفوا فيما بينهم على نحل كلها ضلالة إلا واحدة، وهم أهل السنة والجماعة، المتمسكون بكتاب الله وسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم، وبما كان عليه الصدر الأول من الصحابة والتابعين، وأئمة المسلمين في قديم الدهر وحديثه، كما رواه الحاكم في مستدركه أنه سئل، عليه السلام عن الفرقة الناجية منهم، فقال ما أنا عليه (اليوم) واصحابي"ترجمہ:یہ امت بھی ان(یہود ونصاری)کی طرح دین کے معاملے میں اختلاف کرے گی،تمام کے تمام فرقے گمراہ ہوں گے سوائے ایک فرقہ کے وہ اہل سنت ہوں گے،جو کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تھامے ہوں گے اور انہی عقائد پر ہوں گے جن پر صدر اول کے لوگ صحابہ کرام،تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ائمہ مسلمین رحمہم اللہ شروع سے چلے آرہے ہیں۔حدیث جسے امام حاکم نے مستدرک میں روایت کیا کہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نجات والے فرقے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا جس پر آج میں اور میرے صحابہ ہیں۔

(تفسير ابن كثير، فی التفسير، سورة الروم، آیت30، جلد6، صفحہ317، دار طيبة، الرياض)

ہندوستان و پاکستان کے تمام اولیاء وعلماء رحمہم اللہ شروع سے ہی سنی ہونے کے ساتھ ساتھ حنفی رہے ہیں۔حضور داتا سرکار رحمۃ اللہ علیہ کشف المحجوب میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق اپنا واقعہ لکھتے ہیں:"میں ملک شام میں مسجد نبوی شریف کے مؤذن حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضہ مبارک کے سرہانے سویا ہوا تھا۔خواب میں دیکھا میں مکہ مکرمہ میں ہوں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بزرگ کو آغوش میں بچے کی

طرح لئے ہوئے باب شیبہ(ایک دروازے کا نام)سے داخل ہو رہے ہیں۔میں نے فرط محبت میں دوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک کو بوسہ دیا۔میں اس حیرت و تعجب میں تھا کہ یہ بزرگ کون ہیں؟حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی معجزانہ شان سے میری باطنی حالت کا اندازہ ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ تمہارے امام ہیں جو تمہاری ہی ولایت کے ہیں یعنی ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ۔"

(کشف المحجوب، صفحہ146، شبیر برادرز، لاہور)

اہلسنت ہی وہ گروہ ہے جو صحابہ کرام علیہم الرضوان کو بھی مانتا ہے،اولیاء کرام کو بھی مانتا ہے،نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے حد تعظیم کرتا ہے،معاذ اللہ انہیں اپنے جیسا بشر نہیں کہتا۔اہلسنت ہی فرقہ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے اب تک چلا آرہا ہے جتنے بھی فرقے اس سے الگ ہوئے وہ اپنا الگ نام رکھتے گئے جیسے آج بھی کئی گمراہ فرقے ہیں جن میں منسلک لوگوں کے آباؤ اجداد سنی ہی تھے۔فرقہ بندی سُنّی نہیں کرتے بلکہ گمراہ فرقے سُنّیت سے ہٹ کر اپنا الگ فرقہ بنا کر فرقہ واریت کرتے ہیں۔لہذا اہل سنت ہی حق فرقہ ہے اور قیامت والے دن سُنّیوں ہی کے چہرے سفید ہوں گے جیسا کہ صحابی رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ﴾ترجمہ کنز الایمان:جس دن کچھ منہ اونجالے ہوں گے اور کچھ منہ کالے۔

(سورة آل عمران، سورت3، آیت106)

اس آیت کی تفسیر میں تفسیر بغوی،تفسیر ابن کثیر،تفسیر قرطبی اور وہابیوں کے بہت بڑے عالم مولوی شوکانی کی تفسیر فتح القدیر میں اور ابن تیمیہ نے جامع الرسائل میں حدیث پاک نقل کی ہے"فقال ابن عباس تبيض وجوه أهل السنة وتسود وجوه أهل البدعة"ترجمہ:حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا اہل سُنّت والوں کے چہرے

سفیداوراہل بدعت والوں کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

(تفسیر بغوی،تفسیر ابن کثیر ،تفسیرقرطبی ،فتح القدیر،فی تفسیر،سورۃ آل عمران ،آیت106)

تفسیر درمنثور میں امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں"وأخرج الخطيب فی رواة مالك والديلمی عن ابن عمر عن النبی صلى الله عليه وسلم فی قوله تعالی(يوم تبيض وجوه وتسود وجوه)قال تبيض وجوه أهل السنة ، وتسود وجوه أهل البدع ۔

وأخرج أبو نصر السجزی فی الإبانة عن أبی سعيد الخدری أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قرأ (يوم تبيض وجوه وتسود وجوه)قال تبيض وجوه أهل الجماعات والسنة ، وتسود وجوه أهل البدع والأهواء" ترجمہ:امام خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک اورامام دیلمی رحمہما اللہ سے روایت کیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ عزوجل کے اس فرمان ''جس دن کچھ منہ اونجالے ہوں گے اور کچھ منہ کالے۔'' کے متعلق فرمایا اہل سنت کے چہرے سفید اوراہل بدعت کے سیاہ ہوں گے۔

ابونصر سجزی رحمۃ اللہ علیہ نے ابانہ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی''جس دن کچھ منہ اونجالے ہوں گے اور کچھ منہ کالے۔''فرمایا اہل سنت کے چہرے سفید ہوں گے اوراہل بدعت اور گمراہ لوگوں کے سیاہ ہوں گے۔

(درمنثور،فی تفسیر،سورۃ آل عمران ،سورت3،آیت106،جلد2،صفحہ291،دار الفکر، بیر وت)

لہٰذا یہ کہنا کہ ''میرا کسی فرقے سے کوئی تعلق نہیں میں مسلمان ہوں'' بہت بڑی جہالت وگمراہی ہے۔ایسا کہنے والا اپنی طرف سے بہت سمجھدار بن رہا ہے جبکہ اسے پتہ

نہیں اس سے بڑے سمجھدار خود کو اہل سنت و جماعت میں شمار کرتے رہے ہیں۔بلکہ ایک حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صراحت کے ساتھ اہل سنت و جماعت کے جنتی ہونے کا فرمایا ہے چنانچہ ابوالفتح محمد بن عبدالکریم الشہر ستانی (المتوفی548) رحمۃ اللہ علیہ ''الملل والنحل'' میں لکھتے ہیں"أخبر النبی عليه السلام ستفترق أمتی على ثلاث وسبعين فرقة، الناجية منها واحدة، والباقون هلكى قيل ومن الناجية؟ قال أهل السنة والجماعة قيل وما السنة والجماعة؟ قال ما أنا عليه اليوم وأصحابی" ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی کہ میری امت تہتر73 فرقوں میں بٹ جائے گی۔ایک فرقہ جنتی ہوگا باقی جہنمی۔کہا گیا کون سا فرقہ جنتی ہے؟ فرمایا اہل سنت والجماعت۔کہا گیا اہل سنت والجماعت کون سا فرقہ ہے؟ فرمایا جس پر آج میں اور میرے صحابہ ہیں۔

(الملل والنحل، جلد1،صفحہ 11،مؤسسة الحلبی)

آج ہر گمراہ فرقہ اپنے باطل مذہب کو ثابت کرنے کے لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی احادیث کو دلیل بنانے کی کوشش کرتا ہے۔جبکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ دیگر محدثین و فقہاء کرام کی طرح سنی تھے چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ قرۃ العینین میں اسلاف کے طریقہ کار کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ اہل سنت کے علاوہ دوسرے راوی سے حدیث نہ لیتے تھے۔فرماتے ہیں"قال البخاری وكان زائدة لا يحدث إلا أهل السنة اقتداء بالسلف" ترجمہ:حضرت زائدہ اسلاف کی پیروی کرتے ہوئے احادیث اہل سنت کے راویوں کے علاوہ دیگر مذہب والوں سے نہ لیتے تھے۔

(قرۃ العینین ،جلد1،صفحہ18،دار الأرقم،الکویت)

دیکھیں بد مذہب سے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں لی جاتی تھی۔مسلم شریف میں ہے ابن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اجلہ تابعین میں سے ہیں فرماتے ہیں " لم

يكونوا يسألون عن الإسناد فلما وقعت الفتنة قالوا سموا لنا رجالكم فينظر إلى أهل السنة فيؤخذ حديثهم وينظر إلى أهل البدع فلا يؤخذ حديثهم "
ترجمہ: پہلے احادیث لینے میں اسناد کے متعلق سوال نہیں پوچھا جاتا تھا (یعنی یہ نہیں دیکھا جاتا تھا کس راوی سے مروی ہے بس حدیث لے لی جاتی تھی۔) پھر جب فتنے (فرقے) واقع ہوئے تو فرمایا تم ہمارے سامنے اپنی احادیث کے راویوں کے نام پیش کرو تو اہل سنت راویوں کی طرف نظر کرو اور انکی روایت کردہ احادیث لے لو اور بدمذہب کی احادیث نہ لو۔

(صحيح مسلم ،باب فى أن الإسناد من الدين، جلد01،صفحه15،دار إحياء التراث العربى ،بيروت)

اسلامی تعلیمات یہی ہیں کہ جس کا عقیدہ درست نہ ہو نہ اس کے پاس بیٹھا جائے اور نہ اس کی باتیں سنی جائیں۔مسلم شریف کی حدیث پاک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدمذہبوں کے متعلق فرمایا"ایّاکم وایّاھم لا یضلّونکم ولا یفتنو نکم " ترجمہ: ان سے دور رہو اور ان کو اپنے سے دور کرو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں اور کہیں وہ تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔

(صحيح مسلم،مقدمه، باب النهى عن الروية۔۔، جلد1 صفحه12،دار إحياء التراث العربى ،بيروت)

ابن سیرین اور حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سنن دارمی میں روایت ہے "انھما قالا لاتجالسوا اصحاب الاھواء،ولاتجادلوھم ،ولاتسمعوا منھم"ترجمہ :ان دونوں نے فرمایا کہ عقیدے میں خرابی والوں کے پاس نہ بیٹھو اور نہ ان سے بحث کرو اور نہ ان کی بات سنو۔

(سنن الدارمى ،باب اجتناب اهل الاهواء والبدع والخصومة،جلد 1،صفحه391،دار المغنى، السعودية)

اس سے وہ لوگ نصیحت حاصل کریں جو کہتے ہیں کسی کو بُرا نہیں کہنا چاہئے اور

بدمذہبوں کی صحبت میں بیٹھتے ہیں ،انکے پیچھے نمازیں پڑھ کر اپنی نمازیں خراب کرتے ہیں، بلکہ اپنے چھوٹے بچوں کو بدمذہبوں کے مدرسوں میں ڈال دیتے ہیں اور کہتے ہیں علم ہی تو حاصل کرنا ہے اور خود بھی ہر بدمذہب گمراہ کی تقریریں سنتے رہتے ہیں، پھر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اپنا عقیدہ خراب کر بیٹھتے ہیں۔ابن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں"ان ھـذا العلم دين فانظروا عمن تاخذون دينكم " ترجمہ: بے شک علم دین ہے پس غور کرلو کس سے اپنا دین حاصل کرتے ہو۔

(صحيح مسلم،باب فى أن الإسناد من الدين، جلد01،صفحه14،دار إحياء التراث العربى ،بيروت)

انہی بزرگ کا واقعہ ہے"دخل رجلان من اصحاب الاهواء على ابن سيرين فقالا ياابابكر نحدثك بحديث ؟قال لاقالافنقرأعليك آية من كتاب الله قال :لا،لتقومان عنى او لاقومن قال فخرجا،فقال بعض القوم ياابابكر ما كان عليك ان يقرأعليك آية من كتاب الله تعالى؟ قال: انى خشيت ان يقرأعلى آية فيحرفانها فيقر ذالك فى قلبى" ترجمہ: ابن سیرین کے پاس دو آدمی آئے جن کے عقیدے خراب تھے انہوں نے کہا اے ابوبکر (ابن سیرین کی کنیت ہے) ہم آپ کو ایک حدیث سناتے ہیں،انہوں نے فرمایا میں نہیں سنوں گا،دونوں نے کہا: ہم آپ کو اللہ تعالی کی کتاب سے ایک آیت سناتے ہیں،آپ نے پھر فرمایا: میں نہیں سنوں گا اور ان سے کہا تم دونوں میرے پاس سے جاتے ہو یا میں خود ہی اٹھ کر چلا جاؤں؟ جب وہ چلے گئے تو بعض لوگوں نے کہا: اے ابوبکر ان سے کتاب اللہ کی ایک آیت سننے میں حرج ہی کیا تھا؟ آپ نے جواباارشاد فرمایا: مجھے اندیشہ تھا کہ یہ دونوں آیت پڑھتے اور اس میں تحریف کردیتے اور وہ میرے دل میں بیٹھ جاتی۔

(سنن الدارمى ،باب اجتناب اهل الاهواء والبدع والخصومة،جلد01،صفحه 120دار الكتاب

العربی ،بیروت)

مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اہلسنّت فرقے کو مضبوطی سے تھامے رہیں اور بدمذہبوں سے دور رہیں۔اتنی واضح احادیث ہونے کے باوجود کہنا کہ ہمیں پتہ نہیں کون سا صحیح فرقہ ہے۔نِری حماقت ہے۔کمائی کے ہر طریقے آتے ہیں حق فرقہ نظر نہیں آتا۔

عقیدہ پر اس مختصر سی تمہید کے بعد اب موضوع کی طرف آتے ہیں۔رسم اور رواج یہ دونوں الفاظ ہم معنی ہیں۔چونکہ ان دونوں کو اکٹھا بولا جاتا ہے اس لئے کتاب میں ان دونوں کو اکٹھا ہی لکھا ہے۔رسم ورواج کا مطلب ہے:دستور،قاعدہ،رِیت۔

(فیروزاللغات،بذیل مادہ،ر-س،صفحہ710،فیروزسنز،لاہور)

ہر دور،ہر مذہب میں رسم ورواج کا وجود پایا جاتا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل بھی اہل عرب میں کئی طرح کے رسم ورواج تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بُری رسموں کو ختم کرکے ہمیں زندگی گزارنے کا ایک ضابطہ حیات دیا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع میں فرمایا"ألا کل شیء من أمر الجاھلیة تحت قدمی موضوع" ترجمہ:خبردار رہو زمانہ جاہلیت کی تمام رسمیں میرے قدم کے نیچے روندی گئیں۔

(صحیح مسلم،کتاب الحج،باب حجة النبی صلی اللہ علیه و سلم،جلد2،صفحہ886،دار إحیاء التراث العربی،بیروت)

کئی مقامات پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جاہلانہ رسم ورواج کی نشاندہی بھی کی چنانچہ مسلم شریف کی حدیث پاک ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا"أربع فی أمتی من أمر الجاھلیة لا یترکونھن الفخر فی الأحساب والطعن فی الأنساب والاستسقاء بالنجوم والنیاحة" ترجمہ:میری امت میں جہالت کی چار

باتیں ہیں جنہیں وہ نہ چھوڑیں گے،قومی فخر،نسب میں طعنے اور تاروں سے بارش مانگنی اور نوحہ۔

(صحیح مسلم،کتاب الجنائز،باب التشدید فی النیاحة،جلد2،صفحہ644،دار إحیاء التراث العربی،بیروت)

بلکہ کئی مقامات پر جاہلانہ رسومات سے سختی سے روکا ہے۔زمانہ جاہلیت میں دستور تھا کہ جب میت کو دفن کرنے لے جاتے تو پہنچانے والے اپنی چادریں راستے میں پھینک جاتے اور لوٹتے میں واپس اٹھاتے وہ اس میں اظہارِ غم سمجھتے تھے جیسے آج بعض مسلمان اظہارِ غم کے لیے کالے کُرتے پہنتے ہیں یا بازو پر کالا کپڑا باندھ لیتے ہیں۔ابن ماجہ کی حدیث پاک ہے"عن عمران بن الحصین وأبی بزرة قالا خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم فی جنازة فرأی قوما قد طرحوا أردیتھم یمشون فی قمص فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم (أبفعل الجاھلیة تأخذون ؟ أو بصنع الجاھلیة تشبھون ؟ لقد ھممت أن أدعوا علیکم دعوة ترجعون فی غیر صورکم)قال فأخذوا أردیتھم ولم یعودوا لذلك "ترجمہ:حضرت عمران بن حصین اور ابی برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں گئے تو آپ نے ایک قوم کو دیکھا جو اپنی چادریں پھینک گئے تھے اور قمیضوں میں چلتے تھے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم جاہلیت کا کام اختیار کرتے ہو یا جاہلیت کے عمل سے مشابہت کرتے ہو۔دل چاہتا ہے کہ تمہیں ایسی بددعا دوں کہ تمہاری صورتیں بدل جائیں۔فرمایا کہ انہوں نے فوراً اپنی چادریں اٹھا لیں اور پھر یہ کبھی نہ کیا۔(سنن ابن ماجہ،کتاب الجنائز،باب ما جاء فی النھی عن التسلب مع الجنازة،جلد1،صفحہ476،دار إحیاء الکتب العربیة)

کوئی مسلمان اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اللہ عزوجل اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے آگے اپنا سر تسلیم خم نہیں کر دیتا۔ قرآن پاک میں ہے ﴿فَلاَ وَرَبِّکَ لاَ یُؤْمِنُوْنَ حَتَّی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لاَ یَجِدُواْ فِی أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُواْ تَسْلِیْمًا﴾ ترجمہ کنزالایمان: تو اے محبوب! تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرما دو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔ (سورۃ النساء، سورت4، آیت65)

شرعی احکام کے سامنے اگر کوئی رسم و رواج آڑے آئے تو اس کی کوئی پرواہ نہیں کی جائے گی شریعت کا حکم ماننا لازم ہوگا۔ اگر کوئی کہے کہ میں رسم و رواج کے آگے کسی شرع کو نہیں مانتا تو یہ کہنا کفر ہے۔ جامع الفصولین میں ہے "قال لخصمه حکم الشرع کذا فقال خصمه من برسم کارمی کنم بشرع نے قیل کفر" ترجمہ: جس نے اپنے مقابل کو کہا کہ حکم شرع یوں ہے اور مقابل کہے میں مروجہ رسم پر عمل پیرا ہوں شرع پر نہیں، تو بعض نے فرمایا یہ کفر ہے۔

(جامع الفصولین، فصل فی تنفیذ الوصیة، جلد2، صفحہ310، اسلامی کتب خانہ، کراچی)

فتاوی ہندیہ میں ہے "سئل الحاکم عبد الرحمن عمن قال برسم کارکنم بحکم نی هل هو کفر؟ قال إن کان مراده فساد الخلق، وترك الشرع واتباع الرسم لا رد الحکم لا یکفر کذا فی المحیط" ترجمہ: شیخ عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے کہا کہ میں رسم پر عمل کرتا ہوں شرعی حکم پر نہیں، کیا یہ کفر ہے؟ فرمایا: اگر اس کی مراد فسادِ خلق، شریعت کا ترک اور رسم کی اتباع ہے نہ کہ شرعی حکم کا رد تو تکفیر نہیں کی جائے گی۔ (اگر شرعی حکم کا رَد ہے تو کفر ہے۔) اسی

طرح محیط میں ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب السیر، ذات و صفات باری تعالیٰ، جلد2، صفحہ257، دارالفکر، بیروت)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ''رسم باطل کی پیروی کے لئے حلال وحرام کی پرواہ نہ کرنا کافروں کی عادت ہے۔ ﴿قالوا بل نتبع ما الفینا علیه اٰبائنا﴾ (کفار نے کہا بلکہ ہم اپنے آباؤاجداد کی پیروی کریں گے۔)''

(فتاوی رضویہ، جلد12، صفحہ399، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

قرآن پاک میں ہے ﴿وَکَذٰلِکَ مَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِکَ فِی قَرْیَةٍ مِّن نَّذِیْرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَ نَا عَلَی أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَی آثَارِهِم مُّقْتَدُوْنَ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور ایسے ہی ہم نے تم سے پہلے جب کسی شہر میں ڈر سنانے والا بھیجا وہاں کے آسودوں (امیروں) نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم ان کی لکیر کے پیچھے ہیں۔ (سورۃ الزخرف، سورت43، آیت23)

مفتی احمد یار خان نعیمی تفسیر نعیمی میں اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کے مقابل میں جاہل باپ داداؤں کی رسم و رواج کی پابندی کرنا بدترین جرم ہے جیسے آج بعض جاہل مسلمان شادی بیاہ کے حرام رسومات صرف اپنے پرانے جاہل باپ دادوں کی پیروی میں مضبوط پکڑے ہوئے ہیں۔۔۔ ہماری سمجھ میں آئے، یا نہ آئے، تم منع کرو یا نہ کرو، ہم وہی کریں گے جو باپ دادے کرتے تھے یہ کفر ہے۔''

(تفسیر نورالعرفان، فی تفسیر، سورۃ الزخرف، سورت 43، آیت23، صفحہ845، نعیمی کتب خانہ، گجرات)

کفار کے رسم و رواج کو اچھا جاننا کفر ہے۔ غمز العیون میں ہے "من استحسن فعلا من افعال الکفار کفر باتفاق المشائخ" ترجمہ: جس شخص نے کافروں کے کسی

کام کو اچھا سمجھا تو وہ باتفاق مشائخ کفر کا مرتکب ہوا۔

(غمز العیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر ،الفن الثانی کتاب السیر والردۃ ، جلد 1، صفحہ 295،ادارۃ القرآن، کراچی)

موضوع کو اختیار کرنے کا سبب

موجودہ دور میں دو گروہ ہیں ایک گروہ جس میں وہابی حضرات ہیں جو ہر رسم ورواج کو ناجائز و بدعت ٹھہراتے ہیں اور بعض جائز رسم و رواج کو شرک تک کہہ دیتے ہیں۔دوسرے گروہ میں اہل سنت کے بعض جاہل لوگ ہیں جو ناجائز رسم ورواج کو بھی جائز سمجھتے ہیں اوراس پر سختی سے عمل پیرا ہوتے ہیں۔وہابی حضرات اپنی کتب میں سُنّی مسلمانوں کی جہالت کو بھی اہل سُنّت کے عقائد میں شامل کردیتے ہیں۔جبکہ علمائے اہلسُنّت نے قرآن وحدیث کی روشنی میں اپنے فتاوٰی میں مختلف علاقوں کے رسم ورواج کی شرعی حیثیت کو واضح کیا ہے اور کفار کے رسم و رواج کی پیروی اور غیر شرعی رسم رواج سے منع کیا ہے۔امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے سوال ہوا:''کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ

(1) شادی میں ہندوؤں کی رسم کے موافق گانے اور باجے کے ساتھ کمہار کے گھر سے برتن لانے کے واسطے کیا حکم ہے؟

(2) شادی میں کپڑا پہناتے وقت ہندوؤں کی طرح پیشانی میں ہلدی کا ٹیکا لگانا کیسا ہے؟

(3) لڑکے کی سالگرہ کے روز لچھے میں عمر کی گرہ لگانا کیسا ہے؟

جواباً فرماتے ہیں:''

(1) ناجائز ہے وگناہ ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

(2) ناجائز وگناہ ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

(3) ناجائز ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔''

(فتاوٰی رضویہ،جلد23،صفحہ274،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

وبا کے وقت ڈھول پر قرآن لکھ کر بجانے کے متعلق مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''اولاً تو ڈھول بجانا ہی سرے سے ناجائز ہے۔حدیث میں اس کی ممانعت آئی ''نھی عن الکوبۃ'' وبا و دیگر بیماریوں کے زمانے میں طاعت الٰہی عزوجل میں مشغول ہونا چاہئے کہ جتنی بلائیں نازل ہوتی ہیں وہ سب معصیت اور گناہ کیوجہ سے ہوتی ہیں۔لہذا اس وقت توبہ واستغفار کرنا چاہئے اور یہ دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس بلا کو دفع فرمائے نہ کہ ڈھول بجا بجا کر اپنے جرم میں اضافہ اور خدا کی ناراضی کے موجب بنیں۔ثانیاً ڈھول پر جو آلہ لہو ہے قرآن پاک کی آیت لکھنا پھر اسکو چوب سے پیٹنا نہایت سخت قبیح و مذموم ہے۔بظاہر یہ صورت قرآن پاک کی توہین ہے اور توہین قرآن مجید یقیناً کفر ہے۔مگر چونکہ وہ لوگ اپنے اس فعل شنیع سے توہین کا ارادہ نہیں کرتے بلکہ اپنی جہالت سے اسے قرآن پاک سے برکت حاصل کرنا سمجھتے ہیں۔ممکن ہے کہ ان کی اس نیت وارادہ سے حکم میں جو شدت ہے اس میں کچھ کمی ہوجائے۔بہرحال ان لوگوں پر توبہ وتجدید اسلام لازم اور بعد توبہ تجدید نکاح بھی کریں۔واللہ تعالیٰ اعلم۔''

(فتاوٰی امجدیہ،جلد4،صفحہ308،مکتبہ رضویہ ،کراچی)

اس میں کوئی شک نہیں کہ بے شمار جائز رسمیں بھی کثیر خرچے کا باعث ہیں جن کا نہ کرنا ہی فائدہ مند ہے۔لیکن اس کتاب میں صرف اس مسئلہ پر کلام کیا گیا ہے کہ یہ رسم جائز ہے یا نہیں۔مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ رسم ورواج میں مال خرچ کرنے پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:''اس موقعہ پر کسی کی نیت رضائے الٰہی عزوجل نہیں ہوتی محض

رسم کی پابندی اور دکھلاوے کے لئے سب کچھ ہوتا ہے ورنہ کیا ضرورت ہے کہ چھوچھک کے آگے باجہ بھی ہو دنیا کو بھی جمع کیا جائے۔ پھر مالدار آدمی اس خرچ کو برداشت کر لیتا ہے مگر غریب مسلمان ان رسموں کو پورا کرنے کے لئے یا تو سودی قرض لیتا ہے یا گھر رہن کرتا ہے۔لہذا ان تمام مصارف کو بند کرنا نہایت ضروری ہے۔ ہزار ہا موقعہ پر اپنی لڑکیوں اور بہنوں کو اس لئے دو کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہے۔مگر ان رسموں کو مٹا دو۔ زکام روکو تاکہ بخار جائے۔آج یہ حالت ہے کہ اگر بچہ پیدا ہونے پر دلہن کے میکے سے یہ رسمیں پوری نہ کی جائیں تو ساس و نند کے طعنوں سے لڑکی کی زندگی وبال ہو جاتی ہے اور ادھر خانہ جنگی شروع ہو جاتی ہے۔ اگر یہ رسمیں مٹ جائیں تو ان لڑائیوں کا دروازہ بند ہو جائے۔۔۔ان رسموں کو پورا کرنے کے لئے غریب لوگ لڑکی کے پیدا ہوتے ہی فکر کرنے لگتے ہیں، جوں جوں اولاد جوان ہوتی ہے، ان کی فکریں بڑھتی جاتی ہیں۔اب نہ روٹی اچھی معلوم ہوتی ہے نہ پانی ،فکر یہ ہوتی ہے کہ کسی صورت سے روپیہ جمع کرو کہ یہ رسمیں پوری ہوں، اب روپیہ جمع کر رہے ہیں۔اس روپیہ میں زکوۃ بھی واجب ہے اور حج بھی فرض ہو جاتا ہے وہ نہیں ادا کرتے ، کیونکہ اگر ان عبادات میں یہ روپیہ خرچ ہو گیا تو وہ شیطانی رسمیں کس طرح پوری ہوں گی۔ میں نے ایک صاحب کو دیکھا کہ ان کے پاس تقریبا دو ہزار روپیہ تھا، میں نے کہا آپ پر حج فرض ہے۔(کیونکہ یہ کئی سالوں پہلے کی بات ہے کہ اس وقت دو ہزار کی رقم موجودہ دو لاکھ سے زیادہ تھی) حج کو جاؤ۔فرمانے لگے کہ بڑا حج تو لڑکی کی شادی اور اس کا جہیز ہے۔میں نے کہا شادی کے اخراجات اپنی قوم نے بنا لئے ہیں، وہ فرض نہیں ہیں اور حج فرض ہے۔فرمانے لگے کچھ بھی ہو ناک تو نہیں کٹوائی جاتی ۔آخر حج نہ کیا۔لڑکی کی شادی میں گلچھڑے اڑائے۔آپ نے بہت مالداروں کو دیکھا ہوگا

کہ حج ان کو نصیب نہیں ہوتا۔لگتا ہے شادیوں سے ہی انہیں چھٹکارا نہیں ملتا۔ادھر توجہ کیسے کریں۔ یہ بھی خیال رہے کہ حج کرنا ہر اس شخص کا فرض ہے جس کے پاس مکہ معظّمہ جانے آنے کا کرایہ اور باقی مصارف ہوں یہ جو مشہور ہے کہ بڑھاپے میں حج کرو غلط ہے۔کیا خبر کہ بڑھاپا ہم کو ملے گا یا نہیں اور یہ مال رہے گا یا نہیں۔''

(اسلامی زندگی،صفحہ31،9،قادری پبلیشرز،لاہور)

موضوع کی اہمیت

اس موضوع کی بنیادی اہمیت یہی ہے کہ اس میں تمام مشہور رسم و رواج چاہے اس کا تعلق شادی کے ساتھ ہو یا فوتگی یا دینی معاملات کے ساتھ ہو سب کی شرعی حیثیت کو واضح کیا گیا ہے تاکہ زندگی کے ہر موڑ پر یہ کتاب رہنمائی کرے۔رسم و رواج پر مختصر اور جامع ترین کتاب مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کی ''اسلامی زندگی'' ہے۔لیکن الحمد للہ عزوجل! اس کتاب میں تفصیلاً رسم و رواج کی شرعی حیثیت کو واضح کیا گیا ہے۔اس موضوع پر اس طرح کی یہ پہلی تفصیلی کتاب ہوگی۔اس کتاب میں ہر مسئلہ پر قرآن وحدیث سے دلیل لانے کے ساتھ ساتھ اُن جید علماء کرام کے اقوال نقل کرنے کی کوشش کی ہے جن کو وہابی حضرات بھی مانتے ہیں۔

اس کتاب کو اگر کوئی اچھی طرح سمجھ کر پڑھ لے گا ان شاء اللہ اسے بہت فائدہ ہوگا اور کوئی بھی گمراہ شخص اسے شرک و بدعت وفقہی معاملات میں شک وشبہات ڈال کر اہل سنت کے گروہ سے جدا نہ کر سکے گا۔چونکہ وہابی حضرات بھی جب اس قسم کے موضوع پر لکھتے ہیں تو گھما پھرا کر جائز رسم و رواج کو ناجائز ثابت کرتے ہیں۔اس لئے موقع محل کے مطابق وہابی حضرات کے دلائل لکھ کر مناسب انداز میں ان کے دلائل کا جواب بھی دیا ہے تاکہ لوگ

وہابی مسلک کی کوئی کتاب پڑھ کر تذبذب کا شکار نہ ہوں۔

المتخصص فی الفقہ الاسلامی
ابو احمد محمد انس رضا قادری
14جمادی الآخر 1432ھ18مئی 2011ء

۞۔۔۔ باب اول:رسم ورواج کے جائز و ناجائز ہونے کا اُصول ۔۔۔۞

رسم ورواج کے جائز وناجائز ہونے کا اصول یہ ہے کہ جو رسم ورواج قرآن وسنت کی تعلیمات کے خلاف ہیں وہ ناجائز ہیں اور جو اسکے خلاف نہیں وہ جائز ہیں اور جس کی اصل شرع سے ثابت ہے وہ مستحب ہیں۔جیسے بسنت مال کا ضیاع ہونے کی وجہ سے، ویلنٹائن ڈے (کہ لڑکے لڑکیاں ایک دوسرے کو پھول دیتے ہیں) بے حیائی کی وجہ سے ناجائز ہے کہ یہ سب قرآن وسنت کی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ جسے نظر لگی ہو اس کے سر سے سات بار مرچیں گھما کر جلانا، شادی میں سہرا باندھنا، قرآن وسنت کے خلاف نہیں اس لئے اس کا کرنا جائز ہے۔ ذکراذ کار اصلا باعث ثواب ہے اور یہ قل خوانی، میلاد شریف میں کرنا مستحب ہے۔

اہل عرب میں جب اسلام آیا تو ان کے تمام رائج طریقوں کو ناجائز وحرام نہیں کیا گیا بلکہ جو عقائد ورسومات منافی تعلیماتِ اسلامی تھیں ان کا رَد فرمایا۔ جیسے ٹوٹتے ستارے، سورج گرہن ،صفر، بدشگونی، بُرجوں کے متعلق جو بُرے نظریات تھے ان کی اصلاح فرمائی۔منت، قسم، تعویذ، دم وغیرہ پہلے سے رائج تھے اسلام نے انہیں مطلقاً ناجائز نہیں کہا بلکہ برقرار رکھا اور اس کے متعلق شرعی احکام واضح فرمائے۔ جیسے بیماری پر دَم کرنے کا نظریہ تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرکیہ الفاظ والے منتر سے منع فرما دیا اور صحیح کو رائج رکھا ۔اہل عرب میں رائج تھا کہ جس کی نظر لگ جاتی تھی اس کے منہ، ہاتھ کا غسالہ (یعنی اس کا منہ اور ہاتھ دھلوا کر وہ پانی) جسے نظر لگی ہو اس پر ڈالا جاتا تھا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ٹوٹکے کو نہ صرف جائز رکھا بلکہ حکم بھی دیا کہ غسالہ مانگنے پر انکار نہ کیا جائے۔مسلم شریف

کی حدیث پاک میں ہے ”عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم قال العین حق ولو کان شیء سابق القدر سبقته العین وإذا استغسلتم فاغسلوا“ ترجمہ: روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے راوی فرمایا کہ نظر حق ہے اگر کوئی چیز تقدیر سے بڑھ سکتی ہے تو وہ نظر ہے۔ جب تم سے غسالہ مانگا جائے تو (ہاتھ منہ) دھودو۔

(صحیح مسلم، کتاب السلام، باب الطب والمرض والرقی، جلد 4، صفحہ1719، دار إحياء التراث العربی، بیروت)

فتح الباری میں ہے ”و کان اغتسال العائن مما جرت العادة بالشفاء به فإنه يتعين“ ترجمہ: نظر والے کا غسالہ بطور شفاء لینے پر اہل عرب کی عادت تھی کہ یہ شفاء کے لئے متعین تھا۔

(فتح الباری، کتاب الطب، باب العین حق، جلد10، صفحہ203، دار المعرفة، بیروت)

جن رسومات میں کوئی قباحت نہ تھی انہیں جائز رکھا گیا۔ انصار صحابہ کی شادیوں میں لڑکے والوں کے گھر جا کر یہ دعائیہ شعر پڑھنا رائج تھا ”اتیناکم اتیناکم فحیّانا و حیّاکم“ یعنی ہم تمہارے پاس آئے تم ہمارے پاس آئے، اللہ ہمیں زندہ رکھے اور تمہیں بھی زندہ رکھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایک عورت کے نکاح پر فرمایا ”فهل بعثتم معها جارية تضرب بالدف وتغني“ ترجمہ: کیا تم نے اس کے ساتھ لونڈی کو بھیجا کہ وہ دف بجائے اور (یہ دعائیہ اشعار) پڑھے۔

(مجمع الزوائد، کتاب النکاح، باب إعلان النکاح ---، جلد4، صفحہ531، دار الفکر، بیروت)

اہل قریش زمانہ جاہلیت میں دس محرم کو روزہ رکھتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بھی ان کے ساتھ اس دن کو روزہ رکھتے تھے چنانچہ ترمذی شریف کی حدیث پاک ہے ”عن عائشة قالت كان عاشوراء يوما تصومه قريش في الجاهلية وكان رسول الله صلى الله عليه و سلم يصومه فلما قدم المدينة صامه وأمر الناس بصيامه فلما افترض رمضان كان رمضان هو الفريضة وترك عاشوراء فمن شاء صامه و من شاء تركه“ ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں اہل قریش زمانہ جاہلیت میں دس محرم کا روزہ رکھتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی دس محرم کا روزہ رکھتے تھے۔ پھر جب مدینہ تشریف لائے یہاں بھی دس محرم کو روزہ رکھتے اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا کہتے۔ جب رمضان کے روزے فرض ہو گئے تو دس محرم کا روزہ رکھنا چھوڑ دیا۔ جو چاہے اس دن روزہ رکھے جو چاہے چھوڑ دے۔

(جامع ترمذی، کتاب الصوم، باب ما جاء فی الرخصة فی ترک صوم یوم عاشوراء، جلد3، صفحہ118، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

زمانہ جاہلیت میں حج کے لئے جو جانور ہوتا تھا اس کی کوہان چیر کر اس کو خون سے رنگ دیتے تھے اور گلے میں جوتا ڈال دیتے تھے تاکہ یہ ہدی کی علامت ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طریقہ کو ختم نہ فرمایا بلکہ جاری رکھا چنانچہ مسلم شریف کی حدیث پاک ہے ”عن ابن عباس رضي الله عنهما قال صلى رسول الله صلى الله عليه و سلم الظهر بذي الحليفة ثم دعا بناقته فأشعرها في صفحة سنامها الأيمن وسلت الدم وقلدها نعلين ثم ركب راحلته فلما استوت به على البيداء أهل بالحج“ ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقام ذوالحلیفہ میں ظہر پڑھی۔ پھر آپ نے اونٹنی منگوائی اس کے کوہان کے داہنے حصہ میں نیزہ مارا اور اس سے خون لیپ دیا اور دو جوتوں کا اسے ہار پہنایا۔ پھر اپنی

سواری پرسوار ہوگئے، پھر جب اونٹنی آپ کو لے کر بیداء میدان میں سیدھی ہوئی تو حج کا تلبیہ پڑھا۔

(صحیح مسلم، کتاب الحج، باب تقلید الہدی وإشعاره عند الإحرام، جلد 2، صفحہ 912، دار إحياء التراث العربی، بیروت)

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: ''اہل جاہلیت ہدی کے جانور کا کوہان چیر کر اس کا کوہان خون سے رنگ دیتے تھے اور گلے میں جوتا ڈال دیتے تھے تا کہ یہ ہدی کی علامت ہو، کوئی ڈاکو و چور اس پر حملہ نہ کرے اور اگر یہ جانور راستہ میں تھک کر رہ جائے کہ اسے وہیں ذبح کرنا پڑ جائے، تو اس کا گوشت اس علامت کی بنا پر صرف فقراء کھائیں امیر نہ کھائیں، چونکہ اس کام میں کوئی برائی نہ تھی فائدہ ہی تھا، اس لئے اسلام نے اسے باقی رکھا، یہ فصد و ختنہ اور زخم پر داغ لگانے کی طرح ہے۔''

(مرأة المناجیح، جلد4، صفحہ158، نعیمی کتب خانہ، گجرات)

ان مذکورہ احادیث سے ثابت ہوا کہ کئی رسم و رواج کو جو اسلامی تعلیمات کے منافی نہ تھے اسلام پھیلنے کے بعد بھی انہیں برقرار رکھا گیا۔ اس قاعدہ کلیہ کو یاد رکھنا چاہئے۔ آگے ہر رسم و رواج کو تفصیلا احکام کے ساتھ ذکر کیا جائے گا۔ بلکہ حدیث پاک میں واضح فرمایا گیا''خالطوا الناس باخلاقهم'' ترجمہ: لوگوں کے ساتھ ان کی عادتوں سے میل کرو۔

(کنز العمال، کتاب الخلاق، الإکمال من الفصل الأول فی الترغیب، جلد3، صفحہ37، مؤسسة الرسالة، بیروت)

اس حدیث میں صراحت کے ساتھ جائز رسموں پر عمل کرنے کا کہا گیا ہے۔ یعنی جو رسمیں لوگوں میں رائج ہوں اور وہ خلاف شرع نہ ہوں تو ان کے موافق تم بھی عمل کرو۔ فقہائے کرام نے فرمایا کہ لوگوں کی عادات کے خلاف کرنا مکروہ عمل ہے۔ امام علامہ

عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی نے حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں فرمایا کہ امام اجل قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ''خروجه عن العادة شهرة ومكروه'' ترجمہ: جس جگہ جو طریقہ لوگوں میں رائج ہے اس کی مخالفت کرنا اپنے آپ کو مشہور بنانا ہے جو شرعا مکروہ و ناپسندیدہ ہے۔

اسی طرح مجمع بحار الانوار میں منقول ''هو علی عادة البلدان فالخروج عنها شهرة ومكروه'' ترجمہ: یہ علاقوں کی عادت پر ہے جس سے خروج نری شہرت اور ناپسندیدگی ہے۔

اسی کو مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالی شرح مشکوۃ میں ناقل کہ ''خروج از عادت واهل بلد موجب شهرت است ومکروه است'' ترجمہ: علاقہ والوں کی عادت سے خروج شہرت کے لیے ہوتا ہے اور یہ ناپسند بات ہے۔

(ماخوذ از، فتاوی رضویہ، جلد22، صفحہ313، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

لہٰذا کسی گمراہ مولوی یا جاہل اسکالرز کے کہنے پر جائز رسم و رواج کو حرام سمجھنا یہود ونصاریٰ کی صفت ہے۔ قرآن پاک میں ہے ﴿اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ ترجمہ: انھوں نے اپنے پادریوں اور جوگیوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا خدا بنالیا۔

(سورة التوبة، سورت9، آیت31)

اس آیت کی تفسیر اس حدیث پاک سے ہوتی ہے ''عن عدی بن حاتم رضی الله عنه قال أتيت النبي صلى الله عليه و سلم وفي عنقي صليب من ذهب قال فسمعته يقول ﴿**اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أربابا من دون الله**﴾ قال قلت يا رسول الله إنهم لم يكونوا يعبدونهم قال أجل ولكن يحلون لهم ما حرم الله فيستحلونه ويحرمون عليهم ما أحل الله فيحرمونه فتلك عبادتهم لهم''

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا، میری گردن میں چاندی کی صلیب تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا انھوں نے اپنے پادریوں اور جوگیوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا خدا بنالیا۔ میں نے کہا وہ پادریوں اور جوگیوں کی عبادت نہیں کیا کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لیکن ان کے پادری اور جوگی اللہ کی حرام کی ہوئی چیز کو ان کے لئے حلال کردیتے اور حلال کی ہوئی کو حرام کردیتے۔ ان کا انکی اتباع کرنا ان کی عبادت ہے۔

(السنن البیهقی الکبری، کتاب آداب القاضی ،باب ما یقضی به القاضی ویفتی به المفتی، جلد10، صفحہ 198، دار الکتب العلمیة، بیروت)

رسم ورواج پر کلام کرتے ہوئے صدرالشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جب تک کسی رسم کی ممانعت شریعت سے ثابت نہ ہو اُس وقت تک اُسے حرام وناجائز نہیں کہہ سکتے کھینچ تان کر ممنوع قرار دینا زیادتی ہے۔ مگر یہ ضرور ہے کہ رسوم کی پابندی اسی حد تک کرسکتا ہے کہ کسی فعل حرام میں مبتلا نہ ہو۔ بعض لوگ اسقدر پابندی کرتے ہیں کہ ناجائز فعل کرنا پڑے تو پڑے مگر رسم کا چھوڑنا گوارا نہیں۔''

(بہار شریعت، جلد1، حصہ7، صفحہ50، ضیاء القرآن، لاہور)

ناجائز ثابت کرنا تو دور کی بات کسی فعل کو مکروہ ثابت کرنے کے لئے بھی دلیل چاہئے چنانچہ فتاوٰی رضویہ میں ہے: ''بے منع شرعی منع کرنا ظلم مبین، ادنی درجہ منع کراہت ہے اور کراہت کے لئے دلیل خاص کی حاجت ہے اور بے دلیل شرعی ادعائے منع شریعت پر افتراء وتہمت ہے۔ ردالمحتار میں ہے''لا یلزم منه ان یکون مکروها الا بنهی خاص لان الکراهة حکم شرعی فلابدله من دلیل '' اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مکروہ ہوگا مگر کسی نہی خاص کے ساتھ۔ کیونکہ کراہت حکم شرعی ہے اس کے لئے دلیل کا ہونا ضروری

ہے۔

البحرالرائق میں ہے''لایلزم من ترك المستحب ثبوت الکراهة اذلا بدلها من دلیل خاص '' ترکِ مستحب سے کراہت کا ثبوت نہیں ہوتا کیونکہ اس کیلئے خاص دلیل کی ضرورت ہے۔ (فتاوی رضویہ، جلد5، صفحہ649، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

مفتی منیب الرحمٰن دامت برکاتہم العالیہ سے دلہن کو پالکی میں بٹھا کر لے جانے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''نکاح کے بعد ماں باپ کے گھر سے دلہن کو شوہر کے گھر لے جاتے ہیں۔ اسے ہمارے ہاں عرف میں رخصتی کہتے ہیں۔ اسے پیدل بھی لے جاسکتے ہیں، گھوڑے یا کسی جانور پر سوار کرکے بھی لے جاسکتے ہیں، پالکی میں بٹھا کر بھی لے جاسکتے ہیں اور آج کل کار وغیرہ میں بٹھا کر لے جاتے ہیں۔ یہ سب طریقے درست ہیں اور شرعا اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ بس صرف اتنا لازم ہے کہ ستر وحجاب شرعی کا اہتمام کیا جائے اور اس کا بدن کسی غیر محرم مرد سے مس نہ کرے۔ دلہن کو پالکی میں بٹھا کر لے جانے کو حرام کہنا، جبکہ اس پالکی کو مرد کندھوں پر اٹھائے ہوں غلط ہے۔ کسی بات کو حرام قرار دینے کے لئے دلیل شرعی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہر ایک کو خود شارع نہیں بننا چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اگر پالکی پر بٹھانا ثابت نہیں ہے تو کاروں پر بٹھا کر لے جانا کہاں سے ثابت ہے؟ کیا یہ بھی حرام ہوجائے گا؟''

(تفہیم المسائل، جلد2، صفحہ249، ضیاء القرآن ،لاہور)

منہ اٹھا کر جائز کو ناجائز کہنا اور اس پر اِدھر اُدھر کی دلیلیں مارنا حرام اور رب تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا ہے۔ ردالمحتار میں ہے''لیس الاحتیاط فی الافتراء علی الله تعالی باثبات الحرمة أو الکراهة اللذین لا بد لهما من دلیل بل فی القول بالإباحة التی هی الأصل، وقد توقف النبی صلی الله علیه وسلم مع أنه هو المشرع فی

تحریم الخمر أم الخبائث حتی نزل علیه النص القطع" ترجمہ: احتیاط یہ نہیں کہ کسی چیز میں حرمت اور کراہت ثابت کر کے رب تعالیٰ پر جھوٹ باندھا جائے جبکہ حرمت اور کراہت ثابت کرنے کے لئے دلیل ضروری ہے۔ احتیاط یہ ہے کہ جب تک کوئی دلیل نہ ملے اسے مباح ثابت کیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شراب جو کہ برائیوں کی جڑ ہے اس کو حرام قرار دینے میں توقف فرمایا یہاں تک کہ حکم باری تعالیٰ اسکے حرام ہونے کے متعلق نازل ہوا۔ (ردالمحتار، کتاب الاشربة، جلد6، صفحہ459، دارالفکر، بیروت)

لہٰذا ہر رسم کو یہ کہہ کر ناجائز و بدعت ٹھہرانا کہ صحابہ کرام علیم الرضوان سے ثابت نہیں سخت جہالت ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں "الموافقة فی هذا الامور من حسن الصحبة والعشرة اذ المخالفة موحشة و لکل قوم رسم لابدّمن مخالقة الناس باخلاقهم کما وردفی الخبر لاسیّما اذاکانت اَخلاقافیها حسن العشرة و لمجاملة وتطییب القلب بالمساعدة وقول القائل انّ ذٰلك بدعةلم یکن فی الصحابة رضی اللّٰه تعالٰی عنهم وانما المحذور بدعة تراغم سنة ماموراً بها ولم ینقل النهی عن شیء من هذا (الی قوله) وکذلك سائر انواع المساعدات اذقُصِدَبها تطییب القلب واصطلح علیها جماعةفلابأس بمساعدة الآفیما ورد فیه نهی لایقبل التاویل "ترجمہ: ان امور میں لوگوں کی موافقت کرنا حُسن صحبت اور معاشرت سے ہے۔ اس لئے کہ مخالفت وحشت دلاتی ہے اور ہر قوم کی کچھ رسمیں ہوتی ہیں کہ ان میں ان کا حکم آیا۔ خصوصاً وہ عادتیں جن میں حُسنِ معاشرت اور باہم اچھا برتاؤ اور موافقت کر کے دل خوش کرنا ہو اور کہنے والے کا کہنا یہ بدعت ہے، صحابہ کے زمانے میں ہی نہ تھا، تو کیا جو کچھ مباح کہا جائے سب صحابہ سے ہی

منقول ہوتا ہے؟ بُری تو وہ عادت ہے جو کسی سنت مامور بہا کا رَد کرے اور اس فعل سے شرع میں کہیں ممانعت نہ آئی۔ اس طرح تمام مساعدت کی باتیں جبکہ ان سے دل خوش کرنا مقصود ہو، ایک گروہ کی رسم ہوگئی تو ان کی موافقت کرنا کچھ حرج نہیں بلکہ موافقت ہی بہتر ہے مگر اُس صورت میں کہ صاف ممانعت وارد ہو جو قابل تاویل نہ ہو۔

(احیاء العلوم، کتاب آفات اللسان، جلد2، صفحہ305، دارالمعرفه، بیروت)

عین العلم میں ہے "الاسرار بالمساعدة فیما لم ینه عنه و صارمعتادا بعد عصرهم حسنة وان کان بدعة" ترجمہ: جس مسئلہ میں شرع سے ممانعت نہ آئی اور وہ عہد رسالت وصحابہ کرام علیہم الرضوان کے بعد معمول ہو اس میں موافقت کر کے لوگوں کو خوش کرنا اچھا ہے اگرچہ بدعت ہی سہی۔

(عین العلم، الباب التاسع فی الصمت، صفحہ 206، مطبع اسلامیہ، لاہور)

فتاوٰی بریلی شریف میں ہے: "ہر ملک اور ہر جگہ نئے نئے رسوم، ہر قوم خاندان کے رواج اور طریقہ جداگانہ ہیں اور ان رسومات کی بنا عرف پر ہے۔ یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ شرعاً واجب یا سنت یا مستحب ہیں۔ لہٰذا جب تک کسی رسم کی ممانعت شریعت سے ثابت نہ ہو اس وقت تک اس کو حرام و ناجائز نہیں کہہ سکتے۔ کھینچ تان کر ممنوع قرار دینا زیادتی ہے۔ مگر یہ ضرور ہے کہ رسوم کی پابندی اس حد تک کر سکتا ہے کہ کسی فعل ناجائز میں مبتلا نہ ہو۔ آجکل لوگ رسوم کی پابندی اس طرح کرتے ہیں کہ ناجائز فعل کرنا پڑے تو پڑے مگر رسم کا چھوڑنا گوارا نہیں، یہ ضرور ناجائز وحرام ہے۔ اور سنئے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس رسم کی بابت تحریر فرماتے ہیں: "رسم کا اعتبار جب تک کسی فساد عقیدہ پر مشتمل نہ ہو اصل رسم کے حکم میں رہتا ہے۔ اگر رسم محمود ہے محمود، مذموم ہو مذموم، مباح ہو مباح۔ "اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ رسمیں بعض اچھی ہیں، بعض بری اور بعض ایسی ہیں کہ نہ

اچھی ہیں نہ بری۔ انکا حاصل یہ ہے کہ رسم منکرات شرعیہ سے خالی ہو یعنی اس میں شرع کے خلاف کوئی فعل نہ ہو اور لوگ اسے واجب مسنون سمجھ کر نہ کرتے ہوں تو جائز ومباح ہے۔ اور جو ایسا نہیں وہ ضرور ناجائز وممنوع ہے۔''

(فتاوی بریلی شریف، صفحہ 328، شبیر برادرز، لاہور)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن شادی میں دولہے کے لئے پھولوں کا سہرا باندھنا جائز ہے یا نہیں اس پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''پھولوں کا سہرا جیسا سوال میں مذکور رسوم دنیویہ سے ایک رسم ہے جس کی ممانعت شرع مطہر سے ثابت نہیں نہ شرع میں اس کے کرنے کا حکم آیا ہے تو مثل اور تمام عادات و رسوم مباحہ کے مباح رہے گا۔ شرع شریف کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس چیز کو خدا و رسول اچھا بتائیں وہ اچھی ہے اور جسے برا فرمائیں وہ بری ہے اور جس سے سکوت فرمائیں یعنی شرع سے نہ اس کی خوبی نکلے نہ برائی وہ اباحت اصلیہ پر رہتی ہے کہ اس کے فعل و ترک میں ثواب نہ عقاب، یہ قاعدہ ہمیشہ یاد رکھنے کا ہے کہ اکثر جگہ کام آئے گا آجکل مخالفین اہلسنت نے یہ روش اختیار کر لی ہے۔ جس چیز کو چاہا شرک، حرام، بدعت، ضلالت کہنا شروع کر دیا اگرچہ وہ فعل صحابہ کرام یا تابعین عظام یا ائمہ اعلام سے ثابت ہو، اگرچہ وہ فعل اس نیک بات کے عموم واطلاق میں داخل ہو جس کی خوبیاں صریح قرآن مجید وحدیث شریف میں مذکور ہیں۔ پھر سہرے وغیرہ رسمی باتوں کی تو کیا حقیقت ہے اور اس پر طرہ یہ ہوتا ہے کہ اہلسنت سے پوچھتے ہیں تم جوان چیزوں کو جائز بتاتے ہو قرآن وحدیث میں کہاں جائز لکھا ہے حالانکہ ان کو اپنی خوش فہمی سے اتنی خبر نہیں کہ جائز کہنے والا دلیل خاص کا محتاج نہیں، جو ناجائز کہے وہ قرآن حدیث میں دکھائے کہ ان افعال کو کہاں ناجائز کہا ہے۔ کیا اہلسنت پر لازم ہے کہ وہ جس چیز کو جائز ومباح بتائیں اس کی خاص صورت کا حکم صریح قرآن مجید واحادیث شریف میں دکھائیں

اور تم پر کچھ ضرور نہیں کہ جس چیز کو حرام بدعت گمراہی کہو خاص اس کی نسبت ان حکموں کی تصریح کتاب وسنت میں دکھا دو۔ ان امور کی قدرے تفصیل مسئلہ قیام میں فقیر نے ذکر کی اور تحقیق کامل تصانیف علمائے اہلسنت میں ہے۔ شکر اللّٰہ تعالیٰ مساعیھم الجمیلة۔

جب یہ قاعدہ شرعیہ معلوم ہو لیا تو سہرے کا حکم خود ہی کھل گیا۔ اب جو ناجائز، حرام، بدعت، ضلالت بتائے وہ خود قرآن مجید وحدیث شریف سے ثابت کر دکھائے ورنہ جان برادر! شرع تمھاری زبان کا نام نہیں کہ جسے چاہو بے دلیل حرام وممنوع کہہ دو، اور سفہائے مخالفین جو اس قسم کے مسائل میں حدیث'' من احدث فی امرنا '' وغیرہ پیش کرتے ہیں محض بے محل واغوائے جہال کہ اس قدر تو طائفہ اسمعیلیہ کو بھی مُسلَّم کہ بدعت ضلالت وہی ہے جو بات دین میں نئی پیدا ہو اور دنیوی رسوم وعادت پر حکم بدعت نہیں ہو سکتا مثلا انگرکھا پہننا، پلاؤ کھانا یا دولھا کو جامہ پہنانا، دلہن کو پالکی میں بٹھانا، اسی طرح سہرا کہ اسے بھی کوئی دینی بات سمجھ کر نہیں کرتا، نہ بغرض ثواب کیا جاتا ہے بلکہ سب ایک رسم ہی جان کر کرتے ہیں ہاں اگر کوئی جاہل اجہل ایسا ہو کہ اسے دینی بات جانے تو اس کی اس بیہودہ سمجھ پر اعتراض صحیح ہے۔'' (فتاوی رضویہ، جلد 23، صفحہ 321، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

فصلِ اول: رسم ورواج کی پیروی اور نیتیں

رسم ورواج کی پیروی میں لوگوں کی نیتوں کا بہت عمل دخل ہے۔ کئی لوگ جائز و مستحب رسومات کی ادائیگی لوگوں کے طعنوں سے بچنے کے لئے، برادری میں اپنی ناک قائم رکھنے کے لئے کرتے ہیں، تو کئی دکھلاوے کے طور پر کرتے ہیں۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ کسی مستحب عمل جیسے ختم، نیاز، دعوت عقیقہ وغیرہ کے نہ کرنے پر طعنہ زنی کرنا ناجائز وحرام ہے۔ اگر کوئی کسی کے طعنے سے بچنے کے لئے ایسی دعوت کرے تو ان کا مجبورا ایسا کرنا تو

جائز ہے لیکن طعنہ دینے والوں کا اس دعوت میں سے کھانا حرام ہے۔اسی طرح اگر کوئی اپنی شان وشوکت دکھلانے کے لئے دعوت وختم کا اہتمام کرتا ہے تو کوئی ثواب نہیں ملے گا بلکہ ایسی نیت سے یہ عمل کرنا ناجائز وحرام ہے۔فتاوٰی رضویہ میں امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے سوال ہوا:''کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ھذا میں کہ اکثر برادری میں جو کھانے ہوتے ہیں ان کا قاعدہ یہ ہے کہ بسا اوقات نیت اس کے اندر ریاء وتفاخر کی ہوتی ہے اور اس رسم کو ایسا ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص برادری والا ناداری کی وجہ سے نہ کھلا سکے تو اس کو طعنہ دیتے ہیں اور اس کو ایسا لازمی امر خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر نہ کھلائیں گے تو برادری میں ہماری ناک کٹی ہو جائے گی اور اگر پاس نہیں ہوتا تو اس کام کے لئے سودی روپیہ قرض لیتے ہیں پس عرض ہے کہ اس کھلانے کا طعنہ دینے والے کا شرعا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔(بیان فرمایئے اجر پایئے۔)''

جوابا فرماتے ہیں:''یہ کھلانا اگر ریاء وتفاخر کی نیت سے ہے تو حرام ہے۔اگر طعنہ بے جا سے بچنے کو ہے تو اسے مباح اور طعنہ دینے والوں مجبور کرنے والوں کو حرام ''لحدیث اقطع عنی لسانه وصرح العلماء باستثنائه من قاعدة ماحرم اخذه حرم اعطاؤه '' بوجہ حدیث مجھ سے اس کی زبان کاٹ دیجیئے یعنی اس کا منہ بند کر دیجیئے۔اور علماء کرام نے اس قاعدہ (کہ جس کا لینا حرام ہے اس کا دینا بھی حرام ہے) سے مستثنٰی قرار دیا ہے۔

اگر ان وجوہ سے پاک بطور صلہ رحم وسلوک حسن وشکر نعمت ومواسات جیران واحبا مواقع فرحت وسرور جائز شرعی میں ہو تو حسن ومستحب ''وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرء مانوی '' ترجمہ:اعمال کا مدار نیتوں پر ہے ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔'' (فتاوی رضویه،جلد23،صفحه263،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

ختم،نیاز،عقیقہ وغیرہ کے لئے مناسب قرض لیتا ہے تو یہ قرض لینا جائز ہے۔لوگ اور کاموں کے لئے بھی تو قرض لیتے ہیں اگر مستحب کاموں کے لئے مناسب قرض لے لیا جائے گا تو کوئی حرج نہیں۔البتہ برادری کے لوگ اسے قرض لینے پر مجبور نہیں کر سکتے اور نہ اپنی حیثیت سے بڑھ کر اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔لیکن رسم ورواج کے لئے سودی قرض لینا ہرگز جائز نہیں۔فتاوٰی رضویہ میں ہے:''غم میں تو برادری کا کھانا دینا گناہ ہے اور شادی میں اگرچہ جائز ہے مگر سودی قرض اس کے لئے لینا حرام،وباعث لعنت ہے۔اہل برادری کو معلوم ہو تو انھیں اس کھانے میں شرکت نہ چاہئے کہ انھیں کے لئے وہ اس گناہ کا مرتکب ہوا۔'' (فتاوی رضویه،جلد23،صفحه268،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ رضائے الٰہی عزوجل کے علاوہ رسم ورواج میں مال خرچ کرنے پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:''فرزند کی پیدائش کی خوشی میں نوافل پڑھنا اور صدقہ خیرات کرنا کارِ ثواب ہے مگر برادری کے ڈر،ناک کٹنے کے خوف سے مٹھائی تقسیم کرنا بالکل بے فائدہ ہے اور اگر سودی قرضہ لیکر یہ کام کئے تو آخرت کا گناہ بھی ہے۔۔۔بہن بہنوئی یا دیگر اہل قرابت کی خدمت کرنا بے شک کارِ ثواب ہے۔مگر جب کہ اللہ عزوجل ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوش کرنے کے لئے کی جائے اگر دنیا کے نام ونمود اور دکھلاوے کے لئے یہ خدمتیں ہوں تو بالکل بے کار ہے۔دکھلاوے کی نماز بھی بے فائدہ ہوتی ہے۔'' (اسلامی زندگی،صفحه9،قادری پبلیشرز،لاہور)

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''یہ ضرور ہے کہ رسوم کی پابندی اسی حد تک کر سکتا ہے کہ کسی فعل حرام میں مبتلا نہ ہو۔بعض لوگ اس قدر پابندی کرتے ہیں کہ ناجائز فعل کرنا پڑے تو پڑے مگر رسم کا چھوڑنا گوارا نہیں مثلاً لڑکی جوان ہے اور رسوم

ادا کرنے کو روپیہ نہیں تو یہ نہ ہوگا کہ رسوم چھوڑ دیں اور نکاح کر دیں کہ سبکدوش ہوں اور فتنہ کا دروازہ بند ہو۔ اب رسوم کے پورا کرنے کو بھیک مانگتے، طرح طرح کی فکریں کرتے، اس خیال میں کہ کہیں سے مل جائے تو شادی کریں برسوں گزار دیتے ہیں اور بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ بعض لوگ قرض لے کر رسوم کو انجام دیتے ہیں۔ یہ ظاہر کہ مفلس کو قرض دے کون؟ پھر جب یوں قرض نہ ملا تو بنیوں کے پاس گئے اور سودی قرض کی نوبت آئی سود لینا جس طرح حرام اسی طرح دینا بھی حرام حدیث میں دونوں پر لعنت آئی اللہ عزوجل اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لعنت کے مستحق ہوتے اور شریعت کی مخالفت کرتے ہوتے مگر رسم چھوڑنا گوارا نہیں کرتے۔

پھر اگر باپ دادا کی کمائی ہوئی کچھ جائیداد ہے تو اُسے سودی قرض میں مکفول کیا ورنہ رہنے کا جھونپڑا ہی گروی رکھا۔ تھوڑے دنوں میں سود کا سیلاب سب کو بہا لے گیا۔ جائیداد نیلام ہوگئی مکان بنیے کے قبضہ میں گیا دربدر مارے مارے پھرتے ہیں نہ کھانے کا ٹھکانہ نہ رہنے کی جگہ۔ اسکی مثالیں ہر جگہ بکثرت ملیں گی کہ ایسے ہی غیر ضروری مصارف کی وجہ سے مسلمانوں کی بیشتر جائدادیں سود کی نذر ہوگئیں۔ پھر قرضخواہ کے تقاضے اور اُسکے تشدد آمیز لہجہ سے رہی سہی عزت پر بھی پانی پڑ جاتا ہے۔ یہ ساری تباہی بربادی آنکھوں دیکھ رہے ہیں مگر اب بھی عبرت نہیں ہوتی اور مسلمان اپنی فضول خرچیوں سے باز نہیں آتے، یہی نہیں کہ اس پر بس ہو اس کی خرابیاں اسی زندگی دنیا ہی تک محدود ہوں بلکہ آخرت کا وبال الگ ہے۔ بموجب حدیث صحیح لعنت کا استحقاق والعیاذ باللہ تعالیٰ۔۔

اکثر جاہلوں میں رواج ہے کہ محلّہ یا رشتہ کی عورتیں جمع ہوتی ہیں اور گاتی بجاتی ہیں یہ حرام ہے کہ اولاً ڈھول بجانا ہی حرام پھر عورتوں کا گانا مزید برآن عورت کی آواز نامحرموں

کو پہنچنا۔۔۔ ناچ باجے آتش بازی حرام ہیں۔ کون اس کی حرمت سے واقف نہیں مگر بعض لوگ ایسے منہمک ہوتے ہیں کہ یہ نہ ہوں تو گویا شادی ہی نہ ہوئی بلکہ بعض تو اتنے بے باک ہوتے ہیں کہ اگر شادی میں یہ محرمات نہ ہوں تو اُسے غمی اور جنازہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ خیال نہیں کرتے کہ ایک تو گناہ ہے اور شریعت کی مخالفت ہے، دوسرے مال ضائع کرنا ہے، تیسرے تمام تماشائیوں کے گناہ کا یہی سبب ہے اور سب کے مجموعہ کے برابر اس پر گناہ کا بوجھ۔'' (بہارشریعت، جلد1، حصہ7، صفحہ51، ضیاء القرآن، لاہور)

جائز رسم و رواج کی پیروی عام آدمی، عالم، پیر سب کو جائز ہے اور ناجائز رسم و رواج کی پیروی جہاں عام آدمی کے لئے ناجائز ہے وہاں عالم و دینی شخصیات کے لئے اور زیادہ ناجائز ہے۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ''جو عالم دین اور پیشوائے مسلمین ہو اسے برادری سے میل جول اور ان کی جائز تقریبوں میں شرکت اور جائز رسموں میں موافقت اور اپنی تقریبوں میں انہیں شریک کرنا ہرگز نہ ممنوع ہے نہ اس کو درجہ سے کچھ کم کردے وہ کہ تمام عالم سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے غلاموں سے ایسے برتاؤ رکھتے۔ ہاں ناجائز تقریبوں میں شریک ہونا، ناجائز رسموں میں ساتھ دینا یہ ضرور ناجائز اور عالم و پیشوا کے لئے سخت تر ناجائز، یہ ضرور درجہ گرا دینے والی چیز ہے اور یہ محض غلط ہے کہ برادری سے میل جول ناجائز باتوں میں شرکت پر بھی مجبور کرے گا۔ کیوں مجبور کرے گا؟ جب یہ عالم ہے اور وہ اسے پیشوا مانتے ہیں صاف کہہ دے کہ فلاں بات ناجائز ہے میں اسے نہیں کرسکتا اور تم بھی نہ کرو۔''

(فتاوی رضویہ، جلد24، صفحہ378، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

ناجائز رسم و رواج کی پیروی کا اگر ماں باپ بھی حکم دیں تو ان کی بات ماننا جائز نہیں ہے کہ شریعت کا حکم ماں باپ کے حکم سے زیادہ درجہ رکھتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "لا طاعة فی معصیة اللہ انما الطاعة فی المعروف" ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں اطاعت فقط نیک کاموں میں ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ۔۔، جلد3، صفحہ1469، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

والدین پر لازم ہے کہ اپنے بچوں کو ناجائز و بے حیا رسم و رواج سے باز رکھیں نہ یہ کہ انہیں ان رسموں کی ادائیگی پر مجبور کریں۔ آجکل والدین اپنی بچیوں کو تیل مہندی جیسی رسم پر بے پردہ لئے پھرتے ہیں، بلکہ معاذ اللہ بعض تو اپنے سامنے اپنی بچیوں کو ناچتا دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ عشق معشوقی کے جتنے فتنے شروع ہوتے ہیں وہ اس تیل مہندی جیسی رسموں سے ہی شروع ہوتے ہیں جن کا انجام بعد میں ماں باپ کی عزت خاک میں ملا دیتا ہے۔ بعض والدین جو ناجائز رسم پر یہ کہتے پھرتے ہیں کہ بیوی بچے نہیں مانتے، یہ ایک بیکار عذر ہے جو وہ پیش کرتے ہیں۔ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "جب یہ خرابیاں مسلمانوں کو بتائی جاتی ہیں تو ان کو چند قسم کے عذر ہوتے ہیں:۔ ایک تو یہ کہ صاحب ہم کیا کریں ہماری عورتیں اور لڑکے نہیں مانتے، ہم ان کی وجہ سے مجبور ہیں۔ یہ عذر محض بیکار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آدھی مرضی خود مردوں کی بھی ہوتی ہے۔ تب ان کی عورتیں اور لڑکے اشارہ یا نرمی پا کر ضد کرتے ہیں۔ ورنہ ممکن نہیں کہ ہمارے گھر میں ہماری مرضی کے بغیر کوئی کام ہو جائے۔ اگر ہانڈی میں نمک زیادہ ہو جائے تو عورت بیچاری کی شامت اور اگر اولاد یا بیوی کسی وقت نماز نہ پڑھے تو بالکل پرواہ ہی نہیں۔ جان لو کہ حق تعالیٰ نیت سے خبردار ہے بعض بزرگوں کو دیکھا گیا ہے کہ آگے آگے فرزند کی برأت مع ناچ باجے کے جارہی ہے اور پیچھے پیچھے یہ حضرت بھی لاحول پڑھتے ہوئے چلے جارہے ہیں اور کہتے

ہیں کیا کریں بچہ نہیں مانتا۔ یقیناً یہ لاحول خوشی کی ہے۔"

(اسلامی زندگی، صفحہ32، قادری پبلیشرز، لاہور)

المختصر یہ کہ ناجائز و فضول خرچی والی رسموں سے بچنا ضروری ہے اور جائز و نیک رسموں میں بھی اچھی نیت کی جائے نہ یہ کہ اپنی عزت اور برادری کے طعنوں سے بچنے کے لئے کیا جائے۔ بلکہ اگر ناجائز رسمیں بند کرنے کی کوشش کی جائے تو بہت ثواب ہے۔ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "(لوگ) بہانہ یہ کرتے ہیں کہ لوگ ہم پر طعنہ کریں گے کہ خرچ کرنے کے لئے یہ رسمیں بند کی ہیں۔ اور بعض لوگ یہ کہیں گے کہ یہ ماتم کی مجلس ہے، یہاں ناچ نہیں، باجہ نہیں، گویا تیجہ پڑھا جا رہا ہے۔ یہ عذر بھی بیکار ہے۔ ایک سنت کو زندہ کرنے میں سو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے۔ کیا یہ ثواب مفت مل جائے گا۔ لوگوں کے طعنے، عوام کے مذاق، اول اول برداشت کرنے پڑیں گے۔ اور دوستو! اب بھی لوگ طعنے دینے سے کب باز آتے ہیں۔ کوئی کھانے کا مذاق اڑاتا ہے، کوئی جہیز کا، کوئی اور طرح کی شکایت کرتا ہے۔ غرضیکہ لوگوں کے طعنے سے کوئی کسی وقت نہیں بچ سکتا۔ لوگوں نے تو خدا تعالیٰ اور اس کے رسولوں علیہم السلام کو عیب لگائے اور طعنے دیئے، تم ان کی زبان سے کس طرح بچ سکتے ہو۔ یہ بھی یاد رکھو کہ پہلے تو کچھ مشکل پڑے گی، مگر بعد میں ان شاء اللہ وہی طعنے دینے والے لوگ تم کو دعائیں دینگے اور غریب و غربا کی مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔ اللہ عزوجل اور حضور علیہ السلام بھی راضی ہونگے۔"

(اسلامی زندگی، صفحہ34، قادری پبلیشرز، لاہور)

رسم و رواج میں سے کسی کو شرک کہہ دیا جاتا ہے، کسی کو بدعت، کسی کو اس وجہ سے ناجائز کہا جاتا ہے کہ اسکی بنیاد جس حدیث پر ہے وہ حدیث ضعیف ہے، کسی کو اس وجہ سے ناجائز کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ کفار سے مشابہت ہے۔ لہذا اگلی فصلوں میں تفصیلاً ان باتوں کی

وضاحت کی جاتی ہے تا کہ رسم ورواج کے جائز وناجائز ہونے کا قاعدہ کلیہ بالکل واضح ہو جائے۔

فصلِ دوئم: رسم ورواج کا شرک وبدعت سے تعلق

شرک

وہابی حضرات ہر رسم ورواج کو بدعت اور بعض رسموں کو شرک کہہ دیتے ہیں۔اس لئے پہلے شرک وبدعت کی وضاحت ہونا ضروری ہے۔اس فصل میں پہلے شرک وبدعت کی تعریف ومفہوم جو وہابی حضرات نے کی ہے وہ بیان کی جائے گی۔پھر علمائے اہلسنت نے جو بیان کیا ہے اس کا ذکر کیا جائے گا۔آخر میں قرآن وحدیث کے دلائل سے یہ واضح کیا جائے گا کہ اہل سنت کے نزدیک جو شرک و بدعت کی تعریف ومفہوم ہے وہ عین قرآن وحدیث کے موافق ہے۔اس فصل کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے تا کہ اس مسئلہ میں مسلمانوں کی بھرپور رہنمائی ہو جائے۔

وہابی حضرات کے نزدیک شرک کی تعریف ومفہوم

وہابی حضرات نے سب سے زیادہ کتب شرک و بدعت کے اوپر لکھی ہیں۔ان تمام کتب میں مواد ایک جیسا ہے۔ایک کتاب پڑھ لیں یا سو علم میں اضافہ انتہائی معمولی ہو گا۔اس لئے کہ ہر ایک کتاب میں شرک کے متعلق جتنی آیات واحادیث ہیں سب نقل ہوتی ہیں۔ان آیات واحادیث کو نقل کرنے کے بعد وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جو مسلمانوں میں یارسول اللہ، یاغوث وغیرہ کہنا رائج ہے سب شرک ہے۔غیر اللہ سے مدد مانگنا، مزارات اولیاء کی تعظیم کرنا سب شرک ہے۔معتبر کتب سے جو بعض کاموں کو ناجائز ثابت کرتے ہیں جیسے صاحب مزار کو سجدہ کرنا، ڈھول باجے بجانا، مزامیر کے ساتھ

قوالیاں وغیرہ یہ سب باتیں اہل سنت کے نزدیک بھی ناجائز ہیں۔ان کے دعوی اور دلیل میں زمین وآسمان کا فرق ہوتا ہے۔دعوی ان کے یہ ہوتا ہے غیر اللہ سے مدد مانگنا وغیرہ شرک ہے لیکن اس پر کوئی صریح دلیل نہیں دیتے کہ فلاں آیت یا حدیث یا فلاں مفسر، محدث ،فقیہ نے کہا کہ ہے کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا شرک ہے۔ان کی ساری کتب پڑھ لیں دعوی کے مطابق دلیل بالکل نہ ہوگی۔بعض اوقات تو ان کا دعوی اور دلیل بہت مضحکہ خیز ہوتا ہے کہ دعوی شرک کا ہوتا ہے اور نیچے جو دلیل دی جاتی ہے اس میں الفاظ مکروہ کے ہوتے ہیں یعنی مکروہ فعل کو بھی شرک کہہ دیا جاتا ہے۔جو آیات واحادیث بتوں کے متعلق ہیں اسے اولیاء کرام پر منطبق کیا جاتا ہے۔

ایک بات یاد رکھنے والی ہے کہ جتنے بھی گمراہ فرقے دنیا میں آئے بلکہ مرتد جیسے قادیانی وہ بھی قرآن وحدیث کو گھما پھرا کر دلیل بناتے ہیں۔عقیدہ اٹکل پچو سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ صریح وقطعی دلائل سے واضح ہوتا ہے۔یہ نہیں کہ دعوی میں کہا جائے کہ یارسول اللہ کہنا شرک ہے اور دلیل میں بتوں کے متعلق نازل ہوئی آیت لکھ دی جائے جیسا کہ وہابی حضرات کرتے ہیں۔بعض وہابی حضرات تو جب توحید وشرک پر لکھتے ہیں تو ایسا ظاہر کرتے ہیں کہ پوری دنیا میں فقط چند وہابی ہی مسلمان ہیں باقی ساری دنیا کے مسلمان مشرک اور کئی صدیوں میں جو علماء، صوفیا اور مسلمان گزرے ہیں وہ سب مشرک تھے۔پھر جب شرک پر لکھتے ہیں تو بغیر دلیل اتنے سخت الفاظ کہہ دیتے ہیں جن کی وجہ سے خود ان پر حکمِ کفر لگتا ہے۔ایک وہابی پروفیسر محمد اکرم نسیم صاحب نے ایک کتاب ''تفہیم توحید'' لکھی جس میں انہوں نے صرف مسلمانوں کو صاف صاف گالیاں نہیں نکالیں باقی سب بُرا بھلا کہہ دیا۔مسلمانوں میں رائج کئی جائز ومستحب افعال کو ناجائز وشرک ثابت کرتے ہوئے لکھتے

ہیں: ''علماء، صوفیہ اور ائمہ کی ہر بات کو بلا دلیل مانے چلے جانا اور ان کی اندھی تقلید کرنا بھی شرک ہے۔افسوس یہ شرک آج بڑے دھڑلے سے ہو رہا ہے۔''

(تفہیم توحید، صفحہ253، التوحید اکیڈمی، لاہور)

پھر یہی پروفیسر صاحب نے بغیر دلیل کئی افعال کو شرک کہا۔گویا کہ ان صاحب کا شوق مسلمانوں کو مشرک قرار دینا ہی ہے۔جو میں نے اوپر عرض کیا کہ یہ صرف اپنے عقیدے کے چند لوگوں کو مسلمان سمجھتے ہیں باقی تمام مسلمانوں کو مشرک سمجھتے ہیں۔اس کا ثبوت اسی پروفیسر صاحب کی اس تحریر سے واضح ہے چنانچہ لکھتے ہیں: ''اگر کوئی نیک دل مسلمان حق کو سمجھنے کے لئے تحقیق کا راستہ اختیار کرنے لگے تو دین فروش، خود غرض ملا، نقلی صوفی اور پیٹ پرست درویش انہیں باپ دادے کے نقش قدم پر چلنے کی پرکشش ترغیب دیتے ہیں اور انہیں آباؤ اجداد کی تقلید میں ہی کامیابی اور نجات کو نوید سناتے ہیں۔اور اگر علمائے حق میں سے جو کہ تعداد میں کہیں کم ہیں، کوئی تحریر یا تقریر کے ذریعے توحید خالص سنائے یا سمجھانے کی کوشش کرے تو یہ لالچی ملا اور پیٹو درویش اپنے بے عقل حواریوں کو بھڑکا کر معاشرے میں بدامنی اور ہنگامہ آرائی کی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں۔''

(تفہیم توحید، صفحہ28، التوحید اکیڈمی، لاہور)

یعنی اس پروفیسر صاحب کے نزدیک صدیوں سے مسلمانوں میں جو صوفی بزرگ آئے، ہمارے آباؤ اجداد جس عقیدے پر تھے وہ شرکیہ عقیدہ تھا اور آج پروفیسر اور اس جیسے مٹھی بھر مذہب کے لوگوں نے جو توحید کی تحقیق کی ہے وہ حق ہے۔جو مسلمان ان کی تحقیق کا انکار کرے وہ پیٹ پرست مولوی ہے۔خود یہ لوگ جہاد کے نام پر چندہ اکٹھا کر کے کھائیں، اپنے ادارے بنائیں تو پیٹ پرستی نہیں بلکہ حق پرستی ہے۔

اب ان کی کتب میں سے شرک کی تعریف و مفہوم کو پیش کیا جاتا ہے:۔

وہابی حضرات کے ایک عالم ابو الحسن مبشر احمد ربانی نے ایک کتاب ''کلمہ گو مشرک''، لکھی جس میں اس نے شرک کی تعریف ان الفاظ سے کی: ''اللہ تعالیٰ کی ذات میں یا صفات میں یا عبادت میں کسی کو شریک کرنا شرک ہے اس کا کرنے والا مشرک ہے۔مشرکین اپنے معبودوں یعنی انبیاء و رسل علیہم السلام، ملائکہ، اولیاء، جنوں اور بتوں وغیرہ کو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور عبادت میں شریک سمجھتے تھے جس کی بنا پر انہیں مشرک قرار دیا گیا۔قرآن حکیم نے ان کا یہ عقیدہ مختلف مقامات پر بیان کیا ہے کہ یہود و نصاریٰ عزیر و عیسیٰ علیہما السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔اپنی مشکلات و حاجات میں ان کی عبادت کرتے تھے اور انہیں اللہ کے علاوہ پکارتے تھے اور اپنے معبودوں کے نام پر نذریں، نیازیں اور چڑھاوے چڑھاتے تھے۔''

(کلمہ گو مشرک، صفحہ33، دارالسلام، ریاض، لاہور)

ایک اور وہابی عالم حافظ صلاح الدین یوسف صاحب اپنی کتاب'' توحید اور شرک کی حقیقت''، میں لکھتے ہیں: ''امت محمدیہ کو تنبیہ کرنا ہے کہ شرک نہایت خطرناک عمل ہے۔جو اس میں ملوث ہو گیا وہ تباہ و برباد ہو گیا۔اسی لئے ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ کو ایک وصیت یہ فرمائی تھی" لا تشرك بالله شيء و ان قتلت و حرقت" اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا اگرچہ تجھے قتل کر دیا جائے یا جلا دیا جائے۔لیکن ہمارے معاشرے میں شرک کی بابت اتنی صراحتوں کے باوجود ''یا علی مدد''، ''یا رسول اللہ مدد''، "اغثنی یا رسول اللہ" اللہ کے رسول میری مدد فرمائیے۔" ادرکنی یا رسول الله" اے اللہ کے رسول مجھے سہارا دیجئے۔ "ادرکنی یا صاحب الزمان" اے زمانے کے مالک میرا دست و بازو بن جا۔وغیرہ نعرے ورد زبان رہتے ہیں۔شیعہ صاحب الزمان سے مراد امام مہدی لیتے ہیں۔بعض مسجدوں میں یہ طغریٰ لکھا ہوا

ہے۔

یارسول اللہ انظرحالنا   یارسول اللہ اسمع قالنا

اننی فی بحر الغم مغرق   خذ بیدی سہل لنا اشکالنا

ترجمہ: اے اللہ کے رسول ہمارا حال دیکھئے ،اے اللہ کے رسول ہماری بات سنئے، میں غم کے سمندر میں ڈوبا ہواہوں ،میرا ہاتھ پکڑیئے اور ہماری مشکلات آسان فرمایئے۔

اسی طرح بہت سے اصحاب القبور اورفوت شدہ بزرگوں سے بھی مددطلب کی جاتی ہے۔جیسے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے مددطلب کی جاتی ہے"یاشیخ عبد القادر شیئا للہ "اےعبدالقادراللہ کے لئے مجھے کچھ دیں۔یا کہاجاتا ہے "امداد کن امداد کن دردین و دنیا شاد کن از قید وبند غم آزاد کن یا شیخ عبد القادر" امداد کر!امداد کر!ہمیں دین و دنیا میں خوش کرغموں کی قید سے ہمیں آزاد کر اے شیخ عبدالقادر۔

یہ اور اس قسم کے بہت سے نعرے،اشعار اور استغاثے کے کلمات ہیں، جو مشرکانہ ہیں۔یعنی سب میں اللہ کو چھوڑ کر غیراللہ سے مددطلب کی جاتی ہے۔لیکن اس کے باوجودعوام میں یہ نعرےاوردعائیہ کلمات ہیں۔اس کی ایک وجہ تو عوام کی جہالت ہے۔وہ جانتے ہی نہیں ہیں کہ دین کیااوراس کی اصل حقیقت کیا ہے؟ توحید کیااوراس کے تقاضے کیا ہیں؟ شرک کیا اور کن کن باتوں میں شرک کی آمیزش ہے؟ اوران کے ارتکاب سے آدمی مشرک ہوجاتا ہے؟ (توحید اورشرک کی حقیقت ،صفحہ8،دارالسلام،ریاض،لاہور)

پھر یہی عالم صاحب مزید آگے جاکر ذات وصفات پرکلام کرتے ہوئے لکھتے

ہیں:"شرک کی دوسری قسم جوعام ہےاللہ کی ذات میں تونہیں۔اسکی صفات میں دوسروں کو شریک کرنا ہے۔جیسے عالم الغیب ہونا،دوراورنزدیک سے ہرایک کی فریادسن لینا،ماورائے اسباب طریقے سے نفع نقصان پہنچانے پر قادر ہونا وغیرہ۔ یہ سب اللہ کی خاص صفات ہیں۔اللہ کےسوا کوئی بھی ان صفات کا حامل نہیں۔نہ کوئی نبی،نہ کوئی ولی،نہ کوئی اور ہے۔ اگر کوئی اللہ کےسواکسی کو عالم الغیب سمجھتا ہے،ہرایک کی فریاد سننے پراور مافوق الاسباب طریقے سے نفع نقصان پہنچانے پر قادرسمجھتا ہے،تو گویا اس نے اللہ کی صفات کو دوسروں میں مان کرانکواللہ کا شریک قراردےلیا۔

اسی طرح عبادت کا حق صرف ایک اللہ کا ہے۔عبادت کی تمام قسمیں اسی کے لئے ہیں۔نماز پڑھنا،روزہ رکھنا،اس کے سامنے دست بستہ تعظیما کھڑے ہونا،نذرونیاز دینا،اس سے دعائیں کرنا،مافوق الاسباب طریقے سےاس کی گرفت سے ڈرنااوراس سے امیدیں وابستہ کرنا وغیرہ۔یہ سب عبادت کی قسمیں ہیں جوصرف اللہ کے لئے خاص ہیں۔ اس لئے نماز بھی صرف اللہ کے لئے پڑھی جاسکتی ہے۔ نیاز بھی اس کے نام کی دی جاسکتی ہے۔تعظیم کےطور پردست بستہ قیام بھی اسی کا حق ہے۔دعائیں مانگنااوراستمداد واستغاثہ کرنا بھی اسی سے جائز ہے۔ان میں سے کوئی کام بھی کسی اور کے لئے کیا جائے گا تو وہ شرک ہوجائے اور یہ شرک توحید الوہیت میں ہوگا۔شرک کی یہ دوسری قسم بہت عام ہورہی ہے۔مشرکین عرب کا شرک بھی یہی تھا۔ ہندوجومورتیوں کے پجاری ہیں انکا شرک بھی یہی ہےاورآج کل کے نام نہادمسلمانوں کے اندربھی اس شرک کےمظاہر عام ہیں۔اس شرک کےمرتکب توحید ربوبیت کےقائل رہے ہیں اور ہیں۔"

(توحید اورشرک کی حقیقت ،صفحہ48،دارالسلام،ریاض،لاہور)

وہابی عالم ابوالحسن مبشراحمد ربانی اپنی کتاب"کلمہ گومشرک"میں کہتا ہے:"اگرہم

زبان سے کلمہ توحید پڑھتے رہیں اور ساتھ ساتھ غیر اللہ کی عبادت و پرستش بھی کرتے رہیں تو اس کلمے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ آج امت مسلمہ ضلالت و گمراہی کے قعر مذلت میں گر چکی ہے۔ بہت سے لوگ کلمہ پڑھنے کے باوجود مسلمان معلوم نہیں ہوتے۔ ان کے عقائد اس قدر کمزور و ناتواں ہیں کہ اللہ وحدہ لاشریک کو یکسر بھول چکے ہیں اور اپنی مشکلات و مصائب اور دکھ درد میں غیر اللہ کو پکارنا ان کا معمول بن چکا ہے۔ مسلمانوں کی اس زبوں حالی کو دیکھ کر اصلاحِ عقیدہ کی خاطر یہ کتاب مرتب کی گئی ہے۔ جس میں شرک کی مذمت اور دعوتِ توحید کو قرآن و سنت کے محکم دلائل سے واضح کیا ہے اور بالتفصیل یہ بات ذکر کی ہے کہ مشرکین عرب اللہ کے علاوہ انبیاء، اولیاء، شہدا، جن و ملائکہ، شجر و حجر وغیرہ کو مافوق الاسباب قوتوں کا مالک و مختار سمجھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو ماننے کے ساتھ ان ہستیوں کو بھی پکارتے تھے۔ اللہ وحدہ لاشریک نے انکے اس عقیدے کو شرک قرار دیا اور انہیں مشرک کہا اور امت مسلمہ کو یہ درس دیا کہ اگر تم نے ان کی پیروی کی اور ان جیسا عقیدہ اختیار کیا تو کلمہ پڑھنے کے باوجود مشرک گردانے جاؤ گے اور تمہارے تمام اعمال غارت و بیکار ہو جائیں گے کیونکہ اعمال صیحہ کی قبولیت کا دارمدار عقائد صیحہ پر ہے۔ اگر عقیدہ صیح و درست نہ ہوگا تو کوئی نیکی اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا۔''

(کلمہ گو مشرک، صفحہ 17،18، دارالسلام، ریاض، لاہور)

وہابی حضرات نے جو شرک کی تعریف کی ہے یہ ان کے اپنے الفاظ ہیں، ان کی تعریف کو دوبارہ پڑھ لیں انہوں نے بغیر کسی حدیث، محدث، مفسر کے شرک کی یہ تعریف کی ہے کہ غیر خدا سے مدد مانگنا، انہیں پکارنا شرک ہے۔

اہل سنت کے نزدیک شرک کی تعریف و مفہوم

توحید کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کو اس کی ذات اور صفات میں شریک

سے پاک ماننا، یعنی جیسا اللہ ہے ویسا ہم کسی کو اللہ نہ مانیں۔ اگر کوئی اللہ کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو الٰہ تصور کرتا ہے تو وہ ذات میں شرک کرتا ہے۔ علم، دیکھنا، سننا وغیرہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اگر ان صفات میں کسی دوسرے کو شریک ٹھہرایں تو مشرک ہوں گے۔ مثلاً اگر کوئی کہے جتنا اللہ عزوجل کو علم ہے اتنا مجھے یا فلاں کو ہے تو یہ صفات میں شرک ہے، جس طرح اللہ عزوجل عطا کرنے والا ہے اسی طرح فلاں دینے والا ہے۔ وغیرہ۔ یہ سب صفات باری تعالیٰ میں شرک ہے۔ سیدی اعلیٰ حضرت علیہ رحمۃ الرحمٰن ایک مقام پر فرماتے ہیں: ''آدمی حقیقۃً کسی بات سے مشرک نہیں ہوتا جب تک غیر خدا کو معبود یا مستقل بالذات و واجب الوجود نہ جانے۔''

(فتاوی رضویہ، جلد21، صفحہ 131، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

صدرالشریعہ بدرالطریقہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ''شرک کا معنی ہے اللہ عزوجل کے سوا کسی کو واجب الوجود یا مستحق عبادت جاننا یعنی معبود ہونے میں دوسرے کو شریک کرنا اور یہ کفر کی سب سے بدتر قسم ہے اس کے سوا کوئی بات کیسی ہی شدید کفر ہو حقیقۃً شرک نہیں۔''

(بہار شریعت، جلد1، حصہ1، صفحہ 29، ضیاء القرآن، لاہور)

سید احمد سعید کاظمی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جو صفات اللہ تعالیٰ کی اپنی ہیں یعنی کسی کی عطا کردہ نہیں وہی کسی اور کے لئے ثابت کرنا شرک ہے۔ اور اُن صفات سے شرک لازم نہیں آتا جو اللہ تعالیٰ نے کسی کو بخشی ہیں۔ اگر انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے صفات نہ بخشی ہوں تو پھر نہ کوئی سننے والا ہو، نہ دیکھنے والا ہو، نہ زندہ ہو، نہ کوئی علم والا ہو۔ پس ہم یہی کہیں گے کہ جو صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں وہ بندے کی نہیں ہو سکتیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات ازلی و ابدی ہیں۔ بندے کی عارضی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے کمالات بغیر کسی کے پیدا کئے ہوئے

ہیں اور انسان کے کمالات اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے ہیں۔''

(مقالات کاظمی ،صفحہ 21،مکتبہ ضیائیہ،راولپنڈی)

اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ یارسول اللہ، یاعلی ، یاغوث کہنا شرک نہیں جائز ہے۔ انبیاء علیہم السلام، اولیائے کرام کے وسیلہ سے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں دعا کرنا جائز ہے۔ اگر کوئی انبیاء علیہم السلام واولیائے کرام رحمہم اللہ سے حاجت طلب کرے تو جائز ہے جبکہ یہ نیت ہو کہ یہ اللہ عزوجل کی عطا سے مدد کرتے ہیں۔ اسکی مزید وضاحت دلائل کے ساتھ آگے آئے گی۔

قرآن وحدیث سے مسلکِ اہل سنت کی تائید

قرآن وحدیث میں شرک کو سب سے بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے۔ ہر گناہ معاف ہو جائے گا لیکن شرک معاف نہیں ہوگا۔ قرآن پاک میں ہے ﴿إِنَّ اللّٰهَ لاَ يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذَلِكَ لِمَن يَّشَاءُ وَمَن يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرَى إِثْمًا عَظِيْمًا﴾ ترجمہ کنز الایمان: بیشک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے اور جس نے خدا کا شریک ٹھہرایا اس نے بڑے گناہ کا طوفان باندھا۔ (سورة النساء،سورت4،آیت48)

شرک کی تعریف کرتے ہوئے حضرت علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں "الاشراك هو اثبات الشريك فی الالوهية بمعنی وجوب الوجود كما للمجوس او بمعنی استحقاق العبادة كما لعبدة الاصنام" ترجمہ: شرک یہ ہے کہ اشراک الوہیت یعنی واجب الوجود ہونے میں کسی کو شریک کرنا جیسے مجوسی کرتے ہیں یا عبادت کا مستحق ہونے میں کسی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا جیسے بتوں

کے پجاری کرتے ہیں۔ (شرح عقائد نسفی،صفحہ101،مکتبہ رحمانیہ،لاہور)

مسلمانوں سے شرک کا صدور بہت بعید ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے "وانی لست اخشی علیكم ان تشركوا بعدی ولكنی اخشی علیكم الدنيا ان تنافسوا فيها" ترجمہ: میں تم پر خوف نہیں کرتا کہ تم میرے بعد شرک کرو گے لیکن میں تم پر دنیا کا خوف کرتا ہوں کہ تم اس میں رغبت کر جاؤ۔

(صحيح بخاری، كتاب المغازی،باب غزوة أحد ، جلد5،صفحه94،دار طوق النجاة)

مسلمان اولیاء اللہ کو ہرگز اللہ عزوجل کا شریک نہیں ٹھہراتے بلکہ اللہ کے محبوب بندے تصور کرتے ہیں اور مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اولیاء اللہ کی عطا سے مدد کرتے ہیں۔ اللہ عزوجل نے اپنے پیاروں کو تصرفات عطا کیے ہیں اور انکو زمین وآسمان کے خزانے عطا کیے ہیں۔ قرآن پاک میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے ﴿أَنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللّٰهِ وَأُبْرِءُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَى بِإِذْنِ اللّٰهِ وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ﴾ ترجمہ کنز الایمان: میں تمہارے لئے مٹی سے پرند کی سی مورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرند ہو جاتی ہے اللہ کے حکم سے اور میں شفا دیتا ہوں مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو اور میں مُردے جلاتا ہوں اللہ کے حکم سے اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے اور جو اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو، بیشک ان باتوں میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

(سورة آل عمران،سورت3،آیت 49)

بخاری ومسلم میں ہے "عن ابی هريرة قال رسول الله صلی الله عليه وآله وسلم انا نائم أتيت بمفاتيح خزائن لارض فوضعت فی يدیّ" ترجمہ: میں سور رہا

تھا کہ تمام خزائنِ زمین کی کنجیاں لائی گئیں اور میرے دونوں ہاتھوں میں رکھ دی گئیں۔

(صحیح بخاری، کتاب الاعتصام،باب قول النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعث بجوامع الکلم،جلد4،صفحہ54،دار طوق النجاۃ)

انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام علیہم الرضوان نے غیر اللہ سے مدد مانگی چنانچہ قرآن پاک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہے﴿فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللّٰهِ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾ ترجمہ کنزالایمان: پھر جب عیسیٰ نے ان سے کفر پایا بولا کون میرے مددگار ہوتے ہیں اللہ کی طرف، حواریوں نے کہا ہم دینِ خدا کے مددگار ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے، اور آپ گواہ ہو جائیں کہ ہم مسلمان ہیں۔(سورۃ آل عمران،سورت3،آیت 52)

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ سے انکی زندگی میں اور دنیا سے پردہ کرنے کے بعد مدد مانگنا جائز ہے۔کثیر احادیث سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام کو جب کوئی مشکل پیش آتی تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں مدد کے لئے حاضر ہوتے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی نکلی ہوئی آنکھ لے کر حاضر ہوئے اور سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ لگا دی، حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنت مانگی۔اس دور میں قرآن نازل ہو رہا تھا اگر غیر اللہ سے مدد مانگنا ناجائز ہوتا تو اللہ عزوجل منع فرما دیتا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم منع فرما دیتے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو منع یا شرک نہ فرمایا تو اسے شرک کہنا درست نہ ہوا۔ بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح فرمایا کہ اللہ عزوجل کے بندے حاجت روائی کرتے ہیں چنانچہ ایک حدیث پاک مختلف سندوں کے ساتھ مروی جسے ابوبکر احمد بن مروان الدینوری المالکی رحمۃ اللہ علیہ نے المجالسۃ وجواہر العلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا، محمد بن عبد الباقی رحمۃ اللہ علیہ نے

اَحادیث الشیوخ الثقات (المشیخۃ الکبری) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا، ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حلیۃ الاولیاء میں، ابوعبداللہ محمد بن سلامۃ رحمۃ اللہ علیہ نے مسند الشہاب میں، ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے معجم الشیوخ میں اور امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے المعجم الکبیر للطبرانی میں حسن روایت یوں ہے"عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان اللہ تعالیٰ عبادا اختصہم لحوائج الناس یفزع الناس الیھم فی حوائجھم اولئك لامنون من عذاب اللہ " ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خلق کی حاجت روائی کے لئے خاص فرمایا ہے۔لوگ گھبرائے ہوئے اپنی حاجتیں ان کے پاس لاتے ہیں، یہ بندے عذاب الٰہی عزوجل سے امان میں ہیں۔

(المعجم الکبیر،باب العین ، عن ابن عمر،جلد12،صفحہ358،مکتبۃ ابن تیمیۃ ،القاہرۃ)

دوسری حدیث پاک میں فرمانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے"اطلبوا الحوائج الی ذوی الرحمۃ من امتی ترزقوا" ترجمہ: میرے رحم دل امتیوں سے حاجتیں مانگو رزق پاؤ گے۔

(کنز العمال ،کتاب الزکوٰۃ،الفصل الثالث فی آداب طلب الحاجۃ ،جلد 8 صفحہ 811،مؤسسۃ الرسالۃ،بیروت)

شعب الایمان کی حدیث پاک ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا " اذا اراد اللہ بعبد خیراً استعملہ علی قضاء حوائج الناس" ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اس سے مخلوق کی حاجت روائی کا کام لیتا ہے۔

(شعب الایمان ،باب فی الصبر علی المصائب،الجود والسخاء،جلد13،صفحہ287،مکتبۃ الرشد،الریاض)

اس طرح کی اور کئی احادیث ہیں جن میں نیک بندوں سے اپنی حاجتیں طلب کرنے کا ثبوت ہے۔بعض وہابی حضرات کہتے ہیں کہ زندہ سے مدد مانگنا شرک نہیں شرک مردہ سے مدد مانگنا ہے چنانچہ ایک وہابی عالم حافظ صلاح الدین یوسف صاحب اپنی کتاب ''توحیداورشرک کی حقیقت''میں لکھا ہے:''ایک دعوی یہ کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو فاعل حقیقی تسلیم کرتے ہوئے بزرگان دین کو وسیلہ،امداد اور مظہر اعانت الٰہی قرار دیتے ہوئے ان سے استغاثہ کرنا اور ان کی امداد کے لئے پکارنا جائز ہے۔ یہ پکارنا شرک نہیں البتہ ان کی عبادت و پرستش کرنا شرک ہے۔ بلاشبہ مطلقا پکارنا شرک نہیں ہم اپنے بچے کو پکار کر بلاتے ہیں، کسی دوست کو آواز دیتے ہیں اور کسی کو زور سے ندا دیتے ہیں۔ یہ شرک نہیں اور یہ پکارنا مابہ النزاع ہے مابہ النزاع پکارنا جو شرک کی ایک صورت ہے وہ ہے جو لوگ مردہ لوگوں کو مافوق الاسباب طریق سے پکارتے ہیں۔ جیسے شیخ عبدالقادر،شی ءللہ، یارسول اللہ اغثنا، یاعلی مدد وغیرہ۔ یہ پکارنا شرک ہی کے ذیل میں آتا ہے کیوں کہ پکارنیوالا ان کی بابت یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ہزاروں میل کے فاصلے کے باوجود یہ فوت شدہ بزرگ میری آواز کو سنتا ہے، میرے حالات سے باخبر ہے، وہ حاضر و ناظر ہے، اور کائنات میں تصرف کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔اسی لئے یہ شخص اس بزرگ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس کے نام کی نذر و نیاز دیتا ہے۔اس کے نام پر جانور قربان کرتا ہے۔اس کی قبر پر غلاف چڑھاتا ہے اور اس کی ناراضی سے ڈرتا ہے۔اس کا اعتقاد ہوتا ہے کہ اگر میں نے گیارہویں نہ دی تو وہ مجھ سے ناراض ہو جائیں گے۔ میرے کاروبار کو نقصان پہنچائیں گے۔حالانکہ عالم الغیب ،نافع وضار، حاضر و ناظر اور متصرف فی الامور صرف اللہ کی ذات ہے اور یہ تمام صفات اللہ کے لئے خاص ہیں۔جن میں اس کا کوئی شریک نہیں۔لیکن یاعلی مدد، یا شیخ عبدالقادر شی ءللہ

وغیرہ پکارنے والا یہ تمام صفات خداوندی اس مردہ بزرگ میں تسلیم کرتا ہے اور اس بزرگ کو ان الوہی صفات میں شریک مانتا ہے۔''

(توحید اور شرک کی حقیقت، صفحہ79،دارالسلام،ریاض،لاہور)

اس کے جواب سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ جو اوپر مولوی صاحب نے کہا کہ لوگوں کا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ اگر میں نے گیارہویں نہ دی تو وہ مجھ سے ناراض ہو جائیں گے میرے کاروبار کو نقصان پہنچائیں گے۔ یہ بالکل مسلمانوں پر بہتان ہے ہرگز کسی سنی کا یہ عقیدہ نہیں ہوتا، اگر بالفرض کوئی سنی اس نظریے سے گیارہویں یا بارہویں شریف دلائے علماء اہل سنت نے اسکو ناجائز کہا ہے چنانچہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:''کھیت میں سے حضور پرنور(حضرت غوث پاک) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام پاک پر حصہ دینا اگر یوں ہے کہ حضور کو اس حصہ کا مالک سمجھا جاتا ہے یا اس دینے سے تصدق لوجہ اللہ منظور نہیں بلکہ حضور کی طرف تقرب بالذات مقصود یا یہ سمجھتے ہیں کہ یوں نہ کریں گے تو حضور معاذ اللہ ناراض ہو کر مضرت دیں گے کوئی بلا پہنچے گی تو یہ سب اعتقاد باطلہ وفاسدہ وبدعات سیئہ ہیں اور اگر یوں نہیں بلکہ اللہ عزوجل کے لئے تصدق منظور، تو کھیتوں سے ایسا حصہ دینا خود قرآن عظیم میں مطلوب۔قال تعالیٰ﴿ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ ﴾ (لوگو!)کھیتی سے(حقداروں کا) حق اس کی کٹائی والے دن ادا کر دیا کرو۔''

(فتاوی رضویہ،جلد23،صفحہ261،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

لیکن ہر کوئی اپنی خوشی سے گیارہویں اور بارہویں شریف میں لنگر تقسیم کرتا ہے۔وہابی مولوی صاحب کے اس کلام سے درج ذیل باتیں شرک ہوئیں:۔

(1) کسی مردہ کو پکارنا شرک ہے۔

(2) کسی نبی یا ولی سے مدد مانگنا شرک ہے۔

(3) کسی نبی یا ولی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ دور سے سن سکتا ہے شرک ہے۔

اب قرآن وحدیث کی روشنی میں دیکھنا ہے کہ یہ باتیں شرک ہیں یا نہیں۔اہل حدیثوں کی ہر کتاب میں بنیادی آیت یہ ہوتی ہے ﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ﴾ ترجمہ کنزالایمان: ہم تجھی کو پوجیں اور تجھی سے مدد چاہیں۔

(سورة الفاتحہ، سورت1، آیت5)

اس آیت کا مطلب ہے اللہ عزوجل کے علاوہ کسی کو حقیقی کارساز سمجھ کر مدد مانگنا شرک ہے چاہے وہ زندہ ہو یا مردہ۔اوپر اہل حدیث نے کہا شرک مردہ سے مدد مانگنا ہے جبکہ اس آیت میں یہ نہیں کہا گیا کہ زندہ سے مدد مانگنا شرک ہے یا مردہ سے۔شرک تو شرک ہی ہوتا ہے چاہے مردہ سے کیا جائے یا زندہ سے۔بہرحال اب دلائل سے ثابت کیا جاتا ہے کہ دنیا سے پردہ کرنے کے بعد بھی انبیاء واولیاء کو پکارنا ان سے مدد مانگنا جائز ہے۔شیخ عبدالحق محدث دہلوی مشکوٰۃ شریف کی شرح میں فرماتے ہیں"حجة الاسلام امام غزالی گفتہ ہر کہ استمداد کردہ مے شود بوی درحیات استمداد مے شود بوی بعدازوفات"، ترجمہ: حجۃ الاسلام امام غزالی فرماتے ہیں جس سے زندگی میں مدد مانگی جائے اس سے بعد وفات بھی مدد مانگی جاسکتی ہے۔

مزید شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں" سیدی احمد بن زروق کہ از عاظم فقھاء وعلماء ومشائخ دیار مغرب است گفت روزے شیخ ابوالعباس حضرم از من پرسید امدادِحی قوی ست یا امداد میّت قوی ست من گفتم قوی می گویند کہ امداد حی قوی تر است ومن می گویم کہ امداد میّت قوی تراست پس شیخ گفت نعم زیرا کہ وی دربساط است ودر

حضرت او ست (قال) ونقل دریں معنی ازیں طائفہ بیشتر ازان ست کہ حصر و احصار کردہ شود یافتہ نمی شود درکتاب و سنت اقوالِ سلف صالح چیزے کہ منافی ومخالف ایں باشد و ردکندایں را" ترجمہ: سیدی احمد بن زروق جو دیارِ مغرب کے عظیم ترین فقہاء اور علماء ومشائخ سے ہیں فرماتے ہیں کہ ایک دن شیخ ابوالعباس حضرمی نے مجھ سے پوچھا زندہ کی امداد قوی ہے یا وفات یافتہ کی؟ میں نے کہا کچھ لوگ زندہ کی امداد زیادہ قوی بتاتے ہیں اور میں کہتا ہوں کہ وفات یافتہ کی امداد زیادہ قوی ہے۔اسی پر شیخ نے فرمایا: ہاں! اس لیے کہ وہ حق کے دربار اور اس کی بارگارہ میں حاضر ہے (فرمایا) اس مضمون کا کلام ان بزرگوں سے اتنا زیادہ منقول ہے کہ حدوشمار سے باہر ہے اور کتاب وسنت اور سلف صالحین کے اقول میں ایسی کوئی بات موجود نہیں جو اس کے منافی ومخالف اور اسے رد کرنے والی ہو۔

(اشعة اللمعات، باب زیارة القبور، جلد1، صفحہ716، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)

مسلمان اللہ عزوجل کے نیک بندوں سے اسی عقیدہ سے مدد مانگتے ہیں کہ یہ اللہ عزوجل کی عطا سے مدد کرتے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصالِ ظاہری کے بعد بھی کتب حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ مبارک پر حاضر ہو کر ایک آدمی نے حضور کی بارگاہ میں بارش کی فریاد کی چنانچہ دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد8، صفحہ91 اور مصنف ابن ابی شیبہ کی حدیث پاک ہے "عن مالك قال أصاب الناس قحط في زمان عمر بن الخطاب فجاء رجل إلى قبر النبي صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله، استسق الله لأمتك فإنهم قد هلكوا فأتاه رسول الله صلى الله عليه وسلم في المنام؛ فقال ائت عمر فأقرئه السلام، وأخبره أنكم

مســقــون"، ترجمہ: حضرت مالک سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں لوگوں پر قحط پڑھ گیا۔ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک پر آیا اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ عزوجل سے اپنی امت کے لئے بارش طلب کریں کہ یہ ہلاک ہو رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس آدمی کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا عمر کو میرا اسلام کہنا اور اسے خبر دینا کہ بارش ہوگی۔

(مصنف ابن شیبہ، کتاب الفضائل، ماذکر فی فضل عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جلد12، صفحہ32، الدار السلفیة، الھندیة)

اس حدیث کو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "قرۃ العینین" میں نقل کیا۔ علامہ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے "تاریخ دمشق" میں نقل کیا، علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے "الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب" میں نقل کیا اور امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مواہب میں فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اس حدیث میں جہاں دنیا سے پردہ کرنے کے بعد مدد مانگنے کا ثبوت ہے وہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم غیب کا بھی ثبوت ہے کہ آپ نے کہہ دیا کہ بارش ہوگی۔

امام ابوعبداللہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں" عن علی قال قدم علینا اعرابی بعد ما دفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بثلاثة ایام فرمی بنفسه علی قبر رسول اللهصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و حثا علی راسه من ترابه فقال قلت یارسول اللہ فسمعنا قولك وعیت عن اللہ فوعینا عنك و كان فیما انزل اللہ علیك (**ولو انهم اذظلموا انفسهم**) وقد ظلمتُ نفسی و جئتك تستغفرلی فنودی من القبر انه قد غفر لك"، ترجمہ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے تین یوم کے بعد ہمارے

پاس ایک اعرابی (دیہات کا رہنے والا) آیا اور اپنے آپ کو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور پر گرا دیا اور اپنے سر پر قبر انور کی مٹی ڈالنے لگا اور پھر کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پس ہم نے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب عزوجل سے اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یاد کیا اور جو (قرآن) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے نازل کیا اس میں یہ (آیۃ) بھی ہے ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ﴾ اور تحقیق میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور حاضر ہوا ہوں تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے لئے اللہ (عزوجل) کی بارگاہ سے مغفرت طلب کریں تو قبر انور سے آواز آئی کہ تمہاری مغفرت کر دی گئی۔

(الجامع لاحکام القرآن، جلد5، صفحہ265، دار الکتب المصریة، القاہرة)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ الادب المفرد میں حدیث پاک نقل کرتے ہیں"عـــن عبد الرحمن بن سعد قال خدرت رجل ابن عمر، فقال له رجل اذكر أحب الناس إليك، فقال يا محمد"، ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن سعد سے مروی ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پاؤں سو گیا۔ ان سے کسی نے کہا اسے یاد کرو جسے تم لوگوں میں سب سے زیادہ پیار کرتے ہو۔ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پکارا یا محمد۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

(الادب المفرد، کتاب العطاس، باب ما یقول الرجل إذا خدرت رجله، جلد1، صفحہ335، دار البشائر الإسلامیة، بیروت)

امام نووی شارح صحیح مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کتاب الاذکار میں اس کی مثل حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی

اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس کسی آدمی کا پاؤں سوگیا تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: تو اس شخص کو یاد کر جو تمہیں سب سے زیادہ محبوب ہے، تو اس نے "یا محمداہ" کہا، اچھا ہوگیا۔ (الاذکار، باب مایقوله اذاخدرت رجله، صفحہ271، دارالکتاب العربی، بیروت)

اور یہ امر ان دو صحابیوں کے سوا اوروں سے بھی مروی ہے۔ اہلِ مدینہ میں قدیم سے بطورِ استغاثہ یا محمداہ کہنے کی عادت چلی آئی ہے۔ علامہ شہاب خفاجی مصری نسیم الریاض شرح شفاء امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں "ھذا مما تعاھدہ اھل المدینة" ترجمہ: یہ اہل مدینہ کے معمولات میں سے ہے۔

(ماخوذ از، فتاوی رضویہ، جلد29، صفحہ 553، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

علامہ شامی ردالمحتار کے مقدمے میں لکھتے ہیں "قولہ ومعروف الکرخی بن فیروز، من المشایخ الکبار، مجاب الدعوة، یستسقی بقبرہ وھو أستاذ السری السقطی" ترجمہ: حضرت معروف کرخی بن فیروز اکابر مشائخ سے ہیں اور مستجاب الدعوات ہیں۔ ان کی قبر سے سیرابی (بارش) طلب کی جاتی ہے۔ اور یہ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے۔ (ردالمحتار، مقدمہ، جلد 1، صفحہ58، دارالفکر، بیروت)

فتاویٰ ہندیہ میں روضہ پاک کے پاس جاکر شفاعت طلب کرنے کے متعلق ہے "فیقول السلام علیك یا رسول الله من فلان بن فلان یستشفع بك الی ربك فاشفع له ولجمیع المسلمین" ترجمہ: پھر کہے یارسول اللہ آپ پر سلام ہو فلاں بن فلاں کی طرف سے وہ آپ سے رب تعالیٰ کی طرف شفاعت کا سوال کرتا ہے اس کی اور تمام مسلمین کی شفاعت فرمائیں۔

(ہندیہ، کتاب الحج، فی زیارة قبر النبی صلی الله علیه وآله وسلم، جلد 1، صفحہ265، دارالفکر، بیروت)

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ جواہر خمسہ میں لکھتے ہیں "نادعلی ھفت باریاسہ باریا یکبار بخوانند وآن اینست نادعلیا مظھرالعجائب تجدہ عونالك فی النوائب کل ھم وغم سینجلی بولایتك یاعلی یاعلی یاعلی" ترجمہ: نادعلی سات بار یا تین بار یا ایک بار پڑھو اور وہ یہ ہے پکار علی کو جو عجائب کے مظہر ہیں تو ان کو اپنے مصائب میں مددگار پائے گا، ہر پریشانی اور غم ختم ہوگا آپ کی مدد سے یاعلی یاعلی یاعلی۔

(فتوح الغیب ضمیمہ جواہرخمسہ، نادعلی کابیان، صفحہ453، دارالاشاعت، کراچی)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو وہابی حضرات بھی بہت مانتے ہیں دیکھیں ان کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پکارنا جائز بھی ہے اور وہ دور سے سن بھی سکتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر فتح العزیز، صفحہ 20 پر لکھتے ہیں: ''سمجھنا چاہئے کہ کسی غیر سے مدد مانگنا بھروسہ کے طریقہ پر کہ اس کو مدد الٰہی نہ سمجھے حرام ہے۔ اور اگر توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہے اس کو اللہ کی مدد کا ایک مظہر جان کر اور اللہ کی حکمت اور کارخانہ اسباب جان کر اس سے ظاہری مدد مانگی تو عرفان سے دور نہیں ہے اور شریعت میں جائز ہے۔ اس کو انبیاء واولیاء کی مدد کہتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں یہ حق تعالیٰ کے غیر سے مانگنا نہیں ہے اسکی مدد سے ہے۔''

پھر تفسیر عزیزی، سورۃ بقرہ، صفحہ 460 میں فرماتے ہیں: ''اللہ کے کام جیسے لڑکا دینا رزق بڑھانا، بیمار کو اچھا کرنا اور اس کی مثل کو مشرکین خبیث روحوں اور بتوں کی طرف نسبت کرتے ہیں اور کافر ہو جاتے ہیں۔ مسلمان ان امور کو حکم الٰہی یا اس کی مخلوق کی خاصیت سے جانتے ہیں جیسے کہ دوائیں یا مغافیر یا اس کے نیک بندوں کی دعائیں کہ وہ بندے رب کی بارگاہ سے مانگ کر لوگوں کی حاجت روائی کرتے ہیں اور ان مؤمنین کے ایمان میں اس سے خلل نہیں آتا۔ ایک جگہ مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عزیزی

میں اکابراولیاء کا حال بعد انتقال لکھتے ہیں "دریں حالت هم تصرف دردنیا داده واستغراق آنها بجهت کمال وسعت مدارك آنها مانع توجه بایں سمت نمی گرددواویسیاں تحصیل مطلب کمالات باطنی از انهامی نمایند وارباب حاجات ومطالب حل مشکلات خود ازانهامی طلبند ومی یابند" اولیاءاللہ بعد انتقال دنیا میں تصرف فرماتے ہیں اوران کے استغراق کا کمال اور مدارج کی رفعت ان کو اس سمت توجہ دینے کی مانع نہیں ہے ۔سلسلہ اویسیہ والے اپنے کمالات باطنی کا اظہار فرماتے ہیں اورحاجت مند لوگ اپنی مشکلات کا حل اورحاجت روائی انہیں سے طلب کرتے ہیں اوراپنے مقاصد میں کامیاب ہوتے ہیں۔

(تفسیر فتح العزیز،فی التفسیر،پارہ30،سورت84،آیت18،صفحہ206، مسلم بکڈپو ، دہلی)

امام شیخ الاسلام شہاب رملی انصاری رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوی میں ہے "سئل عما یقع من العامة من قولهم عند الشدائد یا شیخ فلان و نحو ذالك من الاستغاثة بالانبیاء والمرسلین والصالحین وهل للمشائخ اغاثة بعد موتهم ام لا ؟فاجاب بما نصه ان الاستغاثة بالانبیاء والمرسلین والاولیاء والعلماء الصالحین جائزة وللانبیاء والرسل والاولیاء والصالحین اغاثة بعد موتهم " ترجمہ:ان سے استفتاء ہوا کہ عام لوگ جو سختیوں کے وقت انبیاء ومرسلین واولیاء وصالحین سے فریاد کرتے اور یا شیخ فلاں (یارسول اللہ ،یاعلی ،یا شیخ عبدالقادر جیلانی)اوران کی مثل کلمات کہتے ہیں یہ جائز ہے یانہیں؟اوراولیاء بعد انتقال کے بھی مدد فرماتے ہیں یانہیں؟انہوں نے جواب دیا کہ بے شک انبیاء ومرسلین واولیاء وعلماء سے مدد مانگنی جائز ہے اوروہ بعد انتقال بھی امداد فرماتے ہیں۔

(فتاوی الرملی،مسائل شتیٰ، جلد04، صفحہ733،درالکتب العلمیه، بیروت)

امام علامہ سیدی تقی الملۃ والدین علی بن عبدالکافی سبکی قدس سرہ الملکی اپنی کتاب

مستطاب شفاء السقام شریف میں ارشاد فرماتے ہیں "لیس المراد نسبة النبی صلی الله تعالی علیه وسلم الی الخلق والاستقلال بالافعال هذا لایقصده مسلم فصرف الکلام الیه ومنعه من باب التلبیس فی الدین والتشویش علی عوام الموحدین"،ترجمہ: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مدد مانگنے کا یہ مطلب نہیں کہ حضور خالق وفاعل مستقل ہیں یہ تو کوئی مسلمان ارادہ نہیں کرتا،تو اس معنی پر کلام کو ڈھالنا اور حضور سے مدد مانگنے کو منع کرنا دین میں مغالطہ دینا اورعوام مسلمانوں کو پریشانی میں ڈالنا ہے۔

(شفاء السقام، الباب الثامن فی التوسل والاستغاثه الخ ،صفحه175، نوریه رضویه ،فیصل آباد)

وہابی حضرات غیراللہ کو پکارنا شرک کہتے ہیں اوراس پر یہ آیت پیش کرتے ہیں

﴿فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَرَ﴾ ترجمہ:اوراللہ کے ساتھ دوسرے خدا کو نہ پکارو۔

(سورة القص،سورت28،آیت88)

اس آیت میں ارشاد ہے کہ اللہ عزوجل کے ساتھ کسی دوسرے خدا کی عبادت نہ کرو۔پھراسے اولیاء پر منطبق کرنا انتہائی علمی خیانت ہے کہ کوئی بھی مسلمان اولیاء کو خدا نہیں جانتا۔اس آیت کے تحت تفسیر صاوی میں ہے "فحینئذ فلیس فی الآیة دلیل علی ما زعمه الخوارج من ان الطلب من الغیر حیا و میتا شرك فانه جهل مرکب لان سوال الغیر من اجراء الله النفع او النصر علی یده قد یکون واجبا لانه من التمسك بالاسباب ولا ینکر الاسباب الا جحودا او جهولا" ترجمہ:اس آیت میں اُن خارجیوں کی دلیل نہیں جو کہتے ہیں کہ غیرخدا سے خواہ زندہ ہو یا مردہ کچھ مانگنا شرک ہے۔خارجیوں کی یہ جہالت ہے کیونکہ غیرخدا سے مانگنا اس طرح کہ رب ان کے ذریعہ سے نفع ونقصان دے کبھی واجب ہوتا ہے کہ یہ طلب اسباب کا حاصل کرنا ہے اوراسباب کا انکار نہ کرے گا مگر بہت بڑا منکر یا جاہل۔

(تفسیر صاوی،فی تفسیر،سورة القصص،سورت 28، آیت 88،جلد4،صفحه1550،مکتبه

رحمانیہ،لاہور)

وہابی حضرات کا کہنا کہ کسی ولی یا نبی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ دور سے سن سکتا ہے شرک ہے، بالکل غلط ہے۔انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کا دور سے سن لینا کثیر احادیث و قرآن سے ثابت ہے۔حضرت سلیمان علیہ السلام نے کئی میل دور سے چیونٹی کی آواز سنی،حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمین پر بیٹھے آسمان کے چرچرانے کی آواز سن لیتے،جنت ودوزخ کو ملاحظہ فرماتے،جہنم میں گرنے والے پتھر کی آواز سن لیتے،حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد نبوی کے منبر پر بیٹھے دو ماہ کے فاصلے پر ہو رہی جنگ کو ملاحظہ فرمایا اور وہیں بیٹھے فرمایا"یا ساریة الجبل"اے ساریہ پہاڑ،اور یہ آواز میدان جنگ میں حضرت ساریہ نے سنی،اسی طرح بے شمار مستند واقعات ہیں جس میں بزرگوں کا دور سے سننا اور مدد کرنا ثابت ہے۔یہ سب اللہ عزوجل کی عطا سے ہے۔اللہ عزوجل ہر چیز پر قادر ہے۔اللہ عزوجل نے فرشتوں کو بہت تصرفات عطا کئے ہیں،شیطان کو یہ طاقت دی ہے کہ وہ دل میں پیدا ہونے والے خیال کو جان لیتا ہے۔بندہ نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو فرشتہ نیکی لکھ لیتا ہے۔

لہٰذا مسلمان جو دعا میں"یارسول الله انظر حالنا"کہتے ہیں بالکل جائز ہے اور اس طرح کے کئی دعائیہ استغاثے بزرگوں سے ثابت ہیں۔حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قصیدہ نعمان میں فرماتے ہیں:

یا اکرم الثقلین یا کنزا لوری　　بدلی بجودك و ارضنی برضاك

انا طامع بالجود منك لم یکن　　لابی حنیفة فی الانام سواك

ترجمہ:اے موجودات کے اکرام اور نعمت الٰہی کے خزانے جو اللہ نے آپ کو دیا،مجھے بھی دیجئے اور اللہ نے آپ کو راضی کیا ہے مجھے بھی خوش کیجئے۔میں آپ کی سخاوت کا

امیدوار ہوں آپ کے سوا ابوحنیفہ کا مخلوق میں کوئی نہیں۔

(فتاوٰی بریلی ،صفحہ386،شبیر برادرز ،لاہور)

حضرت سیدنا علی بن حسین زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کربلا کے میدان میں یوں دعا کرتے ہیں:

یارحمة للعلمین ارحم بزین العابدین

محبوس الظالمین فی موکب و المزدحم

ترجمہ:اے رحمۃ للعالمین زین العابدین پر رحم فرمائیں کہ وہ بڑے لشکر میں پھنسا ہوا ہے۔

(فتاوی اویسیہ ،جلد1،صفحہ370،صدیقی پبلیشرز ،کراچی)

حضرت نابغہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں یوں فریاد کی:

و یا قبر النبی و صاحبیه

الا یا غوثنا لو تسمعونا

ترجمہ: اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے دو صاحبوں رضی اللہ تعالیٰ عنہما ! اے ہمارے فریادرس! کاش آپ ہماری فریاد سن لیں۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب حراست میں میدان جنگ سے گزریں تو بے ساختہ فریاد کی''اے بہت ہی تعریف کیے ہوئے ! امداد،امداد اللہ تعالیٰ آپ پر رحمتیں نازل فرمائے اور آسمانی فرشتے درود بھیجیں۔یہ حسین میدان میں ہیں،خون میں نہائے ہوئے،اعضاء کٹے ہوئے،یا محمد!امداد،آپ کی بیٹیاں حراست میں ہیں،آپ کی اولاد شہید کردی گئی،بادصبا ان پر مٹی اڑا رہی ہے۔ (عقائد و نظریات،صفحہ151،مکتبہ قادریہ،لاہور)

شیخ شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ یوں فریاد کرتے ہیں:

یا اکرم الخلق مالی من الوذ به
سواك عند حلول الحارث العصم

ترجمہ:اے بہترین مخلوق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے سوا میرا کوئی نہیں کہ آفت ومصیبت کے وقت میں جس کی پناہ لوں اس لئے کرم فرمائیے۔ (قصیدہ بردہ شریف)

روح البیان میں ہے"قال المولی الجامی قدس سرہ:یا نبی الله السلام علیك ...انما الفوز والفلاح لدیك" ترجمہ:مولانا جامی قدس سرہ نے فرمایا:یانبی اللہ(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ پرسلام ہو کامیابی وکامرانی آپ ہی کی بارگاہ سے ملتی ہے۔ (روح البیان،فی تفسیر، سورۃ البقرہ،آیت62،جلد1،صفحہ152،دار الفکر ،بیروت)

حدیث پاک ہے "عن عثمان بن حنیف أن رجلا ضریر البصر أتی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال ادع اللّٰہ لی أن یعافینی فقال إن شئت أخرت لك وھو خیر وإن شئت دعوت فقال ادعه فأمره أن یتوضأ فیحسن وضوءہ ویصلی رکعتین ویدعو بھذا الدعاء" ترجمہ:سیدنا عثمان بن حُنَیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نابینا شخص نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: دعا کریں اللہ عزوجل سے کہ وہ مجھے عافیت دے۔آپ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:اگر تو چاہے تو صبر کر یہ تیرے لیے بہتر ہے اور اگر چاہے تو میں دعا کروں۔عرض کیا کہ دعا کریں۔راوی فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ وہ وضو کرے اور اچھا وضو کرے اور یہ دعا پڑھے:''اَللّٰھُمَّ إِنِّی أَسْأَلُکَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ یامحمد إِنِّی تَوَجَّھْتُ بِکَ إِلَی رَبِّی فِی حَاجَتِیْ ھَذِہِ لِتُقْضَی لِیَ اللّٰھُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ''قال أبو إسحاق ہذا حدیث

صحیح'' ترجمہ:اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں تیرے نبی محمد صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے سے۔یا محمد صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم بیشک میں آپ کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف اپنی حاجت پیش کرتا ہوں کہ میری حاجت پوری کی جائے۔اے اللہ میرے حق میں ان کی شفاعت قبول فرما۔حضرت ابو اسحاق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔

(ابن ماجه،ابواب الصلوۃ باب ماجاء فی صلوۃ الحاجة،صفحه100، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

ابن ماجہ کے علاوہ امام ترمذی، امام نسائی، ابن خزیمہ، حاکم، طبرانی نے بھی اس حدیث پاک کو روایت کیا ہے۔محدثین نے فرمایا کہ جب صحابی نے یہ دعا پڑھی تو فوراً اس کی آنکھیں ٹھیک ہوگئیں۔علماء کرام نے صراحت فرمائی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد بھی یہ دعا مانگنی جائز ہے۔علامہ ابوالحسن الحنفی السندی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں" فیه أن إحضاره فی أثناء الدعاء والخطاب معه فیه جائز کما أحضره فی اثناء الصلوۃ والخطاب معه فیه "ترجمہ:حضور صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کو حاضر کے صیغہ سے ذکر کرنا اور ان کو دوران دعا خطاب کرنا جائز ہے جس طرح آپ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کو نماز میں حاضر کا صیغہ بولنا اور اس کے ذریعے خطاب کرنا جائز ہے۔

(حاشیة السندی مع ابن ماجه، جلد2، صفحه157، دار المعرفه، بیروت)

جس طرح فقہ حنفی وعقائد اہل سنت پر مشتمل احادیث میں تحریف کر دی گئی اسی طرح موجودہ کتب احادیث میں سے لفظ یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نکال دیا گیا۔

علمائے اہل سنت نے اس موضوع پر کئی کتابیں لکھیں ہیں اور کثیر مستند دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اللہ عزوجل کے محبوب بندے دنیا سے پردہ کرنے کے بعد اللہ عزوجل کی عطا سے مدد کرتے ہیں اور انہیں پکارنا، ان سے مدد مانگنا شرک نہیں صحابہ کرام واسلاف سے

ایسا ثابت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں ایک صحابیہ رباب اور اسکے شوہر عمرو نے ایک دوسرے کے ساتھ عہد کیا "ایھما مات قبل الاٰخر لا یتزوج الذی یبقیٰ حتی یموت فمات فاقامت مدۃ فزوجھاابوھا فرأت فی تلك اللیلۃ عمرا انشدھا ابیاتا فاصبحت مذعورۃ و قصت علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم القصۃ فامرھا ان تستأنس بالوحدۃ حتی تموت وامر زوجھا بفراقھا ففعل ذلك" ترجمہ: ہم دونوں میں جو پہلے مرے تو دوسرا جب تک زندہ رہے نکاح نہ کرے گا۔ عمرو کا انتقال ہو گیا۔ رباب ایک مدت تک بیوہ رہی پھر اس کے باپ نے اس کا نکاح کر دیا۔ اسی رات اپنے پہلے شوہر کو خواب میں دیکھا انہوں نے کچھ شعر اس معاملے کی شکایت میں پڑھے۔ یہ صبح کو خائف و ترساں اُٹھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حال عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ مرتے دم تک تنہائی میں جی بہلاؤ اور اس کے شوہر کو حکم دیا کہ اسے چھوڑ دے اس نے اسے چھوڑ دیا۔

(الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، حرف الراء، جلد8، صفحہ131، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

اس حدیث سے کئی باتیں ثابت ہو گئیں کہ دنیا سے پردہ کرنے کے بعد بھی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پتہ چل گیا کہ اس کی بیوی نے دوسری شادی کی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کو سن کر یہ نہیں فرمایا کہ یہ ناممکن ہے اسے کیسے پتہ چل گیا بلکہ ثابت کر دیا کہ مرنے والا دنیا کے احوال کو دیکھ اور سن سکتا ہے۔

وہابی حضرات کا اسے شرک کہنا بالکل غلط ہے۔ جس طرح آج وہابی حضرات بات بات پر شرک کے فتوے لگاتے ہیں کبھی کہتے ہیں داتا کہنا شرک داتا صرف رب تعالیٰ کی ذات ہے تو ان سے قبل خارجیوں کا بھی یہ طریقہ تھا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو

مشرک کہتے تھے کہ واقعہ صفین میں میں جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم یعنی حاکم بنایا تو خارجیوں نے کہا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شرک کیا۔ حاکم صرف رب کی ذات ہے۔ قرآن پاک میں ہے ﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ﴾ ترجمہ: حکم نہیں مگر اللہ کا۔ (سورۃ الانعام، سورت6، آیت57)

ان سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مناظرہ کیا اور جواباً فرمایا کہ اسی قرآن میں یہ آیت بھی تو ہے ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا﴾ ترجمہ کنز الایمان: اور اگر تم کو میاں بی بی کے جھگڑے کا خوف ہو تو ایک پنچ (حاکم) مرد والوں کی طرف سے بھیجو اور ایک پنچ (حاکم) عورت والوں کی طرف سے یہ دونوں اگر صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ ان میں میل کر دے گا، بیشک اللہ جاننے والا خبردار ہے۔ (سورۃ النساء، سورت4، آیت35)

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس دلیل پر کہ غیر اللہ کو بھی حاکم کہہ سکتے ہیں کئی خارجیوں نے اپنے عقیدے سے توبہ کر لی اور کئی حق واضح ہونے کے بعد بھی اپنے عقیدے پر رہے یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ کی اور مارے گئے۔

(ماخوذاز، تلبیس ابلیس، طبری و تاریخی کتب)

خارجیوں کی بھی یہی عادت تھی کہ وہ جو آیات بت پرستوں کے متعلق نازل ہوئی تھیں انہیں مسلمانوں پر چسپاں کر دیتے اور انہیں مشرک ٹھہراتے تھے، جس طرح آج بتوں و شرک والی آیات و احادیث مزارات اولیاء پر گھما پھرا کر چسپاں کر دی جاتی ہیں۔ صحابی رسول حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس عقیدے کی نفی فرماتے ہوئے خارجیوں کو بدترین مخلوق جانتے تھے چنانچہ بخاری شریف کی حدیث پاک ہے "کان ابن

عمر یراهم شرار خلق اللّٰه وقال انّهم انطلقوا الی اٰیاتٍ نزلت فی الکفار فجعلوها علی المؤمنین" ترجمہ: عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما خوارج کو بدترین خلق اللہ جانتے کہ انہوں نے وہ آیتیں جو کافروں کے حق میں اتریں اُٹھا کر مسلمانوں پر رکھ دیں۔

(صحیح بخاری ، کتاب استتابة المرتدین والمعاندین وقتالهم، باب قتل الخوارج والملحدین۔۔جلد9، صفحہ16، دار طوق النجاۃ)

تفسیر ابن کثیر میں ایک حدیث بسند جید موجود ہے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" ان مما اخاف علیکم رجل قرء القران حتی اذا رؤیت بهجته علیه و کان رداءه الاسلام اعتراه الا ما شاء اللّٰه انسلخ منه و نبذه وراءه و سعی علی جاره بالسیف ورماه بالشرك قال قلت یا نبی اللّٰه ایهما اولی بالشرك المرمی او الرامی قال بل الرامی هذا اسناد جید " ترجمہ: بے شک مجھے تم پر ایسے آدمی کا خوف ہے جو قرآن پڑھے حتی کہ اسکی رونق اس پر ظاہر ہو جائے ۔ اس کا اوڑھنا بچھونا اسلام ہو جائے ۔ جب تک اللہ چاہے اسکی یہ حالت برقرار رکھے ۔ پھر اس سے یہ حالت چھن جائے اور وہ اسلام کو پس پشت پھینک دے اور اپنے پڑوسی پر تلوار کھینچ لے اور شرک کے فتوے لگائے ۔ راوی نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شرک کا فتوی لگانے والا شرک کے زیادہ قریب ہے یا جس پر لگایا گیا ؟ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا شرک کا فتوی لگانے والا۔

(تفسیر ابن کثیر، سورة الاعراف، آیت175، جلد3، صفحه509، دار طیبة ، الریاض)

الحمد للہ عزوجل! مختصرا دلائل کے ساتھ واضح کیا ہے کہ اہل سنت کا عقیدہ بالکل درست اور قرآن وسنت کے مطابق ہے۔ اولیاء وانبیاء دور سے سن بھی سکتے ہیں۔ انہیں پکارنا بھی جائز ہے اور یہ اللہ عزوجل کی عطا سے مدد بھی کر سکتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام

نے دنیا سے پردہ کرنے کے بعد ہی امت محمدیہ کی مدد فرمائی کہ پچاس نمازوں کو پانچ کروا دیا۔ اگر اہل سنت واہل حدیث کی کتب میں شرک کی تعریف پر غور کیا جائے تو واضح ہوگا کہ ان میں کہا گیا شرک اللہ عزوجل کی ذات وصفات میں کسی کو شریک کرنا ہے۔ مسلمان کسی نبی وولی کو ہرگز اللہ عزوجل کی ذات وصفات میں شریک نہیں ٹھہراتے بلکہ کہتے ہیں کہ یہ بزرگان دین اللہ عزوجل کی عطا سے مدد کرتے ہیں اور ایسا قرآن وحدیث سے ثابت بھی ہے ۔ اب بتائیے یہ کیسے شرک ہو گیا؟ درحقیقت وہابیوں کے نزدیک شرک وبدعت کی تعریف بہت عجیب وغریب ہے۔ یہ سنت وتوحید کی آڑ میں اپنے عقیدے کو فروغ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان وہابیوں ہی میں توحید کی آڑ میں بہت فرقے ہوئے چنانچہ جماعت مسلمین جس کا بانی مسعود احمد ہے وہ پہلے وہابی تھا پھر اسے توحید کا ایسا نشہ چڑھا کہ اس نے یہ کہہ دیا کہ تمام فرقے والے مشرک ہیں صرف جماعت مسلمین مسلمان ہے۔ اسی طرح عبد اللہ چکڑالوی جو منکرِ حدیث ہے اس نے تو خود ساختہ توحید پرستی کی انتہا کر دی اس نے کہہ دیا حدیث کو ماننا بھی شرک ہے چنانچہ آئینہ پرویزیت میں وہابی مولوی عبدالرحمٰن کیلانی لکھتا ہے:" عبداللہ چکڑالوی: آپ ضلع گورداسپور کے موضع چکڑالہ میں پیدا ہوئے اور اس نسبت سے چکڑالوی کہلاتے ہیں۔ آپ ایک الگ فرقہ مسمی اہل القرآن کے بانی ہیں۔ آپ کا تبلیغی مرکز لاہور تھا۔ آپ پہلے اہل حدیث اور متبع سنت تھے۔ بعد میں حجیت حدیث سے صرف انکار ہی نہیں کیا بلکہ اسے شرک فی الکتاب قرار دینے لگے ۔ وہ کہتے ہیں: پس کتاب اللہ کے ساتھ شرک کرنے سے یہ مراد ہے کہ جس طرح کتاب اللہ کے احکام کو مانا جاتا ہے اسی طرح کسی اور کتاب یا شخص کے قول یا فعل کو دین اسلام میں مانا جائے خواہ فرضا جملہ رسل وانبیاء کا قول یا فعل ہی کیوں نہ ہو، شرک موجب عذاب ہے، اسی طرح مطابق

"﴿ان الحکم الا للہ﴾ اور ﴿الا لہ الخلق والامر﴾ اور ﴿لا یشرک فی حکمہ احدا﴾ کے (یعنی) شرک فی الحکم "یعنی دین میں اللہ کے حکم کے سوا کسی کا حکم ماننا بھی اعمال کا باطل کرنیوالا باعث ابدی ودائمی عذاب ہے۔افسوس شرک فی الحکم میں آج کل اکثر لوگ مبتلا ہیں۔ترجمۃ القرآن،صفحہ 98۔"

(آئینہ پرویزیت،صفحہ119،مکتبۃ السلام ،لاہور)

اب اہل حدیثوں کی تمام کتابیں پڑھ لیں کہیں بھی صراحۃً احادیث واسلاف کے اقوال ایسے نہ پائیں گے جہاں انہوں نے کہا ہو کہ نبی یا ولی سے مدد مانگنی شرک ہے۔اوپر صراحۃً دلائل پیش کئے کہ صحابہ نے خود آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ مبارک پر آکر مدد مانگی اور اسلاف نے صراحت کی کہ ایسا کرنا شرک نہیں جائز ہے۔وہابی حضرات اپنی کتابوں میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ جس طرح آج اہل سنت والے کہتے ہیں کہ ہم ولیوں ونبیوں کو اللہ عزوجل کی طرف وسیلہ وشفیع سمجھتے ہیں مشرک بھی یہی کہتے تھے کہ ہم ان بتوں کو وسیلہ سمجھتے ہیں اور اس پر یہ آیت لکھتے ہیں ﴿وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ مَا لاَ يَضُرُّهُمْ وَلاَ يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَؤُلاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللّٰهِ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللّٰهَ بِمَا لاَ يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلاَ فِي الأَرْضِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ کنزالایمان:اور اللہ کے سوا ایسی چیز کو پوجتے ہیں جو ان کا کچھ بھلا نہ کرے اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی ہیں تم فرماؤ کیا اللہ کو وہ بات بتاتے ہو جو اس کے علم میں نہ آسمانوں میں ہے نہ زمین میں اسے پاکی اور برتری ہے ان کے شرک سے۔

(سورۃ یونس،سورت10،آیت18)

اس آیت سے وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ ولیوں اور نبیوں کو وسیلہ وشفیع بنانا بھی شرک اور بت پرستوں کا طریقہ ہے۔جبکہ اللہ عزوجل کے ولیوں اور نبیوں کو وسیلہ بنانا بالکل

جائز وثابت ہے۔قرآن پاک میں ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ ترجمہ کنزالایمان:اے ایمان والو!اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔ (سورۃ المائدہ،سورت5،آیت35)

وسیلہ سے دعا مانگنا حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر صحابہ کرام علیہم الرضوان اور ان کے بعد بزرگان دین سب سے ثابت ہے۔قرآن پاک میں ہے ﴿فَتَلَقَّى آدَمُ مِن رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾ ترجمہ کنزالایمان: پھر سیکھ لئے آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمے تو اللہ نے اس کی توبہ قبول کی بیشک وہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان۔ (سورۃ البقرہ،سورت2،آیت37)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ روح البیان میں فرماتے ہیں "عن النبی صلی الله علیه وسلم ان آدم قال بحق محمد ان تغفر لی قال وکیف عرفت محمدا قال لما خلقتنی ونفخت فی الروح فتحت عینی فرأیت علی ساق العرش لااله الا الله محمد رسول الله فعلمت انه اکرم الخلق علیك حتی قرنت اسمه باسمك فقال نعم وغفر له بشفاعته" ترجمہ:حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں عرض کی۔میری محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے مغفرت فرما۔اللہ عزوجل نے فرمایا تو نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیسے جانا؟ عرض کی جب تو نے مجھے پیدا کیا اور مجھ میں روح پھونکی۔جب میری آنکھیں کھلیں تو میں نے دیکھا عرش پر لکھا تھا "لا الله الا الله محمد رسول الله" تو میں جان گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ مخلوق میں تیرے محبوب بندے ہیں اس لئے تو نے ان کا نام اپنے نام کے ساتھ ملایا ہے۔اللہ عزوجل نے فرمایا ہاں اور میں نے تجھے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کے صدقے سے بخش دیا۔

(روح البیان، فی تفسیر،سورۃ البقرہ،سورت2،آیت37،جلد1،صفحہ113،دار الفکر ،بیروت)

مستند احادیث وقرآنی آیات سے ثابت ہے کہ انبیاء واولیاء قیامت والے دن دوسرے مسلمانوں کی شفاعت کریں گے، بلکہ چھوٹے بچے جو بچپن میں فوت ہوگئے وہ بھی والدین کی شفاعت کریں گے ،حافظ قرآن ،عالم دین شفاعت کریں گے۔اس کے باوجود وہابی حضرات کا اسے شرک سمجھنا اور کہنا کہ یہ بت پرستوں کا عقیدہ ہے حیرت والی بات ہے۔باقی جو آیت وہابی حضرات پیش کرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ انہیں مشرک اس لئے کہا گیا کہ وہ ان ہستیوں کو وسیلہ سمجھنے کے ساتھ ساتھ ان کی عبادت کرتے تھے ان کے بت بناتے تھے جبکہ ہم اہل سنت والے ہرگز ان کی عبادت نہیں کرتے اور نہ ان کے بت بناتے ہیں۔فرق بالکل واضح ہے۔

اہل سنت والے ہرگز یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ اللہ عزوجل سے مدد نہ مانگی جائے ، صرف غیر اللہ سے مدد مانگی جائے۔ہمارا عقیدہ صرف یہ ہے کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا جائز ہے کوئی فرض و واجب نہیں۔ایسا بھی نہیں کہ سنی لوگ ہر وقت غیر اللہ سے ہی مدد مانگتے رہتے ہیں،رب تعالیٰ سے مانگتے ہی نہیں۔

بدعت

شرک کی طرح بدعت کے متعلق بھی وہابی حضرات کا یہی طریقہ ہے کہ وہ تمام بدعات کے متعلق احادیث نقل کرکے پھر بغیر دلیل کہتے ہیں ایصال ثواب،قرآن خوانی،وغیرہ سب ناجائز وبدعت ہے۔

وہابی حضرات کے نزدیک بدعت کی تعریف ومفہوم

وہابی حضرات کی نزدیک بدعت کی خود ساختہ تعریف ومفہوم یہ ہے کہ جو کام خیر القرون یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان نے نہ کیا ہو وہ بدعت ہے۔ایک وہابی مولوی عمرو بن عبدالمنعم بن سلیم نے ایک کتاب عبادات میں بدعت لکھی جس میں اس نے بے شمار افعال کو ناجائز وبدعت قرار دیا۔شروع میں بدعت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:''بدعت ہر اس عمل کو کہتے ہیں جس کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو۔یعنی ہر ایسا عمل یا عقیدہ جس پر قرآن ،حدیث اور اجماع سے دلیل نہ ہو چونکہ اسلام کا بہترین اور سنہری دور خیر القرون کا دور ہے لہذا بعض علماء نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ خیرا لقرون میں اس کو وجود نہ ہو اور اسے دین وثواب سمجھ کر اپنایا جائے (تو یہ بدعت ہے)۔''

(عبادات میں بدعت،صفحہ17،مکتبہ قدوسیہ)

وہابی حضرات کے ہر بیان ہر خطبہ میں یہ حدیث لازم ہوتی ہے''کل بدعة ضلالة''، ترجمہ: ہر بدعت گمراہی ہے۔جب ان سے کہا جائے کہ جناب اس طرح تو گاڑی،ٹرین، جہاز،کمپیوٹر وغیرہ سب کا استعمال ناجائز ہوا کہ یہ صحابہ کرام کے دور میں نہ تھے۔اس پر کہا جاتا ہے کہ یہ دنیاوی کام ہیں،دین میں کوئی نیا کام ہو تو وہ بدعت ہے۔جوابا جب کہا جائے کہ جناب حدیث تو آپ یہ پڑھتے ہیں''کل بدعة ضلالة'' کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔پھر اس میں دینی اور دنیاوی کی قید کہاں سے نکال رہے ہیں؟ دین میں بھی تو کئی کام صحابہ کرام علیہم الرضوان کے دور میں نہ تھے آج رائج ہیں اور ہر کوئی کر رہا ہے جیسے مسجد کا محراب بنانا،مسجد کے مینار وگنبد بنانا، اسپیکر میں اذان ونماز پڑھنا،صفوں پر نماز پڑھنا،دینی اجتماعات کروانا،لاکھوں روپے لگا کر اجتماع کی مشہوری کرنا،اسکے پوسٹر وبینر لگوانا،امامت وخطابت کی اجرت لینا،قرآن پڑھانے کی اجرت لینا،خود کو اہل حدیث کہلوانا کیونکہ کسی صحابی نے نہیں کہا میں اہل حدیث ہوں وغیرہ۔آج تک وہابی حضرات

اس کا جواب نہ دے سکے۔لیکن نہ جانے کیوں دیگر کاموں کو بدعت بغیر دلیل کہتے ہیں اور اس پر بہت زیادہ شدت کرتے ہیں۔اب دیکھیں کس طرح گھما پھرا کر جائز بلکہ مستحب کاموں کو بدعت کہہ دیا جاتا ہے۔ایک وہابی مولوی مختار احمد ندوی صاحب نے ایک کتاب قرآن خوانی اور ایصال ثواب میں لکھا ہے:''حاصل کلام یہ ہے کہ اہداء ثواب اور میت کی وجہ سے قبروں پر اور مجالس و مساجد میں قرآن پڑھنا بدعت وضلالت ہے۔جس سے لوگوں کو متنبہ کرنا ضروری ہے۔حدیث شریف میں وارد ہے" ایاکم و محدثات الامور فان کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة" ترجمہ: دین میں نئی پیدا کی ہوئی باتوں سے بچو اس لئے کہ دین میں ہر ایجاد کردہ بات بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت ہے۔''

(قرآن خوانی اور ایصال ثواب،صفحہ34،دعوت و توعية الجاليات،ربوہ،ریاض)

وہابی مولوی احسان الٰہی ظہیر نے لکھا:''بریلوی حضرات عرسوں،محافل میلاد، فاتحہ کی نذر،قل،گیارہویں اور چالیسواں وغیرہ کی شکل میں بہت سی اس طرح کی بدعات ایجاد کیں،تاکہ وہ ان کے ذریعے سے پیٹ کی آگ ٹھنڈی کرسکیں۔''

(بریلویت،صفحہ170،ادارہ ترجمان السنة)

ان کو چاہئے یہ تھا کہ صریح دلیل نقل کریں کہ فلاں حدیث میں آیا ہے قرآن خوانی ناجائز ہے،فلاں جگہ آیا ہے میلاد شریف منانا ناجائز ہے۔جبکہ یہ شرک کی طرح تمام بدعات والی احادیث نقل کرکے پھر بلا دلیل سب افعال کو بدعت کہہ دیتے ہیں۔احسان الٰہی ظہیر نے سنیوں پر الزام لگایا ہے کہ وہ بدعات میں پیٹ کی آگ ٹھنڈی کرتے ہیں،جبکہ خود وہابی مولوی جہاد اور احادیث کے فروغ میں جو چندے کھاتے ہیں اور جہاد کو بدنام کیا ہے وہ سب کو پتہ ہے۔

وہابی حضرات نے بدعت کی یہ تعریف اپنے پاس سے نکالی ہوئی ہے کہ جو کام

صحابہ کرام علیہم الرضوان کے دور میں نہ ہو وہ بدعت ہے۔ان سے پوچھا جائے کہ بدعت کی یہ تعریف کیا حدیث میں آئی ہے؟ یا کسی صحابی نے کی ہے؟ یا کسی محدث،مفسر،فقیہ نے کی ہے؟ ہرگز اپنی خود ساختہ بدعت کی تعریف پر دلیل نہ لاسکیں گے۔ایک وہابی نے تو کوئی حد ہی نہیں چھوڑی اس نے قرآن خوانی وغیرہ کو ناجائز و بدعت ثابت کرنے کے لئے اپنے پاس سے بدعت کی ایک نئی تعریف کی چنانچہ کہتا ہے:''عبادات میں اصل حرمت ہے یعنی کوئی بھی عبادت بغیر کسی صحیح شرعی دلیل کے جائز نہیں ہے اور یہیں سے یہ مسئلہ بھی سمجھ لیں کہ بغیر کسی صحیح شرعی دلیل کے ہر قسم کی عبادت بدعت منکرہ اور مردود ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "من احدث فی امرنا مالیس منه فهو رد" ترجمہ: جس نے ہمارے دین میں ایسی بات نکالی جو دین میں شامل نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔''

(عبادات میں بدعت،صفحہ19،مکتبہ قدوسیہ)

اس بات سے انہوں نے یہ ثابت کیا کہ قرآن خوانی،درود وسلام،محفل میلاد وغیرہ چونکہ سب عبادات میں شامل ہیں لہذا جب تک اس کے اوپر صریح دلیل نہ ہوگی یہ ناجائز و بدعت رہیں گے۔بدعت کی یہ تعریف کرنا خود ناجائز و بدعت ہے۔بدعت کی یہ تعریف کسی بھی حدیث،تفسیر،فقہ میں نہیں آئی۔اس تعریف پر پھر وہابی صاحب نے گھما پھرا کر حدیث پاک نقل کردی جبکہ اس حدیث پاک سے قرآن خوانی وغیرہ ناجائز ثابت نہیں ہو رہی۔اگر بدعت کی یہ تعریف قبول کرلی جائے تو پھر شاید ہی کوئی اہل حدیث ہو جو بدعتی نہ ہو جیسے خود یہ مولوی صاحب بہت بڑے بدعتی ہوئے،اس کتاب کو لکھنا ان کے نزدیک عبادت ہے جبکہ اس پر کوئی حدیث نہیں،اس کتاب کو لکھنے پر پیسے لینا بھی سخت بدعت ہوئی۔سیرت کانفرنس کرنے والے وہابی بھی بدعتی ہوئے،درس وتدریس کروانے والے بھی بدعتی ہوئے،دینی اجتماعات کرنے والے وہابی بھی بدعتی ہوئے۔جُمُعَہ میں اردو تقریر

کرنا بھی بدعت ہے اور اس پر پیسے لینا جو وہابی بھی لیتے ہیں بدعت ہے۔اسی طرح اگر بدعت کی یہ تعریف ہو تو جو کوئی چاہے کہ وہ دن میں سو رکعات نفل پڑھے، دو ہزار درود پڑھے، ہزار مرتبہ کوئی سی بھی تسبیح پڑھے تو اس کے لئے یہ سب ناجائز ہوگا جب تک وہ اس پر قرآن وحدیث سے دلیل نہ لائے۔کوئی چار زانوں بیٹھ کر ذکر کرنا چاہے تو اس کے لئے یہ ناجائز ہوگا کہ پہلے چار زانوں بیٹھ کر ذکر کرنے کے جواز پر حدیث پیش کرے۔یعنی کوئی بھی ذکر کرنا جائز ہے جب تک دلیل نہ ہو۔لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

اہل سنت کے نزدیک بدعت کی تعریف ومفہوم

اب اہل سنت کے نزدیک بدعت کی تعریف ومفہوم کو نقل کیا جاتا ہے۔پھر قرآن وحدیث اور جید علمائے کرام جن کو اہل حدیث بھی مانتے ہیں ان کے اقوال نقل کئے جاتے ہیں، تاکہ واضح ہو جائے کہ بدعت ہے کیا؟

بدعت کے لغوی معنی ہیں: نئی چیز: قرآن مجید فرقانِ حمید میں اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے ﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ﴾ ترجمہ کنز الایمان: تم فرماؤ کوئی انوکھا (نیا) رسول نہیں۔ (سورۃ الاحقاف، سورت 46، آیت 9)

نیز ارشاد ہوتا ہے ﴿بَدِيْعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ ترجمہ کنز الایمان: نیا پیدا کرنے والا آسمانوں اور زمین کا۔ (سورۃ البقرہ، سورت 2، آیت 117)

ان آیاتِ کریمہ میں بدعت لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی ایجاد کرنا، نیا بنانا وغیرہ۔بدعت کا شرعی معنی یہ ہے کہ وہ اعتقاد یا وہ اعمال جو کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ حیات ظاہری میں نہ ہوں بعد میں ایجاد ہوئے ہوں جیسا کہ مشکوٰۃ شریف کی شرح مرقاۃ، باب الاعتصام میں ہے" وفی الشرع احداث مالم یکن فی عهد رسول الله

صلی الله علیه و سلم" ترجمہ: بدعت شریعت میں اس کام کا ایجاد کرنا ہے جو کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ ہو۔

(مرقاۃ، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، جلد1، صفحہ223، دار الفکر، بیروت)

اب بعد میں جو کام بھی ایجاد ہوگا وہ بدعت ہوگا اور اس کی دو قسمیں ہونگی: (1) بدعت اعتقادی (2) بدعت عملی

(1) بدعت اعتقادی: یعنی وہ برے عقائد جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد اسلام میں ایجاد ہوئے۔جیسے خارجی فرقہ، نیچری، منکرین حدیث وغیرہ۔احادیث اور فقہائے کرام نے گمراہوں کو بھی بدعتی کہا ہے، اعتقاد صحیح نہ ہونے کے سبب۔

(2) بدعت عملی کی درج ذیل اقسام ہیں:

(ا) بدعت جائز: ہر وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو اور بغیر کسی نیت خیر کیا جائے جیسے چند کھانے ملا کر کھانا وغیرہ ان کاموں پر نہ ثواب نہ عذاب۔

(۲) بدعت مستحبہ: وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو لیکن اس کی اصل قرآن وحدیث سے ثابت ہو اور اس کو عام مسلمان کارِ ثواب جانتے ہوں یا کوئی شخص اسکو نیتِ خیر سے کرے جیسے محفلِ میلاد شریف، فاتحہ بزرگانِ دین وغیرہ اسکو کرنے والا ثواب پائے گا اور نہ کرنے والا گناہگار نہیں ہوگا۔اسلئے کہ ان میں قرآن پاک کی تلاوت ہوتی ہے اور قرآن پاک کی تلاوت بلاشبہ ثواب ہے۔محفل میلاد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان بیان کی جاتی ہے نعت خوانی ہوتی ہے جو ثواب ہے۔البتہ اگر کوئی جائز ومستحبہ بدعت کو فرض وواجب جانے وہ گناہ گار ہے۔

(۳) بدعت واجبہ: وہ نیا کام جو شرعاً منع نہ ہو اور اسکے چھوڑنے سے دین میں حرج واقع ہو جیسے کہ قرآن کے اعراب اور دینی مدارس اور علم نحو وغیرہ پڑھنا۔

(۴) بدعت سیئہ :۔اس نئے کام کو کہتے ہیں جو کسی سنت کو مٹانے والی ہو یا کسی سنت کے خلاف ہو جیسا کہ اُردو زبان میں خطبہ جُمُعَہ یا عیدین پڑھنا کہ اسطرح سنت خطبہ یعنی عربی (میں خطبہ کہنے) کی سنت اُٹھ جاتی ہے۔وہ نیا کام جس سے کوئی سنت چھوٹ جائے اگر سنت غیر مؤکدہ چھوٹی تو یہ بدعت مکروہ تنزیہی ہے اور اگر سنت مؤکدہ چھوٹی تو یہ بدعت مکروہ تحریمی ہے جیسے فخریہ مساجد کو مزین کرنا اور اگر اس سے کوئی واجب چھوٹ جائے یعنی واجب کو مٹانے والی ہے تو بدعت حرام ہے۔

شہزادہ اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام مفتی حامد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:''اذان ثانی جُمُعَہ بھی مسجد کے باہر ہی ہونا مطابق سنت ہے۔تو بلاشبہ مسجد کے اندر ہونا خلاف سنت ہے۔حکم حدیث وفقہ کے خلاف رواج پر اڑا رہنا مسلمانوں کو ہرگز نہ چاہئے۔ جو بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وخلفائے راشدین واحکام فقہ کے خلاف نکلی ہو وہی نئی بات ہے اسی سے بچنا چاہئے نہ کہ سنت وحکم حدیث وفقہ سے۔''

(فتاوٰی حامدیہ،صفحہ232،شبیر برادرز،لاہور)

اسی طرح نوحہ کرنا،تعزیہ نکالنا،قبروں کو سجدہ کرنا وغیرہ بدعت سیئہ ہے۔اسی طرح وہ کام جو شرع میں ثواب نہیں اسے ثواب سمجھنا بھی بدعت سیئہ ہے جیسے کوئی کہے کہ ایک ٹانگ پر کھڑے ہونا ثواب ہے۔جو فعل سنت نہیں اسے سنت کہنا،یونہی کوئی مستحب عمل کو فرض وواجب کہنا بدعت سیئہ ہے۔بعض صحابہ کرام جو بدعت کے اوپر سختی کرتے تھے وہ اسی وجہ سے تھی کہ کہیں بعد والے اس کو سنت نہ سمجھ لیں۔

من جملہ ان باتوں سے یہ واضح ہوا کہ عمومی طور پر بدعت دو طرح کی ہوتی ہے۔ بدعت سیئہ ،بدعت حسنہ۔بدعت سیئہ چونکہ اس نئے کام کو کہتے ہیں جس سے کوئی سنت مٹ جائے اس بری بدعت کے بارے میں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ

مردود و گمراہی ہے۔اور وہ نیا کام جو قرآن وسنت کے خلاف نہیں ہے اسکو''بدعت حسنہ'' یعنی اچھی بدعت کہتے ہیں یہ بالکل جائز ہیں۔بدعت حسنہ کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:۔(1) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قرآن پاک کو ایک جگہ جمع کروایا اور اس کی تکمیل حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوئی حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسا نہ ہوا تھا۔(2) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کی جماعت شروع کروائی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مبارک زمانے میں ایسا نہیں ہوا تھا۔پھر لوگوں کو با جماعت تراویح پڑھتے دیکھ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا''نعم البدعة هذه'' کتنی اچھی بدعت ہے۔(3) جُمُعَہ کی دوسری اذان حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں شروع ہوئی حالانکہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے مقدس ادوار میں یہ نہ تھی۔(4) قرآن پاک کے اوپر نقطے واعراب حجاج بن یوسف کے دور میں لگے ہیں چاروں صحابہ کرام علیہم الرضوان نے یہ کام نہیں کیا جو انہوں نے کروایا اور اس پر کسی عالم نے انکار بھی نہیں کیا۔(5) مسجد میں امام کے کھڑے ہونے کے لئے محراب بنانا ولید مروانی کے دور میں سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایجاد کیا تھا۔(6) چھ کلمے،اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس دور میں مرتب نہ تھے۔

اگر پھر بھی کسی کو یہ سمجھ نہیں آرہا ہے تو اس سے پوچھا جاتا ہے کہ حج کے لئے ہوائی جہاز پر سفر کر کے جانا،اس انداز سے مساجد بنانا،نئے نئے کاروبار کرنا،سیرت کانفرنس کرنا،ختم بخاری کا اہتمام کرنا،درس قرآن دینا،روڈ یا مختلف مقامات پر رمضان شریف میں شبینہ پڑھنا،وغیرہ وغیرہ یہ کہاں سے ثابت ہے؟ کیا حضور علیہ السلام نے تراویح کے بعد

درس قرآن دیا۔ کسی صحابی نے یہ عمل کیا ہو ،کوئی کانفرنس منعقد کی ہو ،تو ثابت کریں"فماجوابکم فھو جوابنا" جوتمہارا جواب ہے وہی ہمارا جواب ہے۔تو یہی اصول اپنانا پڑیگا کہ شریعت میں جن کاموں سے منع نہیں کیا گیا ہے وہ جائز ہیں۔

وہابی حضرات بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی اقسام کو نہیں مانتے ،وہ کہتے ہیں ہر کام بدعت ہے چاہے حسنہ ہو یا سیئہ ہو چنانچہ وہابی مولوی صفی الرحمٰن مبارکپوری اپنی کتاب الرحیق المختوم میں بدعت حسنہ کا انکار اور اس پر طنز کرتے ہوئے اسے مشرکین کا طریقہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:"پھر اہل جاہلیت کے یہاں بت پرستی کے کچھ خاص طریقے اور مراسم بھی رائج تھے جو زیادہ تر عمرو بن لُحی کی اختراع تھے۔اہل جاہلیت سمجھتے تھے کہ عمرو بن لحی کی اختراعات دین ابراہیمی میں تبدیلی نہیں بلکہ بدعت حسنہ ہیں۔"

(الرحیق المختوم ،صفحہ58،المکتبة السلفیة،لاہور)

ایک وہابی مولوی مختار احمد مدنی صاحب لکھتے ہیں:"بعض لوگوں نے بدعتوں کی دو قسمیں بیان کی ہیں(1)بدعت حسنہ(اچھی بدعت)(2) بدعت سیئہ (بری بدعت) حالانکہ یہ تقسیم قرآن وحدیث کے سراسر خلاف ہے۔۔۔بدعت حسنہ اور سیئہ کی تقسیم غلط ہی نہیں بلکہ خود ایک گمراہی اور بدعت ہے۔"

(بدعت اس کی تعریف ،اسباب اور علاج ،صفحہ1،الدعوة الجالیات بالجبیل،سعودیہ)

اس وہابی مولوی صاحب کے نزدیک بدعت حسنہ اور سیئہ کی تقسیم کرنے والے گمراہ ہیں معاذ اللہ عزوجل۔جبکہ جید علمائے کرام جن کو وہابی بھی مانتے ہیں ان سے یہ تقسیم ثابت ہے بلکہ کمال کی بات یہ ہے کہ خود وہابیوں کے بڑے اماموں نے بدعت کی اقسام بیان کی ہیں۔

قرآن وحدیث سے مسلکِ اہل سنت کی تائید

اب قرآن وحدیث واسلاف کے اقوال سے مسلکِ اہل سنت کو واضح کیا جاتا ہے۔قرآن پاک میں ہے﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْأَرْضِ جَمِیْعاً﴾ترجمہ کنز الایمان:وہی ہے جس نے تمہارے لئے بنایا جو کچھ زمین میں ہے۔

(سورة البقرة،سورت2،آیت29)

دوسری آیت میں ہے﴿وَالْخَیْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِیْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِیْنَةً وَیَخْلُقُ مَا لاَ تَعْلَمُوْنَ﴾ ترجمہ کنز الایمان:اور گھوڑے اور خچر اور گدھے کہ ان پر سوار ہو اور زینت کے لئے اور وہ پیدا کرے گا جس کی تمہیں خبر نہیں۔

(سورة النحل،سورت16،آیت8)

ان دونوں آیتوں سے واضح ہوا کہ جو کچھ زمین میں ہے وہ اللہ عزوجل نے انسانوں کے لئے بنایا ہے۔اسی طرح سواری کے لئے جانور انسانوں کے لئے پیدا کئے اور پھر فرمایا کہ وہ پیدا کرے گا جس کی تمہیں خبر نہیں یعنی ہوائی جہاز،ریل گاڑی وغیرہ سب انسانوں کے لئے پیدا ہوئی ہیں اور آئندہ بھی جدید سے جدید چیز جو بھی پیدا ہوگی وہ انسانوں کے لئے ہوگی۔یہ ممکن نہیں کہ قرآن وحدیث میں ہر چیز کے جائز ہونے کی صراحت کی ہو کہ فلاں چیز جائز فلاں جائز ہے۔بس ایک قاعدہ کلیہ بیان کر دیا۔تو جو بھی نئی چیز پیدا ہوگی اسے بدعت کہہ کا حرام و ناجائز نہیں کہا جائے گا بلکہ یہی دو آیتوں سے اس کا استعمال جائز ہوگا۔تو ثابت ہوا کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں"الاصل فی الاشیاء الاباحة"ترجمہ:اشیاء میں اصل اباحت(جائز ہونا)ہے۔

(رد المحتار،کتاب الجہاد،باب استیلاء الکفار،،جلد4،صفحہ161،دارالفکر،بیروت)

بدعت کی تعریف واقسام بیان کرتے ہوئے شارح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں" البدعة هو فعل ما لم يسبق إليه فما وافق السنة فحسن وما خالف فضلالة وهو المراد حيث وقع ذم البدعة وما لم يوافق ولم يخالف فعلى أصل الإباحة" ترجمہ: بدعت کا معنی یہ ہے کہ جو پہلے نہ ہوا ہو۔ لہٰذا نیا کام جو سنت کے موافق ہو وہ اچھا ہے اور جو سنت کے خلاف ہو وہ گمراہی ہے۔ جہاں کہیں بدعت کی مذمت ہوگی اس سے مراد وہ بدعت ہوگی جو سنت کے مخالف ہے۔ جو سنت کے مخالف نہیں، وہ مباح ہے۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری، مقدمۃ الفتح، جلد01، صفحہ84، دارالمعرفۃ، بیروت)

یہی وہابیوں کے ایک مولوی عظیم آبادی نے عون المعبود میں لکھا" والمراد بالبدعة ما أحدث مما لا أصل له في الشريعة يدل عليه، وأما ما كان له أصل من الشرع يدل عليه فليس ببدعة شرعا وإن كان بدعة لغة"

(عون المعبود، جلد12، صفحہ235، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

کیمیائے سعادت میں امام غزالی رحمۃ اللہ ارشاد فرماتے ہیں" ایں همه گرچه بدعت ست وازصحابه وتابعين نقل نه كرده انديلكن نه هرچه بدعت بودنه شايد كه بسياری بدعت نيكو باشد پس بدعت مذموم آں بود كه برمخالفت سنّت بود" ترجمہ: یہ سب امور اگر چہ نو پید ہیں اور صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول نہیں ہیں، مگر ایسا بھی نہیں کہ ہر نئی بات ناجائز و بدعت ہو کیونکہ بہت ساری نئی باتیں اچھی ہیں۔ چنانچہ مذموم بدعت وہ ہوگی جو سنت رسول کے مخالف ہو۔

(کیمیائے سعادت، رکن دوم، اصل ہشتم، باب دوم، صفحہ388، انتشارات گنجینہ، ایران)

شارح مسلم شریف علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ بدعت کی تعریف اور اس کی اقسام کے متعلق فرماتے ہیں "قال أهل اللغة هي كل شيء عمل على غير مثال سابق قال

العلماء البدعة خمسة أقسام واجبة، ومندوبة ومحرمة، ومكروهة، ومباحة" ترجمہ: اہل لغت نے فرمایا ہر وہ عمل جس کی مثال پہلے نہ ہو وہ بدعت ہے۔ علماء نے ارشاد فرمایا بدعت کی پانچ اقسام ہیں: واجب، مستحب، حرام، مکروہ، مباح۔

(شرح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، تخفیف الصلوٰۃ و الخطبۃ، جلد 6، صفحہ154، دار إحياء التراث العربي، بیروت)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ بدعت واجبہ، مندوبہ و مکروہہ اور مباحہ کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں " قد تكون (اى البدعة) واجبة كنصب الأدلة للرد على أهل الفرق الضالة، وتعلم النحو المفهم للكتاب والسنة ومندوبة كإحداث نحو رباط ومدرسة وكل إحسان لم يكن في الصدر الأول، ومكروهة كزخرفة المساجد ومباحة كالتوسع بلذيذ المآكل والمشارب والثياب كما في شرح الجامع الصغير للمناوى عن تهذيب النووى، وبمثله في الطريقة المحمدية للبركلي " ترجمہ: بدعت کبھی واجب ہوتی ہے جیسے گمراہ فرقے والوں پر رد کے لئے دلائل قائم کرنا اور علم نحو کا سیکھنا جو قرآن و حدیث سمجھنے میں معاون ہوتا ہے۔ اور بدعت کبھی مستحب ہوتی ہے جیسے مدرسوں اور مسافروں کی تعمیر کرنا اور ہر وہ نیک کام کرنا جو ابتدائی زمانہ میں نہیں تھا۔ اور بدعت کبھی مکروہ ہوتی ہے جیسے مسجدوں کو مزین کرنا۔ اور بدعت کبھی مباح ہوتی ہے جیسے لذیذ کھانے پینے اور کپڑے کی کشادگی اختیار کرنا جیسا کہ مناوی کی شرح جامع صغیر میں تہذیب النووی سے منقول ہے اور اس کی مثل برکلی کی کتاب طریقہ محمدیہ میں ہے۔

(درمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلوٰۃ، باب الامامۃ، جلد1، صفحہ559، دارالفکر، بیروت)

لہٰذا جس دنیاوی یا دینی کام کی قرآن و حدیث میں ممانعت ہوگی وہ ناجائز

ہوگا۔اگر وہ قرآن وحدیث سے ثابت ہوگا تو حلال ہوگا۔اگر اس کے متعلق قرآن وحدیث میں کوئی احکام نہیں تو مباح ہوگا اسے ناجائز نہیں کہہ سکتے۔ترمذی،مشکوٰۃ،ماجہ،ابوداؤد کی بسند صحیح حدیث پاک ہے "عن ابن عباس قال كان أهل الجاهلية يأكلون أشياء ويتركون أشياء تقذرا فبعث الله تعالى نبيه صلى الله عليه وسلم وأنزل كتابه وأحل حلاله وحرم حرامه فما أحل فهو حلال وما حرم فهو حرام وما سكت عنه فهو عفو وتلا ﴿**قل لا أجد فيما أوحي إلي محرما**﴾ إلى آخر الآية" ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے دور میں لوگ اشیاء کو کھاتے اور مکروہ سمجھتے ہوئے چھوڑ دیتے تھے،تو اللہ عزوجل نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور کتاب کو نازل فرما کر حلال کو حلال فرمایا اور حرام کو حرام کیا۔تو جسے حلال کیا گیا وہ حلال ہے اور جسے حرام کیا گیا وہ حرام ہے اور جس کے متعلق کوئی حکم نہیں ارشاد فرمایا گیا وہ معاف (مباح) ہے۔پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی "تم فرماؤ میں نہیں پاتا اس میں جو میری طرف وحی ہوئی کسی کھانے والے پر کوئی کھانا حرام مگر یہ کہ مردار ہو یا رگوں کا بہتا خون یا بد جانور کا گوشت وہ نجاست ہے یا وہ بے حکمی کا جانور جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا گیا تو جو ناچار ہوا نہ یوں کہ آپ خواہش کرے اور نہ یوں کہ ضرورت سے بڑھے تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(سنن ابی داؤد،کتاب الاطعمة،باب مالم یذکر تحریمه،جلد3،صفحه354،المکتبة العصرية، صيدا ،بيروت)

اہل سنت والوں نے جو بدعت کی اقسام وصورتیں بتائی ہیں جیسے بدعت عملی واعتقادی،بدعت حسنہ وسیئہ اس پر احادیث واقوال علماء پیش خدمت ہیں:۔

بدعت حسنہ وسیئہ کے متعلق احادیث میں ہے۔صحیح مسلم میں ہے "من سن في الاسلام سنة حسنة فله اجرها واجرمن عمل بها من بعده من غير ان ينقص من اجورهم شئى ومن سن فى الاسلام سنة سيئةً فعليه وزرُها ووزرمن عمل بها من غير ان ينقص من اوزارهم شئى " یعنی جو کوئی اسلام میں اچھا طریقہ (اچھی بدعت) جاری کرے اس کو اس کا ثواب ملے گا اور اس کا بھی جو اس پر عمل کریں گے اور ان کے ثواب میں بھی کمی نہ ہوگی اور جو شخص اسلام میں برا طریقہ (بری بدعت) جاری کرے اس پر اس کا گناہ ہوگا اور ان کا بھی جو اس پر عمل کریں اور ان کے گناہ میں بھی کچھ کمی نہ آئے گی۔

(صحيح مسلم،كتاب العلم،باب من سن سنة حسنة--،جلد4،صفحه2058،دار إحياء التراث العربي ،بيروت)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تراویح کی جماعت قائم فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ کیا ہی اچھی بدعت ہے چنانچہ بخاری شریف کی حدیث میں ہے 'فقال عمر انى لو جمعت هولاء على قارىء واحد لكان امثل ثم عزم فجمعهم على ابى ابن كعب فقال عمر نعمت البدعة هذه" ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں کو الگ الگ نماز تراویح پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ اگر میں ان کو ایک قاری پر جمع کر دوں تو یہ زیادہ بہتر ہے۔پھر عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر جمع کیا یعنی ان کو سب کا امام بنا دیا اور پھر فرمایا کہ یہ کیا ہی اچھی بدعت ہے۔

(بخاری،کتاب صلوٰۃ التراویح،باب فضل من قام رمضان،جلد3،صفحه45،دار طوق النجاة)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بدعت کے سخت مخالف تھے،وہ بھی بدعت حسنہ کے قائل ہیں چنانچہ وہ چاشت کو نماز کو بدعت حسنہ کہتے تھے۔فتح الباری میں ہے "عن الأعرج قال سألت بن عمر عن صلاة

الضحی فقال بدعة و نعمت البدعة" ترجمہ: حضرت اعراج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چاشت کی نماز کے متعلق پوچھا تو فرمایا وہ بدعت ہے اور اچھی بدعت ہے۔

(فتح الباری، باب صلاۃ الضحی فی السفر، جلد 3، صفحہ52، دار المعرفۃ، بیروت)

مزید ایک حدیث پاک میں مروی ہے "عن ابن مسعود ماراہ المومنون حسنا فھو عنداللہ حسن" ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

(کنزالعمّال، کتاب الفضائل من قسم الأفعال، جلد12، صفحہ725، مؤسسة الرسالة، بیروت)

بدعت سیئہ کا تذکرہ کرتے ہوئے حافظ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "فمن تقرَّب إلى الله بعمل، لم يجعله الله ورسولُه قربة إلى الله، فعمله باطلٌ مردودٌ عليه، وهو شبيهٌ بحالِ الذين كانت صلاتُهم عندَ البيت مُكاء وتصدية، وهذا كمن تقرَّب إلى الله تعالى بسماع الملاهي، أو بالرَّقص، أو بكشف الرَّأس في غير الإحرام، وما أشبه ذلك من المحدثات التي لم يشرع الله ورسولُه التقرُّب بها بالكلية" ترجمہ: جو ایسے عمل سے اللہ کا تقرب چاہے جسے اللہ عزوجل و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تقرب نہیں بنایا وہ عمل باطل ہے۔ جیسے (قرآن پاک میں کفار کی نماز کے متعلق ہے) اور کعبہ کے پاس ان کی نماز نہیں مگر سیٹی اور تالی۔ اسی طرح کوئی لہو ولعب سے اللہ عزوجل کا قرب چاہے یا ناچ سے یا غیر احرام میں سر کھلا رکھنے کو تقرب الٰہی جانے۔ اسی طرح اور بُری بدعتیں جنہیں اللہ عزوجل و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تقرب کا ذریعہ نہیں بنایا اسے تقرب جاننا۔

(جامع العلوم والحکم، جلد1، صفحہ178، مؤسسة الرسالة، بیروت)

لہٰذا آج اگر کوئی میوزک کے ذریعے نعتیں پڑھنے کو ثواب سمجھے تو وہ بدعت سیئہ ہے کہ میوزک شریعت میں حرام ہے اور یہ اس سے اللہ عزوجل کا قرب چاہتا ہے۔ بدعت سیئہ کی ایک مثال وہابی حضرات کا ننگے سر نماز پڑھنا اور اسے سنت سمجھنا ہے جبکہ صحیح حدیثوں سے عمامے کے ساتھ نماز پڑھنا افضل اور سر ڈھانپ کر نماز پڑھنا سنت ہے۔ ننگے سر نماز پڑھنے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منع فرماتے تھے چنانچہ حدیث مبارک میں ہے "كان رسول الله صلى الله عليه واله وسلم يا مر بستر الراس بالعمامة اوالقلنسوة و ينهى عن كشف الرأس في الصلوة" ترجمہ: حضور پرنور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نماز میں عمامہ یا ٹوپی سے سر ڈھانپنے کا حکم دیا کرتے تھے اور نماز میں ننگا سر کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ (کشف الغمہ، جلد1، صفحہ85)

بدعت اعتقادی یعنی ایسا عقیدہ نکالنا جو قرآن وسنت کے خلاف ہو بدمذہبی ہے اور صحابہ کرام علیہم الرضوان اسے بہت برا جانتے تھے چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قدریہ کے متعلق کہا: اسے میرا اسلام نہ کہنا۔ ترمذی شریف کی بسند حسن حدیث پاک میں ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں کسی نے ایک شخص کا سلام پہنچایا فرمایا "لاتقرأه منى السلام فانى سمعت انه احدث" ترجمہ: اسے میرا اسلام نہ کہنا کہ میں نے سنا ہے کہ وہ بدمذہب ہو گیا ہے۔

(جامع الترمذی، ابواب القدر، باب ماجاء فی الرضاء بالقضاء، جلد 4، صفحہ456، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

صحابہ کرام علیہم الرضوان کی شان میں طعن کرنا بدعت اعتقادی ہے۔ شرح عقائد میں ہے "فسبهم و الطعن فيهم ان كان مما يخالف الادلة القطعية فكفر كقذف عائشة والا فبدعة وفسق" ترجمہ: صحابہ کرام علیہم الرضوان کی شان میں گالی و

طعن اگر دلیل قطعی کے مخالف ہو جیسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر قذف کی تہمت لگانا تو کفر ہے اوراس کے علاوہ (صحابہ کی شان میں گستاخی) فسق و بدعت ہے۔

(شرح عقائد ،صفحہ195،مکتبہ رحمانیہ ،لاہور)

بدعتی گمراہ ومشرک کا رَد کرنا قرآن وسنت کی تعلیمات کے موافق ہے اس لئے یہ ثواب ہے چنانچہ محمد غزالی قدس سرہ العالی احیاء العلوم شریف میں فرماتے ہیں" امـــا الـمبتـد ع الـذی یـدعـوالی البدعة ویزعم ان مایدعو الیه حق فهو سبب لغو ایة الـخـلـق فشـره متـعـدفـالا ستـحبـاب فی اظهار بغضه ومعاداته والانقطاع عنه وتـحقیره والتشنیع علیه ببدعته وتنفیر الناس عنه اشد" ترجمہ: گمراہ بدعتی اپنی بدعت کوحق قرار دے کرلوگوں کواس کی طرف دعوت دیتا ہے اس لیے وہ عوام الناس کوگمراہ کرنے کا سبب بنتا ہے لہذا اس کا شر زیادہ موثر ہے، ایسے شخص کو برا جاننا اس کی مخالفت کرنا، اس سے قطع تعلق کرنا، اس کی تحقیر کرنا، اس کا رد کرنا، اورلوگوں کواس سے متنفر کرنا زیادہ باعث اجروثواب ہے۔

(احیاء العلوم، کتاب الالفة والاخوة،بیان مراتب الذین یبغضون فی الله ،جلد 02،صفحہ169 ،دار االمعرفة،بیروت)

اوپر کہا گیا کہ جو کام قرآن وسنت کی تعلیمات کے مخالف ہوں وہ بدعت سیئہ ہیں لہذا نماز میں کہاں کیا پڑھنا ہے، کس نماز کی کتنی رکعتیں ہیں، کس نماز میں بلند آواز میں قراءت کرنا ہے کس میں آہستہ وغیرہ یہ سب سنت سے ثابت اور سنت متوارثہ ہے جو اس کے خلاف کرے گا وہ بدعتی ہوگا۔امام الائمہ امام ابوحنیفہ وامام محمد وترمذی ونسائی وابن ماجہ وغیرہم ابن عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی "قال سمعنی ابی وانا اقول بسم اللّٰه الـرحـمٰـن الـرحیـم فـقـال ای بنی ایاك والحدث قال ولم اراحدا من اصحاب

رسـول اللّٰهصلی اللّٰهتعالٰی علیه وسلم کان ابغض الیه الحدث فی الاسلام یعنی مـنه قال وصلیت مع النبی صلی اللّٰه تـعـالٰی علیه وسلم ومع ابی بکر ومع عمر ومـع عثـمٰـن فلم اسمع احدا منهم یقولها فلاتقلها، انت اذا صلیت فقل الحمد للّٰه رب الـعٰـلـمیـن "ترجمہ: مجھے میرے باپ نے نماز میں بسم اللہ شریف (اونچی آواز میں) پڑھتے سنا، فرمایا اے میرے بیٹے! بدعت سے بچ۔ابن عبداللہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ میں اُن سے زیادہ کسی کو اسلام میں نئی بات نکالنے کا دشمن نہ دیکھا، انہوں نے فرمایا میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و ابوبکر صدیق و عمر فاروق وعثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ نماز پڑھی کسی کو بسم اللہ شریف (اونچی آواز میں) پڑھتے نہیں سنا تم بھی نہ کہو جب نماز پڑھو الحمدللہ رب العالمین سے شروع کرو۔

(جامع الترمذی ،باب ماجاء فی ترك الجهربسم الله الرحمن الرحیم ،جلد 2،صفحہ12،مصطفی البابی الحلبی ،مصر)

لہٰذا کوئی بے وقوف یہ اعتراض نہیں کرسکتا کہ جس سے منع نہ کیا ہو وہ جائز ہے تو التحیات میں قرآن پڑھنے سے ممانعت نہیں ہے اس حساب سے تو وہ بھی جائز ہوگا۔ایک وہابی مولوی صاحب نے اپنے خطبے میں اہل سنت پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ یہ سنی کہتے ہیں جس کی ممانعت نہ ہو وہ جائز ہے تو پھر میں جُمُعَہ ہفتے کو پڑھا لیتا ہوں کہ اس کی کہاں ممانعت ہے۔جبکہ اوپر واضح طور پر بتایا ہے کہ سنت متوارثہ یہ ہے کہ جُمُعَہ جُمُعَہ کے دن پڑھنا ہے اور التحیات میں تشہد پڑھنا ہے، اسکا خلاف بدعت ہے۔

وہابی حضرات بدعت حسنہ کا انکار کرتے ہیں جبکہ ان ہی کے کئی علماء نے بدعت حسنہ کو مانا ہے چنانچہ مشہور غیر مقلد عالم وحید الزمان بدعت کی اقسام کے بارے میں لکھتا ہے"اما البـدعة اللغویه فهی تنقسم الی مباحة ومکروهة وحسنة وسئیة "

ترجمہ: بہرحال باعتبار لغت کے بدعت کی حسب ذیل اقسام ہیں بدعت مباح، بدعت مکروہ ، بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔ (ہدیتہ المہدی ،صفحہ117، میور پریس ،دہلی)

غیر مقلد عالم قاضی شوکانی نے فتح الباری سے نقل کر کے اقسامِ بدعت کے بارے میں لکھا ہے: ''لغت میں بدعت اس کام کو کہتے ہیں جس کی پہلے کوئی مثال نہ ہو اور اصطلاح شرع میں سنت کے مقابلہ میں بدعت کا اطلاق ہوتا ہے اس لئے یہ مذموم ہے اور تحقیق یہ ہے کہ بدعت اگر کسی ایسے اصول کے تحت داخل ہے جو شریعت میں مستحسن ہے تو یہ بدعت حسنہ ہے اور اگر ایسے اصول کے تحت داخل ہے جو شریعت میں قبیح ہے تو یہ بدعت سیئہ ہے ورنہ بدعت مباحہ ہے اور بلاشبہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔''

(نیل الاوطار،جلد3، صفحہ 325،مکتبۃ الکلیات الازہریۃ)

اسی طرح دیوبندی مولوی شبیر احمد عثمانی نے بھی علامہ نووی کے حوالہ سے بدعت کہ یہ پانچ اقسام ذکر کیں ہیں۔ (فتح الملہم ،جلد02 ،صفحہ402 ، مکتبۃ المجار، کراچی)

وہابی حضرات کے بہت بڑے عالم مولوی اسماعیل دہلوی نے زبدۃ النصائح میں قرآن خوانی کو بدعت حسنہ کہا ہے چنانچہ کہتے ہیں ''ہمہ اوضاع از قرآن خوانی و فاتحہ خوانی و طعام خوراایندن سوائے کندن چاہ و امثالہ و دعاہ و استغفار و اضحیہ بدعت است گو بدعت حسنہ بالخصوص است مثل معانقہ روز عید و مصافحہ بعد نماز صبح یا عصر'' ترجمہ: کنواں کھودنے اور اس کی مثل اور کام اور دعا واستغفار قربانی کے سوا تمام اوضاع قرآن خوانی و فاتحہ خوانی اور کھانا کھلانا سب بدعت ہیں ۔گو خاص بدعت حسنہ ہیں جیسے عید کے دن کا معانقہ اور نماز صبح و عصر کے بعد مصافحہ بدعت حسنہ ہے۔ (ماخوذ از،فتاوی صدر الافاضل ،صفحہ492،شبیر برادرز،لاہور)

شاہ ولی اللہ قول الجمیل میں اپنے اور اپنے پیران مشائخ کے آداب طریقت

واشغال ریاضت کی نسبت صاف لکھتے ہیں ''لم یثبت تعین الاداب و لا تلک الاشغال'' ترجمہ: یہ خاص آداب واشغال نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہوئے۔

(القول الجمیل مع شفاء العلیل، گیارہویں فصل،صفحہ173، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ بدعت کی تعریف و مفہوم پر کلام کرتے ہوئے ایک لطیفہ لکھتے ہیں: ''ایک مولوی صاحب کسی شخص کا نکاح پڑھانے گئے۔ دولہا کے پھولوں کا سہرا بندھا ہوا تھا۔ جاتے ہی بولے یہ سہرا بدعت ہے شرک ہے حرام ہے نہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باندھا نہ صحابہ کرام نے نہ تابعین نے نہ تبع تابعین نے۔ بتاؤ کونسی کتاب میں لکھا ہے کہ سہرا باندھو۔ لوگوں نے سہرا کھول دیا۔ جب نکاح پڑھا چکے تو دولہا کے باپ نے دس روپیہ کا نوٹ دیا۔ مولوی صاحب نوٹ جیب میں ڈال رہے تھے کہ دولہا نے ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ مولوی صاحب نکاح پڑھا کر روپیہ لینا بدعت ہے، حرام ہے، شرک ہے، نہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لئے نہ صحابہ نے نہ تابعین نے نہ تبع تابعین نے۔ بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ نکاح کی فیس کا۔ مولوی صاحب بولے یہ تو خوشی کے پیسے ہیں۔ دولہا نے کہا کہ سہرا بھی خوشی کا تھا، غم کا نہ تھا۔ مولوی صاحب شرم سے ڈوب گئے۔''

(جاء الحق،صفحہ229،نعیمی کتب خانہ ،گجرات)

ثابت ہوا کہ ہر وہ عمل جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے دور میں نہ تھا بدعت ہے مگر یہ بدعت مطلقا ناجائز نہیں بلکہ جو عمل قرآن و حدیث کے خلاف ہے وہی عمل ناجائز و بدعت سیئہ ہے یعنی بُری بدعت ہے۔ بعض بدعتیں نا صرف جائز ہوتی ہیں بلکہ مستحب و واجب بھی ہوتی ہے جیسا کہ اوپر واضح ہوا۔ اب غور کریں کہ قرآن خوانی ،ایصال ثواب، محفل میلاد وغیرہ کے متعلق قرآن و حدیث میں ممانعت آئی ہے؟ کیا یہ قرآن و سنت کی تعلیمات کے خلاف ہے؟ کیا اکیلے قرآن پڑھنا ثواب اور محفل

میں قرآن پڑھنا حرام ہوگیا؟ کیا اپنے عزیز کو قرآن پڑھ کر ثواب ایصال کرنا، آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان بیان کرنا معاذ اللہ بُرا فعل ہے؟ بعض وہابیوں سے سنا گیا ہے کہ ختم کا کھانا حرام ہے اندر جا کر یہ زہر بن جاتا ہے اور ختم کے ناجائز بدعت ہونے پر یہ دلیل دیتے ہیں کہ دین مکمل ہو چکا ہے۔ ان سے پوچھا جائے کہ کھانے پر بسم اللہ پڑھی جائے تو اس کا بہت فائدہ ہے اگر بسم اللہ کے ساتھ قل شریف پڑھا جائے تو کھانا معاذ اللہ حرام ہو جائے گا؟ پیٹ میں جا کر زہر بن جائے گا یہ کہاں لکھا ہے؟ کیا یہ حلال چیز کو حرام کرنا نہیں؟ کیا یہ دین مکمل ہونے کے بعد خود ہی حلال کو حرام کرنا نہیں بنتا؟ کیا یہ اس آیت کے خلاف نہیں ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ أَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾ ترجمہ کنزالایمان: تم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لئے نکالی اور پاک رزق۔

(سورۃ الاعراف، سورت 7، آیت 32)

وہابی حضرات جب ختم نیاز کو ناجائز و بدعت ثابت کرتے ہیں تو اس میں وہ دلائل نقل کرتے ہیں جس میں لکھا ہوتا ہے کہ جس کی اصل شرع میں ثابت نہ ہو وہ بدعت ہے ۔اس سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ قل خوانی وغیرہ احادیث اور صحابہ کرام علیہم الرضوان سے ثابت نہیں اس لئے ناجائز و بدعت ہے۔ جبکہ شرع میں اصل سے ثابت نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ جس فعل کو ثواب سمجھا جا رہا ہے شریعت نے اسے ثواب نہ کہا ہو جیسے کوئی الٹا کھڑا ہونے کو ثواب کہے تو بدعت سیئہ ہوگا کہ شریعت نے اسے ثواب نہیں کہا۔ اسی بات کا ثبوت وہابی مولوی کی ایک تحریر سے واضح ہے: ''بعض لوگوں نے اس دین کامل میں کمی یا زیادتی کر لی ہے اور دین اور نیکی کے نام پر بے شمار ایسی نئی نئی باتوں کو دین میں شامل کر لیا ہے جن کا کتاب و سنت سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ ایسی ہی خود ساختہ نیکیوں کا

نام بدعت ہے اور ان کے بارے میں ارشاد نبوی ہے۔''

(تفہیم توحید، صفحہ 398، التوحید اکیڈمی، لاہور)

قل خوانی، میلاد وغیرہ میں قرآن خوانی، ذکر اذکار ہوتا ہے جو کہ شرع میں ثواب ہے، اس لئے یہ جائز و مستحب ہے۔ ردالمحتار میں نماز کے بعد مصافحہ کرنے کے متعلق ہے "اعلم أن المصافحة مستحبة عند كل لقاء، وأما ما اعتاده الناس من المصافحة بعد صلاة الصبح والعصر، فلا أصل له في الشرع على هذا الوجه ولكن لا بأس به فإن أصل المصافحة سنة وكونهم حافظوا عليها في بعض الأحوال، وفرطوا في كثير من الأحوال أو أكثرها لا يخرج ذلك البعض عن كونه من المصافحة التي ورد الشرع بأصلها" ترجمہ: جان لو کہ مصافحہ کرنا ہر ملاقات پر مستحب ہے۔ جو لوگوں کی عادت ہے کہ فجر اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرتے ہیں اس کی شرع میں کوئی اصل نہیں (یعنی نماز کے بعد مصافحہ کرنا سنت نہیں) لیکن مصافحہ کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ اصل میں مصافحہ کرنا سنت ہے۔ لوگوں کا بعض اوقات اس پر پابندی کرنا (جیسے نمازوں کے بعد) انہیں اس سنت سے خارج نہیں کرے گا کہ مصافحہ کرنے کی اصل شریعت میں وارد ہے۔

(ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحت، باب الاستبراء، جلد 6، صفحہ 381، دارالفکر، بیروت)

بخاری شریف کی شرح فتح الباری میں امام ابن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "والبدعة أصلها ما أحدث على غير مثال سابق وتطلق في الشرع في مقابل السنة فتكون مذمومة والتحقيق أنها إن كانت مما تندرج تحت مستحسن في الشرع فهي حسنة وإن كانت مما تندرج تحت مستقبح في الشرع فهي مستقبحة وإلا فهي من قسم المباح" ترجمہ: بدعت جس کی اصل سابقہ

مثال کے مطابق نہ ہو اور شریعت کے مخالف ہو تو مذمومہ ہے۔ تحقیق اس میں یہ ہے کہ اگر یہ نیا کام کسی مستحسن کے تحت ہے تو حسنہ ہے اور اگر قبیح کے تحت ہے تو بُری بدعت ہے اور اگر نہ مستحسن کے تحت ہے نہ قبیح کے تو جائز ہے۔

(فتح الباری، کتاب صلوٰۃ التراویح، جلد4، صفحہ253، دار المعرفۃ، بیروت)

شرک و بدعت کی تعریفات و مفہوم کو بالکل واضح انداز میں بیان کر دیا ہے۔ اب بھی اگر کوئی جائز بلکہ مستحب کام کو شرک و بدعت کہے تو وہ خود دین میں زیادتی کرنے والا، بدعتی و گمراہ ہے اور اس کا یہ عمل اس آیت کے خلاف ہے ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ﴾ ترجمہ کنزالایمان: آج میں نے تمہارے لئے دین کامل کر دیا۔

(سورۃ المائدہ، سورت5، آیت3)

اگر وہابی حضرات ان سب دلائل کا انکار کرتے ہیں اور وہی پرانی دلیل دیتے ہیں کہ جو کام صحابہ کرام علیہم الراضوان نے نہیں کیا وہ بدعت ہے تو صرف ہمارا ایک سوال ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سمیت دیگر محدثین رحمہم اللہ بلکہ خود وہابی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام مبارک کے سات یہ والا درود لکھتے ہیں ''صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' وہابی حضرات یہ درود کسی حدیث یا صحابی سے ثابت کر دیں۔ جب یہ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے ثابت نہیں تو وہابیوں کے اصول کے مطابق بدعت ہوا اور امام بخاری اور دیگر محدثین نے (معاذ اللہ) بدعت کا ارتکاب کیا۔ ہم سنی اگر ''الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ'' پڑھیں تو وہابی کہتے ہیں یہ خود ساختہ درود ہے، وہابی حضرات یہ بتائیں کہ ''صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' خود ساختہ ہے یا نہیں ہے؟

آج کل وہابی حضرات آئے دن عجیب و غریب نئے سے نئے اعتراضات کرتے ہیں اور خوب رکشوں کے پیچھے اس طرح کے بے تکے پوسٹر لگائے پھرتے ہیں۔ جیسے کس

صحابی کا عرس پوری دنیا میں منایا جاتا ہے؟ صحابہ کرام علیہم الرضوان کس کے مزار پر جا کر دعا مانگتے تھے؟ گیارہویں اور بارہویں کتنے صحابہ کرتے تھے؟ کس صحابی نے اپنے گھر میں میلاد کروایا؟ المدد یا رسول اللہ، یا علی مدد کس صحابی نے کہا یا نعرہ لگایا؟ دس محرم کو کون سے صحابی نے منایا؟ پھر عجیب بات یہ ہوتی ہے کہ ان جاہلانہ اعتراضات کے نیچے احادیث کی کتب کا نام لکھا ہوتا ہے تاکہ عام آدمی یہی سمجھے کہ یہ سب ان احادیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ ان سب اعتراضات کی بنیاد وہی پرانا اصول ہے کہ جو کام صحابہ نے نہ کیا وہ بدعت ہے۔ اگر وہابی حضرات اسی اصول پر قائم ہیں تو ہم چند افعال پیش کرتے ہیں جو وہابی حضرات خود کرتے ہیں۔ وہابی حضرات ثابت کریں کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان ایسا کرتے تھے:۔

(1) کون سے صحابہ کرام علیہم الرضوان نے فرمایا کہ عرس منانا ناجائز، مزاروں پر جانا شرک اور مزاروں اور قبروں کو ڈھا دینا عبادت ہے؟

(2) کون سے صحابی نے کہا کہ عید میلاد النبی منانا ناجائز ہے اور ایسا کرنا کرسمیس ڈے اور کنھیا کا دن منانے کی طرح ہے؟

(3) کون سے صحابی نے کہا کہ دس محرم کی سبیل کا شربت پینا حرام اور ہندوؤں کا پرساد اور کالا کوا کھانا حلال ہے؟

(4) کون سے صحابہ کرام علیہم الرضوان میلاد کو ناجائز کہہ کر سیرت کانفرس کا اہتمام کیا کرتے تھے؟

(5) کون سے صحابہ کرام علیہم الرضوان ختم کو ناجائز اور اس کے کھانے کو مثل خنزیر کہتے تھے اور بخاری شریف کے ختم کا اہتمام کرتے تھے؟

(6) کون سے صحابہ کرام علیہم الرضوان قربانی کی کھالیں اکٹھی کرتے تھے؟

(7) کون سے صحابی نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے بھائی کی طرح ہیں؟

(8) کون سے صحابی نے کلمہ گو مسلمانوں کو مشرک کہہ کر ان کو قتل کرنا جائز کہا؟

شرک و بدعت کا موضوع بہت وسیع ہے۔ بس اتنے ہی پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ اس موضوع پر علمائے اہلسنت کی بے شمار مستند دلائل کے ساتھ کتب موجود ہیں مزید معلومات کے لئے ان کا مطالعہ کریں۔ ایک نسخہ عرض کئے دیتا ہوں کہ جب بھی کسی وہابی مولوی صاحب کی شرک و بدعت کے موضوع پر کتاب پڑھیں تو جو اس نے آیتیں واحادیث اپنے دلائل میں پیش کی ہوں، ان آیتوں اور حدیثوں کی تفسیر وشرح میں جید مفسرین ومحدثین رحمہم اللہ نے جو فرمایا ہو وہ ضرور پڑھ لیں، خود ہی حق واضح ہو جائے گا کہ آیت وحدیث کا مطلب کیا تھا انہوں نے توڑ موڑ کر کیا ثابت کیا ہے۔ بدعت وشرک کی جو وہابی حضرات تعریف کرتے ہیں ایسی تعریف کسی بھی صحابی، تابعی بلکہ محدث وفقہاء رحمہم اللہ سے ثابت نہیں۔ بغیر دلیل بدعت وشرک کی غلط تعریفیں کرتے ہیں۔ جاتے جاتے وہابی مولوی کی ایک فریب کاری عرض کئے دیتا ہوں کہ اس نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ ولی، نبی، سب موت کے بعد مردہ ہوتے ہیں دنیا کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس دعوی کو ثابت کرنے کیلئے اس نے یوں لکھا: ''اب جو لوگ شہدا کی زندگی پر قیاس کر کے سب بزرگوں کو زندہ ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ یہ جان لیں کہ شہدا کو یہ فضیلت دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی برزخ یعنی قبر کی زندگی کو حذف کر دیا ہے اور شہدا مرنے کے بعد فوراً جنت میں چلے جاتے ہیں۔۔شہدا کی زندگی کے بارے میں تو کتاب وسنت کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ

شہید ہونے کے بعد وہ اس دنیا میں اس بدن کے ساتھ زندہ نہیں بلکہ جنت میں زندہ ہوتے ہیں۔ اب ہم دیکھیں گے کہ انبیاء کرام جو اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوقات میں سب سے افضل ہیں کیا انہیں بھی موت آتی ہے یا نہیں؟ پہلے ہم ان آیات پر غور کرتے ہیں جو ساری مخلوق کی موت کی خبر دیتی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے ﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ﴾ ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔'' (تفہیم توحید، صفحہ 63، التوحید اکیڈمی، لاہور)

اسی طرح دیگر فنا والی آیات نقل کر کے ثابت کیا کہ سب مردہ ہیں۔ پہلے عرض کی تھی کہ یہ دعویٰ کہ مطابق دلیل نہیں دیتے۔ دعویٰ یہ ہے کہ نبی یا ولی قبر میں زندہ نہیں ہوتے اور دلیل میں موت کی آیات لکھ دی ہیں جیسے ہم اہل سنت والے موت کے منکر ہیں۔ درحقیقت موت سب کو آنی ہے مگر قبر میں انبیاء، اولیاء، شہدا، نیکوکار زندہ ہوتے ہیں جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔ مسند أحمد، ابن أبي شيبة، وأبو داود، نسائی، ابن ماجہ، الدارمی، ابن خزیمۃ، ابن حبان، الحاکم، الطبرانی، بیہقی شریف میں صحیح حدیث پاک موجود ہے "عن أوس بن أوس قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة فيه خلق آدم وفيه قبض وفيه النفخة وفيه الصعقة فأكثروا على من الصلاة فيه فإن صلاتكم معروضة على قال قالوا يارسول الله و كيف تعرض صلاتنا عليك وقد أرمت ؟قال يقولون بليت فقال إن الله عزوجل حرم على الأرض أجساد الأنبياء ،قال الشيخ الألباني :صحيح" ترجمہ: حضرت اوس بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارے دنوں میں افضل دن جُمُعَہ کا ہے۔ اس دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے، اسی دن فوت ہوئے، اسی دن صور پھونکا جائے گا، اسی دن چیخ کی آواز سنائی جائے گی۔ تو اس دن مجھ پر

کثرت سے درود پڑھو کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔عرض کی گئی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے دنیا سے پردہ کرنے کے بعد بھی درود پیش کیا جائے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل نے زمین پر حرام فرمادیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھائے۔شیخ البانی (موجودہ دور کے وہابیوں کے امام) نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

(ابو داؤد، کتاب الصلوٰۃ، فضل یوم الجمعۃ ولیلۃ الجمعۃ، جلد1، صفحہ342، دار الفکر، بیروت)

دوسری حدیث پاک جو ابن ماجہ کی ہے اور امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جمع الجوامع اَوالجامع الکبیر للسیوطی میں روایت کی ہے"إن الله حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء فنبي الله حي يرزق۔ابن ماجه ، والبيهقي في شعب الإيمان عن أَبِي الدَّرْدَاء ،أخرجه ابن ماجه جلد1،صفحه524، قال البوصيري ،جلد 2،صفحه59، هذا إسناد رجاله ثقات إلا أنه منقطع ، وقال المنذري،جلد 2،صفحه328، رواه ابن ماجه بإسناد جيد وقال المناوي،جلد2،صفحه87، قال الدميري رجاله ثقات" ترجمہ:بے شک اللہ عزوجل نے زمین پر حرام فرمادیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھائے۔اللہ کا نبی زندہ ہے رزق دیا جاتا ہے۔امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس حدیث کی اسناد میں راوی ثقہ ہے مگر یہ منقطع ہے۔امام منذری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس حدیث کی سند جید ہے۔امام مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام دمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس حدیث کے روای ثقہ ہیں۔

(سنن ابن ماجه ،کتاب الجنائز،باب ذکر وفاته ﷺ،جلد1،صفحه524،دار الفکر،بیروت)

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ الحاوی للفتاوٰی میں لکھتے ہیں"قال

المتكلمون المحققون من أصحابنا أن نبينا صلى الله عليه وسلم حي بعد وفاته، وأنه يسر بطاعات أمته ويحزن بمعاصي العصاة منهم" ترجمہ: ہمارے اصحاب میں سے محقق متکلمین فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی وفات کے بعد بھی زندہ ہیں اور اپنی امت کی نیکیوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور امت کے گناہوں پر غمگین۔

(الحاوی للفتاوی، کتاب البعث ،مبحث النبوات،جلد2،صفحه180،دار الفکر، بیروت)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ مبارک پر جو فرشتہ لوگوں کا درود آپ کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے وہ یوں عرض کرتا ہے "يا محمد فلان بن فلان يصلي عليك "ترجمہ: یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فلاں بن فلاں آپ پر درود بھیجتا ہے۔

(مسند الحارث، كتاب الادعيه ،باب الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم،جلد 2،صفحه 962،مركز خدمة السنة والسيرة النبوية ،المدينة المنورة)

یہی روایت معجم ابن اعرابی میں ہے اس میں یا محمد کی جگہ یا احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔اگر معاذ اللہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر انور میں زندہ نہیں ہیں تو یہ فرشتہ کس کی بارگاہ میں عرض کررہا ہے؟

دیگر احادیث ومستند دلائل سے ثابت ہے کہ نبی، اولیاء ،مؤذن،صدیقین ، کثرت سے دورد پڑھنے والے، قبر میں زندہ صحیح سلامت ہوتے ہیں جیسا کہ اوپر بیان کردہ حدیث اور دیگر حدیثوں کی شرح میں ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر محدثین نے فرمایا ہے۔اس کے باوجود ایک وہابی مولوی مختار احمد ندوی ایک کتاب قرآن خوانی اور ایصال ثواب میں لکھتا ہے:"ضرورت ہے کہ اسلام سے دور کرنے والی اس فرسودہ تقلید کے خلاف بغاوت کی جائے اور دور جاہلیت کے عرب مشرکین سے زیادہ شرک کرنے والے ان قبر

پرستوں کی اصلاح کی کوشش کی جائے جو مصائب کے وقت مردوں کی بوسیدہ ہڈیوں کی طرف رخ کرتے ہیں۔"

(قرآن خوانی اور ایصال ثواب ،صفحہ41،دعوت و توعية الجاليات،ربوه،رياض)

وہابی حضرات کی یہ بہت بُری عادت ہے کہ وہ گالی گلوچ پر اتر آتے ہیں۔ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ کیا کہہ رہے اور کس کو کہہ رہے ہیں۔ تمام فوت شدگان کے متعلق کہہ دیا ہے کہ وہ بوسیدہ ہڈیاں ہیں معاذ اللہ عزوجل۔

سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ہر قبر میں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق سوال ہوتا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک ہوتی ہے ان کی شبیہ نہیں ہوتی۔ جو معاذ اللہ انبیاء کو مردہ سمجھتے ہیں وہ غور کریں کہ جب قبر میں ان سے پوچھا جائے گا کہ "ما كنت تقول فى هذا الرجل"، ترجمہ: اس کے متعلق کیا کہتا تھا۔ تو وہ کیا جواب دیں گے؟ کیا وہاں بھی توڑ موڑ کر دلیل دیں گے کہ موت سب کو آنی ہے، سب مردہ ہیں۔ یہی میں کہا کرتا تھا۔ الامان والحفیظ۔

بات بات پر شرک و بدعت کہنے والے وہابی حضرات کی اس عادت کو خود ان کے بڑے علماء نے بھی بُرا کہا ہے چنانچہ بہت بڑے وہابی مولوی صاحب وحید الزماں لکھتے ہیں: "بعضے عوام اہل حدیث کا یہ حال ہے کہ انہوں نے صرف رفع یدین اور آمین بالجہر کو اہل حدیث ہونے کے لئے کافی سمجھا ہے۔ باقی اور آداب اور سنن اور اخلاق نبوی سے کچھ مطلب نہیں۔ غیبت، جھوٹ، افتراء سے باک نہیں کرتے۔ ائمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اولیاء اللہ اور حضرات صوفیہ کے حق میں بے ادبی اور گستاخی کے کلمات زبان پر لاتے ہیں۔ اپنے سوا تمام مسلمانوں کو مشرک اور کافر سمجھتے ہیں۔ بات بات میں ہر ایک کو مشرک او قبر پرست کہہ دیتے ہیں۔"

(لغات الحدیث، جلد2، صفحہ91)

ایک اور وہابی مولوی اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں: "ننگے سر نماز پڑھنا اور نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا نہ مانگنا ان (وہابیوں) کے نزدیک نہایت ناپسندیدہ فعل تھا۔۔۔ نہایت افسوس ہے کہ اب دعا و وظائف اور تصوف کی روایت جماعت اہل حدیث میں ختم ہوگئی ہے بلکہ میں نے سنا ہے کہ بعض برخود لوگ اسے بدعت قرار دیتے ہیں۔"

(نقوش عظمت، صفحہ23)

ہمارے ملک کے حکمرانوں کو اگر اپنی سیاست چمکانے اور ملک لوٹنے سے فرصت ہو تو سرکاری طور پر شرک و بدعت کی تعریف سکولوں کالجوں کے نصاب میں شامل کردیں تاکہ مولویوں کے روپ میں جو بھیڑیئے ہیں وہ مسلمانوں کا شرک و بدعت اور جہاد کے معاملہ میں ذہن نہ خراب کرسکیں۔ مزاروں پر جب دہشت گردی ہوتی ہے تو اس ذہن کے مولوی میڈیا پر آ کر کہتے ہیں کہ ہم اس کی مذمت کرتے ہیں جبکہ خود ان کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ مزارات کو شہید کرنا بہت ثواب ہے۔ میڈیا والے جو خود کو بہت سمجھدار سمجھتے ہیں، ان کی جہالت کا یہ حال ہوتا ہے کہ انہیں یہ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ جو مولوی ہم نے اپنے پروگرام میں بلایا ہے اس کا عقیدہ کیا ہے؟ وہ عالم بھی ہے یا نہیں؟ بس مرچ مصالحے والے مولوی بلا کر پروگرام کا وقت پورا کرتے ہیں اور عوام کی صحیح رہنمائی نہیں کرتے۔ بعض بھولے بھالے مسلمان کہتے ہیں کہ ان دہشت گردوں کا کسی فرقے سے تعلق نہیں۔ کیوں تعلق نہیں دہشت گردوں کا Brain Wash کون کرتا ہے؟ کون انہیں جنت کی بشارتیں دیتا ہے؟ کون مزاروں پر جانے کو شرک کہتا ہے؟ تاریخ میں کس ذہن کے لوگوں نے مسلمانوں کو مشرک کہہ کر قتل و غارت کی ہے۔ بے شک دہشت گردی میں بیرونی طاقتیں ملوث ہیں لیکن غدار یہی بھیڑیئے ہیں۔ غور فرمائیں۔

اے مسلمانو! دھوکہ میں نہ رہنا، ہرگز ان بے دینوں کی نمازوں، روزوں اور ان

کی تقریروں میں آ کر اپنا عقیدہ خراب نہ کر لینا، یہ میڈیا میں آ کر اور اپنے اثر رسوخ اور اجتماعات سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم بڑے قرآن وحدیث کے پیروکار ہیں، حرمت رسول کے لئے ہم اپنا سب کچھ لوٹا دیں گے۔ جبکہ ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے متعلق یہ غیبی خبر دی ہے جو بخاری شریف میں ہے "عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه، أنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول يخرج فيكم قوم تحقرون صلاتكم مع صلاتهم، وصيامكم مع صيامهم، وعملكم مع عملهم، ويقرء ون القرآن لا يجاوز حناجرهم، يمرقون من الدين كما يمرق السهم من الرمية"، ترجمہ: ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا تم میں سے ایک گروہ ایسا نکلے گا جس کی نمازوں، روزوں اور اعمال کے سامنے تم اپنی نمازوں، روزوں اور اعمال کو حقیر جانو گے۔ وہ قرآن بہت پڑھیں گے جو ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا۔ اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکلتا ہے۔

(صحيح البخاري، كتاب فضائل القرآن، باب إثم من راءى بقراءة القرآن أو تأكل به أو فخر به، جلد6، صفحہ197، دار طوق النجاة)

بخاری شریف کی حدیث پاک میں ان کی نشانی یہ بھی بتائی "يقتلون أهل الإسلام ويدعون أهل الأوثان"، ترجمہ: اہل اسلام کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔ (صحيح البخاري، كتاب احاديث الانبياء، جلد4، صفحہ137، دار طوق النجاة)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس غیبی خبر کی تصدیق صحابہ کرام علیہم الرضوان سے لے کر اب تک ہو رہی ہے۔ خارجی فرقہ جو معاذ اللہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کو گمراہ سمجھتا تھا اور ان سے لڑنے کو عظیم جہاد سمجھتا تھا۔ چنانچہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ تاریخ

طبری میں لکھتے ہیں "وكانت الخوارج يلقى بعضهم بعضا، ويتذاكرون مكان إخوانهم بالنهروان ويرون أن في الإقامة الغبن والوكف، وأن في جهاد أهل القبلة الفضل والأجر" ترجمہ: خوارج ایک دوسرے سے ملا کرتے تھے اور اپنے نہروان والے بھائیوں کو یاد کیا کرتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ بیٹھے رہنے میں ظلم وخیانت ہے اور اہل قبلہ سے جہاد کرنے میں اجر وفضیلت ہے۔

(تاريخ الطبري، الجزء الخامس، سنه اثنين و اربعين، جلد5، صفحہ174، دار التراث، بيروت)

موجودہ بدمذہب جس طرح مزاروں کو شہید کرنے کو ثواب اور جہادِ عظیم سمجھتے ہیں، علمائے اہل سنت اور مسلمانوں کو مشرک سمجھ کر ان کا قتل حلال سمجھتے ہیں اور اپنے چیلوں کو یہ باور کرواتے ہیں کہ تم بہت بڑی نیکی کر رہے ہو، جنت میں جاؤ گے۔ یہی خارجی سمجھتے تھے۔ جب جنگ نہروان کے وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں سمجھایا کہ تم لوگوں کا یہ سمجھنا کہ ہمیں قتل کرنا تمہارے لئے حلال ہے درست نہیں۔ ہم کلمہ پڑھنے والوں کا خون کرنا کیسا حلال ہو سکتا ہے؟ اس وقت خارجیوں نے ایک دوسرے کو کہا "لا تخاطبوهم، ولا تكلموهم، وتهيؤا للقاء الرب، الرواح الرواح إلى الجنة" ترجمہ: ان کی نہ بات سنو نہ ان سے کلام کرو اپنے رب سے ملاقات کرنے اور جنت میں جانے کی تیاری کرو۔

(تاريخ الطبري، الجزء الخامس، جلد5، صفحہ 85، دار التراث، بيروت)

ان خارجی ذہن کے لوگوں کا سلسلہ آئندہ بھی چلتا رہے گا، یہاں تک کے یہ نام نہاد مسلمان دجّال کے پیروکار ہوں گے اور اس کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو قتل کریں گے۔ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "يخرج في آخر الزمان قوم كان هذا منهم يقرؤون القرآن لا يجاوز تراقيهم يمرقون من الاسلام كما يمرق السهم من الرمية سيماهم التحليق لا يزالون يخرجون حتى يخرج آخرهم مع المسيح

الدجال فاذا لقیتمو هم شرا لخلق وا لخليقة " ترجمہ: پھر فرمایا آخری زمانے میں ایک قوم نکلے گی شاید یہ بھی ان میں سے ہے۔ جوقرآن بہت پڑھیں گے جوان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا۔اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے۔ان کی علامت سر منڈانا ہے۔ یہ نکلتے ہی رہیں گے حتی کہ انکا آخری گروہ مسیح دجال کے ساتھ نکلے گا۔تو جب تم ان سے ملوتو جان لو کہ یہ بدترین مخلوق ہے۔

(سنن نسائی ، کتاب تحریم الدم،من شہر سیفه ثم وضعه فی الناس،جلد 7،صفحہ119،مکتب المطبوعات الإسلامية ،حلب)

فصلِ سوئم: کسی فعل پر موجود حدیث اگر ضعیف یا موضوع ثابت ہو جائے تو کیا وہ فعل ناجائز ہو جاتا ہے؟

آجکل لوگوں کے ذہن میں احادیث کے بارے میں چند غلط فہمیاں ڈال دی گئی ہیں جیسے یہ سمجھا جاتا ہے جو حدیث بخاری و مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی میں نہیں وہ حدیث ضعیف یا موضوع ہے۔جبکہ یہ بالکل غلط ہے بخاری و مسلم میں بھی ضعیف احادیث موجود ہیں اور ان کتب کے علاوہ کئی احادیث کی کتب میں صحیح احادیث موجود ہیں۔ جو حدیث جس بھی کتاب میں ہوگی اس کی سند کو دیکھا جائے گا۔

دوسرا یہ سمجھا جاتا ہے کہ حدیث ضعیف پر عمل جائز نہیں۔ وہابی حضرات اہل سنت کے کئی افعال جو کہ احادیث سے ثابت ہوتے ہیں اسے اس لئے ناجائز و بدعت کہہ دیتے ہیں کہ حدیث ضعیف ہوتی ہے ۔لہٰذا یہاں یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ اگر کوئی فعل کسی حدیث سے ثابت ہو اور محدثین اس حدیث کو ضعیف یا موضوع کہہ دیں تو کیا وہ کام ناجائز ہو جاتا ہے؟ اہل حدیثوں کے نزدیک ضعیف سے نہ مستحب ثابت ہوتا ہے اور نہ اس پر عمل جائز ہے۔ چنانچہ ایک وہابی مولوی شیخ احسان بن محمد العتیبی نے ایک کتاب 100 مشہور

ضعیف احادیث لکھی جس میں انہوں ناصر الدین البانی کی تقلید کرتے ہوئے کہا: ''ضعیف حدیث سے استحباب ثابت نہیں ہوتا۔۔۔ناصر الدین البانی فرماتے ہیں کہ ضعیف حدیث پر عمل کی مشروعیت کا اثابت جائز نہیں۔''

(100 مشہور ضعیف احادیث،صفحہ32، فقه الحدیث پبلی کیشنز)

یہی وہابی مولوی صاحب دوسری جگہ کہتے ہیں: ''ضعیف احادیث پر عمل کے سلسلے میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے۔جمہور اہل علم کی رائے یہ ہے کہ فضائل اعمال میں ان پر عمل مستحب ہے۔۔تاہم امت کے کبار محقق علماء و محدثین کا مؤقف یہ ہے کہ ضعیف حدیث پر نہ تو احکام میں عمل جائز ہے اور نہ ہی فضائل اعمال میں۔''

(100 مشہور ضعیف احادیث،صفحہ30، فقه الحدیث پبلی کیشنز)

وہابی مولوی صاحب نے اپنے اس مؤقف کی تائید میں بغیر دلیل لکھ دیا کہ کبار محقق علماء کا مؤقف یہ ہے کہ ضعیف حدیث فضائل اعمال میں معتبر نہیں۔انہیں چاہئے تھا کہ اپنے اس مؤقف کو احایث و محدثین کے کلام کہ روشنی میں ثابت کرتے ۔ پہلے کہا جمہور کا یہ مؤقف ہے کہ فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل مستحب ہے آگے اس کی نفی کر دی۔اسی وجہ سے اہل حدیث شب براءت میں عبادات، قراءت قرآن وغیرہ پر موجود احادیث کو ضعیف کہہ کر اسے ناجائز کہتے ہیں چنانچہ یہی مولوی مذکور لکھتے ہیں: ''شب برأت کی رات عبادت کے لئے خاص کرنا: اس عمل کی بنیاد وہ ضعیف روایت ہے جس میں مذکور ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ پندرہ شعبان کی رات کو پہلے آسمان کی جانب اترتے ہیں اور بنو کلب کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ افراد کو بخش دیتے ہیں۔''

(100 مشہور ضعیف احادیث،صفحہ36، فقه الحدیث پبلی کیشنز)

لہٰذا مذکورہ وہابی مولوی صاحب نے اس کتاب میں کئی افعال کو ضعیف احادیث

سے ماخوذ کہہ کر ناجائز ثابت کردیا جس میں وضو کے بعد کلمہ تشہد پڑھنا، حج کے دوران قبر نبوی کی زیارت، کائنات کی تخلیق رسول اللہ کے لئے، مسجد نبوی میں چالیس نمازوں کی فضیلت، استخارہ اور میانہ روی اختیار کرنے والے کے لئے بشارت والی حدیث وغیرہ۔

اہل سنت کا مؤقف تمام محدثین رحمہم اللہ کے کلام کی روشنی میں یہ ہے کہ اگر کسی فعل پر حدیث وارد ہوا اور وہ فعل فضائل میں سے ہو جیسے درود یا قرآن پڑھنے کی کسی حدیث میں فضیلت آئی ہو اور اس حدیث کو کوئی محدث ضعیف ثابت کردے تو فضائل میں ضعیف حدیث قابل قبول ہے اور اس پر عمل مستحب ہے۔ضعیف حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہی نہیں بلکہ اسے اس وجہ سے ضعیف کہا جاتا ہے کہ اس میں صحیح وحسن حدیث والی صفات نہیں پائی جاتیں۔امام اجل شیخ العلماء والعرفاء سیدی ابوطالب محمد بن علی مکی قدس اللہ سرہ الملکی کتاب جلیل القدر عظیم الفخر قوتُ القلوب فی معاملۃِ المحبوب میں فرماتے ہیں"الاحادیث فی فضائل الاعمال وتفضیل الاصحاب متقبلة محتملة علی کل حال مقاطیعها ومراسیلها لاتعارض ولاترد، کذلک کان السلف یفعلون "ترجمہ:فضائل اعمال وتفضیلِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حدیثیں کیسی ہی ہوں ہر حال میں مقبول وماخوذ ہیں مقطوع ہوں خواہ مرسل نہ اُن کی مخالفت کی جائے نہ اُنہیں رَد کریں، ائمہ سلف کا یہی طریقہ تھا۔

(قوت القلوب فی معاملة المحبوب ،فصل الحادی والعشرون،جلد1،صفحه178، دارصادر،مصر)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اربعین پھر امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوٰۃ پھر مولانا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ وحرز ثمین شرح حصن حصین میں فرماتے ہیں"قد اتفق الحفاظ ولفظ الاربعین قداتفق العلماء علی جواز العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال ولفظ الحرز لجواز العمل به فی فضائل الاعمال بالاتفاق "

ترجمہ: بیشک حفاظِ حدیث وعلمائے دین کا اتفاق ہے کہ فضائلِ اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل جائز ہے۔ (شرح اربعین للنووی،خطبة الکتاب،صفحه4، مصطفی البابی ،مصر)

اگر حدیث موضوع (جھوٹی) بھی ثابت ہو جائے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اب درود، یا قرآن پڑھنا ناجائز ہو گیا بلکہ یہ کہا جائے گا جو فضیلت حدیث کے حوالے سے بیان کی گئی تھی وہ فضیلت حاصل نہ ہوگی باقی قرآن یا درود پڑھنے کا ثواب ملے گا۔اسی طرح اگر وہ کام اپنی ذات میں ثواب نہ ہوگا تو اب کہا جائے گا اس کام کرنے پر جو فضیلت حدیث میں آئی تھی حدیث موضوع ہونے کی وجہ سے وہ فضیلت نہ ملے گی بس وہ کام مباح ہوگا نہ ثواب نہ گناہ ہے۔علامہ سیدی احمد طحطاوی مصری حاشیہ درمختار میں زیر قول رملی" واما الموضوع فلایجوز العمل به بحال "فرماتے ہیں"ای حیث کان مخالفا لقواعد الشریعة واما لو کان داخلا فی اصل عام فلامانع منه لالجعله حدیثا بل لدخوله تحت الاصل العام " ترجمہ:جس فعل کے بارے میں حدیث موضوع وارد ہوا اُسے کرنا اُسی حالت میں ممنوع ہے کہ خود وہ فعل قواعدِ شرع کے خلاف ہو اور اگر ایسا نہیں بلکہ کسی اصل کلی کے نیچے داخل ہے تو اگرچہ حدیث موضوع ہو فعل سے ممانعت نہیں ہوسکتی نہ اس لئے کہ موضوع کو حدیث ٹھہرائیں بلکہ اس لئے کہ وہ قاعدہ کلیہ کے نیچے داخل ہے۔

(حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار، کتاب الطهارة،جلد1،صفحه75، دارالمعرفه، بیروت)

جیسے گلاب کا پھول سونگھنے پر درود پڑھنے کے متعلق ایک موضوع حدیث ہے، لیکن علماء نے فرمایا اگر کوئی پھول سونگھتے وقت درود پڑھے تو کراہت نہیں، اگر کوئی پڑھے گا تو ثواب پائے گا۔وضو کے اعضاء دھوتے وقت مخصوص دعائیں پڑھی جاتی ہے۔ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے موضوعاتِ کبیر میں ان دعاؤں کے متعلق فرمایا"احادیث الذکر علی اعضاء الوضوء کلها باطلة" ترجمہ:جن حدیثوں میں یہ آیا ہے کہ وضو میں

فلاں فلاں عضودھوتے وقت یہ دُعا پڑھو سب موضوع ہیں۔پھر فرمایا"ثم اعلم انه لايلزم من كون اذكار الوضوء غير ثابتة عنه صلى الله تعالٰى عليه و سلم ان تكون مكروهة او بدعة مذمومة بل انها مستحبة استحبها العلماء الاعلام والمشايخ الكرام لمناسبة كل عضو بدعاء يليق في المقام " ترجمہ: پھر یہ جان رکھ کہ وضو کی دعاؤں کا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہونا اسے مستلزم نہیں کہ وہ مکروہ یا بدعت شنیعہ ہوں بلکہ مستحب ہیں۔علمائے عظام واولیائے کرام نے ہر ہر عضو کے لائق دعا اس کی مناسبت سے مستحب مانی ہے۔

(الاسرار المعرفة المعروف بالموضوعات الكبرى ،احاديث الذكر على اعضاء الوضوء ،صفحه4345،مطبوعه دارالكتاب العربيه ،بيروت)

واضح ہوا کہ موضوع حدیث ہونے کی وجہ سے بھی فعل ناجائز نہیں ہوجاتا بلکہ اگر وہ فعل اپنی ذات میں ثواب ہو جیسے قرآن ،درود،دعاوغیرہ تو ثواب حاصل ہوگا جیسا کہ وضو میں مانگی جانے والی دعاؤں کے بارے میں کہا گیا۔محدثین کسی حدیث پر کلام کرتے ہوئے یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا ہے کہ وہ حدیث جھوٹی ہے بلکہ وہ درجے کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے، ہوسکتا ہے وہ نچلے درجے کی ہو یعنی حسن،ضعیف وغیرہ۔چونکہ حدیث کے درجات ہیں سب سے اوپر صحیح ہے، پھر حسن ہے اوران کی بھی آگے اقسام ہیں۔

دوسرا یہ کہ بعض محدثین اپنے تحقیق کے اعتبار سے کسی حدیث کو ضعیف یا موضوع کہہ دیتے ہیں جبکہ دوسرے محدثین اس حدیث کو صحیح کہہ رہے ہوتے ہیں۔اللآلی امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ خطبہ مضوعہ میں فرماتے ہیں"ابن الجوزی اکثر من اخراج الضعيف بل والحسن بل والصحيح كمانبه على ذلك الائمة الحفاظ وطال

ما اختلج في ضميري انتقاؤه وانتقاده فاورد الحديث ثم اعقب بكلامه ثم انكان متعقبا بنهت عليه " ترجمہ:ابن جوزی نے کتاب موضوعات میں بہت ضعیف بلکہ حسن بلکہ صحیح حدیثیں روایت کردی ہیں کہ ائمہ حفاظ نے اس پر تنبیہ فرمائی (یعنی صحیح،ضعیف حدیثوں کو بھی امام جوزی نے موضوع کہہ دیا۔)مدت سے میرے دل میں تھا کہ اُس کا خلاصہ کروں اوراُس کا حکم پرکھوں تو اب میں حدیث ذکر کرکے ابن جوزی کا کلام نقل کروں گا پھر اس پر جو اعتراض ہوگا بتاؤں گا۔

(اللآلی المضوعه فی الاحاديث الموضوعه ،خطبه كتاب،جلد1،صفحه2،مطبع ادبيه ،مصر)

محدثین کا کسی حدیث کو موضوعات کے تحت لکھنا مطلقا اس حدیث کے موضوع ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔خود وہابی مولوی علامہ شوکانی نے موضوعات پر کتاب لکھی جس میں کہا"وقد اذكر مالايصح اطلاق اسم الموضوع عليه بل غاية مافيه انه ضعيف بمرة وقديكون ضعيفا ضعفاً خفيفاً، وقديكون اعلى من ذلك والحاصل على ذكر ماكان هكذا، التنبيه على انه قدعد ذلك بعض المصنفين موضوعات كابن الجوزي فانه تساهل في موضوعاته حتى ذكر فيها ماهو صحيح فضلا عن الحسن فضلا عن الضعيف وقدتعقبه السيوطي بمافيه كفاية، وقد اشرت الى تعقبات " ترجمہ:کبھی میں اس کتاب میں وہ احادیث ذکر کروں گا جن پر موضوع کا اطلاق درست نہیں بلکہ وہ ضعیف ہوں گی اور بعض کے ضعف میں خفت ہوگی بلکہ بعض میں ضعف ہی نہیں ان کے ذکر کا سبب یہ ہے تاکہ اس بات پر تنبیہ کی جائے کہ بعض مصنفین نے انہیں موضوع قرار دیا ہے جیسے ابن جوزی نے اپنی موضوعات میں تساہل سے کام لیا ہے۔حتی کہ صحیح روایات کو موضوعات میں ذکر کردیا چہ جائیکہ حسن اور ضعیف، امام سیوطی نے ان کا تعاقب کیا ہے، میں نے بھی ان کے تعقبات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(الفوائد المجموعه ،خطبة الكتاب،صفحه4،دارالكتب العلميه،بيروت)

لہٰذا جو تقلید کے منکر ہے ان کے لئے جائز نہیں کہ خود تحقیق کئے بغیر کسی محدث کی تقلید میں کسی حدیث کو ضعیف یا موضوع کہہ دیں۔ اکثر وہابی حضرات اہل سنت کے عقائد و فقہ حنفی پر مشتمل احادیث کو ضعیف و موضوع کہہ دیتے ہیں جبکہ وہ حدیث ضعیف یا موضوع نہیں ہوتی۔ وہابی حضرات کے پیشوا کئی احادیث خاص طور پر جو اہل سنت میں مشہور ہوں اسے موضوع وضعیف کہہ دیتے ہیں چاہے دوسرے محدثین نے اسے موضوع نہ کہا ہو۔ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خلیفہ منصور عباسی سے ارشاد کہ اپنا منہ حضور پُر نور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیوں پھیرتا ہے وہ تیرا اور تیرے باپ آدم علیہ الصلاۃ والسلام کا اللہ عزوجل کی بارگاہ میں وسیلہ ہیں، اُن کی طرف منہ کر اور اُن سے شفاعت مانگ کہ اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت قبول فرمائے گا، جسے اکابر ائمہ نے باسانید جیدہ مقبولہ روایت فرمایا۔ ابن تیمیہ نے کہہ دیا کہ " ان هذه الحكاية كذب علی مالك"(اس واقعہ کا امام مالک سے نقل کرنا جھوٹ ہے۔) علامہ زرقانی نے اُس کے رَد میں فرمایا"هذا تهوّر عجيب، فان الحكاية رواها ابو الحسن علی بن فهر فی كتابه فضائل مالك باسناد لاباس به، واخرجها القاضی عياض فی الشفاء من طريقه عن شيوخ عدة من ثقات مشايخه فمن اين انها كذب وليس فی اسنادها وضاع ولا كذاب " ترجمہ: یہ بہت بڑی زیادتی ہے کیونکہ اس واقعہ کو شیخ ابوالحسن بن فہر نے اپنی کتاب ''فضائلِ مالک'' میں ایسی سند کے ساتھ نقل کیا ہے جس میں کمزوری نہیں اور اسے قاضی عیاض نے شفاء میں متعدد ثقہ مشائخ کے حوالے سے اسی سند سے بیان کیا ہے لہذا اسے جھوٹا کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟ حالانکہ اسکی سند میں نہ کوئی راوی وضاع ہے اور نہ ہی کذّاب۔

(شرح الزرقانی ،الفصل الثانی المقصد العاشر ،جلد8،صفحہ348، مطبعہ عامرہ ،مصر)

اسی طرح وہابیوں کا ایک ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی تھا جس نے کئی چھوٹے چھوٹے رسالے لکھے اور اس میں خوب مسلمانوں کو مشرک کہا۔ ایک رسالہ ''وسیلے کا شرک'' لکھا۔ اس میں لکھا جو نبی علیہ السلام یا ولی رحمۃ اللہ علیہ دنیا سے پردہ کر گیا ہے اس کے وسیلے سے دعا کرنا شرک ہے۔ اس پر اس ڈاکٹر نے گھما پھرا کر قرآنی آیات نقل کیں ۔جبکہ ان سے ہرگز وسیلے سے دعا مانگنا شرک تو کیا مکروہ بھی ثابت نہیں ہوتا بلکہ احادیث سے وسیلے سے دعا مانگنا ثابت ہے۔ کتب حدیث ایک حدیث حضرت آدم علیہ السلام سے منقول ہے کہ انہوں نے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی توبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے کی اور توبہ قبول ہوئی۔ چونکہ ڈاکٹر صاحب نے وسیلے کو شرک ثابت کرنا تھا اس لئے انہوں نے بغیر سوچے سمجھے اس حدیث کے متعلق کہا: ''فن حدیث کے لحاظ سے بھی اس روایت کو ہر محدث نے موضوع (گھڑی ہوئی) بتایا ہے۔ اس میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم راوی ہے اور اس پر حدیث گھڑنے کا یہ حکم لگایا گیا ہے۔''

(وسیلے کا شرک،صفحہ8،مسجد توحید، کراچی)

دیکھیں ڈاکٹر صاحب نے اس حدیث کو جھوٹی کہہ دیا۔ اب پوری حدیث اور اس کی سند کے متعلق کلام پیش کیا جاتا ہے۔ حاکم ،بیہقی ،طبرانی ،آجری ،ابونعیم ،ابن عساکر امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں"لما اقترف اٰدم الخطيئة قال رب اسئلك بحق محمد لما غفرت لی ، قال و كيف عرفت محمدا قال لانك لما خلقتنی بيدك و نفخت فی من روحك رفعت رأسی فرأيت علی قوائم العرش مكتوبا لااٰله الا الله محمد رسول الله فعلمت انك لم تضف الٰی اسمك الا احب الخلق اليك قال صدقت يـٰادم ولو لامحمد ما خلقتك وفی رواية عند الحاكم فقال الله تعالٰی صدقت

يـادم انه لاحب الخلق الى اما اذا سئلتنى بحقه فقد غفرت لك ولو لا محمد ما غـفـرت وما خلقتك،هذا حديث صحيح الإسناد وهو أول حديث ذكرته لعبد الـرحمن بن زيد بن أسلم فى هذا الكتاب "،ترجمہ: آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خطا کا ارتکاب کیا تو انہوں نے اپنے رب سے عرض کی ،اے میرے رب! محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے میری مغفرت فرما۔ رب العٰلمین نے فرمایا: تو نے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کو کیونکر پہچانا؟ عرض کی: جب تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے بنایا اور مجھ میں اپنی روح ڈالی میں نے سر اٹھایا تو عرش کے پایوں پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا پایا، جانا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ اسی کا نام ملایا ہے جو تجھے تمام مخلوق سے زیادہ پیارا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تو نے سچ کہا بے شک وہ مجھے تمام جہان سے زیادہ پیارا ہے ۔اب کہ تو نے اس کے حق کا وسیلہ کر کے مجھ سے مانگا تو میں تیری مغفرت کرتا ہوں، اور اگر محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نہ ہوتا تو میں تیری مغفرت نہ کرتا، نہ تجھے بناتا۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ حدیث صحیح سند کے ساتھ ہے۔ یہ پہلی حدیث ہے جسے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے واسطے سے اس کتاب میں ذکر کیا ہے۔

(المستدرك على الصحيحين للحاكم، كتاب تواريخ المتقدمين من الأنبياء والمرسلين، جلد2، صفحہ672، دار الكتب العلمية ،بيروت)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن اس کی سند کے متعلق فرماتے ہیں: "وقال صحيح الاسناد واقره عليه العلامة ابن امير الحاج فى الحلية والسبكى فى شفاء السقام اقول والذى تحرر عندى انه لاينزل عن درجة الحسن، والله تعالى اعلم منه"، ترجمہ: اور کہا کہ اس کا اسناد صحیح ہے۔ علامہ ابن امیر الحاج نے حلیۃ میں اور سبکی نے شفاء السقام میں اس کو برقرار رکھا۔ میں کہتا ہوں جو میرے ہاں ثابت ہے وہ یہ کہ وہ

درجہ حسن سے کم تر نہیں، اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔"

(فتاوی رضویہ، جلد30، صفحہ185، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

یعنی یہ حدیث حسن تھی اور امام مالک کے نزدیک صحیح ہے، اسے وہابی مولوی نے جھوٹی کہہ دیا۔ لہٰذا جب کوئی وہابی صاحب سنیوں کے عقائد وفقہ پر مشتمل حدیث کو ضعیف یا موضوع کہے تو فوراً اس پر اعتبار نہ کیا جائے۔ تیسرا یہ کہ کوئی محدث جب کسی حدیث کو ضعیف یا موضوع کہتے ہیں تو اسے باعتبار سند کہتے ہیں۔ میزان الاعتدال امام ذہبی میں ہے "ابراهيم بن موسى المروزى عن مالك عن نافع عن ابن عمر رضى الله تعالى عنهما حديث "طلب العلم فريضة "قال احمد بن حنبل "هذا كذب " يعنى بهذا الاسناد والا فالمتن له طرق ضعيفة" ترجمہ: ابراہیم بن موسیٰ المروزی مالک سے روایت کرتے ہیں وہ نافع سے اور وہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی ہیں کہ امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو حدیث طلب العلم فریضۃ کو کذب فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ خاص اس سند سے کذب ہے۔ ورنہ اصل حدیث تو کئی ضعیف سندوں سے وارد ہے۔

(میزان الاعتدال، ترجمہ ابراہیم بن موسیٰ المروزی، جلد1، صفحہ69 دارالمعرفۃ، بیروت)

اگر ضعیف حدیث مختلف اسناد سے مروی ہو تو ضعیف سے حسن کے درجہ میں آجاتی ہے جیسے اوپر کہا گیا کہ علم حاصل کرنا فرض ہے یہ کئی سندوں سے مروی ہے لہٰذا یہ ضعیف نہ رہی بلکہ حسن کے درجہ میں آگئی۔ موضوعات کبیر میں ہے "تعدد الطرق ولو ضعفت يرقى الحديث الى الحسن "، ترجمہ: طرقِ متعددہ اگرچہ ضعیف ہوں حدیث کو درجہ حسن تک ترقی دیتے ہیں۔

(الاسرار المرفوعه فى اخبار الموضوعه ،صفحہ 346، دارالكتب العلمية ،بيروت)

امام جلیل جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تعقبات میں فرماتے ہیں "المتروك

او المنکر اذاتعددت طرقه ارتقی الی درجة الضعیف الغریب بل ربما ارتقی الی الحسن "ترجمہ: متروک یا منکر کہ سخت قوی الضعف ہیں یہ بھی تعدد طرق سے ضعیف غریب، بلکہ کبھی حسن کے درجہ تک ترقی کرتی ہیں۔

(التعقبات علی الموضوعات ،باب المناقب ،صفحہ75،مکتبہ اثریہ ،سانگلہ ہل)

وہابیوں کے بعض مولویوں نے کہا ہے کہ ضعیف حدیث فضائل میں معتبر ہے چنانچہ وہابیوں کے ایک مولوی نے مظاہر حق میں راوی حدیث صلاۃ اوّابین کا منکر الحدیث ہونا امام بخاری سے نقل کر کے لکھا: ''اس حدیث کو اگرچہ ترمذی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے لیکن فضائل میں عمل کرنا حدیث ضعیف پر جائز ہے۔''

(مظاہر حق ،باب السنن وفضائلھا ،جلد1،صفحہ766، دارالاشاعت ، کراچی)

اُسی میں حدیث فضیلتِ شبِ برات کی تضعیف امام بخاری سے نقل کر کے کہا: ''یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن عمل کرنا حدیثِ ضعیف پر فضائلِ اعمال میں باتفاق جائز ہے۔'' (مظاہر حق اردو ترجمہ مشکوٰۃ شریف ،جلد1،صفحہ843، دارالاشاعت ، کراچی)

او پر وہابی مولوی صاحب نے کہا کہ ضعیف حدیث پر عمل جائز نہیں ہوتا جبکہ یہ بغیر دلیل اور باطل کلام ہے۔ محدثین کے نزدیک ضعیف حدیث پر عمل نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہوتا ہے چنانچہ امام شیخ الاسلام ابوزکریا نووی رحمۃ اللہ علیہ الاذکار المنتخب من کلام سید الابرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں فرماتے ہیں "قال العلماء من المحدثین و الفقهاء وغیرهم یجوز و یستحب العمل فی الفضائل و الترغیب و الترهیب بالحدیث الضعیف "ترجمہ: محدثین وفقہا وغیرہم علما نے فرمایا کہ فضائل اور نیک بات کی ترغیب اور بُری بات سے خوف دلانے میں حدیث ضعیف پر عمل جائز و مستحب ہے۔

(کتاب الاذکار المنتخب من کلام سید الابرار صلی الله تعالیٰ علیه سلم،فصل قال العلماء من

المحدثین ،صفحہ7،مطبوعہ دارالکتاب العربیہ، بیروت)

اگر کوئی مسلمان کسی فضیلت والی حدیث پر عمل کرتا رہا تو اسے اس کا ثواب ملے گا اگرچہ حدیث صحیح نہ ہو چنانچہ حسن بن عرفہ اپنے جزوحدیثی اور ابوالشیخ مکارم الاخلاق میں سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دارقطنی اور موہبی کتاب فضل العلم میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور کامل جحدری اپنے نسخہ میں اور عبداللہ بن محمد بغوی اُن کے طریق سے اور ابن حبان اور ابوعمر بن عبدالبرکات کتاب العلم اور ابواحمد ابن عدی کامل میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم اجمعین فرماتے ہیں "من بلغه عن اللّٰه عزوجل شیء فیه فضیلة فاخذ به ایمانابه ورجاء ثوابه اعطاه اللّٰه تعالیٰ ذلك وان لم یکن کذلك " ترجمہ: جسے اللہ تبارک وتعالیٰ سے کسی بات میں کچھ فضیلت کی خبر پہنچے وہ اپنے یقین اور اُس کے ثواب کی اُمید سے اُس بات پر عمل کرے اللہ تعالیٰ اُسے وہ فضیلت عطا فرمائے اگرچہ خبر صحیح نہ ہو۔

(کنزالعمال بحوالہ حسن بن عرفہ فی جزء حدیثی،جلد15،صفحہ791، مؤسسة الرسالہ، بیروت)

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لآلی وتعقبات میں مسند الفردوس دیلمی سے نقل فرماتے ہیں "سمعت ابی یقول سمعت ابا عمرو محمد بن جعفر بن مطر النیسابوری قال قلت یوما ان هذا الحدیث لیس بصحیح فافتصدت یوم الاربعاء فاصابنی البرص فرأیت رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه و سلم فی النوم فشکوت الیه حالی فقال ایاك والاستهانة بحدیثی فقلت تبت یارسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم فانتهبت وقدعا فانی اللّٰه تعالیٰ وذهب ذلك عنی " ترجمہ: ایک

صاحب محمد بن جعفر بن مطر نیشاپوری کو فصد کی ضرورت تھی (پہلے زمانے میں بیماری پر خون نکالنے کو فصد کہا جاتا تھا) بُدھ کا دن تھا خیال کیا کہ حدیث مذکور تو صحیح نہیں فصد لے لی فوراً برص ہوگئی۔ خواب میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے حضور سے فریاد کی، حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا"ایـــاك والاستهـــانة بحديثي" (خبردار میری حدیث کو ہلکا نہ سمجھنا) انہوں نے توبہ کی، آنکھ کھلی تو اچھے تھے۔

(اللآلی المصنوعه فی الاحادیث الموضوعه، کتاب المرض والطب، جلد3، صفحه219، مطبوعه ادبیه، مصر)

یوں ہی ایک حدیث ضعیف میں بُدھ کے دن ناخن کتروانے کو آیا کہ مورثِ برص (کوڑھ) ہوتا ہے، بعض علماء نے کتروائے، کسی نے بربنائے حدیث منع کیا، فرمایا حدیث صحیح نہیں فوراً مبتلا ہوگئے، خواب میں زیارت جمال بے مثال حضور پُرنور محبوب ذی الجلال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مشرف ہُوئے، شافی کافی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور اپنے حال کی شکایت عرض کی، حضور والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے نہ سُنا تھا کہ ہم نے اس سے نفی فرمائی ہے؟ عرض کی حدیث میرے نزدیک صحت کو نہ پہنچی تھی۔ ارشاد ہوا تمہیں اتنا کافی تھا کہ حدیث ہمارے نام پاک سے تمہارے کان تک پہنچی۔ یہ فرما کر حضور مبرء الاکمہ والا برص محی الموتی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست اقدس کو پناہِ دوجہان ودستگیر بیکساں ہے، ان کے بدن پر لگادیا، فوراً اچھے ہوگئے اور اُسی وقت توبہ کی کہ اب کبھی حدیث سُن کر مخالفت نہ کرونگا۔

(ماخوذ از، فتاوی رضویه، جلد5، صفحه499، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

علمائے اہل سنت کا مؤقف احادیث، محدثین اور جید علمائے کرام کے اقوال کی روشنی میں واضح ہوا کہ فضائل میں ضعیف حدیث معتبر ہے۔ لہٰذا جتنی بھی احادیث قرآن

، درود، اذکار پڑھنے میں آئی ہیں اگر ضعیف بھی ہوں تو قابل عمل ہیں ثواب ملے گا۔ موضوع حدیث سے بھی فعل ناجائز نہیں ہوجاتا بلکہ اپنی اصلی حالت کی طرف آجاتا ہے۔ اس پر مزید علمی معلومات کے لئے امام اہلسنت مولانا احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کا شاندار رسالہ جواذان میں لفظ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر انگوٹھے چومنے کے متعلق ہے "منیـر العين فی حـكـم تقبيل الابهامين" (انگوٹھے چُومنے کے سبب آنکھوں کا روشن ہونا) اس کا مطالعہ کریں۔ یہ تمام کلام بھی اسی رسالے کا خلاصہ ہے۔

فصلِ چہارم: وہ رسم ورواج جو غیر مسلم یا گمراہ فرقوں کے مشابہ ہوں کیا وہ ناجائز ہیں؟

کئی رسم و رواج کو یہ کہہ کر ناجائز ثابت کیا جاتا ہے کہ یہ ہندوؤں یا گمراہ فرقوں کے مشابہ ہیں جیسے تیجہ، چالیسواں وغیرہ۔ وہابی مولوی رشید احمد گنگوہی لکھتا ہے:''میلاد شریف، معراج شریف، عرس شریف، سوم، چہلم، فاتحہ خوانی اور ایصال ثواب سب ناجائز، غلط، بدعت اور کافروں ہندوؤں کا طریقہ ہے۔''

(فتاوی رشیدیه، جلد2، صفحه144، 150، رحیمیه کتب خانه، دہلی)

لہٰذا یہ واضح ہونا ضروری ہے کہ کونسی مشابہت ناجائز ہے۔ ہر مذہب ہر قوم کے شِعار (علامات) ہیں جیسے اسلام کے شعار مسجد، اذان، نماز، جُمُعَہ، قربانی، عیدین، داڑھی، ختنہ، وغیرہ ہیں۔ مصنف عبدالرزاق میں ہے" عن الزهری أن أبا بكر الصديق قال الاذان شعار الايمان" ترجمہ: امام زہری سے مروی ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اذان شعارِ ایمان میں سے ہے۔

(مصنف عبد الرزاق، کتاب الصلوٰة، باب البغی فی الأذان والأجر علیه، جلد1، صفحه483، المکتب الإسلامی، بیروت)

اسی طرح دیگر مذاہب کے بھی شعار ہیں جیسے ہندوؤں میں ماتھے پر قشقہ (تلک) لگانا، عیسائیوں کا صلیب پہننا، سکھوں کا مخصوص انداز میں پگڑی پہننا وغیرہ۔ مسلمان کو ان جیسے انداز سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے "عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تشبہ بقوم فھو منھم" ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی قوم کی مشابہت کی وہ انہی میں سے ہے۔

(ابوداؤد، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب اللباس، جلد2، صفحہ487، المکتب الإسلامی، بیروت)

یہ مشابہت صورۃً قولاً، فعلاً اور اعتقاداً ہر طرح ہوسکتی ہے۔ علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ التمہید میں فرماتے ہیں "من تشبہ بھم فی أفعالھم وقیل من تشبہ بھم فی ھیئاتھم" ترجمہ: جو ان کی مشابہت افعال میں کرے۔ یہ بھی کہا گیا جو ان کی مشابہت ہیأت میں کرے۔

(التمہید، جلد6، صفحہ80، وزارۃ عموم الأوقاف والشؤون الإسلامیۃ، المغرب)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ المفاتیح "کتاب اللباس" میں فرماتے ہیں "من تشبہ بقوم أی من شبہ نفسہ بالکفار مثلا فی اللباس وغیرہ أو بالفساق أو الفجار أو بأھل التصوف والصلحاء الأبرار فھو منھم أی فی الإثم والخیر قال الطیبی ھذا عام فی الخلق والخلق والشعار" ترجمہ: جو کسی قوم کی مشابہت کرے یعنی جو اپنے آپ کو کفار فُسّاق، فُجّار، اہل تصوف، صلحا، نیکو کاروں سے مشابہ کرے لباس وغیرہ میں وہ انہی میں سے ہے یعنی گناہ اور خیر میں۔ امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ مشابہت طور طریقے اور شعار سب کو شامل ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب اللباس، جلد7، صفحہ2782، دار الفکر، بیروت)

لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ مشابہت وہ ناجائز ہے جو خاص ان کا شِعار (علامت) ہو۔ الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ میں ہے "لما ورد فی الحدیث من تشبہ بقوم فھو منھم، ومعنی ذلك تنفیر المسلمین عن موافقۃ الکفار فی کل ما اختصوا بہ" ترجمہ: جو حدیث میں کہا گیا کہ جو جس قوم کی مشابہت کرے اسی میں سے ہے۔ اس سے مراد مسلمانوں کو کفار کی اس موافقت سے دور کرنا ہے جو ان کفار کا خاصہ ہو۔

(الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ، جلد12، صفحہ7، دار السلاسل، الکویت)

اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو کسی کافر سے تشبیہ دے اگرچہ مذاق میں دے تو کفر ہے۔ شرح فقہ اکبر میں ہے "ولو شبہ نفسہ بالیھود والنصاری :ای صورۃً او سیرۃً علی طریق المزاح والھزل :ای علی ھذا المنوال کفر" ترجمہ: اور اگر کسی نے اپنے آپ کو یہود و نصاری سے تشبیہ دی خواہ صورت کے اعتبار سے ہو یا سیرت کے اعتبار سے اور خواہ مذاق و مسخری کے طور پر ہو تو کفر ہے۔

(شرح فقہ اکبر، صفحہ185، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن انگرکھا کے متعلق فرماتے ہیں: "یہ بھی ایک جدید پیداوار ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ اپنے اندر ممانعت شرعی نہیں رکھتا۔ مگر جبکہ اس کے پردے کا چاک دائیں طرف ہو تو پھر ہندوؤں کی مشابہت کی وجہ سے حرام ہے۔" دوسری جگہ فرماتے ہیں: "اگر کافروں یا فاسقوں سے کوئی خصوصیت رکھتا ہو تو پھر اس کا استعمال بھی ناجائز ہے۔"

(فتاوی رضویہ، جلد22، صفحہ192، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

یہ مطلب نہیں کہ جو فعل بھی کفار یا گمراہ لوگوں میں پایا جاتا ہو وہ ناجائز ہو بلکہ صرف وہی فعل ناجائز ہوگا جو ان کا خاص شعار ہوگا۔ دُرِ مختار میں ہے "التشبہ باھل الکتاب لا یکرہ فی کل شیء فانا ناکل و نشرب کما یفعلون ان الحرام التشبہ

بھم فیما کان مذموما او فیما یقصدبه التشبه" ترجمہ:اہل کتاب سے ہر چیز میں مشابہت مکروہ نہیں ہے جیسے کھانے ، پینے وغیرہ کے طور طریقے میں کوئی کراہت نہیں ۔ان سے تشبہ ان کاموں میں حرام ہے جو مذموم یعنی برے ہیں یا پھر ان میں جن میں مشابہت کا ارادہ کیا جائے۔

(دُرمختارمع ردالمحتار، کتاب الصلوٰۃ ،باب مایفسدالصلوٰۃ ،جلد1،صفحہ623،دارالفکر،بیروت)

ملاعلی قاری علیہ رحمۃ اللہ الباری ''شرح فقہ اکبر'' میں تشبہ میں اصلِ مدار شعار ہونے کے بارے میں فرماتے ہیں"انا ممنوعون من التشبیه بالکفرة واهل البدعة المنکرة فی شعارهم، لامنهیون عن کل بدعة ولو کانت مباحة، سواء کانت من افعال اهل السنة او من افعال الکفرو اهل البدعة،فالمدارعلی الشعار"ترجمہ: ہمیں کافروں اور منکر بدعات کے مرتکب لوگوں کے شعار کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے ہاں اگر وہ بدعت جو مباح کا درجہ رکھتی ہو اس سے نہیں روکا گیا خواہ وہ اہل سنت کے افعال ہوں یا کفار اور اہل بدعت کے۔لہذا مدار شعار ہونے پر ہے۔

(شرح فقہ اکبر،صفحہ185، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

موجودہ دور میں کرسمس منانا عیسائیوں کا خاص مذہبی شعار ہے کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ بھی کرسمس منائے ۔اسی طرح ہندوؤں کی دیوالی، ہولی منانا مسلمانوں کے لئے حرام ہے۔

سیدی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن تشبہ کی جامع تعریف واقسام بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :''تشبہ دو وجہ پر ہے التزامی ولزومی ۔ التزامی یہ کہ یہ شخص کسی قوم کے طرز ووضع اسی قصد سے اختیار کرے کہ اُن کی سی صورت بنائے ان سے مشابہت حاصل کرے۔حقیقۃً تشبہ اسی کا نام ہے " فان معنی القصد

والتکلف ملحُوظ فيه کما لا یخفی"اورلزومی یہ کہ اسکا قصد تو مشابہت کا نہیں مگر وہ وضع اسی قوم کا شعار خاص ہورہی ہے کہ خواہی نخواہی مشابہت پیدا ہوگی۔التزامی میں قصد کی تین صورتیں ہیں ۔اوّل یہ کہ اُس قوم کو محبوب ومرضی جان کر اُن سے مشابہت پسند کرے یہ بات اگر مبتدع کے ساتھ ہو تو بدعت اور کفار کے ساتھ معاذ اللہ کفر۔حدیث "من تشبه بقوم فهو منهم" حقیقۃً صرف اسی صورت سے خاص ہے۔۔۔دوم کسی غرض مقبول کی ضرورت سے اسے اختیار کرے وہاں اس وضع کی شناعت اور اس غرض کی ضرورت کا موازنہ ہوگا اگر ضرورت غالب ہو تو بقدرِ ضرورت کا وقتِ ضرورت یہ تشبیہ کفر کیا معنی ممنوع بھی نہ ہوگا جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی کہ بعض فتوحات میں منقول رومیوں کے لباس پہن کر بھیس بدل کر کام فرمایا اور اس ذریعہ سے کفار اشرار کی بھاری جماعتوں پر باذن اللہ غلبہ پایا۔ اسی طرح سلطان مرحوم صلاح الدین یوسف انار اللہ تعالیٰ برہانہ کے زمانے میں جبکہ تمام کفار یورپ نے سخت شورش مچائی تھی دو عالموں نے پادریوں کی وضع بنا کر دورہ کیا اور اس آتش تعصب کو بجھا دیا۔۔۔سوم نہ تو انہیں اچھا جانتا ہے نہ کوئی ضرورت شرعیہ اس پر حامل ہے بلکہ کسی نفع دنیوی کے لئے یا یو ہیں بطور ہزل واستہزاء اس کا مرتکب ہوا تو حرام وممنوع ہونے میں شک نہیں اور اگر وہ وضع ان کفار کا مذہبی دینی شعار ہے جیسے زنّار، قشقہ، چُٹیا، چلیپا، تو علماء نے اس صورت میں بھی حکم کفر دیا"کماسمعت انفا " (جیسا کہ تم نے ابھی سنا۔)اورفی الواقع صورت استہزاء میں حکم کفر ظاہر ہے" کمالایخفی "(جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔)اورلزومی میں بھی حکم ممانعت ہے جبکہ اکراہ وغیرہ مجبوریاں نہ ہوں جیسے انگریزی منڈا، انگریزی ٹوپی، جاکٹ، پتلون، اُلٹا پردہ، اگرچہ یہ چیزیں کفار کی مذہبی نہیں مگر آخر شعار ہیں تو ان سے بچنا واجب اور

ارتکاب گناہ۔ (یہ اس وقت کفار کا خاص شعار تھا اس لئے منع کیا گیا۔) ولہٰذا علماء نے فساق کی وضع کے کپڑے موزے سے ممانعت فرمائی۔۔۔"

(فتاوی رضویہ، جلد24، صفحہ531، رضافاؤنڈیشن ،لاہور)

وہ شعار جو کفار یا گمراہ لوگوں کا خاصہ نہ ہوں یا پہلے تھے اب نہ ہوں، تو ان کا کرنا جائز ہوتا ہے جیسے پینٹ شرٹ، ٹائی، ساڑھی، وغیرہ یہ کفار ہی کا شعار تھے، مگر اب مسلمانوں میں بھی یہ رائج ہیں اور اسلامی تعلیمات کے خلاف نہیں لہٰذا اس کا استعمال جائز ہے۔ امام قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں در بارہ طیلسان کہ پوشش یہود تھی فرماتے ہیں"اما ماذكره ابن اقيم من قصة اليهود فقال الحافظ ابن حجر انما يصح الاستدلال به فى الوقت الذى تكون الطيالسة من شعارهم وقد ارتفع ذلك فى هذه الازمنة فصار داخلا فى عموم المباح وقد ذكره ابن عبدالسلام رحمه الله تعالٰى فى امثلة البدعة المباحة" ترجمہ: رہا یہ کہ جو کچھ حافظ ابن قیم نے یہودیوں کا واقعہ بیان کیا ہے تو اس بارے میں حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ یہ استدلال اس وقت درست تھا جبکہ مذکورہ چادر اُن کا (مذہبی) شعار ہوا کرتی تھی لیکن اس دَور میں یہ چیز ختم ہو رہی ہے لہٰذا اب یہ عموم مباح میں داخل ہے چنانچہ علامہ ابن عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بدعت مباح کی مثالوں میں ذکر فرمایا ہے۔

(المواہب اللدنیة، اللباس لبس الطیلسان، جلد2، صفحہ450، المکتب الاسلامی، بیروت)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: "اس تحقیق سے روشن ہو گیا کہ تشبہ وہی ممنوع و مکروہ ہے جس میں فاعل (کرنے والے) کی نیت تشبہ کی ہو یا وہ شئ اُن بد مذہبوں کا شعار خاص یا فی نفسہ شرعا کوئی حرج رکھتی ہو۔ بغیر ان صورتوں کے ہرگز کوئی وجہ ممانعت نہیں۔"

(فتاوی رضویہ، جلد24، صفحہ 534، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

اسی طرح کئی ایسی رسمیں ہیں جو کفار اور مسلمانوں میں یکساں رائج ہیں لیکن جائز ہیں جیسے ہندوؤں میں بھی دولہا سہرا باندھتا، ہار پہنتا، گھوڑی پر سوار ہوتا ہے۔ دلہن کو ابٹن، مہندی لگائی جاتی ہے۔ شادی میں کھانا کفار بھی کھاتے پکاتے ہیں اگر ہر مشابہت حرام ہو تو یہ کھانا بھی حرام ہو جاتا۔ لہٰذا جو بھی رسم و رواج کفار و گمراہ فرقوں سے مشابہت رکھتے ہوں لیکن ان کا خاص شعار نہ ہوں اور نہ اسلامی تعلیمات کے منافی ہوں تو جائز ہیں۔ بلکہ بعض ایسے ہیں جو دیگر اقوام سے منتقل ہوئے اور شریعت مطہرہ نے اسے دین میں شامل کر لیا جیسے مصافحہ کرنا سنت ہے لیکن یہ اہل یمن سے منتقل ہوا چنانچہ فتاوٰی رضویہ میں ہے: "خود مصافحہ بھی شرع مطہر کا اپنا وضع فرمایا ہوا نہیں بلکہ اہل یمن آئے، انھوں نے اپنے رسم و رواج کے مطابق مصافحہ کیا، شرع نے اس رسم کو اپنے مقصود یعنی ایتلاف مسلمین کے موافق پا کر مقرر رکھا۔ اگر رسم کسی اور طریقے سے ہوتی اور اسکی خصوصیت میں کوئی محذور شرعی نہ ہوتا تو شرع اسے مقرر رکھتی اور ایسے ہی وعدہائے ثواب اس پر فرماتی۔ ہاں! وہ بات جس میں کسی طرح مقاصد شرع سے مخالفت ہو بے شک ناپسند ہوگی اگر چہ کسی قوم میں اس کی رسم پڑی ہو۔ جیسے سلام کے عوض بلا ضرورت شرعیہ انگلی یا ہتھیلی کا اشارہ کہ بوجہ مشابہت یہود و نصارے اس سے ممانعت آئی۔"

(فتاوی رضویہ، جلد24، صفحہ 534، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

اس تمام بحث سے یہ ثابت ہوا کہ جو شعار کفار و گمراہ لوگوں کا خاص ہو یعنی دیکھنے والا اس علامت کو دیکھ کر سمجھے کہ یہ کافر یا گمراہ ہے جیسے کوئی ہندوؤں کی طرح قشقہ لگائے تو دیکھنے والا یہی سمجھے گا کہ یہ ہندو ہے۔ اسی طرح اگر کوئی صلیب پہنے تو دیکھنے والا یہی کہے گا کہ یہ عیسائی ہے۔ مسلمانوں کو اس سے بچنا لازم ہے۔ علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں"لو خص أهل الفسوق والمجون بلباس منع لبسه لغيرهم فقد يظن به من

لا يعرفه أنه منهم" ترجمہ: جولباس فساق و بےحیالوگوں کے لئے خاص ہو دوسروں کو اس کے پہننے سے منع کیا جائیگا۔اس لئے کہ دوسرا اگر پہنے گا تو اسے دیکھنے والا جو اسے جانتا نہیں اسے بھی فاسق و بےحیا گمان کرے گا۔

(فیض القدیر، حرف المیم، جلد6، صفحہ104، المکتبة التجارية الكبرى، مصر)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: "مگر اس کے تحقق کو اس زمان ومکان میں ان کا شعار خاص ہونا قطعاً ضرور جس سے وہ پہچانے جاتے ہوں اور ان میں اور ان کے غیر میں مشترک نہ ہو ورنہ لزوم کا کیا محل، ہاں وہ بات فی نفسہٖ شرعاً مذموم ہوئی تو اس وجہ سے ممنوع یا مکروہ رہے گی نہ کہ تشبّہ کی راہ سے۔"

(فتاوی رضویہ، جلد24، صفحہ 532، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

تشبہ کی وضاحت کو سمجھنے کے بعد اب دیکھیں کہ ہندو لوگ جو تیجہ، دسواں، برسی کرتے ہیں ان میں کیا ہوتا ہے چنانچہ ہندو مذہب پر مشتمل کتاب آسوالا یانا گریہہ سوتر میں ہے: "موت کی رسومات سال بھر جاری رہتی ہیں۔ تیسرے دن" پھول چننے کی رسم" (ہڈیاں اکٹھی کر کے گنگا میں پھینکنا)، دسویں دن "دساہی" یعنی طہارت کی رسم، گیارہویں دن "گیارہ کی کریا" (پنڈ کی نذر)، بارہویں "دودشا" (برہمن کو دان دکشنا دینا) اور "ہون" کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ تیرہویں دن "دستار بندی" کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ جس میں خاندان کے بزرگ ترین شخص کو سربراہ بنایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ "ماہانی یادگیری" کی رسم جس میں برہمن کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ "سالانہ یادگیری" کی رسمیں" برسودھی" یا "برسی" "خیابی" اور "چوبرسی" بجائی لائی جاتی ہیں۔ برسی اور چوبرسی میں ایک سیجا دان خاندان کے پروہت کو نذر کیا جاتا ہے۔ برہمنوں اور دوسرے غریبوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ لیکن خیابی میں صرف ایک برہمن یا برہمنی کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔"

(Asvalayana Grihya Sutra,Page 4,Dehli)

اب دیکھیں کہ مسلمان جو تیجہ، دسواں، برسی میں کرتے ہیں ان میں کونسی ہندوؤں سے مشابہت پائی جا رہی ہے؟ کیا معاذ اللہ مسلمان تیسرے دن ہڈیاں بہانے کی رسم ادا کرتے ہیں یا قرآن خوانی کرتے ہیں؟ کسی بھی دن کسی قول، فعل، ہیئت میں ہندوؤں سے مشابہت پائی جاتی ہے؟

درحقیقت تیجہ تیسرے دن کو کہتے ہیں، دسواں دس دن کو اور برسی سال کو۔ یہی نام ہندوؤں میں بھی رائج ہیں۔ اب کیا ان ناموں کے یکساں رائج ہونے کو مشابہت کہا جا سکتا ہے جبکہ اس میں ہونے والے افعال قدرے مختلف ہیں۔ اگر اس طرح کی مشابہت حرام ہو تو پھر کئی افعال حرام ہو جائیں گے جیسے ہندو بھی اپنے مردہ کو لے جاتے وقت رام رام کہتے ہیں اور مسلمان جنازہ کو لے جاتے وقت کلمہ شہادت کہتے ہیں۔ مسلمان بھی حج سمیت مقدس مقامات کی زیارت کو جاتے ہیں اور ہندو بھی اپنے مقدس مقامات کی زیارت کو جاتے ہیں جسے وہ "یاترا" کہتے ہیں۔

اس پر ایک اعتراض ہوسکتا ہے وہ یہ کہ تیجہ میں ہندو بھی عبادت کرتے ہیں اگرچہ اپنے عقیدے کے مطابق کریں اور مسلمان بھی عبادت کرتے گویا ایک وقت میں دونوں عبادت کر رہے ہیں اور حدیث پاک میں سورج طلوع ہوتے، زوال اور غروب ہوتے وقت سجدہ کرنے سے منع کیا ہے کہ مشرکین سے مشابہت نہ ہو چنانچہ مسلم شریف کی حدیث پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابی کو فرمایا "قال صل صلاة الصبح ثم أقصر عن الصلاة حتى تطلع الشمس حتى ترتفع فإنها تطلع حين تطلع بين قرني شيطان وحينئذ يسجد لها الكفار۔۔۔" ترجمہ: صبح کی نماز پڑھ پھر رُکا رہ نماز سے یہاں تک کہ سورج نکل کر بلند ہو جائے۔ اس لئے کہ سورج شیطان کے سینگوں کے

درمیان سے نکلتا ہے اور اس وقت کفار اسے سجدہ کرتے ہیں۔

(صحیح مسلم ،كتاب صلوٰة المسافرين و قصرها،باب إسلام عمرو بن عبسة ،جلد 1، صفحه569،دار إحياء التراث العربي ،بيروت)

حالانکہ مشرکین اپنے عقیدے کے مطابق سجدہ کرتے ہیں اور مسلمان رب تعالیٰ کو لیکن پھر بھی منع کر دیا گیا۔ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس کے تحت فرماتے ہیں"فالنهي حينئذ لترك مشابهة الكفار"ترجمہ:یہ ممانعت کفار سے ترک مشابہت کے لئے ہے۔

(فتح الباری،باب الصلاة بعد الفجر حتى ترتفع الشمس،جلد2،صفحه60،دار المعرفة،بيروت)

اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت سجدہ کرنا کفار کے سجدہ کرنے سے مشابہت رکھتا ہے،جس سے منع کیا گیا جیسے بت اور جلتی آگ کے سامنے نماز پڑھنے سے منع کیا گیا۔لہذا اس حدیث سے بھی تیجہ،دسواں اور برسی کا ہندوؤں سے مشابہت ہونا ثابت نہیں ہوتا۔بلکہ صریح احادیث سے ثابت ہے کہ عبادت مختلف ہو تو مشابہت نہیں جیسے عیسائی اپنی عبادت کے اعلان کے وقت ناقوس(گھنٹا)،یہودی سنکھ یا بگل اور مجوسی آگ جلا کر عبادت کے لئے دعوت دیتے ہیں۔اسلام میں نماز کے اعلان لئے اذان مقرر کی گئی۔بخاری شریف کی حدیث پاک ہے"أن ابن عمر كان يقول كان المسلمون حين قدموا المدينة يجتمعون فيتحينون الصلاة ليس ينادى لها فتكلموا يوما فى ذلك فقال بعضهم اتخذوا ناقوسا مثل ناقوس النصارى وقال بعضهم بل بوقا مثل قرن اليهود فقال عمر أولا تبعثون رجلا ينادى بالصلاة فقال رسول الله صلى الله عليه و سلم يا بلال قم فناد بالصلاة"ترجمہ:حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مسلمان مدینہ آئے تو جمع ہو کر اوقات نماز کا اندازہ لگا لیتے تھے نمازوں کی اذان کوئی نہ دیتا۔ایک دن اس بارے میں مشورہ کیا بعض نے کہا کہ عیسائیوں کے ناقوس کی

طرح بنالو اور بعض بولے کہ یہود کے بگل کی طرح بنالو۔تب حضرت عمر نے فرمایا کسی کو نماز کی منادی کرنے کیوں نہیں بھیج دیتے تب حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بلال اٹھو نماز کی منادی کرو۔

(صحيح بخاری ،كتا ب الصلوٰة،باب بدء الأذن ،جلد1،صفحه124،دار طوق النجاة)

دیکھیں سب میں عبادت کے لئے بلانا یکساں ہے لیکن طریقہ مختلف ہے جس سے مشابہت نہ پائی گئی۔دوسری ابوداؤد شریف کی حدیث پاک بسند حسن صحیح ہے "أبي بريدة يقول كنا في الجاهلية إذا ولد لأحدنا غلام ذبح شاة ولطخ رأسه بدمها فلما جاء الله بالإسلام كنا نذبح شاة ونحلق رأسه ونلطخه بزعفران "ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم دور جاہلیت میں تھے کہ جب ہم میں سے کسی کے ہاں بچہ پیدا ہوتا تو وہ بکری ذبح کرتا اور اس کے سر کو بکری کے خون سے لتھیڑ دیتا۔پھر جب اسلام آیا تو ہم ساتویں دن بکری ذبح کرتے تھے اور بچہ کا سر منڈاواتے اسے زعفران سے لتھیڑتے۔

(سنن ابوداؤد،كتاب الضحايا،باب في العقيقه ،جلد3،صفحه107،المكتبة العصرية،بيروت)

اس حدیث میں بھی سر پر ملنے میں یکسانیت ہے لیکن مشابہت نہیں پائی گئی کہ وہاں خون تھا یہاں زعفران ہے۔اس سے بڑھ کر بڑی دلیل بیماری میں دم کرنا ہے کہ مشرکین بھی بیماری پر دم کرتے ہیں گویا ایک وقت میں مریض پر پھونک مارنے میں یکسانیت ہے لیکن الفاظ مختلف ہیں جس کے سبب شریعت نے اسے مشابہت نہ مانا۔مسلم شریف کی حدیث پاک ہے"عن عوف بن مالك الأشجعي قال كنا نرقي في الجاهلية فقلنا يا رسول الله كيف ترى في ذلك فقال اعرضوا على رقاكم لا بأس بالرقى ما لم يكن فيه شرك"ترجمہ:حضرت عوف ابن مالک اشجعی سے روایت ہے

فرماتے ہیں کہ ہم دورِ جاہلیت میں دم کرتے تھے تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ اس بارے میں آپ کی کیا رائے عالی ہے تو فرمایا ہم پر پیش کرو جھاڑ پھونک میں کوئی حرج نہیں جب تک کہ اس میں شرک نہ ہو۔

(صحیح مسلم، کتاب السلام، باب لا بأس بالرقی مالم یکن فیہ شرك، جلد 4، صفحہ 1727، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ مسلمان ہندوؤں کے ساتھ رہے ہیں اس لئے کئی رسمیں ہندوؤں سے مسلمان میں آ گئی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں میں ہندوؤں کی بعض رسمیں آئی ہیں لیکن مسلمانوں کے بھی رسم ورواج ہندوؤں میں رائج ہوئے ہیں کہ ہندوؤں پر کئی سو برس مسلمانوں نے حکومت کی ہے۔ ہندوؤں کا ایک فرقہ لنگایت ہے جس میں مسلمانوں کی طرح وہ ہندو کو دفن کرتے ہیں، پیری مریدی بھی ان میں ہے۔ ہندوؤں کی پرانی دینی رسم یہی تھی کہ کہ شوہر کے فوت ہوتے ہی بیوی کو ساتھ جلا دیا جائے جس کو ''ستی'' کا نام دیا جاتا تھا، بعد میں جدید معاشرے میں اس رسم کو ختم کر کے بیوی کا سر مونڈنا شروع کر دیا، ساری زندگی یہ سفید کپڑوں میں رہے، دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔ مسلمانوں کے ساتھ رہتے ہندوؤں میں یہ رسم ختم ہوتی جا رہی ہے۔

اب بھی ہندوؤں کی کثیر رسومات بالکل مسلمانوں میں رائج نہیں ہوئیں جیسے دیوالی، ہولی، شادی شدہ کا شوہر کی لمبی عمر کے لئے چودھویں کا روزہ رکھنا، شادی میں آگ کے پھیرے لینا، تلک لگانا، شادی شدہ عورتوں کی طرح منگل سوتر ڈالنا، بیوہ عورتوں کا شادی نہ کرنا، سفید کپڑوں میں ہمیشہ رہنا وغیرہ۔

اگر مسلمانوں میں کوئی رسم رائج ہو اور کفار بھی اسے کرنا شروع دیں تو مسلمانوں اپنی رسموں کو ترک نہ کریں گے۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ''اہل

بدعت کا خلاف ان کی بدعت یا شعار خاص میں کیا جائے نہ یہ کہ اپنے مذہب کے امورِ خیر سے جو بات وہ اختیار کریں ہم اسے چھوڑتے جائیں۔''

(فتاویٰ رضویہ، جلد 7، صفحہ 415، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

لہٰذا وہابی حضرات کا لوگوں کو یہ فریب دینا کہ تیجہ فلاں ہندو کے مرنے پر شروع ہوا، دسواں فلاں ہندو کے مرنے پر شروع ہوا اور مسلمانوں کا تیجہ، دسواں وغیرہ کرنا ہندوؤں سے مشابہت ہے۔ یہ کہنا بالکل غلط ہے۔ تیجہ، دسواں، چالیسواں سب ایصالِ ثواب کے دن ہیں جن کے کرنے میں کوئی حرج نہیں اور نہ یہ ہندوؤں سے مشابہت ہے جیسا کہ اوپر دلائل سے واضح کیا ہے۔

فصلِ پنجم: دن مخصوص کر کے کوئی عمل کرنا

آج کل کے وہابی حضرات مروجہ ایصالِ ثواب، شبِ معراج و شبِ براءت کو اس وجہ سے نہیں مانتے کہ اس طرح دن اور وقت مخصوص کر کے کوئی نیک عمل کرنا بدعت ہے۔ اس پر کوئی صریح حدیث تو کیا کسی امام وفقیہ کا قول بھی دلیل کے طور پر پیش نہیں کرتے۔ بس وہی دلیل کہ جو کام صحابہ نہ کیا وہ بدعت ہے۔ ایک وہابی مولوی ڈاکٹر علی بن نفیع العلیانی اپنی کتاب تبرک جس میں اس نے بزرگانِ دین کے تبرکات کو بدعت قرار دیا لکھتا ہے: ''تو جو لوگ اپنی دانست سے کچھ ایام و اوقات از قسم میلاد رسول، یوم معراج، یوم ہجرت یا یوم بدر وغیرہ متعین و مخصوص کر کے ان میں عبادات اور اجتماع وغیرہ کا اہتمام کرتے ہیں وہ بہت بڑی غلطی پر ہیں۔ بدعتی اور غالی قسم کے لوگ اس مذموم تبرک میں از خود مبتلا ہیں۔''

(تبرک، صفحہ 68، مکتبہ السنۃ، کراچی)

درحقیقت کوئی دینی کام مخصوص دن یا وقت میں کرنا ہرگز بدعت نہیں بلکہ یہ تخصیص اس لئے کی جاتی ہے کہ لوگ بروقت جمع ہوسکیں۔ اگر اس طرح مخصوص وقت میں نیک کام

کرنا بدعت ہوتو پھر نماز باجماعت بھی مخصوص وقت میں کرنا بدعت ہوتی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے دور میں موجودہ دور کی طرح مخصوص وقت میں نماز نہ ہوتی تھی۔ اب جو وقت نماز کا ہو ٹھیک اسی وقت جماعت کھڑی ہو جاتی ہے۔ کئی سالوں سے مخصوص وقت میں مخصوص وظائف کئے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ احادیث واسلاف سے مخصوص دن میں کوئی عبادت کرنا ثابت ہے چنانچہ مسلم شریف کی حدیث پاک میں ہے "ولا تختصوا يوم الجمعة بصيام من بين الأيام إلا أن يكون في صوم يصومه أحدكم" ترجمہ: جُمُعَہ کے دن کو دیگر دنوں میں روزے سے خاص نہ کرو۔ مگر یہ کہ جُمُعَہ اس تاریخ میں آجائے جس میں کوئی روزہ رکھتا ہو۔

(صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب كراهة صيام يوم الجمعة منفردا، جلد2، صفحہ801، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

دیکھیں حدیث پاک میں صراحتاً فرمایا گیا کہ اگر کوئی کسی مخصوص تاریخ میں روزہ رکھتا ہے اور وہ تاریخ جُمُعَہ میں آجائے تو روزہ رکھنا جائز ہے۔ شعبان کے آخر ایک دو دن میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا گیا ہے لیکن اگر کوئی ان دنوں میں روزہ رکھتا ہو اور وہ دن شعبان کے آخری دو دن ہو جائیں تو روزہ رکھنے کی اجازت ہے۔ ابوداؤد شریف کی بسند صحیح حدیث پاک ہے "عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه و سلم قال لاتقدموا صوم رمضان بيوم ولا يومين إلا أن يكون صوم يصومه رجل فليصم ذلك الصوم" ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا رمضان سے ایک یا دو دن قبل روزہ نہ رکھو۔ البتہ جو ان دنوں روزہ رکھتا ہو وہ روزہ رکھ لے۔

(سنن ابو داؤد، كتاب الصيام، باب فيمن يصل شعبان برمضان متطوعا، جلد2، صفحہ300، المكتبة

العصرية، بيروت)

اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ''اب وقت معیّن کرنے سے متعلق گفتگو کرنی ہے جس کا لوگوں میں رواج ہے، جیسے سوم، چہلم، ایک سال چھ ماہ، اقول وبحول اللہ اصول (میں کہتا ہوں اور خدا ہی کی دی ہوئی قوت سے حملہ کرتا ہوں۔) توقیت یعنی کسی کام کے لیے وقت مقرر کرنے کی دو صورتیں ہیں: (1) شرعی اور (2) عادی۔

(1) شرعی یہ کہ شریعت مطہرہ نے کسی کام کے لیے کوئی وقت مقرر فرمایا ہے کہ (ا) جو اس کے علاوہ وقت میں وہ ہو ہی نہیں سکتا اور اگر کریں تو وہ عمل شرعی ادا نہ ہوگا۔ جیسے قربانی کے لیے ایام نحر۔

(۲) یا یہ کہ اس وقت سے اس عمل کو مقدم یا مؤخر کرنا ناجائز ہو، جیسے احرام حج کے لیے حرمت والے مہینے (شوال، ذی قعدہ، ذوالحجہ)۔

(۳) یا یہ کہ اس وقت میں جو ثواب ہو وہ دوسرے وقت میں نہ ملے، جیسے نماز عشاء کے لیے تہائی رات۔

(2) عادی یہ کہ شریعت کی جانب سے کوئی قید نہیں جب چاہیں عمل میں لائیں۔ لیکن حدث (کام ہونے) کے لیے زمانہ ضروری ہے اور زمانہ غیر معین میں وقوع محال عقلی ہے۔۔۔۔

ہوشیار اے طالبان حق ان کو، ان کی سرکشی اور زیادتی میں چھوڑ اور اثار واحادیث کی جانب متوجہ ہوتا کہ ہم کچھ تعیناتِ عادیہ تجھے سنائیں "ازیں قبیل ست انچه درحدیث آمد که حضور پرنور سید عالم صلی الله تعالی علیه وسلم زیارتِ شهدائے احد را سرسال مقرر فرمودن کما سیأتي وآمدن مسجد قبارا روز

شنبہ۔ کما فی الصحیحین عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما وروزه شکر رسالت را روز دوشنبه کما فی صحیح مسلم عن ابی قتادة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه وباصدیق اکبر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه مشاوره دینی صبح وشام کما فی صحیح البخاری عن ام المؤمنین الصدیقه رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها وانشائے سفر جهاد را پنجشنبه کما فیه عن کعب بن مالك رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه وطلبِ علم را دوشنبه کما عند ابی الشیخ وابن حبان والدیلمی بسند صالح عن انس ابن مالك رضی الله تعالٰی عنه" ترجمہ:اسی قبیل سے ہے جو حدیث میں آیا کہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شہدائے اُحد کی زیارت کیلئے سال کا شروع وقت مقرر فرمالیا تھا جیسا کہ آگے ذکر آرہا ہے۔ اور سنیچر کے دن مسجد قبا میں تشریف لانا، جیسا کہ صحیحین (بخاری ومسلم) میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔ اور شکرِ رسالت کیلئے دوشنبہ کا روزہ جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دینی مشاورت کے لیے وقتِ صبح وشام کی تعیین جیسا کہ صحیح بخاری میں اُمّ المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔اور سفر جہاد شروع کرنے کے لیے پنجشنبہ کی تعیین جیسا کہ اسی صحیح بخاری میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ اور طلب علم کے لئے دوشنبہ کی تعیین جیسا کہ ابوالشیخ، ابن حبان اور دیلمی نے بسند صالح حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی "و عبدالله ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه وعظ وتذکیر را روز پنجشنبه کما فی صحیح البخاری عن وائل وعلماء هدایت درس را روز چهار شنبه کما فی تعلیم المتعلم للامام برهان الاسلام الزر نوجی حکایت کردش ازاُستاد خود

امام برهان الدین مرغینانی صاحب هدایه و گفت هکذا کان یفعل ابو حنیفه رضی اللّٰه تعالیٰ عنه صاحب تنزیهه الشریعة فرمود و کذا کان جماعة من اهل العلم" حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وعظ وتذکیر کے لیے پنجشنبہ کا دن مقرر کیا جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابو وائل سے مروی ہے۔اور علما نے سبق شروع کرنے کے لیے بدھ کا دن رکھا جیسا کہ امام برہان الاسلام زرنوجی کی تعلیم المتعلم میں ہے۔ انہوں نے اپنے استاد امام برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ سے اس کی حکایت فرمائی اور کہا کہ اسی طرح امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے تھے، صاحب تنزیہہ الشریعۃ نے فرمایا اور اسی طرح ایک جماعت کے علماء کا دستور رہا ہے۔

یہاں مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (جو وہابی حضرات کے نسبی چچا، علمی باپ اور طریقت میں دادا تھے) کا کلام سننے کے قابل ہے۔تفسیر عزیزی میں قولِ باری عزوجل ﴿وَ الْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ﴾ کے تحت فرماتے ہیں ''وارد ہے کہ مُردہ اس حالت میں کسی ڈوبنے والے کی طرح فریاد رس کا منتظر ہوتا ہے اور اس وقت صدقے، دعائیں اور فاتحہ اسے بہت کام آتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ لوگ، موت سے ایک سال تک، خصوصاً چالیس دن تک اس طرح کی امداد میں بھرپور کوشش کرتے ہیں۔

شاہ صاحب ''رسالہ ذبیحہ'' میں جو مجموعہ زبدۃ النصائح میں چھپا ہے اس طعن کے جواب میں فرماتے ہیں "قوله عروس بزرگان خود الخ" یہ طعن مطعون علیہ کے حالات سے بے خبری پر مبنی ہے اس لئے شریعت میں مقررہ فرائض کے سوا کسی کام کو کوئی فرض نہیں جانتا (یعنی کوئی مسلمان فاتحہ وغیرہ کو فرض و واجب نہیں جانتا)۔ہاں قبورِ صالحین کی زیارت، قرآن، دعائے خیر اور تقسیم شرینی وطعام سے ان کی امداد باجماع علماء مستحسن

اوراچھا عمل ہے۔اور روز عرس کا تعین اس لئے ہے کہ وہ دن دارالعمل سے دارالثواب کی جانب ان کے انتقال فرمانے کی یاددہانی کرنے والا ہے ورنہ جس دن بھی یہ کام ہو فلاح ونجات کا سبب ہے۔اور خلف پر لازم ہے کہ اپنے سلف کے لئے اسی طرح کی بھلائی اور نیکی کرتا رہے۔ پھر سال کے تعین اور اس کے التزام کے سلسلے میں احادیث سے سند ذکر فرمائی کہ ابن المنذر اور ابن مردویہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال احد تشریف لاتے، جب درہ کوہ پر پہنچتے تو شہیدوں کی قبر پر سلام کرتے اور فرماتے تمہیں سلام ہو،تمہارے صبر پر کہ دارِ آخرت کیا ہی عمدہ گھر ہے۔" (فتاوی رضویہ ،جلد9،صفحہ580---،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

حاشیہ فتاوٰی امجدیہ میں مولانا آل مصطفٰے مصباح صاحب فرماتے ہیں:"ایصالِ ثواب میں معین تاریخ ہو مثلا روز وفات یا غیر معین تاریخ میں، بلاشبہ جائز و مباح ہے۔ شریعت طاہرہ میں اس کے منع پر کوئی دلیل نہیں۔معین تاریخوں میں ایصالِ ثواب کرنا محض دیوبندیوں اور وہابیوں کی نئی شریعت میں بدعت و ناجائز ہے چنانچہ دیوبندی پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی نے "فتاوٰی رشیدیہ،صفحہ 141 میں لکھا۔"گیارہویں بھی بدعت ہے۔" دوسری جگہ لکھا "ثواب میت کو پہنچانا جب تخصیصات اور التزامات مروجہ ہوں تو نادرست اور باعث مواخذہ ہو جاتا ہے۔"امام الطائفہ مولوی اسماعیل دہلوی نے "تقویت الایمان" میں یہاں تک لکھدیا"حاجت برآری کے لئے ان کی (پیر، پیغمبر،امام،شہید) نذر و نیاز شرک۔"

آج بھی دیوبندی،وہابی حضرات اپنے اکابرین کے ان غلط فتووں پر عمل پیرا ہیں۔ یہاں چند اصولی باتیں بتا کر معین تاریخوں میں ایصالِ ثواب کرنے کا جواز فراہم کیا

جاتا ہے۔

تخصیص وتعیین دو طرح کی ہوتی ہے:۔(1) تخصیص شرعی (2) تخصیص عادی

پھر شرعی کی دو قسمیں ہیں (ا) شرعی غیر منفک (۲) شرعی منفک۔

(الف) تخصیص شرعی غیر منفک: شریعت کی جانب سے ایسی تخصیص کہ مخصوص ایام کے علاوہ درست ہی نہ ہو، جیسے ایام نحر قربانی کے لئے۔

(ب) تخصیص شرعی منفک: شرعا تخصیص تو ہو مگر ایام مخصوصہ یا اوقات مخصوصہ کے علاوہ دیگر ایام واوقات میں بھی درست ہو جیسے روزہ،نماز وغیرہ۔

(2) تخصیص عادی: شریعت کی جانب سے کوئی تخصیص نہیں، بندہ جب چاہے کرے۔ جیسے صدقات، خیرات وغیرہ۔ ایصال ثواب کے لئے دن کی تخصیص وتعیین بھی "عادی" ہے اور اس کی تخصیص میں شرعا نہ کوئی قباحت اور نہ ہی شناعت جیسے دن معین کر کے نماز،روزہ کی منت۔ظاہر ہے کہ جب بھی ایصال ثواب کیا جائے گا خاص ہیئت اور خاص زمانہ ہی میں ہوگا۔ یونہی اگر اس میں دوسروں کو بھی شریک کرنا منظور ہو تو تاریخ کے تعیین کے بغیر شرکت دشوار ہوگی۔جس طرح مساجد میں جماعت کے لئے وقت متعین کیا جاتا ہے تا کہ نمازی وقت پر حاضر ہو کر جماعت سے نماز ادا کر سکیں۔ یہ ایسے ہی جیسے دیوبندی اپنے جلسوں کی اور تبلیغی جماعت والے اپنے اجتماع کی تاریخ متعین کرتے ہیں۔

وفات کی تاریخ کو ایصالِ ثواب کے لئے خصوصیت کے ساتھ اس لئے متعین کیا جاتا ہے کہ وہ دن مرنیوالے کی وفات کی یاد دلاتا ہے۔کوئی سنی مسلمان تعینِ یوم کو واجب نہیں سمجھتا۔اس طرح کے افعال میں تعینِ یوم خود سرکار کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے چنانچہ ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے"ان النبی صلی الله علیه

وآلہ وسلم کان یاتی قبور الشھداء باحد علی رأس کل حول" حضور اقدس ہر سال کے سرے (شروع) پر شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے۔

مسلم شریف میں پیر کے دن روزہ رکھنے سے متعلق یہ حدیث مذکور ہے "ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سئل عن صوم الاثنین فقال فیہ ولدت و فیہ انزل علی " ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اسی دن میں پیدا ہوا اور اسی دن مجھ پر وحی نازل ہوئی۔

الغرض یہ سب توقیتات عادیہ سے ہیں جسکا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان مخصوص ایام کے علاوہ دوسرے ایام میں درست نہیں۔ اور نہ ہی کوئی سنی مسلمان معین دن میں ایصالِ ثواب کرنے کو واجب وضروری سمجھتا ہے۔اس لئے ایصال ثواب خواہ روز وفات کی تعیین و تخصیص کے ساتھ کیا جائے یا اس کے بغیر مطلقا جائز ہے۔''

(فتاوی امجدیہ،جلد4،صفحہ177،مکتبہ رضویہ ،کراچی)

وہابی حضرات کسی ایک حدیث یا کسی صحابی کے قول بلکہ کسی جید محدث وفقیہ کے قول سے ثابت کردیں کہ انہوں نے فرمایا ہو کہ کوئی کام دن مخصوص کرکے کرنا ناجائز و بدعت ہے۔ یقیناً وہابی حضرات نہ یہ ثابت کر پائے ہیں اور نہ کبھی ثابت کر پائیں گے۔اگر دن مخصوص کرکے کام کرنا ناجائز ہے تو پھر تمام وہابیوں کے نکاح بھی ناجائز ہوئے کہ وہ بھی دن مخصوص کرکے ہوئے ہوں گے، ان کا جو دینی اجتماع ہوتا ہے وہ بھی ناجائز ہوا۔

۞ باب دوئم: رائج رسم ورواج کا شرعی حکم ۞

اس باب میں ہمارے معاشرے میں جو مشہور رسم ورواج ہیں ان کی شرعی حیثیت کو واضح کیا ہے۔ ہر رسم کے شروع میں یہ کوشش کی ہے کہ اس کی تاریخ کیا ہے، اس رسم کا یہ نام کس وجہ سے ہے، مختصر بیان کیا جائے۔ یہ ممکن نہیں کہ ہر رسم کی تاریخ و نام کی وجہ کا پتہ چل جائے، کیونکہ کئی رسمیں برسوں پرانی ہیں اور بعض رسموں کے ناموں کا باہم تعلق ہوتا ہے اور بعض کا کوئی تعلق نہیں ہوتا یونہی ایسے نام کے ساتھ رسم مشہور ہو جاتی ہے، یا وہ نام کسی دوسرے لفظ کی بگڑی ہوئی شکل ہوتا ہے۔

فصلِ اول: پیدائش کے متعلق رسم ورواج

بچے کے کان میں اذان دینا

جب بچہ پیدا ہو تو اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی جاتی ہے جو کہ حدیث پاک سے ثابت ہے چنانچہ جامع ترمذی، ابو داؤد، مصنف عبدالرزاق، مسند احمد، المعجم الکبیر اور شعب الایمان للبیہقی کی بسند حسن حدیث پاک ہے "عن عاصم بن عبید اللہ أخبرنی عبید اللہ بن أبی رافع قال رأیت أو قال أذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی أذن الحسن بن علی حین ولدته فاطمة" ترجمہ: حضرت عاصم بن عبید اللہ سے مروی ہے کہ مجھے عبید اللہ بن ابی رافع نے خبر دی کہ وہ کہتے ہیں میں نے دیکھا یا کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کان میں اذان دی جب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انہیں پیدا کیا۔

(شعب الایمان، باب فی حقوق الأولاد والأہلین، جلد6، صفحہ389، دار الکتب العلمیة، بیروت)

مرقاۃ المفاتیح میں ہے "روی أن عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کان

يـؤذن فـي اليمنى و يقيم في اليسرى إذا ولد الصبي قلت قـد جاء في مسند أبي يعلى الموصلي، عن الحسين رضي الله عنه مرفوعامن ولد له ولد فأذن في أذنه اليـمـنـي وأقام في أذنه اليسرى لم تضره أم الصبيان" ترجمہ:حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ بچے کی پیدائش پر اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہتے تھے۔مسند ابویعلی موصلی میں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعا مروی ہے کہ آپ نے فرمایا جب بچہ پیدا ہو اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت پڑھی جائے تو بچہ ام الصبیان (آسیب) کی بیماری سے بچے گا۔

(مرقاة المفاتيح ، كتاب الصيد و الذبائح،باب العقيقة،جلد7،صفحه2691،دار الفكر، بيروت)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن اولاد کے حقوق میں فرماتے ہیں:"جب بچہ پیدا ہو فوراً سیدھے کان میں اذان بائیں میں تکبیر کہے کہ خلل شیطان وام الصبیان سے بچے۔" (فتاوی رضویہ ،جلد24،صفحہ452،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

اس اذان دینے میں حکمت یہ ہوتی ہے کہ بچہ سب سے پہلے اللہ عزوجل کا نام سنے جیسا کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں" والأظهـر أن حـكـمة الأذان فـي الأذن أنـه يـطـرق سـمـعـه أول وهـلة ذكـر الـلـه تـعالى على وجه الدعاء إلى الإيـمـان" ترجمہ: بچے کے کان میں اذان دینے کی حکمت یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے اللہ عزوجل کے ذکر کو ایمان کی دعا کی صورت میں سنے گا۔

(مرقاة المفاتيح ، كتاب الصيد و الذبائح،باب العقيقة،جلد7،صفحه2691،دار الفكر، بيروت)

اذان کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں کان میں چار مرتبہ اذان کہی جائے اور بائیں کان میں تین دفعہ اقامت کہی جائے۔اگر ایک مرتبہ اذان اور ایک مرتبہ اقامت کہہ دی تب بھی سنت پوری ہوگئی۔

بچے کو گھٹی دینا

گھٹی کا مطلب ہے عادت،طبیعت،خصلت۔گھٹی کو گڑتی بھی کہا جاتا ہے۔ جب بچہ پیدا ہو تو کسی نیکوکار بزرگ کا چھوہارا یا کوئی میٹھی چیز اپنے منہ میں چبا کر بچے کے تالو سے لگا دینا چاہئے تا کہ سب سے پہلے بچہ کے منہ میں مقبول الٰہی عزوجل کا لعاب اور شیرینی پہنچے،پہلی غذا کا بچے پر بڑا اثر پڑتا ہے۔یہ عمل حدیث پاک سے ثابت ہے چنانچہ مسلم شریف کی حدیث پاک ہے "عـن عـائشة أن رسول الله صلى الله عليه و سلم كان يؤتى بالصبيان فيبرك عليهم ويحنكهم" ترجمہ:حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بچے لائے جاتے تھے تو آپ انہیں دعائے برکت دیتے اور ان کی تحسیک کرتے تھے۔(یعنی کوئی کھجور وغیرہ اپنے منہ میں لے کر اسے نرم کر کر کے بچے کے منہ میں ڈالتے تھے۔)

(صحيح مسلم،كتاب الادب،باب استحباب تحنيك المولود،جلد3،صفحه1691،دار إحياء التراث العربي،بيروت)

دوسری حدیث پاک بخاری و مسلم کی ہے"عـن أسـمـاء بنت أبي بكر رضي الله عنهما أنها حملت بعبد الله بن الزبير بمكة قالت فخرجت وأنا متم فأتيت الـمـديـنة فنزلت قباء فولدت بقباء ثم أتيت به رسول الله صلى الله عليه و سلم فـوضعته في حجره ثم دعا بتمرة فمضغها ثم تفل في فيه فكان أول شيء دخل جـوفـه ريـق رسـول الله صلى الله عليه و سلم ثم حنكه بالتمرة ثم دعا له و برك عـليـه و كان أول مولود ولد في الإسلام ففرحوا به فرحا شديدا لأنهم قيل لهم إن اليهـود قـد سـحرتكم فلا يولد لكم " ترجمہ:روایت ہے حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہ وہ مکہ معظمہ میں عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حاملہ

ہوئیں۔فرماتی ہیں کہ قبا میں میرے ہاں ولادت ہوئی۔پھر میں انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لائی اور حضور کی گود میں رکھا۔آپ نے کھجور کو منگایا اسے چبایا، پھر ان کے منہ میں لعاب ڈالا، پھر ان کی تحنیک کی، پھر ان کے لیے برکت کی دعا مانگی۔یہ اسلام میں پہلا بچہ تھا جو پیدا ہوا۔صحابہ کرام اس پر بہت خوش ہوئے کیونکہ کہا جاتا تھا کہ یہودیوں نے تم پر جادو کر دیا ہے کہ تمہاری اولاد نہیں ہوتی۔

(صحیح بخاری، کتاب العقیقة،باب تسمیة المولود غداة یولد لمن لم یعق عنه وتحنیکه،جلد 7،صفحه84،دار طوق النجاة)

اب بھی جب بچہ پیدا ہو تو بچے کو گھُٹی دی جاتی ہے اس میں خود چبا کر بچے کے منہ میں نہیں ڈالا جاتا بلکہ کوئی میٹھی چیز ہاتھوں سے ڈال دی جاتی ہے۔اس میں بھی کوئی حرج نہیں، لیکن صحیح سنت طریقہ وہی ہے جو اوپر بیان ہوا۔بعض خاندانوں میں افراد گھٹی دینے میں مخصوص ہوتے ہیں یعنی پھوپھی، چچا وغیرہ ہی گھٹی دیتا ہے ایسا کرنا بھی اگرچہ جائز ہے لیکن افضل یہی ہے کہ کوئی نیکوکار گھٹی دے چاہے وہ رشتہ دار نہ ہو۔

نام رکھنا

جب بچہ پیدا ہو تو ساتویں دن اس کا نام رکھنا چاہئے۔سنن ابو داؤد اور جامع الترمذی کی بسند صحیح حدیث پاک ہے "عن سمرة قال قال رسو ل الله صلى الله عليه و سلم الغلام مرتهن بعقيقة يذبح عنه يوم السابع ويسمى ويحلق راسه "ترجمہ: حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راویت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لڑکا اپنے عقیقہ میں گروی ہے ساتویں دن اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے اور اس کا نام رکھا جائے اور سر مونڈا جائے۔

(جامع ترمذی، کتاب الاضاحی، باب العقیقة،جلد4،صفحه101،مصطفی البابی الحلبی،مصر)

بچے کا نام سوچ سمجھ کر علماء کرام سے مشورہ کر کے رکھنا چاہئے۔نام شخصیت پر اثر انداز ہوتا ہے۔اپنے بچوں کے اچھے نام رکھنے چاہئیں کہ بروز قیامت یہ نام پکاریں گے جائیں گے اور بچہ باپ کے نام سے پکار جائے گا۔سنن ابوداؤد، مسند احمد، صحیح ابن حبان، السنن الکبری للبیہقی، شعب الایمان للبیہقی، سنن دارمی میں حدیث پاک ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند جید روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا"انكم تدعون يوم القيامة باسماء كم و اسماء اٰباء كم فاحسنوا اسماء كم " ترجمہ: بے شک تم روز قیامت اپنے اور اپنے والدوں کے نام سے پکارے جاؤ گے تو اپنے نام اچھے رکھو۔

(سنن الدارمی، کتاب الاستئذان،باب فی حسن الأسماء ،جلد2،صفحه380،دار الکتاب العربی ،بیروت)

حدیث پاک میں کہا گیا عبداللہ، عبدالرحمٰن اللہ عزوجل کے پسندیدہ نام ہیں۔محمد یا احمد اصل نام رکھنے کی بہت فضیلت احادیث میں آئی ہے۔حدیث پاک میں ہے "من ولد له مولود فسماه محمدا حبا لی وتبركا باسمی كان هو ومولوده فی الجنة"ترجمہ: جس کے ہاں لڑکا پیدا ہوا اور وہ میری محبت اور میرے نام پاک سے تبرک کے لئے اس کا نام محمد رکھے وہ اور اس کا لڑکا دونوں جنت میں جائیں گے۔

(کنزالعمال ، کتاب المواعظ و الرقائق--،الباب السابع ،الفصل الاول، جلد 16، صفحه555،مؤسسة الرسالة،بیروت)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن محمد و احمد نام رکھنے کی فضیلت پر احادیث نقل کرتے ہوئے الفردوس بماثور الخطاب کے حوالے سے فرماتے ہیں:" حافظ ابو طاہر سلفی وحافظ ابن بکیر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

وسلم فرماتے ہیں: روز قیامت دو شخص حضرت عزت کے حضور کھڑے کئے جائیں گے حکم ہوگا انہیں جنت میں لے جاؤ، عرض کریں گے: الٰہی عزوجل! ہم کس عمل پر جنت کے قابل ہوئے ہم نے تو کوئی کام جنت کا نہ کیا۔ رب عزوجل فرمائے گا "ادخلا الجنة فانی الیت علی نفسی ان لایدخل النار من اسمه احمد ومحمد" ترجمہ: جنت میں جاؤ میں نے حلف (قسم) فرمایا ہے کہ جس کا نام احمد یا محمد ہو دوزخ میں نہ جائے گا۔"

(فتاوی رضویہ، جلد24، صفحہ687، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

اصل نام محمد یا احمد رکھا جائے اور پکارنے کے لئے ساتھ دوسرا نام رکھ لیا جائے تاکہ اس مقدس نام کی لوگ بے ادبی نہ کریں مثلاً یوں نام رکھیں احمد رضا، اس میں احمد اصل نام رضا پکارنے کے لئے رکھ لیں۔ وہ نام جو انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام علیہم الرضوان، اولیاء کرام رحمہم اللہ کے ہوں ان کو رکھا جائے بے شمار برکتیں حاصل ہونگی۔ امام بخاری الادب المفرد میں حدیث پاک نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں "تسمّوا باسماء الانبیاء"، ترجمہ: انبیاء علیہم السلام کے ناموں پر نام رکھو۔

(الادب، باب احب الاسماء الی اللہ عزوجل، جلد1، صفحہ284، دار البشائر الإسلامیة، بیروت)

ایسے نام بھی نہ رکھے جائیں جس کی بے ادبی ہونے کا اندیشہ ہو۔ بہار شریعت میں ہے: "عبداللہ و عبدالرحمٰن بہت اچھے نام ہیں مگر اس زمانہ میں یہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بجائے عبدالرحمٰن اس شخص کو بہت سے لوگ رحمٰن کہتے ہیں اور غیر خدا کو رحمٰن کہنا حرام ہے۔ اسی طرح عبدالخالق کو خالق اور عبدالمعبود کو معبود کہتے ہیں اس قسم کے ناموں میں ایسی ناجائز ترمیم ہرگز نہ کی جائے۔ اسی طرح بہت کثرت سے ناموں میں تصغیر کا رواج ہے یعنی نام کو اس طرح بگاڑتے ہیں جس سے حقارت نکلتی ہے اور ایسے ناموں میں تصغیر ہرگز نہ کی جائے لہذا جہاں یہ گمان ہو کہ ناموں میں تصغیر کی جائے گی یہ نام نہ رکھے جائیں دوسرے نام رکھے

جائیں۔" (بہار شریعت، جلد2، حصہ15، صفحہ94، ضیاء القرآن، لاہور)

وہ نام جن کے معنی پتہ نہیں نہ رکھے جائیں جیسے یس، طہٰ وغیرہ۔ ایسے نام نہیں رکھنے چاہئیں جس میں تزکیہ (خود کی تعریف) ہو جیسے ایک صحابیہ کا نام برہ تھا جس کے معنی تھے نیکوکار۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا نام برہ سے تبدیل کر کے زینب رکھا اور فرمایا "لاتزکوا انفسکم اللّٰہ اعلم باھل البر منکم" ترجمہ: اپنی جانوں کو آپ اچھا نہ بتاؤ خدا خوب جانتا ہے کہ تم میں نیکوکار کون ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب الادب، باب استحباب تغییر الاسم القبیح--، جلد3، صفحہ1687، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

منیرالدین، محی الدین، شمس الاسلام، نظام الدین، نورالدین، فخرالاسلام، شہاب الدین، وغیرہ ناموں میں بھی تزکیہ ہے جس کی اجازت نہیں۔ جو بزرگ اس طرح کے ناموں سے مشہور ہیں یہ ان کے نام نہیں بلکہ لوگوں نے ان کی دینی خدمات کی وجہ سے انہیں القابات دیئے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برے نام تبدیل کر دیا کرتے تھے۔ جامع ترمذی میں ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے "ان النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم کان یغیر الاسم القبیح" ترجمہ: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ برے نام کو بدل دیتے۔

(جامع الترمذی، ابواب الادب، باب ماجاء فی تغییرالاسماء، جلد 5، صفحہ135، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصرم کا نام بدل کر زرعہ رکھا، عاصیہ کا نام جمیلہ رکھا۔ شرعی اعتبار سے ان ناموں کو تبدیل کرنا چاہئے جن میں خود کی تعریف ہو یا اس کے معنی

اچھے نہ بنتے ہوں ۔ بچے کا اول حق یہی ہے کہ مرد اچھے نسب والی عورت سے نکاح کرے تا کہ بعد میں بچے کو لوگ ماں کے نسب سے طعنہ نہ دیں۔ پھر بچے کا نام اچھا رکھنا چاہئے ۔بچپن میں اس کا نام بگاڑنا نہیں چاہئے کہ پھر ساری عمر اس کا بگڑا ہوا نام مشہور ہو جاتا ہے جیسے کالو، کاکا، پپو وغیرہ نام لے کر نہ پکارا جائے صحیح نام سے خود بھی پکاریں اور دوسروں کو بھی پکارنے کا کہیں۔

آج کل ناموں کے متعلق عجیب وغریب رواج ہو گیا ہے پہلے تو لوگ ایسا نام رکھتے ہیں جس کا کوئی سر پیر ہی نہیں ہوتا بے معنی، بے فائدہ اور نا مناسب ہوتے ہیں جیسے اذان، کائنات، ملائکہ، ایمان، فجر، عشا وغیرہ۔ اگر صحیح بلکہ اچھے نام بھی ہوں تو کوئی عامل ذرا سے بیماری پر کہہ دیتے ہیں کہ نام تبدیل کر دو یہ نام بھارا ہے۔ اس طرح عاملوں کے کہنے پر صحیح نام تبدیل نہیں کرنا چاہئے۔ بعض کم علموں میں یہ مشہور ہے کہ ایک گھر میں تین ایسے نام نہ ہوں جن میں حرف نون آئے کہ ایسا منحوس ہوتا ہے ۔ جبکہ شرعی اعتبار سے اس کی کوئی اصل نہیں تینوں ناموں میں نون آنا کوئی نحوست نہیں ہے۔

کئی لوگ تاریخ کے حساب سے نام رکھنے پر بہت زور دیتے ہیں یعنی بچہ جس تاریخ وسن میں پیدا ہوا اس کا حساب لگا کر نام رکھا جاتا ہے۔ اگر چہ علم الاعداد کے لحاظ سے نام رکھنا بزرگوں سے ثابت ہے، لیکن بزرگانِ دین اپنا تاریخی نام اصل نام سے الگ رکھتے تھے۔ بہر حال اگر کوئی تاریخ کے حساب سے نام رکھنا چاہے تو رکھ سکتا ہے، لیکن اس طرح نام رکھنا کوئی ضروری نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی بہت زیادہ فائدہ ہے۔ بہتر یہی ہے کہ کسی نبی علیہ السلام، کسی صحابی یا کسی ولی کے بابرکت نام پر نام رکھیں۔

عقیقہ

بچہ پیدا ہونے کے ساتویں دن اس کے بال کاٹ کر جس جانور کو ذبح کیا جاتا ہے اس جانور کو عقیقہ کہتے ہیں۔ عقیقہ میں بہتر یہ ہے کہ لڑکے کے عقیقے میں دو بکرے اور لڑکی کے عقیقے میں ایک بکری ذبح کی جائے۔ بہتر یہ ہے کہ لڑکے کے لئے نر اور لڑکی کے لئے مادہ جانور ذبح کرے اور اگر اس کا لحاظ نہ بھی رکھا جائے تو کوئی حرج نہیں عقیقے کی سنت ادا ہو جائے گی۔ یعنی اگر لڑکے کی طرف سے بھی ایک بکرا ہو جائے چاہے مذکر نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ ساتویں دن سر منڈا کر اس کے بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کر دینا بھی سنت سے ثابت ہے۔ عقیقہ کے متعلق متعدد احادیث مبارکہ مروی ہیں جن میں سے چند ملاحظہ فرمائیں:

ابوداؤد اور بخاری شریف میں ہے "حدثنا سلمان بن عامر الضبي قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول مع الغلام عقيقة، فأهريقوا عنه دما، وأميطوا عنه الأذى" ترجمہ: حضرت سلمان بن عامر ضبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا کہ لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے۔ اس کی طرف سے خون بہاؤ (یعنی جانور ذبح کرو) اور اس سے اذیت کو دور کرو یعنی اس کا سر مونڈا دو۔

(صحيح بخاري، كتاب العقيقة، باب إماطة الأذى عن الصبي في العقيقة، جلد 7، صفحه 84، دار طوق النجاة، مصر)

گروی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے پورا نفع حاصل نہ ہوگا جب تک عقیقہ نہ کیا جائے اور بعض نے کہا بچہ کی سلامتی اور اس کی نشوونما اور اس میں اچھے اوصاف ہونا عقیقہ کے ساتھ وابستہ ہیں۔

جامع ترمذی میں ہے" ان ام کرز اخبرته انها سالت رسول الله صلی الله علیه و سلم عن العقیقه فقال عن الغلام شاتان وعن الجاریة واحدة لا یضرکم ذکرانا کن ام اناثا" ترجمہ:ام کرز رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کوفرماتے سنا کہ لڑکے کی طرف سے دوبکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک،اس میں حرج نہیں کہ نر ہوں یا مادہ۔

(جامع ترمذی،کتاب الاضاحی ،باب الأذان فی أذن المولود ،جلد4،صفحه98،مصطفی البابی الحلبی،مصر)

امام ترمذی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں" وروی عن النبی صلی الله علیه و سلم ایضا انه عق عن الحسن بن علی بشاة وقد ذهب بعض اهل العلم الی هذا الحدیث "،ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی طرف سے ایک بکری ذبح کی ہے اسی وجہ سے بعض اہل علم لوگوں کا یہی رجحان ہے(کہ ایک بکرایا بکری بھی بچے کی طرف سے ذبح کرنے سے عقیقہ ہوجائے گا۔)

(جامع ترمذی،کتاب الاضاحی ،باب الأذان فی أذن المولود ،جلد 4،صفحه98،مصطفی البابی الحلبی ،مصر)

یہ بھی بہت بہتر ہے کہ عقیقہ کے ساتھ سر مونڈ کر بالوں کے وزن برابر چاندی صدقہ کردی جائے۔ترمذی شریف کی حدیث پاک ہے "عن علی بن أبی طالب قال عق رسول الله صلی الله علیه و سلم عن الحسن بشاة وقال یا فاطمة أحلقی رأسه وتصدقی بزنة شعره فضة قال فوزنته فکان وزنه درهما أو بعض درهم " ترجمہ:حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقیقہ کیا تو فرمایا اے فاطمہ!رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس کا سر مونڈ دو اور بالوں کے وزن برابر چاندی صدقہ کردو۔فرماتے ہیں ان کا وزن درہم یا درہم سے کچھ کم تھا۔

(ترمذی،کتاب الاضاحی ،باب العقیقة بشاة ،جلد4،صفحه99،مصطفی البابی الحلبی ،مصر)

عقیقہ کے جانور کی وہی شرائط ہیں جوقربانی کے جانور کی ہیں یعنی بکرا سال سے کم نہ ہو،گوشت کے تین حصے کئے جائیں ایک اپنے لئے ،ایک رشتہ داروں کے لئے ،ایک غریبوں کیلئے ،اگر سب غرباء میں تقسیم کردیا جائے تو بہتر ہے۔لوگوں میں یہ غلط مشہور ہے کہ عقیقے کا گوشت ماں ،باپ ،دادا،دادی نہیں کھاسکتے۔امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے ملفوظات میں سوال ہوا:''عقیقے کا گوشت بچے کے ماں باپ،نانا نانی،دادا دادی،ماموں چچاوغیرہ کھائیں یانہیں؟جوابا فرماتے ہیں:''سب کھاسکتے ہیں"کلوا وتصدقوا و ائتجروا" (یعنی کھاؤ،صدقہ کرواور کارثواب میں صرف کرو۔)عقود الدریۃ میں ہے "احکامها احکام الاضحیة" (یعنی عقیقے کے احکام قربانی کے احکام کی طرح ہیں۔)

(ملفوظات،حصہ اول،صفحہ94،المکتبۃ المدینہ،کراچی)

اگر ساتویں دن عقیقہ نہ کیا جائے تو سیدی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:''عقیقہ ساتویں دن افضل ہے ، نہ ہوسکے تو چودھویں،ورنہ اکیسویں،ورنہ زندگی بھر میں جب کبھی ہو۔''

(فتاوی رضویہ ،جلد20،صفحہ586، رضافاؤنڈیشن ،لاہور)

جب بھی عقیقہ کیا جائے اس کی پیدائش سے ایک دن پہلے کیا جائے۔مثلاً اگر بچہ جُمُعہ کے دن پیدا ہوا ہے تو جب بھی عقیقہ کیا جائے جمعرات کو کیا جائے۔قدرت ہونے کے باوجود اس کے نہ کرنے والے کے بارے میں سیدی اعلیٰ حضرت علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے

ہیں:''بچے نے عقیقہ کا وقت پایا یعنی سات دن کا ہو گیا اور بلا عذر باوصفِ استطاعت اس کا عقیقہ نہ کیا اس کے لئے یہ آیا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کی شفاعت نہ کرنے پائے گا۔حدیث میں ہے"الغلام مرتهن بعقيقته "یعنی لڑکا اپنے عقیقہ میں گروی ہے۔''مزید آگے ارشاد فرماتے ہیں:''جو بچہ قبل بلوغ مر گیا اور اس کا عقیقہ کر دیا تھا، یا عقیقہ کی استطاعت نہ تھی یا ساتویں دن سے پہلے مر گیا ان سب صورتوں میں ماں باپ کی شفاعت کرے گا جبکہ یہ دنیا سے باایمان گئے ہوں۔'' (فتاوی رضویہ، جلد20،صفحہ596، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

یوں بھی کر سکتے ہیں کہ قربانی میں گائے کے سات حصوں میں چھ حصے عقیقہ کے رکھ لیں یعنی ایک بندے کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں، وہ قربانی کی گائے لے آئے اس میں چھ حصے بیٹوں اور بیٹیوں کے عقیقہ کے اور ایک حصہ قربانی کا رکھ لے۔قربانی بھی ہو جائے گی اور عقیقہ بھی ہو جائے گا۔علماء کرام نے یہ بھی کہا کہ عقیقے کے جانور کی ہڈی نہ توڑی جائے کہ اچھی فال ہے گوشت اتار لیا جائے۔اگر ہڈی توڑ بھی لی جائے تو حرج نہیں۔

ختنہ

ختنہ کروانا فطرت انسانی اور سنت انبیاء علیہم السلام ہے۔صحیح بخاری و مسلم میں ہے "عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال الفطرة خمس أو خمس من الفطرة الختان، والاستحداد، وتقليم الأظفار، ونتف الإبط، وقص الشارب" ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پانچ چیزیں فطرت سے ہیں، (یعنی انبیاء علیہم السلام کی سنت سے ہیں) (1) ختنہ کرنا (2) زیرِ ناف مونڈنا (3) مونچھیں کم کرنا (4) ناخن تراشنا (5) بغل کے بال اکھیڑنا۔

(مسلم، کتاب الطہارت، باب خصال الفطرة، جلد1، صفحہ221، دار إحياء التراث العربي، بیروت)

سائنسی طور پر ختنہ کروانے کے بہت فوائد ہیں۔ولادت کے ساتویں دن ہو سکے تو ختنہ کروا لیں ورنہ بارہ سال سے قبل کروا لینے چاہئیں۔بچہ پیدا اس حال میں ہوا کہ ختنہ میں جو کھال کاٹی جاتی ہے وہ اس میں نہیں ہے تو ختنہ کی حاجت نہیں اور اگر کچھ کھال ہے جس کو کھینچا جا سکتا ہے مگر اسے بہت تکلیف ہوگی اور حشفہ (سپاری) ظاہر ہے تو حجاموں کو دکھایا جائے اگر وہ کہہ دیں کہ نہیں ہو سکتی تو چھوڑ دیا جائے بچہ کو خواہ مخواہ تکلیف نہ دی جائے۔

بچے کا پیدائشی طور پر ختنہ شدہ ہونا اچھا ہے۔بعض لوگ اس پر ایک رسم ادا کرتے ہیں جو فضول ہے چنانچہ بہارشریعت میں ہے:''سنا جاتا ہے کہ جس بچہ میں پیدائشی ختنہ کی کھال نہیں ہوتی اس کے باپ وغیرہ اولیاء اس رسم کی ادائیگی کے لیے اعزہ اقربا کو بلاتے ہیں اور ختنہ کے قائم مقام پان کی گلوری کاٹی جاتی ہے گویا اس سے ختنہ کی رسم ادا کی گئی۔یہ ایک لغو حرکت ہے جس کا کچھ محصل و فائدہ نہیں۔''

(بہارشریعت، جلد2، حصہ16، صفحہ 125 ،ضیاء القرآن، لاہور)

لڑکے کے ختنہ کرایا مگر پوری کھال نہیں کٹی اگر نصف سے زائد کٹی ہے تو ختنہ ہو گیا باقی کو کٹانا ضروری نہیں اور نصف یا نصف سے زائد رہ گئی تو نہیں ہوئی یعنی پھر سے ہونی چاہیے۔ہمارے یہاں ختنہ کروانے کے بعد کہا جاتا ہے ہمارا لڑکا مسلمان ہو گیا۔ایسا نہیں کہنا چاہیے بچہ تو پیدائشی مسلمان ہے۔

سالگرہ

ہر سال پیدائش و شادی کی سالگرہ منانے اور کیک کاٹنے کا رواج ہے بلکہ بعض جگہ تو عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موقع پر بھی کیک کاٹا جاتا ہے۔ان تینوں مواقع

پر کیک کاٹ سکتے ہیں" لعدم المنع الشرعی " یعنی شرع میں ایسا کرنے پر کچھ ممانعت نہیں جبکہ شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے ہو، مروجہ عوامی طریقہ پر نہ ہو کہ جو تالیاں ومیوزک و بے پردگی جیسے کئی غیر شرعی کاموں پر مشتمل ہوتی ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ سالگرہ وقت خوشی نہیں بلکہ وقت فکر ہے کہ اس کی زندگی کا ایک سال گر گیا ہے۔

چار برس کی عمر میں بسم اللہ پڑھانا

ایک رسم یہ ہے کہ جب لڑکا چار برس، چار ماہ، چار دن کا ہوتا ہے تو بسم اللہ شریف اس کو پڑھاتے ہیں اور خوشی کرتے ہیں، مٹھائی وغیرہ بانٹتے ہیں۔ ایسا کرنا جائز ہے البتہ عمر کی کوئی قید نہیں۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:" طریقہ مذکورہ جائز ہے اور اتنی عمر ضروری نہیں۔ کم وبیش بھی ہو سکتی ہے۔ عالم کو پڑھانا بہتر ہے۔"

(احکام شریعت، حصہ2، صفحہ164، نظامیہ کتاب گھر، لاہور)

گود بھرائی

جس عورت کو پہلا بچہ ہونے والا ہوتا ہے اسے اس کے ماں باپ کے گھر ساتویں یا آخری نویں مہینے میں بھیج دیا جاتا ہے۔ جب بھیجنے کا دن آتا ہے اس میں ایک رسم گود بھرائی کی ادا کی جاتی ہے جو لڑکے والوں کی طرف سے ہوتی ہے، جس میں خاندان والے لڑکے کے گھر اکٹھے ہوتے ہیں، کھانے کا انتظام ہوتا ہے۔ عورت کی گود میں سات قسم کے پھل ڈالے جاتے ہیں جس کے سبب اس رسم کو گود بھرائی کہتے ہیں یعنی سات پھلوں سے اس کی گود بھر دینا۔ بعد میں یہ پھل عورتوں میں تقسیم کر دیئے جاتے ہیں۔ جس کے گھر اولاد نہ ہو اسے خصوصی طور پر اسے اچھی فال سمجھتے ہوئے پھل دیا جاتا ہے کہ اللہ عزوجل اسے بھی اس

نعمت سے نوازے۔ اس رسم میں شرعا کوئی قباحت نہیں جب تک شرعی حدود سے متجاوز نہ ہو جیسے مرد و عورتوں کا اختلاط ہونا، ناچ گانا وغیرہ ہونا۔ جو اپنی حیثیت کے مطابق جتنا کر سکتا ہو کرے اس کے لئے قرض نہ لے اور جو نہ کرے اسے پر اعتراض کرنا درست نہیں۔

زچگی

جو عورت بچہ پیدا کرنے والی ہو اسے زَچہ کہا جاتا ہے اور اس کی اس حالت کو زچگی کہا جاتا ہے۔ اس حالت میں کئی ٹوٹکے مشہور ہیں۔ عورت کی ران پر نقش باندھا جاتا ہے، گھر میں جہاں کہیں تالا پڑا ہو اسے کھول دیا جاتا ہے اور چار پائی وغیرہ کی ادوائن کی گانٹھ کھول دی جاتی ہے، عورت کی چوٹی کی گانٹھ بھی کھول دی جاتی ہے کہ اس سے ولادت میں آسانی ہو۔ اسے اگر اچھی فال کے طور پر لیا جائے حرج نہیں۔ نقش اگر کوئی صحیح عامل آسانی کے لئے دے تو پہننے میں کوئی حرج نہیں بلکہ بہتر ہے۔ بعض جگہ یہ بھی ہوتا ہے کہ عورت کے پاس لوہے کا کوئی اوزار یا ہتھیار رکھ دیتے ہیں اس نظریے سے کہ اس حالت میں عورت کو جن بھوت وغیرہ چمٹ جاتے ہیں، اگر یہ لوہے کا ہتھیار ہوگا تو وہ محفوظ رہے گی۔ یہ خود ساختہ نظریہ ہے اس پر عمل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

جب بچہ پیدا ہو جائے تو سب خاندان والے اندازے لگاتے ہیں کہ بچہ کس پر گیا ہے۔ اس معاملے میں حدیث پاک نے ہماری رہنمائی اس طرح فرمائی ہے کہ مرد و عورت میں سے اگر مرد کے نطفے کے زیادہ اجزاء ہوں گے تو لڑکا ہوگا اور اگر عورت کے نطفے کے اجزاء زیادہ ہوں گے تو لڑکی ہوگی۔ جس کا نطفہ رحم میں پہلے گرے گا بچہ اس کی شکل پر ہوگا۔ بخاری ومسلم کی حدیث پاک ہے"وعن أم سلمة قالت قالت أم سليم يا رسول الله إن الله لا يستحيي من الحق فهل على المرأة من غسل إذا احتلمت قال

النبي صلى الله عليه و سلم إذا رأت الماء فغطت أم سلمة وجهها وقالت يا رسول الله أوتحتلم المرأة قال نعم تربت يمينك فبم يشبهها ولدها ؟ وزاد مسلم برواية أم سليم إن ماء الرجل غليظ أبيض وماء المرأة رقيق أصفر فم أيهما علا أو سبق يكون منه الشبه " ترجمہ:حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حصرت اُمِّ سُلَیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقیناً اللہ تعالیٰ حق سے نہیں شرماتا کیا عورت پر غسل واجب ہے جب اسے احتلام ہو ؟ فرمایا ہاں جب پانی دیکھے تو ام سلیم نے منہ چھپالیا اور بولیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ فرمایا ہاں تمہارا ہاتھ گردآلود ہو ورنہ بچہ اپنی ماں کے ہم شکل کیوں ہوتا ہے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ام سلیم کی روایت سے یہ زیادتی کہ مرد کی منی گاڑھی سفید ہوتی ہے اور عورت کی منی پتلی زرد، ان میں سے جو غالب یا پہلے ہو بچہ اس کے مشابہ ہوگا۔

(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الطہارت، باب الغسل ،الفصل الاول،جلد1،صفحہ93،المکتب الإسلامی ،بیروت)

مفتی احمد یارخان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پاک کی شرح میں فرماتے ہیں:''اس سے معلوم ہوا کہ جو بیبیاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آنے والی ہوں انہیں احتلام بھی نہیں ہوتا، یعنی رب تعالیٰ انہیں زنا کے خیال سے بھی پاک رکھتا ہے یہ ہے ازواج پاک کی عصمت۔ سبحان اللہ کیسا حکیمانہ جواب ہے۔ مقصد یہ ہے کہ احتلام کی علت یا احتلام کی وجہ منی ہے اور منی عورت میں ہے، لہذا احتلام بھی عورت کو ہونا چاہیے اور منی کا ثبوت یہ ہے کہ کبھی بچہ ماں کی ہم شکل ہوتا ہے، جب ماں کی منی باپ کی منی پر غالب

ہو۔ ہاتھ کا خاک میں ملنا بددعا نہیں بلکہ عرب والے کبھی محبت میں بھی یہ کلمہ بولتے ہیں جیسے اردو منڈی، مشٹنڈی، پنجابی میں رڑ جائیں اوتر جائیں وغیرہ۔ یہ اصلی حالت ہے ورنہ کبھی کمزور مرد کی منی پتلی اور کمزور ہوجاتی ہے اور طاقت ور عورت کی منی سفید اور گاڑھی۔ بچہ ماں باپ کی مخلوط منی سے بنتا ہے جس کے اجزاء زیادہ ہوں گے بچہ اس کی جنس سے ہوگا۔ یعنی اگر عورت کی منی کے زیادہ اجزاء ہیں تو لڑکی ہوگی ورنہ لڑکا اور رحم میں جس کی منی پہلے گرے گی بچہ اس کی شکل پر ہوگا۔'' (مرأۃ المناجیح،جلد1،صفحہ299،نعیمی کتب خانہ ،گجرات)

مرد کا نطفہ غالب ہونے سے یہ ضروری نہیں کہ بچہ باپ ہی پر جائے بلکہ وہ اپنے باپ کے رشتہ داروں پر بھی جاسکتا ہے جیسے تایا، چاچا، پھوپھی وغیرہ۔

ہمارے یہاں اکثر لوگ لڑکی کی پیدائش پر خوش نہیں ہوتے ،اگر کوئی عورت ایک سے زائد لڑکیاں پیدا کرے تو اس پر طعن وتشنیع شروع کردیتے ہیں جیسے لڑکے پیدا کرنا عورت کے ہاتھ میں ہے۔ساس بہو کو یہ طعنہ مارنے سے پہلے ذرا سوچے کہ جب یہ بچہ پیدا کرنے لگی تھی تو کیا اس کے اپنے اختیار میں تھا کہ لڑکا پیدا کرے یا لڑکی۔ لڑکا یا لڑکی کا پیدا کرنا رب تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ قرآن پاک میں ہے ﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاءُ إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَن يَّشَاءُ الذُّكُورَ O أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَن يَّشَاءُ عَقِيمًا إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ، پیدا کرتا ہے جو چاہے ، جسے چاہے بیٹیاں عطا فرمائے اور جسے چاہے بیٹے دے یا دونوں ملا دے بیٹے اور بیٹیاں اور جسے چاہے بانجھ کردے بیشک وہ علم وقدرت والا ہے۔

(سورۃ الشوریٰ،سورت42،آیت49،50)

لڑکیاں گھر کی رونق اور رحمت ہوتی ہیں ۔احادیث میں لڑکیوں کی صحیح پرورش

کر کے ان کی شادی کرنے پر بہت فضیلت آئی ہے چنانچہ بخاری ومسلم کی حدیث پاک ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا"من یلی من ھذہ البنات شیئا، فأحسن إلیھن، کن لہ سترا من النار" ترجمہ: جس کو اللہ عزوجل نے لڑکیاں دی ہوں، اگر وہ ان کے ساتھ احسان کرے تو وہ لڑکیاں جہنم کی آگ سے اس کے لئے روک ہو جائیں گی۔

(صحیح بخاری، کتاب الادب، باب رحمۃ الولد وتقبیلہ ومعانقتہ، جلد8، صفحہ7، دار طوق النجاۃ)

درحقیقت لڑکیاں باعث رحمت ہیں انہیں باعث زحمت ہماری انہیں بُری رسموں نے بنا دیا ہے کہ شادی سے لے کر مرتے دم تک سسرالیوں پر کثیر مال خرچ کرنا پڑتا ہے کبھی جہیز کے نام پر، کبھی پہلے بچے کی پیدائش، کبھی عید، شب براءت پر، کبھی سسرال میں فوتگی پر کھانے کھلانے کی مصیبت۔ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ان رسموں کی وجہ سے مسلمانوں کی اپنی اولاد و بال جان معلوم ہونے لگی ہے کہ اگر کسی کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی، سمجھا کہ یا تو اب میرے مکان کی خیر نہیں یا جائیداد دکان چلی۔ اسی لئے لوگ لڑکی پیدا ہونے پر گھبراتے ہیں۔ یہ ان رسموں کی برکت ہے۔''

(اسلامی زندگی، صفحہ30، قادری پبلیشرز، لاہور)

ہمارے یہاں منصوبہ بندی کرنے کا رواج ہو گیا ہے۔ شرعی طور پر کسی معقول وجہ کی بنا پر جائز طریقوں سے منصوبہ بندی کرنا جائز ہے جیسے انجیکشن، ٹیبلٹ، کنڈم وغیرہ کا استعمال کرنا، البتہ ناجائز طریقے سے منصوبہ بندی کرنا جیسے چھلہ رکھوانا یا نسبندی کروالینا، یہ دونوں افعال ناجائز ہیں۔ منصوبہ بندی اگر رزق کی کمی کے خوف سے کی جائے تو جہالت ہے۔ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے۔﴿وَ لَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور اپنی اولاد قتل نہ کرو مفلسی کے باعث ہم تمہیں اور انہیں سب کو رزق دیں گے۔ (سورۃ الانعام، سورت6، آیت151)

والدین پر واجب ہے کہ وہ زندگی اور رزق کے معاملہ میں اللہ عزوجل پر بھروسہ کریں۔ مزید اولاد نہ چاہتے ہوئے حمل ضائع کروانا ناجائز ہے اور چار ماہ کے بعد حمل ضائع کروانا ایسا ہے جیسے قتل کرنا۔

پہلے بچے خصوصا لڑکے کی پیدائش پر بہت خوشی منائی جاتی ہے اور ہمارے یہاں رواج ہے کہ پیدائش اور شادی پر ہیجڑے آ کر ناچتے ہیں اور پیسے لیتے ہیں۔ نہ ان کا نچوانا جائز ہے اور نہ ان کو پیسے دینا جائز ہے۔ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''مراثی لوگوں کو دینا ہرگز جائز نہیں۔ کیونکہ ان کی ہمدردی کرنا دراصل ان کو گناہ پر دلیر کرنا ہے۔ اگر ان موقعوں پر ان کو کچھ نہ ملے تو یہ تمام لوگ حرام پیشوں کو چھوڑ کر حلال کمائی حاصل کریں گے۔'' (اسلامی زندگی، صفحہ9، قادری پبلیشرز، لاہور)

رسم چِلّہ

اسے پنجاب میں چھلہ کہا جاتا ہے جبکہ صحیح نام چلہ ہے۔ چلہ کا معنی ہے چالیس دن کا عرصہ۔ رواج ہے کہ عورت پہلا بچہ اپنے والدین کے ہاں پیدا کرتی ہے اور جب چالیس دن پورے ہو جاتے ہیں تو لڑکے والے اسے لینے آتے ہیں اس پر دعوت کا اہتمام ہوتا ہے والدین کپڑے، سامان وغیرہ دیتے ہیں۔ چلّہ کے درمیان میں ایک رسم ''چھٹی'' کی بھی ہے، جس میں لڑکے کے گھر والے تیسرے یا پانچویں دن مخصوص اشیاء جو ان کے خاندان میں رائج ہوں وہ لے کر آتے ہیں۔ ان دونوں رسموں میں شرعا کوئی قباحت نہیں۔ البتہ اس میں یہ جہالت جو مشہور ہے کہ چلّہ میں عورت گھر سے باہر نہ نکلے اس کی کوئی اصل نہیں۔ بعض عورتوں کو چلّہ والی اور جس کا حمل گرا ہو اس کے پاس جانے سے منع کر دیتے ہیں یا بعض عامل جس کے گھر اولاد نہ ہو رہی ہو اس میاں بیوی کو چلہ والی یا جس کا

حمل گرا ہوا اس کے پاس جانے سے منع کر دیتے ہیں، پھر اگر ان کے ہاں اولاد ہو جائے تو عامل بکرا یا پیسے لے کر اجازت دیدیتا ہے اور اس عمل کو ''سُوْ دَک'' کہا جاتا ہے۔ یہ سب جہالت ہے۔اس طرح بدشگونی لینے سے احادیث میں منع کیا گیا ہے چنانچہ امام احمد، امام طبرانی، امام بغوی نے روایت کیا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ''کان رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ و سلم یتفاء ل و لا یتطیر و کان یعجبہ الاسم الحسن '' ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نیک فال لیتے، بدشگونی نہ مانتے اور اچھے نام کو دوست رکھتے۔

(المعجم الکبیر، باب العین، أحادیث عبد اللہ بن العباس بن عبد المطلب، جلد11، صفحہ140، مکتبۃ العلوم والحکم، الموصل)

چالیسویں دن عورت غسل کرتی ہے، غسل کرنے میں بھی کوئی مخصوص طریقہ اپنایا جاتا ہے اتنا پانی ہو، فلاں چیز اس میں شامل ہو وغیرہ، اس کی کوئی اصل نہیں۔بس صحیح طرح غسل کیا جائے۔باقی یہ ضروری نہیں چالیسویں دن ہی غسل کیا جائے، چالیس دن تو حد ہے کہ اگر کسی عورت کو چالیس دن سے پہلے خون آنا بند ہو گیا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ غسل کرے اور نماز، روزہ کی پابندی کرے۔اگر چالیس دن کے بعد بھی خون آنا نہ رکے تو عورت اسی حالت میں غسل کرے اور نماز ،روزے کا اہتمام کرے اس کو اجازت ہے۔عورت کو جو ماہانہ ماہواری کے ایام آتے ہیں ان میں عورتوں کو نماز و روزہ تو معاف ہے لیکن ماہواری ختم ہونے کے بعد نماز کی قضا تو نہیں البتہ جتنے رمضان کے روزے چھوٹے ان کی قضا لازم ہوگی ۔ان ایام میں عورت قرآن نہ چھو سکتی ہے نہ پڑھ سکتی ہے لیکن دیگر وظائف جیسے درود، اذان کا جواب، سلام کا جواب، قرآنی آیات بطور وظیفہ وغیرہ پڑھ سکتی ہے۔

جب عورت چلہ کے بعد سسرال واپس جانے لگتی ہے تو میکے والے اسے کچھ سامان دیتے ہیں جسے ''وَئیم'' کہا جاتا ہے۔عورت کے بھائی بہن اس کے لئے اور بچے کے لئے کپڑے، پیسے دیتے ہیں۔اس میں بھی اگر یہ سب خوشی سے اور حسب توفیق ہوتا ہے تو جائز ہے۔جبکہ دیکھا گیا ہے کہ بھائی بہن مجبوراً طعن و تشنیع سے بچنے کے لئے اپنی حیثیت سے زیادہ دیتے ہیں۔اگر کوئی طعنے سے بچنے کے لئے دے تو لینا جائز نہیں۔

بچوں کی پرورش

بچوں کی صحیح پرورش والدین پر لازم ہے۔بیوی اور بچے کا نفقہ والد پر لازم ہے۔ماں کا بچے کو اپنا دودھ پلانا بہت فائدہ بخش ہے۔دودھ پلانے کی مدت دوسال تک ہے، دوسال کے بعد بچہ یا بچی کو دودھ پلانا جائز نہیں۔قرآن پاک میں ہے ﴿وَالْوَالِدَاتُ یُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور مائیں دودھ پلائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس۔ (سورۃ البقرۃ، سورت2، آیت233)

دودھ پلانے میں بعض عورتیں بچوں کا لحاظ نہیں رکھتیں اور اپنے بھائی، بہن کے بچوں کو دودھ پلا دیتی ہیں۔جس کی وجہ سے آئندہ وقت میں ان کے باہم نکاح میں مسئلہ آتا ہے۔یہ یاد رہے کہ جس بچے کو اس کی ڈھائی سال کی عمر میں عورت دودھ پلا دے تو اس عورت کے بچے اس دودھ پینے والے کے رضاعی بھائی بہن بن جائیں گے، جس سے نکاح حرام ہو جائے گا۔مسلم شریف کی حدیث پاک ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا''إن الرضاعة تحرم ما تحرم الولادة'' یعنی جس طرح سگے بہن بھائی سے نکاح حرام ہے ایسے ہی رضاعی بہن بھائی سے نکاح حرام ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب یحرم من الرضاعة ما یحرم من الولادة، جلد2، صفحہ1068، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

دودھ پینے سے حرمت صرف اس کے ساتھ ہوگی اس کے دوسرے بہن بھائی اس کی رضاعی ماں کے بچوں سے نکاح کر سکتے ہیں۔مثلاً زید نے ہندہ کا دودھ پیا تو ہندہ کی بیٹی سے زید کا نکاح حرام ہے۔لیکن زید کے دوسرے بھائی ہندہ کی بیٹی سے نکاح کر سکتے ہیں۔عورت کا ناپاکی کی حالت میں بچے کو دودھ پلانا جائز ہے لیکن بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ناپاکی کی حالت میں دودھ پلانے سے بچہ کمزور ہوتا ہے۔

بعض اوقات کسی کا بچہ گود لے لیا جاتا ہے۔بچہ گود لینا جائز ہے۔یہ ضروری ہے کہ بچے کو اس کے باپ کے نام سے پکارا جائے،جس نے گود لیا ہے اس کا باپ کی جگہ اپنا نام استعمال کرنا جائز نہیں۔قرآن پاک میں ہے ﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ ترجمہ کنزالایمان: انہیں ان کے باپ ہی کا کہہ کر پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے۔ (سورۃ الاحزاب،سورت33،آیت5)

موجودہ دور میں والدین بچے کی اسلامی پرورش بالکل نہیں کرتے،بچپن میں اسے گالیاں اور گانے سکھاتے ہیں،جب تھوڑا بڑا ہوتا ہے تو اس کو نچوا کر خوش ہوتے ہیں اور پیسے دیتے ہیں،جب اور بڑا ہوتا ہے باہر آوارہ دوستوں میں بیٹھتا ہے تو کوئی پرواہ نہیں کی جاتی ہے پھر جب وہ مکمل خراب ہوکر ماں باپ کو انگلیوں پر نچاتا ہے تب ماں باپ کسی بابے کے پاس جاتے ہیں اور کہتے ہیں باباجی! اس بچے کو دم کردو بڑا نافرمان ہے۔

بچے کی سکول نہ جانے پر تو پوچھ ہوتی ہے لیکن نماز و مدرسہ نہ جانے پر کوئی پوچھ نہیں ہوتی۔عموماً لوگوں کی خواہش ہوتی ہے کہ ہمارا بچہ حافظ بن جائے۔بعض اوقات ان کی یہ محنت رنگ لے آتی ہے اور بچہ حافظ بن جاتا ہے لیکن گھر میں دینی ماحول نہ ہونے اور بعد میں دنیاوی تعلیم و مشاغل کی وجہ سے وہ حفظ بھول جاتا ہے۔لہذا بچے کو حافظ بنانے کے

فوراً بعد درسِ نظامی میں داخل کروادینا چاہئے اور ہر سال تراویح پڑھانے پر زور دینا چاہئے۔

آج کل بچے کو دنیاوی تعلیم دلانے کی بڑی کوشش کی جاتی ہے کہ بچے کا مستقبل بن جائے۔لیکن بچے کو عالم بنانے میں یہ ڈر ہوتا ہے کہ یہ کمائے گا کہاں سے؟ عالم بننے میں کیا ہے؟ جبکہ دینی علم کے اخروی فوائد کے ساتھ ساتھ دنیاوی فوائد بھی ہیں۔یہ تو پڑھنے سننے میں ملتا ہے کہ ایم۔اے پاس بھوکا مر رہا ہے،بھوک سے تنگ آکر اس نے خودکشی کر لی۔لیکن کبھی عالم کے متعلق ایسا نہیں سنا ہوگا۔مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''یہ خیال محض غلط ہے کہ عالم دین کو روٹی نہیں ملتی۔یقین کرلو کہ انگریزی پڑھنے سے تقدیر سے زیادہ نہیں ملتا۔عربی پڑھنے سے آدمی بدنصیب نہیں ہوجاتا۔ملے گا وہی جو رزّاق نے قسمت میں لکھا ہے۔بلکہ تجربہ یہ ہے کہ اگر عالم پورا عالم اور صحیح العقیدہ ہو تو بڑے آرام میں رہتا ہے۔۔۔علمائے دین کی اب بھی بہت قدر و عزت ہے۔جب گریجویٹ مارے مارے پھرتے ہیں تو مدرسین علماء کی تلاش ہوتی ہے۔''

(اسلامی زندگی، صفحہ19،قادری پبلیشرز، لاہور)

شیخ الحدیث والتفسیر استاذِ محترم مفتی محمد قاسم قادری دامت برکاتہم العالیہ اپنی کتاب ''علم اور علماء'' میں لکھتے ہیں:''حضرت عثمان بن ابراہیم بن محمد بن حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سنا کہ آپ ایک شخص کو فرما رہے تھے "ادب ابنك فانك مسؤل عن ولدك ماعلمته؟ وهو مسؤل عن برك و طاعته لك" ترجمہ: اپنے بیٹے کو ادب سکھاؤ بے شک تم سے تمہارے لڑکے کے بارے میں پوچھا جائے گا، جو تم نے اسے سکھایا اور تمہارے اس بیٹے سے تمہاری فرمانبرداری اور اطاعت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

اس حدیث پر والدین کوخصوصاً غور کرنا چاہئے۔قیامت کے دن اولاد کے بارے میں یہی گرفت میں آئیں گے۔اگرصرف والدین ہی اپنی اولاد کی دینی تربیت وتعلیم کی طرف بھرپورتوجہ دے لیں تو علم دین سے دوری کا مسئلہ حل ہوسکتا ہے۔مگرافسوس کہ دنیوی علوم سکھانے میں تو والدین ہرقسم کی تکلیف گوارا کرلیں گے،اسکول کی فیس بھی دیں گے، کتابیں بھی خریدیں گے اور نہ جانے کیا کیا کریں گے،لیکن علم دین جوان سب کی بنسبت ضروری اورمفید ہے اس کے بارے میں کچھ بھی توجہ نہیں دیں گے۔ بلکہ بعض ایسے بدقسمت والدین کو دیکھا ہے کہ اگراولاد دین اورعلم دین کی طرف راغب ہوتی ہے تو انہیں جبراً منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں کیا رکھا ہے۔

ہم دنیوی علم کی اہمیت وضرورت کا انکارنہیں کرتے لیکن یہ دینی علم کے بعد ہے اور والدین کا یہ کہنا کہ علم دین میں رکھا ہی کیا ہے، یہ بالکل غلط جملہ ہے۔اول تو یہ جملہ ہی کفریہ ہے کہ علم دین کی تحقیر ہے۔دوم اسی پرغور کرلیں کہ علم دین سیکھنا اورسکھانا افضل ترین عبادت، انبیاء علیہم السلام کی وراثت، دنیا وآخرت کی خیرخواہی اور قبروحشر کی کامیابی کا ذریعہ ہے۔

آج نہیں تو کل جب حساب کے لئے بارگاہ الٰہی عزوجل میں حاضر ہونا پڑے گا، اس وقت پتہ چلے گا کہ علم دین کیا ہے۔ بلکہ صرف اسی بات پرغور کرلیں کہ مرتے وقت آج تک آپ نے کسی شخص کو دیکھا ہے کہ جس کوعلم دنیا حاصل نہ کرنے پرافسوس ہورہا ہو۔ ہاں علم دین حاصل نہ کرنے، دینی راہ پر نہ چلنے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے کام نہ کرنے پرافسوس کرنے والے آپ کو ہزاروں ملیں گے اور یونہی مرنے کے بعد ایسا کوئی شخص نہ ہوگا جسے ڈاکٹری نہ سیکھنے پر، انجینئر نہ بننے پر، سائنسدان نہ بننے پرافسوس ہورہا ہو۔البتہ علم دین نہ

سیکھنے پرافسوس کرنے والے بہت ہوں گے۔ بلکہ خود حدیث پاک میں موجود ہے کہ کل قیامت کے دن جن آدمیوں کوسب سے زیادہ حسرت ہوگی ان میں ایک وہ ہے جس کو دنیا میں علم حاصل کرنے کا موقع ملا اوراس نے علم حاصل نہ کیا۔ نیز دین کی تعلیم ایسی عظیم شے ہے کہ مرنے کے بعد بھی فائدہ دیتی ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا"اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلاثة الا من صدقة جارية اوعلم ينتفع به او ولد صالح يدعو له" ترجمہ:انسان جب مرجاتا ہے۔اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے مگر تین چیزیں (کہ مرنے کے بعد بھی یہ عمل ختم نہیں ہوتے اسکے نامہ اعمال میں لکھے جاتے ہیں) صدقہ جاریہ اورعلم جس سے نفع حاصل کیا جاتا ہواوراولادصالح جو اسکے لئے دعا کرتی ہے۔"

(علم اور علماء،صفحہ48،مکتبہ اہل سنت،فیصل آباد)

یہ ضروری نہیں کہ عالم بن کرمسجد مدرسہ ہی میں جانا ہے۔درسِ نظامی کے ساتھ ساتھ دنیاوی تعلیم یا ہنر بھی سیکھے تا کہ معاشرے کے جس شعبہ میں بھی جائے زندگی گزارنے کا صحیح اسلامی طریقہ آئے اور حلال وحرام کا بھی پتہ ہو۔حضرت عمرفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو اعلان فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے بازار میں صرف حلال وحرام کو جاننے والا شخص ہی کاروبار کرے۔ اگر باعزت و بامروت وخودداری کے پیکرلوگ اپنے بچوں کو عالم دین بنائیں تو چند پیسوں کے لئے جو مولوی دین فروشی کرکے اس منصب کو بدنام کرتے ہیں وہ ختم ہوجائیں۔

شریعت نے جس طرح والدین کے حقوق بیان فرمائے ہیں اسی طرح اولاد کے بھی حقوق بیان فرمائے ہیں۔امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن نے قرآن واحادیث کی روشنی میں فتاوٰی رضویہ،جلد24،صفحہ451پراولاد کےحقوق پرایک رسالہ بنام "مِشْعَلَةُ

الارشــادِفـی حـقـوقِ الاولاد" (والدین پراولاد کےحقوق کے بارے میں رہنمائی کی قندیل)اس میں انہوں نے اولاد کے 80 حقوق بیان فرمائے۔مختصرعرض ہے:۔

☆ سب سے پہلاحق وجودِاولاد سے بھی پہلے یہ ہے کہ آدمی اپنا نکاح کسی رذیل کم قوم سے نہ کرے کہ بُری رَگ ضرور رنگ لاتی ہے۔

☆ جماع کی ابتداء بسم اللہ سے کرے ورنہ بچہ میں شیطان شریک ہوجاتا ہے۔

☆ اس وقت شرمگاہ زن پرنظر نہ کرے کہ بچہ کے اندھے ہونے کا اندیشہ ہے۔

☆ زیادہ باتیں نہ کرے کہ گونگے یا توتلے ہونے کا خطرہ ہے۔

☆ مردوزن کپڑا اوڑھ لیں جانوروں کی طرح برہنہ نہ ہوں کہ بچہ کے بے حیا ہونے کا اندیشہ ہے۔

☆ جب بچہ پیدا ہوفوراً سیدھے کان میں اذان بائیں میں تکبیر کہے کہ خلل شیطان وام الصبیان سے بچے۔

☆ ساتویں اورنہ ہوسکےتو چودھویں ورنہ اکیسویں دن عقیقہ کرے،دختر کے لئے ایک پسر کے لئے دو کہ اس میں بچے کا گویا رہن سے چھڑانا ہے۔

☆ نام رکھے یہاں تک کہ کچے بچے کا بھی جوکم دنوں کا گر جائے ورنہ اللہ عزوجل کے یہاں شاکی ہوگا۔

☆ برانام نہ رکھے کہ بدفال بد ہے۔

☆ مارنے بُرا کہنے میں احتیاط رکھے۔

☆ جو مانگے بروجہ مناسب دے۔

☆ پیار میں چھوٹے لقب بیقدر نام نہ رکھے کہ پڑاہوانام مشکل سے چھوٹتا ہے۔

☆ ماں خواہ نیک دایہ نمازی صالحہ شریف القوم سے دوسال تک دودھ پلوائے۔

☆ رذیل یا بدافعال عورت کے دودھ سے بچائے کہ دودھ طبیعت کو بدل دیتا ہے۔

☆ بچے کا نفقہ اس کی حاجت کے سب سامان مہیا کرنا خود واجب ہے جن میں حفاظت بھی داخل۔

☆ بچہ کو پاک کمائی سے روزی دے کہ ناپاک مال ناپاک ہی عادتیں ڈالتا ہے۔

☆ خدا کی ان امانتوں کے ساتھ مہرولطف کا برتاؤ رکھے۔ انہیں پیار کرے بدن سے لپٹائے کندھے پر چڑھائے۔

☆ ان کے ہنسنے کھیلنے بہلنے کی باتیں کرے ان کی دلجوئی، دلداری، رعایت ومحافظت ہر وقت حتی کہ نماز وخطبہ میں بھی ملحوظ رکھے۔

☆ نیا میوہ پھل پہلے انہیں کودے کہ وہ بھی تازے پھل ہیں نئے کو نیا مناسب ہے۔

☆ بہلانے کے لئے جھوٹا وعدہ نہ کرے بلکہ بچے سے بھی وعدہ وہی جائز ہے جس کو پورا کرنے کا قصد رکھتا ہو۔

☆ اپنے چند بچے ہوں تو جو چیز دے (لڑکا،لڑکی) سب کو برابر ویکساں دے، ایک کودوسرے پر بےفضیلت دینی ترجیح نہ دے۔(زندگی میں اپنی جائیداد تقسیم کرے تو بیٹا اور بیٹی سب کو برابر دے۔)

☆ سفر سے آئے تو ان کے لئے کچھ تحفہ ضرور لائے۔

☆ زبان کھلتے ہی اللہ اللہ پھر پورا کلمہ "لاالـــہ الااللہ" پھر پورا کلمہ طیبہ سکھائے۔(بعض عورتیں بچوں کو سکھاتی ہیں کہ اللہ کتنے ہیں؟ وہ کہتا ہے ایک ہے۔ یہ پوچھتی ہے اللہ عزوجل کہاں ہے؟ وہ کہتا ہے آسمان میں۔ایسا سکھانا ناجائز ہے۔اللہ عزوجل کو اوپر والا کہنا یا یہ کہنا

کہ اللہ عزوجل اوپر بیٹھا دیکھ رہا ہے کفر ہے۔ اللہ عزوجل لامکاں ہے۔ مزید تفصیل کے لئے امیر اہل سنت مولانا الیاس عطار قادری کی کتاب ''کفریہ کلمات کے بارے میں سوال جواب'' کا مطالعہ کریں۔)

☆ جب تمیز آئے ادب سکھائے کھانے، پینے، ہنسنے، بولنے، اٹھنے، بیٹھنے، چلنے، پھرنے، حیا، لحاظ، بزرگوں کی تعظیم، ماں باپ، استاذ اور دختر کو شوہر کے بھی اطاعت کے طرق وآداب بتائے۔

☆ استاذ نیک، صالح، متقی، صحیح العقیدہ، سن رسیدہ کے سپرد کردے اور دختر کو نیک پارسا عورت سے پڑھوائے۔

☆ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور انکے آل واصحاب واولیاء وعلماء کی محبت وعظمت تعلیم کرے کہ اصل سنت وزیور ایمان بلکہ باعث بقائے ایمان ہے۔

☆ سات برس کی عمر سے نماز کی زبانی تاکید شروع کردے۔

☆ علم دین خصوصاً وضو، غسل، نماز وروزہ کے مسائل توکل، قناعت، زہد، اخلاص، تواضع، امانت، صدق، عدل، حیا، سلامت صدور ولسان وغیرہا خوبیوں کے فضائل حرص وطمع، حب دنیا، حب جاہ، ریا، عجب، تکبر، خیانت، کذب، ظلم، فحش، غیبت، حسد، کینہ وغیرہا برائیوں کے رذائل پڑھائے۔

☆ موقع پر چشم نمائی تنبیہ تہدید کرے مگر کوسنا نہ دے کہ اس کا کوسنا ان کے لئے سبب اصلاح نہ ہوگا بلکہ اور زیادہ افساد کا اندیشہ ہے۔

☆ مارے تو منہ پر نہ مارے۔

☆ زمانہ تعلیم میں ایک وقت کھیلنے کا بھی کہ طبیعت نشاط پر باقی رہے۔

☆ بُری صحبت میں نہ بیٹھنے دے۔ بُرے قصے کہانیوں (فلموں) سے بچائے۔

☆ جب دس برس کا ہو نماز مار کر پڑھائے۔

☆ اس عمر سے اپنے خواہ کسی کے ساتھ نہ سلائے جدا بچھونے جدا پلنگ پر اپنے پاس رکھے۔

☆ جب جوان ہو شادی کردے، شادی میں وہی رعایت قوم ودین وسیرت وصورت ملحوظ رکھے۔

☆ اب جو ایسا کام کہنا ہو جس میں نافرمانی کا احتمال ہوا سے امر وحکم کے صیغہ سے نہ کہے بلکہ برفق ونرمی بطور مشورہ کہے کہ وہ بلائے عقوق میں نہ پڑ جائے۔ (یعنی بچے سے یوں کہے کہ ایسا کرنا کیسا ہے؟ یہ کام بہتر ہے۔)

☆ اسے میراث سے محروم نہ کرے جیسے بعض لوگ اپنے کسی وارث کو نہ پہنچنے کی غرض سے کل جائداد دوسرے وارث یا کسی غیر کے نام لکھ دیتے ہیں۔

☆ عقائد اسلام وسنت سکھائے کہ لوح سادہ فطرت اسلامی وقبول حق پر مخلوق ہے اس وقت کا بتایا پتھر کی لکیر ہوگا۔

☆ بیٹیوں سے زیادہ دلجوئی رکھے کہ ان کا دل بہت تھوڑا ہوتا ہے، دینے میں انہیں اور بیٹوں کو کانٹے کی تول برابر رکھے، جو چیز دے پہلے انہیں دے کر بیٹوں کو دے۔

فصلِ دوئم: عبادات کے متعلق رسم ورواج

کسی ولی کے نام پر روزہ، نماز، قربانی، حج کا ادا کرنا

کسی ولی کے نام پر روزہ، نماز، حج کا ادا کرنا اگر یوں ہو کہ ادا اللہ عزوجل کے لئے ہو اور اس کا ثواب فلاں ولی کو پہنچے تو جائز ہے جبکہ فضول قسم کی قیدیں نہ ہوں۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے سوال ہوا: ''اکثر عورتیں مشکل کشا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا روزہ رکھتی ہیں یہ کیسا ہے؟''

جواباً فرمایا: ''روزہ خاص اللہ عزّ وجل کے لئے ہے۔ اگر اللہ کا روزہ رکھیں اور اس کا ثواب مولا علی کی نذر کریں تو حرج نہیں مگر اس میں یہ کرتی ہیں کہ روزہ آدھی رات تک رکھتی ہیں، شام افطار نہیں کرتیں، آدھی رات کے بعد گھر کے کواڑ کھول کر کچھ دُعا مانگتی ہیں، اُس وقت روزہ افطار کرتی ہیں، یہ شیطانی رسم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (اور اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والا ہے۔)'' (فتاوی رضویہ، جلد10، صفحہ653، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مسلمان قربانی میں اپنے ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر اولیاء کرام یا والدین کی طرف سے قربانی کرتے ہیں یہ سب بہت اچھا ہے اور عین اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اپنی امت کی طرف سے ایک بکرا کیا کرتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کی طرف سے قربانی کیا کرتے تھے۔ اسلامی تعلیمات ہی یہ ہیں کہ والدین کی طرف سے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا فدیہ دیا جائے۔ شعب الایمان للبیہقی کی حدیث پاک حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ''من حج عن والدیه بعد وفاتهما کتب له عتقا من النار

و کان للمحجوج عنهما اجر حجة تامة من غير ان ينقص من اجورهما شيئا''
ترجمہ: جو اپنے والدین کی وفات کے بعد ان کی طرف سے حج کرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے دوزخ سے آزادی لکھے اور ان دونوں کے واسطے پورے حج کا ثواب ہو جس میں اصلاً کمی نہ ہو۔ (شعب الایمان، باب فی بر الوالدین، جلد10، صفحہ304، مکتبۃ الرشد، بالریاض)

لوگوں میں رائج ہے کہ وہ پندرہویں شعبان کے دن کو منت کا روزہ رکھتے ہیں۔ اگر اس روزہ سے مراد یہ ہو کہ اس روزہ کے صدقے سے اللہ عزوجل ہماری فلاں حاجت پوری کرے تو ایسا کرنا بہت اچھا ہے۔

رمضان المبارک میں وقت سحر ڈھول بجانا

کئی علاقوں میں رمضان المبارک میں سحری کے وقت ڈھول بجایا جاتا ہے۔ ایسا کرنا ممنوع ہے چنانچہ امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں: ''ڈھول بجانا ممنوع ہے۔''

(فتاویٰ رضویہ شریف، جلد24، صفحہ141، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

بعض جگہ ٹین ڈبہ یا اس جیسی کوئی چیز بجائی جاتی ہے اس کی اجازت ہے۔ ردالمحتار میں ہے ''وینبغی أن یکون طبل المسحر فی رمضان لإیقاظ النائمین للسحور'' درست ہے کہ رمضان میں سحری کے وقت لوگوں کو جگانے کے لئے طبل بجایا جائے۔ (ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحت، جلد6، صفحہ349، دارالفکر، بیروت)

رمضان المبارک میں شبینہ

ایک بدعت رمضان المبارک میں شبینہ کی ہوتی ہے جس میں رمضان المبارک کے آخری تین دنوں میں پورا قرآن ختم کیا جاتا ہے، کئی جگہ ایک رات میں پورا قرآن

باجماعت پڑھا جاتا ہے۔ایسا کرنا نہ تو حدیث سے ثابت ہے اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے، بلکہ یہ چند سالوں کی بدعت ہے۔کمال کی بات یہ ہے کہ وہابی حضرات کی مساجد میں بھی اس کا انتظام ہوتا ہے اور خود وہابی مولوی شبینے پڑھاتے ہیں۔شرعی طور پر شبینہ بدعت مستحبہ ہے جبکہ اس میں تلاوت قرآن کے آداب کا لحاظ رکھا جائے، ذوق وشوق سے شرکت کی جائے، ورنہ جائز نہیں۔بہار شریعت میں ہے:''شبینہ کہ ایک رات کی تراویح میں پورا قرآن پڑھا جاتا ہے جس طرح آج کل رواج ہے کہ کوئی بیٹھا باتیں کر رہا ہے، کچھ لوگ لیٹے ہیں، کچھ لوگ چائے پینے میں مشغول ہیں، کچھ لوگ مسجد کے باہر حقہ نوشی کر رہے ہیں اور جب جی آیا ایک آدھ رکعت میں شامل ہو گئے یہ ناجائز ہے۔''

(بہار شریعت، جلد1، حصہ4، صفحہ23، ضیاء القرآن، لاہور)

حج وعمرہ کی ادائیگی پر عزیز واقرباء کو دعوت دینا

رواج ہے کہ جو حج وعمرہ پر جانے لگتا ہے یا واپس آتا ہے وہ اپنے عزیز واقارب کی دعوت کرتا ہے جو کہ بہت اچھا عمل ہے۔اسے اچھی نیت سے ادا کرنا چاہئے۔اس نیت سے نہ دے کہ دعوت نہ کرنے پر لوگ باتیں کریں گے۔اگر لوگوں کو دکھانے یا فخر یہ دی تو کوئی ثواب نہیں۔حدیث پاک میں ہے "لاعمل لمن لا نیة لہ"ترجمہ:جس عمل میں نیت نہ ہو وہ قبول نہیں۔دوسری حدیث میں ہے"الاعمال بالنیات و لکل امریء مانوی" ترجمہ:اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے ہر ایک کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔

(صحیح بخاری، باب کیف کان بدء الوحی إلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم، جلد 1، صفحہ6، دار طوق النجاۃ)

اگر کسی کو دعوت دی اور وہ نہیں آیا تو اس پر طعن وتشنیع نہیں کرنی چاہئے جیسا کہ

بعض لوگ کرتے ہیں کہ کوئی نہ آئے تو کہتے ہیں جب یہ حج کرنے گیا تھا تو ہم نے اتنے پیسے دیئے تھے اور ہماری باری آیا ہی نہیں۔جو حج یا عمرہ پر جانے لگے اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ اپنے خاندان اور دیگر لوگوں سے اپنے حقوق معاف کروائے۔جب حج یا عمرے کو واپس آئے تو عزیزوں کے لئے آب زمزم اور کھجوریں لے کر آئے کہ یہ مستحب ہے۔یہ سب تحفے وہ خوشی سے لائے مجبورانہ لائے کہ نہ دیا تو خاندان والے باتیں کریں گے۔

آج کل بعض جگہوں پر یہ طریقہ رائج ہو گیا ہے کہ حج وعمرہ پر جانے والا وہاں سے آب زمزم اور کھجوریں لے آتا ہے، پھر اپنے ملک میں آکر ٹوپیاں، تسبیحاں وغیرہ خرید لیتا ہے اور رشتہ داروں میں آب زمزم کے ساتھ، کھجوریں اور ٹوپی اور تسبیح دیتا ہے یہ سب بھی جائز ہے کہ لوگوں کو پتہ ہوتا ہے آب زمزم اور کھجوریں ہی مکہ مدینہ کی ہیں باقی تسبیح، ٹوپی یہی سے خریدی ہوگی۔البتہ اگر اس میں دھوکہ وجھوٹ ہو کہ یہاں سے خرید کر لوگوں کو یہ کہے کہ وہاں سے لایا ہوں تو جائز نہیں۔

اذان سے پہلے درود

اہل سنت والجماعت میں رائج ہے کہ وہ اذان سے پہلے درود شریف پڑھتے ہیں۔اس طرح دورد شریف کا اذان سے قبل پڑھنا بالکل جائز ومستحب ہے۔اللہ تعالی قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد فرماتا ہے﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْماً﴾ترجمہ کنزالایمان: بیشک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر اے ایمان والوان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔ (سورۃ الاحزاب، سورۃ33، آیت56)

اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر

درود پڑھنے کا حکم ارشاد فرمایا اور کسی وقت کی قید نہیں لگائی کہ اس وقت پڑھو اور اس وقت نہ پڑھو بلکہ بغیر کسی قید کے فرمایا کہ اس غیب بتانے والے نبی صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام پڑھو۔ جب اللہ تعالی نے درود سلام پڑھنے کو کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں کیا تو کسی دوسرے کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ اس میں قید لگائے کہ فلاں وقت پڑھو اور فلاں وقت نہ پڑھو؟ اصول فقہ کی کتابوں میں یہ قاعدہ موجود ہے" المطلق یجری علی اطلاقہ" یعنی جو بات مطلق ہو وہ اپنے اِطلاق پر جاری ہوتی ہے۔ کتب فقہ میں سات مقامات پر درود پڑھنا مکروہ کہا گیا ہے جیسے صحبت کے وقت، قضائے حاجت کے وقت، خرید وفروخت میں اپنی چیز کو شہرت دیتے وقت، ذبح کے وقت، چھینک لیتے وقت، تعجب کے وقت، گرتے وقت۔ ان میں درود شریف مکروہ ہونے کی وجہ غیر محل میں پڑھنا ہے۔ اذان سے قبل یا اس کے علاوہ کسی بھی موقع پر درود شریف پڑھنا ناجائز ومکروہ نہیں بلکہ جائز ومستحب ہے۔ ردالمحتار میں درود شریف کے متعلق ہے "ومستحبة فی کل أوقات الإمکان" ترجمہ: درود شریف ہر ممکنہ وقت میں پڑھنا مستحب ہے۔

(ردالمحتار، کتاب الصلوٰۃ، فروع قرا بالفارسیۃ، جلد1، صفحہ517، دارالفکر، بیروت)

خاتم المحققین، حضرت علامہ مفتی سید ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ درود شریف پڑھنے کے مستحب مواقع بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں "نص العلماء علی استحباب صلوة النبی صلی الله علیه وسلم فی مواضع: یوم الجمعة و لیلتها وزید یوم السبت والاحد والخمیس لما ورد فی کل من الثلثة و عند الصباح والمساء وعند دخول المسجد والخروج منه وعند زیارة قبره الشریف صلی الله تعالی علیه وسلم وعند الصفاء والمروة وفی خطبة الجمعة وغیرها وعقب اجابة المؤذن وعند الاقامة واول الدعاء واوسطه وآخره وعقب دعاء القنوت وعند

طنین الاذان وعند نسیان الشئی" ترجمہ: علماء کرام نے بعض مواقع پر درود پاک پڑھنے کے مستحب ہونے پر نص فرمائی ہے ان میں سے چند یہ ہیں: روز جُمُعَہ، ہفتہ اتوار اور سوموار کے دن، صبح وشام، مسجد میں جاتے اور نکلتے وقت، بوقت زیارت روضہ اطہر، صفا و مروہ پر، خطبہ جُمُعَہ کے وقت، جواب اذان کے بعد، اقامت کے وقت، دعا کے اول وآخر اور بیچ میں۔ دعائے قنوت کے بعد اور اذان دینے کے وقت اور کسی چیز کے بھول جانے کے وقت۔ (ردالمحتار، کتاب الصلوٰۃ، فروع قرا بالفارسیۃ، جلد1، صفحہ517، دارالفکر، بیروت)

البتہ اذان و اقامت سے پہلے درود میں یہ احتیاط کرنا چاہئے کہ درود شریف پڑھنے کے بعد کچھ دیر سکوت کرے پھر اذان یا اقامت کہے تاکہ درود شریف اور اذان واقامت کے مابین فصل ہو جائے یا درود شریف کی آواز اذان واقامت کی آواز سے پست رہے تاکہ امتیاز ہو جائے کہ عوام کہیں درود شریف کو اذان واقامت کا جز نہ سمجھ لیں جیسا کہ شیخ الاسلام والمسلمین، اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: "درود شریف قبل اقامت پڑھنے میں حرج نہیں مگر اقامت سے فصل چاہئے یا درود شریف کی آواز، آواز اقامت سے ایسی جدا ہو کہ امتیاز رہے اور عوام کو درود شریف جزء اقامت نہ معلوم ہو۔" (فتاوی رضویہ، جلد 5، صفحہ386، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

وہابی حضرات کہتے ہیں کہ نہ بسم اللہ پڑھی جائے نہ درود صرف اذان شروع کر دی جائے۔ اذان سے قبل درود شریف، بسم اللہ پڑھنا یا کوئی بھی فعل کرنا ثابت نہیں لہذا ایسا کرنا ناجائز و بدعت ہے۔ جبکہ پیچھے واضح کیا گیا کہ ثابت نہ ہونے سے وہ کام ناجائز و بدعت نہیں ہو جاتا ہے۔ ناجائز و بدعت تب ہوتا ہے جب وہ فعل قرآن وحدیث کے خلاف ہو۔ باقی اذان سے قبل کچھ پڑھنا بھی ثابت ہے چنانچہ ابوداؤد شریف کی حدیث پاک بسند

حسن ہے"عن امرأة من بني النجار قالت كان بيتي من أطول بيت حول المسجد فكان بلال يؤذن عليه الفجر فيأتي بسحر فيجلس على البيت ينظر إلى الفجر فإذا رآه تمطى ثم قال اللهم إني أحمدك وأستعينك على قريش أن يقيموا دينك قالت ثم يؤذن قالت والله ما علمته كان تركها ليلة واحدة (تعني) هذه الكلمات"، ترجمہ: بنونجار کی ایک صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مسجد (نبوی) کے پاس میرا گھر سب سے بڑا تھا۔حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر اذان دیتے تھے۔وہ سحری کے وقت آتے اور بیٹھ کر فجر ہونے کا انتظار کرتے۔جب فجر کی روشنی کو دیکھتے تو ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے اے ہمارے رب! میں تیری حمد بیان کرتا ہوں اور تجھ سے مدد مانگتا ہوں قریش پر کہ ان کو دین پر قائم فرما۔اس دعا کے بعد حضرت بلال اذان دیتے۔ فرماتی ہیں اللہ کی قسم میں نہیں جانتی کہ کسی رات حضرت بلال نے اس دعا کو چھوڑا ہو۔

(سنن ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ،باب الأذان فوق المنارة ،جلد1،صفحہ143،المکتبة العصرية، بیروت)

دیکھیں! صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ روزانہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذان سے قبل یہ دعا پڑھتے تھے۔لہذا اگر اذان سے قبل کوئی دعا پڑھی جائے تو سنت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوئی اور درود شریف کے متعلق ہے کہ جس دعا میں درود نہ ہو وہ نامکمل ہے چنانچہ المعجم الاوسط کی حدیث پاک ہے "عن علی قال کل دعاء محجوب حتی یصلی علی محمد وآل محمد " ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ہر وہ دعا جس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آل محمد پر درود نہ ہو نامکمل ہے۔

(المعجم الاوسط،جلد1،صفحہ220،دار الحرمین ،القاہرة)

ہندوستان و پاکستان کے علاوہ بھی دیگر ممالک میں اذان سے قبل و بعد درودوسلام پڑھا جاتا ہے۔شیخ الحدیث علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے

ہیں:" جامع مسجد از ہر شریف اور قاہرہ کی مسجدوں میں اذان کے بعد عموماً یہ درود شریف بلند آواز سے پڑھا جاتا ہے"الصلوٰۃ والسلام علیك یا اولَ خلقِ اللّٰہ و آخِرَ رُسُلِ اللّٰہ"

(مصنف عبدالرزاق کی پہلی جلد کے دس گم گشتہ ابواب،صفحہ20،مکتبہ قادریہ،لاہور)

اذان میں لفظ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر انگوٹھے چومنا

اذان میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام مبارک پر انگوٹھے چومنا رائج ہے۔یہ مستحب عمل ہے جسے محدثین وفقہاء نے پسند کیا ہے۔مختلف احادیث میں اس کی مختلف فضیلتیں بھی آئیں ہیں۔امام سخاوی المقاصد الحسنۃ فی الاحادیث الدائرۃ علی الالسنۃ میں فرماتے ہیں"مسح العینین بباطن انملتی السبابتین بعد تقبیلهما عندسماع قول المؤذن اشهد ان محمدا رسول اللّٰه مع قوله اشهد ان محمدا عبده ورسوله رضيت باللّٰه ربا وبالاسلام دينا وبمحمد صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم نبيا ذكره الديلمي في الفردوس من حديث ابي بكر الصديق رضى اللّٰه تعالىٰ عنه انه لماسمع قول المؤذن اشهد ان محمدا رسول اللّٰه قال هذا وقبل باطن الانملتين السبابتين ومسح عينيه فقال صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم من فعل مثل ما فعل خليلي فقد حلت عليه شفاعتي "، ترجمہ: مؤذن سے"اشهد انّ محمداً رسول اللّٰه" سُن کر انگشتانِ شہادت کے پورے جانبِ باطن سے چُوم کر آنکھوں پر ملنا اور یہ دُعا پڑھنا " اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُه، وَرَسُوْلُه، رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِيْناً وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيًّا" اس حدیث کو دیلمی نے مسند الفردوس میں حدیث سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مؤذن کو "اشهد انّ محمداً رسول اللّٰه" کہتے سُنا یہ دُعا پڑھی اور دونوں کلمے کی

انگلیوں کے پورے جانب زیریں سے چُوم کرآنکھوں سے لگائے۔اس پرحضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جوایسا کرے جیسا میرے پیارے نے کیا اس کے لئے میری شفاعت حلال ہوجائے۔

(المقاصد الحسنة ،حروف المی ،حدیث 1021،صفحہ384، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

حضرت سیدنا خضر علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت ہے کہ وہ ارشادفرماتے ہیں جو شخص مؤذّن سے" اشهد ان محمدا رسول الله سن کر مَرْحَبًا بِحَبِيبِيُ وَقُرَّةَ عَيْنِيُ مُحَمَّدِ ابُنِ عَبُدِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيهِ وَسَلَّم" کہے پھر دونوں انگوٹھے چُوم کر آنکھوں پر رکھے اس کی آنکھیں کبھی نہ دُکھیں گی۔حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جوشخص مؤذن کواشھد ان محمداًرسول اللہ کہتےسُن کر یہ دعاپڑھے "مَرُحَبًا بِحَبِيبِيُ وَقُرَّةَ عَيُنِيُ مُحَمَّدِ ابُنِ عَبُدِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيهِ وَسَلَّم" اوراپنے انگوٹھے چُوم کرآنکھوں پررکھے نہ کبھی اندھاہونہ آنکھیں دُکھیں۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ ارشادفرماتے ہیں:""يستحب أن يقال عند سماع الأولى من الشهادة صلى الله عليك يا رسول الله ، وعند الثانية منها قرت عينى بك يا رسول الله ، ثم يقول اللهم متعنى بالسمع والبصر بعد وضع ظفرى الإبهامين على العينين فإنه عليه السلام يكون قائدا له إلى الجنة ، كذا فى كنز العباد .قهستانى ، ونحوه فى الفتاوى الصوفية وفى كتاب الفردوس "من قبل ظفرى إبهامه عند سماع أشهد أن محمدا رسول الله فى الأذان أنا قائده ومدخله فى صفوف الجنة"۔ترجمہ:مستحب ہے کہ موذن کی پہلی شہادت پر"صلی اللہ علیك یا رسولَ الله" کہاجائے اوردوسری پر "قَرَّتُ عَيُنِى بِكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ " پھرانگوٹھوں کے ناخنوں کوآنکھوں پررکھ کرکہاجائے " اللَّهُمَّ مَتِّعُنِى بِالسَّمُعِ وَالْبَصَرِ" ایسا

کرنے والے کوحضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت کی طرف لے جانے میں قائد ہوں گے جیسا کہ کنزالعباد،قہستانی اورفتاوٰی صوفیہ میں ہے۔اورمسندالفردوس میں ہے جو"اشھدان محمد ارسول اللہ " اذان میں سن کرانگوٹھوں کو چومے میں اس کا قائد ہوں اوراسے جنت کی صفوں میں داخل کروں گا۔

(ردالمحتار، کتاب الصلوٰة،باب الاذان،جلد1،صفحہ397،دارالفکر،بیروت)

یہ احادیث اگرچہ ضعیف ہیں لیکن محدثین کے نزدیک ضعیف حدیث فضائل اعمال میں معتبر ہوتی ہیں اوراس سے مستحب ثابت ہوجاتا ہےجیسا کہ پچھلے باب میں واضح کیا گیا۔امام احمد رضاخان نے اس مسئلہ پربہترین کلام کرتے ہوئے پورارسالہ "منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین" لکھا۔اس میں آپ فرماتے ہیں:''حضورپُرنور شفیع یوم النشور صاحبِ لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام پاک اذان میں سُنتے وقت انگوٹھے یا انگشتانِ شہادت چُوم کرآنکھوں سے لگانا قطعاً جائز،جس کے جواز پرمقام تبرع میں دلائل کثیرہ قائم اورخوداگرکوئی دلیل خاص نہ ہوتی تو منع پر شرع سے دلیل نہ ہوناہی جواز کے لئے دلیل کافی تھا۔جوناجائز بتائے ثبوت دینا اُس کے ذمّہ ہے کہ قائل جوازمتمسک باصل ہےاورمتمسک باصل محتاجِ دلیل نہیں۔پھریہاں تو حدیث وفقہ وارشادعلماوعمل قدیم سلف صلحاسب کچھ موجود۔علمائے محدثین نے اس باب میں حضرت خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیدناصدیق اکبروحضرت ریحانہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیدنا امام حسن وحسین وحضرت نقیب اولیائے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیدنا ابوالعباس خضرعلی الحبیب الکریم وعلیہم جمیعا الصلاۃ والتسلیم وغیرہم اکابر دین سے حدیثیں روایت فرمائیں جس کی قدرے تفصیل امام علاّمہ شمس الدین سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب مستطاب مقاصد حسنہ میں ذکرفرمائی اور جامع الرموزشرح نقایہ،مختصرالوقایۃ وفتاوٰی صوفیہ وکنزالعباد

وردالمحتار حاشیہ درمختار وغیرہا کتبِ فقہ میں اس فعل کے استحباب واستحسان کے صاف تصریح آئی۔ ان میں اکثر کتابیں خود مانعین اور ان کے اکابر وعمائد مثل متکلم قنوجی وغیرہ کے مستندات سے ہیں۔'' (فتاوی رضویہ ،جلد5،صفحہ430،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

اذان کے علاوہ بھی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام سن کر انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگانا اور درود پڑھنا مستحب ہے۔ظاہر ہے کہ نامِ اقدس سُن کر انگوٹھے چُومنا آنکھوں سے لگانا عرفاً دلیلِ تعظیم ومحبت ہے اور امورِادب میں قطعاً عرف کا اعتبار ہے۔امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں"فیحال علی المعهود حال قصد التعظیم"،ترجمہ:تعظیم مقصود ہونے کے وقت اسے عرف پر محمول کیا جائیگا۔

(فتح القدیر،کتاب الصلوۃ،باب صفۃالصلوۃ،جلد1،صفحہ292،مکتبہ رشیدیہ،کوئٹہ)

انگوٹھے چومنے میں یہ احتیاط کی جائے کہ آواز پیدا نہ ہو ہمارے یہاں لوگ عجیب وغریب آواز سے انگوٹھے چومتے ہیں۔پھر جب خطبہ وقرآن پڑھا جارہا ہو تو خاموشی سے سنا جائے۔ختم شریف میں جب یہ تلاوت پڑھی جاتی ہے﴿ما کان محمد۔۔﴾ اس پر لوگ آوازوں کے ساتھ انگوٹھے چومتے ہیں۔جبکہ دوران تلاوت انگوٹھے چومنا منع ہے اور اگر قرآن سننے میں خلل واقع ہو تو ناجائز ہے۔سیدی امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن اس کے متعلق لکھتے ہیں:''نماز میں یا خطبہ یا قرآن مجید سنتے وقت (انگوٹھے چومنے) نہ چاہئے، نماز میں اس کی ممانعت تو ظاہر،اور استماع خطبہ وقرآن کے وقت یوں کہ اس وقت ہمہ تن گوش ہو کر تمام حرکات سے باز رہنا چاہئے۔پنجایت کے وقت جو آیہ کریمہ ﴿ماکان محمد ابا احد من رجالکم﴾ پر اس قدر کثرت سے انگوٹھے چومے جاتے ہیں گویا صدہا چڑیاں جمع ہو کر چہک رہی ہیں یہاں تک کہ دور والوں کو قرآن عظیم کے بعض الفاظ کریمہ بھی اس وقت اچھی طرح سننے میں نہیں آتے۔یہ فقیر کو سخت ناپسند وگراں گزرتا ہے

صرف انگوٹھے لبوں سے لگا کر آنکھوں پر رکھنے میں اس وقت کوئی حرج نہ بھی ہو تو بوسہ تعظیم میں آواز نکلنے کا خود حکم نہیں۔جیسے بوسہ سنگ اسود وآستانہ کعبہ وقرآن عظیم ودست وپائے علمائے وصلحاء نہ کہ ایسی آوازیں کہ چڑیاں بسیرا لے رہی ہیں۔''

(فتاویٰ رضویہ ،جلد22،صفحہ316،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ مشہور صوفی شاعر میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ کا جب کلام پڑھا جاتا ہے تو اس میں جب لفظ محمد آتا ہے تو لوگ انگوٹھے چومتے ہیں جبکہ یہاں محمد سے مراد پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں ہیں بلکہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ تخلص ہے۔

(تثویب)نماز کے لئے بلانا

کئی جگہ یہ رواج ہوتا ہے کہ اذان کے بعد نماز کی طرف لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے۔بعض جگہ درود شریف پڑھا جاتا ہے اور بعض جگہ صلوٰۃ صلوٰۃ کہا جاتا ہے۔دعوت اسلامی کے اسلامی بھائی فجر میں لوگوں کو جگانے کے لئے صدائے مدینہ لگاتے ہیں۔ عیدین میں بھی اس طرح کا اعلان کیا جاتا ہے۔یہ سب جائز ومستحب ہے۔فقہاء کرام نے اس کی اجازت دی ہے۔فتح القدیر،مرقاۃ شرح مشکوۃ،فتاوی شامی،درمختار،فتاوی امجدیہ نیز اس کے علاوہ بے شمار کتابوں میں تثویب کا بیان موجود ہے کہ ہمارے فقہاء نے دینی امور میں لوگوں کی سستی کے ظہور کے پیش نظر اس کو مستحب رکھا۔امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے سوال ہوا:''یہاں یہ دستور ہے کہ نماز پنجگانہ وعیدین ونمازِ جنازہ میں شہروں اور قریہ وغیرہ سب جگہ صلاۃ صلاۃ پکار کر کہتے ہیں یہ صلاۃ پکارنا کیسا ہے کس زمانہ وکن بزرگوں سے ابتدا جاری ہے اس کے پکارنے سے نماز میں خلل ہے یا نہیں؟ یہاں چند صاحبان

صلاۃ پکارنا بدعت یعنی ناجائز سمجھتے ہیں ازراہِ مہربانی جواب تحریر کریں۔''

جواباً فرماتے ہیں:''عیدین میں'' الصّلاۃ جامعۃ'' (نماز کی جماعت تیار ہے۔)آواز بلند دوبار پکارنا مستحب ہے۔مرقاۃ شرح مشکوٰۃ شریف میں ہے''یستحب ان ینادی لھا الصلٰوۃ جامعۃ بالاتفاق '' یہ آواز دینا کہ جماعت تیار ہے بالاتفاق مستحب ہے۔

سوائے مغرب ہر نماز میں صلاۃ پکارنا یعنی دوبارہ اعلان کرنا ائمہ متاخرین نے مستحب رکھا ہے بلکہ درمختار میں سب نمازوں کی نسبت لکھا''یثوب بین الاذان والاقامۃ فی الکل للکل بماتعارفوہ '' متعارف طریقہ پر تمام نمازوں میں ہر ایک کے لئے اذان واقامت کے درمیان تثویب کہنی چاہئے۔

ردالمحتار میں ہے''قولہ فی الکل ای کل الصلوات لظھورالتوانی فی الامور الدینیۃ قال فی العنایۃ احدث المتاخرون التثویب بین الاذان والاقامۃ علی حسب ماتعارفوہ فی جمیع الصلوات سوی المغرب مع ابقاء الاول یعنی الاصل وھو تثویب الفجر وماراٰہ المسلمون حسناً فھو عنداللّٰہ حسنٌ ''فی الکل سے مراد یہ ہے کہ تمام نمازوں میں تثویب کہے کیونکہ دینی امور میں سُستی غالب آچکی ہے۔عنایہ میں ہے کہ متاخرین نے اصل یعنی تثویب فجر کو باقی رکھتے ہوئے مغرب کی نماز کے علاوہ ہر نماز کی اذان واقامت کے درمیان متعارف طریقہ پر تثویب کو جاری کیا ہے اور جسے مسلمان بہتر جانیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی بہتر ہوتا ہے۔''

(فتاوی رضویہ ،جلد5،صفحہ384،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

نماز کے بعد ذکرودرود

اہل سنت والجماعت نماز کے بعد تین مرتبہ بلند آواز سے کلمہ شریف پڑھتے ہیں ،پھر مختصر دعا مانگ کر سنتیں پڑھتے ہیں ،سنتوں کے بعد درود وسلام پڑھتے ہیں اور آخر میں دعا مانگتے ہیں،اس طرح کرنا مستحب عمل ہے۔جن فرضوں کے بعد سنتیں ہوں اس میں طویل وظیفے نہیں پڑھنے چاہئیں بلکہ مختصر ذکر و دعا پڑھ کر سنتیں ونفل پڑھ کر وظیفے پڑھے جائیں۔وہابی حضرات کہتے ہیں کہ نماز کے بعد کلمہ ودرود شریف پڑھنا، ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا پھر ہاتھ منہ پر پھیرنا بدعت ہے۔نماز کے بعد ذکر کرنا احادیث سے ثابت ہے۔مسلم شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے''کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا سلم لم یقعد الا مقدار ما اللھم انت السلا م و منك السلام تبارك یا ذالجلا ل و الاکرام و فی روایۃ ابن نمیر یا ذاالجلال و الاکرام '' ترجمہ: حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب نماز سے سلام پھیرتے تو نہ بیٹھتے مگر ''اللھم انت السلا م و منك السلام تبارك یا ذالجلا ل و الاکرام'' اور ابن نمیر کی روایت میں ''یا ذاالجلال و الاکرام'' کی مقدار پڑھ لیتے۔

(صحیح مسلم ،کتاب المساجد،باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ وبیان صفۃ، جلد 1،صفحہ414، دار إحیاء التراث العربی ،بیروت)

صحیح بخاری کی حدیث پاک ہے''عن ابن عباس رضی اللہ عنھماقال کنت اعرف انقضاء صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالتکبیر'' ترجمہ:ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز ختم ہونا تکبیر سے پہچانتا تھا۔

(صحیح بخاری ،کتاب الاذان ،باب الذکر بعد الصلاۃ،جلد1،صفحہ 168،دار طوق النجاۃ)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پاک کی شرح میں فرماتے ہیں "ھذا دلیل لما قالہ بعض السلف أنہ یستحب رفع الصوت بالتکبیر والذکر عقب المکتوبۃ " ترجمہ: یہ حدیث دلیل ہے ان بعض اسلاف کی جنہوں نے فرمایا کہ فرض نماز کے بعد بلند آواز سے تکبیر وذکر کرنا مستحب ہے۔

(شرح صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب الذکر بعد الصلوٰۃ، جلد5، صفحہ84، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

اس حدیث کی شرح میں حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ مراۃ المناجیح میں فرماتے ہیں: "یعنی میں زمانہ نبوی میں بہت کم عمر تھا اس لیے کبھی کبھی جماعت میں حاضر نہ ہوتا مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام صحابہ علیہم الرضوان نماز کے بعد اتنی بلند آواز سے تکبیریں کہتے تھے کہ گھروں میں آواز پہنچ جاتی تھی اور ہم پہچان لیا کرتے تھے کہ نماز ختم ہوگئی۔ بعض مشائخ ہر نماز کے بعد بلند آواز سے تین بار کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں، پنجاب میں فجر اور عشاء کے بعد اونچی آواز سے درود شریف پڑھا جاتا ہے ان سب کا ماخذ یہی حدیث ہے۔ بلکہ مسلم شریف میں ہے کہ نمازوں کے بعد ذکر بالجہر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے عہد میں عام مروج تھا۔ اس کی پوری بحث ہماری کتاب "جاء الحق حصہ اول" میں دیکھو، یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً﴾ اس لیے کہ آیت میں اخفاء کی نمازوں کی تلاوت مراد ہے۔

(مراۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، جلد2، صفحہ 116، نعیمی کتب خانہ، گجرات)

نماز کے بعد کلمہ طیبہ کا جو ذکر کیا جاتا ہے اس کی بہت فضیلت ہے حدیث پاک میں ہے نماز کے بعد تین مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھنے پر تین نور عطا کئے جائیں گے، ایک قبر میں

، ایک حشر میں اور ایک پل صراط پر یہاں تک کہ اسے جنت میں داخل کردے۔ شارح بخاری امام ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں "عن ابن عمر، قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قال فی دبر الصلوات، وإذا أخذ مضجعہ اللہ أکبر کبیراً، عدد الشفع والوتر، وکلمات اللہ الطیبات المبارکات ثلاثا، ولا إلہ إلا اللہ مثل ذلک کن لہ فی القبر نوراً، وعلی الحشر نوراً، وعلی الصراط نوراً، حتی یدخل الجنۃ"

(فتح الباری لابن رجب، کتاب الصلوٰۃ، باب الذکر بعد الصلاۃ، جلد7، صفحہ397، مکتبۃ الغرباء الأثریۃ، المدینۃ النبویۃ)

فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بالکل جائز ہے اور حدیث پاک میں تو اس وقت دعا مانگنے والوں کو مقبولیت کی بشارت عطا فرمائی گئی ہے چنانچہ جامع الترمذی شریف کی بسند حسن حدیث پاک میں آتا ہے "عن ابی امامۃ قال قیل یا رسول اللہ ای الدعاء اسمع قال جوف اللیل الاخر ودبر الصلوات المکتوبا" ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سی دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے؟ فرمایا آدھی رات اور فرض نمازوں کے بعد مانگی جانے والی دعا۔

(جامع ترمذی، کتاب الدعوات، جلد5، صفحہ526، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

دونوں ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنا اور منہ پر پھیر لینا تو دُعا کے آداب میں سے ہے جیسا کہ حدیث شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ کلمات متقاربہ مرفوعاً ہے "سلوا اللہ عزوجل ببطون اکفکم ولا تسئلوہ بظھورھا فاذافرغتم فامسحوا بھا وجوھکم" ترجمہ: تم اللہ عزوجل سے ہتھیلیوں کے پیٹوں سے سوال کرو اور ان کی پیٹھوں سے سوال نہ کرو (یعنی سیدھے ہاتھ اُٹھا کر سوال کرو) اور جب فارغ

ہوجاؤ تو ہاتھوں کو اپنے چہروں پر پھیرلو۔

(سنن ابوداؤد،کتاب الصلوٰۃ،باب الدعاء،جلد2،صفحہ78،المکتبۃ العصریۃ،بیروت)

زیادہ بلند آواز سے ذکر نہ کیا جائے کہ نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہو۔بعض لوگ اس پر یہی اعتراض کرتے ہیں کہ لوگوں کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہے اس لئے جائز نہیں۔جبکہ اس قدر ذکر کرنے سے نمازیوں کی نماز میں خلل واقع نہیں ہوتا۔اگر یہ ناجائز ہوتا تو شریعت کبھی بھی ایام تشریق میں ہر نماز کے بعد بلند آواز سے تکبیریں کہنے کی اجازت نہ دیتی۔تو جب ایام تشریق میں بلند آواز سے تکبیریں کہنا ناجائز نہیں تو کلمہ شریف پڑھنا کیوں ناجائز ہے؟

نماز کے بعد دعا و مصافحہ

نماز کے بعد رواج ہے کہ نمازی ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں۔یہ مستحب عمل ہے چنانچہ علامہ سید احمد طحطاوی حاشیہ نورالایضاح میں اور حاشیۃ الکنز لعلامۃ السید الازہری میں ہے"من المستحب (ای یوم العید)اظہار الفرح والبشاشۃ والتہنیۃ والمصافحۃ بل ھی سنۃ عقب الصلوات کلھا" ترجمہ:عید کے دن خوشی فرحت اور مبارکباد کا اظہار کرنا اور باہم ایک دوسرے سے مصافحہ کرنا مستحب ہے بلکہ ہر نماز کے بعد مصافحہ سنت ہے۔

(فتح المعین شرح الکنز لملامسکین،باب الصلوٰۃ العیدین،جلد1،صفحہ325،ایچ ایم سعید کمپنی،کراچی)

شاہ ولی اللہ دہلوی شرح مؤطا میں لکھتے ہیں "قال النووی اعلم ان المصافحۃ مستحبۃ عند کل لقاء واما ما اعتادہ الناس من المصافحۃ بعد صلوۃ الصبح و العصر فلا اصل لہ فی الشرع علی ھذا الوجہ ولکن لاباس بہ فان اصل

المصافحۃ سنۃ و کونھم حافظوا علیھا فی بعض الاحوال لایخرج ذلک البعض من کونہ من المصافحۃ التی ورد الشرع باصلھا اقول ھکذا ینبغی ان یقال فی المصافحۃ یوم العید" ترجمہ:امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ جان لیجئے کہ ہر میل ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا مستحب ہے لیکن نماز فجر اور نماز عصر کے بعد عام لوگوں نے مصافحہ کرنے کی جو عادت بنالی ہے شریعت میں اس طریقے کی کوئی اصل نہیں مگر ایسا کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں اس لئے کہ اصل مصافحہ سنت ہے لیکن لوگوں کا بعض حالات میں اس کی محافظت کرنا اس بعض کو اس مصافحہ سے نہیں نکالتا کہ جس کی اصل شریعت میں وارد ہوئی ہے۔میں کہتا ہوں کہ اسی طرح مناسب ہے کہ عید کے دن مصافحہ کرنے کو کہا جائے۔

(مسوی مصفی شرح موطا امام مالک،باب یستحب المصافحۃ،جلد2،صفحہ241،اسلامی کتب خانہ،کراچی)

مفتی جلال الدین امجدی رحمۃ اللہ علیہ فتاوٰی فیض الرسول میں نماز کے بعد مصافحہ کرنے کے متعلق فرماتے ہیں:"مصافحہ سنت ہے۔حدیث شریف میں اس کی بہت فضیلت آئی ہے اور نماز باجماعت کے بعد بلاشبہ جائز ہے۔درمختار،کتاب الحظر والاباحۃ،باب الاستبراء میں ہے"تجوز المصافحۃ ولو بعد العصر وقولھم انہ بدعۃ ای مباحۃ حسنۃ کما افادہ النووی فی اذکارہ ملخصا بقدر الضرورۃ" یعنی بعد نماز عصر بھی مصافحہ کرنا جائز ہے اور فقہاء نے جو اسے بدعت فرمایا تو وہ بدعت مباحہ حسنہ ہے جیسا کہ امام نووی نے اپنے اذکار میں فرمایا۔اسی کے تحت ردالمحتار میں ہے"قال اعلم أن المصافحۃ مستحبۃ عند کل لقاء،وأما ما اعتادہ الناس من المصافحۃ بعد صلاۃ الصبح والعصر،فلا أصل لہ فی الشرع علی ھذا الوجہ ولکن لا بأس

بہ۔۔۔۔ قال الشيخ أبو الحسن البكري وتقييده بما بعد الصبح والعصر على عادة كانت في زمنه ، وإلا فعقب الصلوات كلها" یعنی امام نووی نے فرمایا کہ ہر ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا سنت ہے اور فجر وعصر کی نماز کے بعد جو مصافحہ کا رواج ہے اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں لیکن اس میں کوئی حرج بھی نہیں۔ شیخ ابوالحسن بکری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صبح اور عصر کی قید فقط لوگوں کی عادت کی بنا پر ہے۔ جو امام نووی کے زمانہ میں تھی ورنہ ہر نماز کے بعد مصافحہ کا یہی حکم ہے یعنی جائز ہے۔"

(فتاوی فیض الرسول ،جلد2،صفحہ481،شبیر برادرز،لاہور)

صلوٰۃ التسبیح

مبارک راتوں میں لوگ صلوٰۃ التسبیح کا بہت اہتمام کرتے ہیں۔صلوٰۃ التسبیح کی حدیث پاک میں بہت فضیلت آئی ہے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا اے چچا! رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا میں تم کو عطا نہ کروں، کیا میں تم کو بخشش نہ کروں، کیا میں تم کو نہ دوں، کیا تمہارے ساتھ احسان نہ کروں، دس خصلتیں ہیں کہ جب تم کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اگلا پچھلا پُرانا نیا جو بھول کر کیا اور جو قصداً کیا چھوٹا اور بڑا پوشیدہ اور ظاہر۔اس کے بعد صلوٰۃ التسبیح کی ترکیب ارشاد فرمائی۔ پھر فرمایا"إن استطعت أن تصليها في كل يوم مرة فافعل، فإن لم تفعل ففي كل جمعة مرة، فإن لم تفعل ففي كل شهر مرة، فإن لم تفعل ففي كل سنة مرة، فإن لم تفعل، ففي عمرك مرة"، ترجمہ: اگر تم سے ہو سکے ہر روز ایک بار پڑھا کرو اور اگر روز نہ کرو تو ہر جُمُعہ میں ایک بار اور یہ بھی نہ کرو تو ہر مہینہ میں ایک بار اور یہ بھی نہ کرو تو عمر میں ایک بار پڑھو۔

(سنن أبي داؤد، كتاب الصلوٰة،باب صلاة التسبيح،جلد2،صفحہ29،المكتبة العصرية، بيروت)

ترمذی شریف میں جو صلوٰۃ التسبیح کا طریقہ حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا وہ یوں ہے:۔آپ نے فرمایا اللہ اکبر کہہ کر " سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ "پڑھے پھر پندرہ بار یہ پڑھے" سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ" پھر "اَعُوْذُ"اور" بِسْمِ اللّٰهِ" اور" اَلحمدُ لِلّٰه"اور سورت پڑھ کر دس بار یہی تسبیح پڑھے، پھر رکوع کرے اور رکوع میں (پہلے تین مرتبہ "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ" پڑھے پھر) دس بار تسبیح پڑھے، پھر رکوع سے سر اٹھائے اور بعد تسمیع وتحمید دس بار پڑھے، پھر سجدہ کو جائے اور (پہلے تین مرتبہ "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى" پڑھے پھر) دس مرتبہ یہ تسبیح پڑھے، پھر سر اٹھائے اور جلسہ میں دس بار پڑھے، پھر دوسرے سجدہ میں تسبیح کے بعد دس بار پڑھے یونہی چار رکعت پڑھے ہر رکعت میں 75 بار تسبیح اور چاروں میں تین سو ہوئیں۔جب دوسری رکعت شروع کرے تو پہلے پندرہ مرتبہ تسبیح پڑھے پھر الحمد شریف شروع کرے۔

(جامع ترمذی ،ابواب الوتر،باب ما جاء في صلاة التسبيح،جلد 2،صفحہ348،مصطفى البابي الحلبي ،مصر)

اگر سجدہ سہو واجب ہوا اور سجدے کرے تو ان دونوں میں تسبیحات نہیں پڑھی جائیں گی اور اگر کسی جگہ بھول کر دس بار سے کم پڑھی ہیں تو دوسری جگہ پڑھ لے کہ وہ مقدار پوری ہو جائے اور بہتر یہ ہے کہ اس کے بعد جو دوسرا موقع تسبیح کا آئے وہیں پڑھ لے مثلاً قومہ کی تسبیح سجدہ میں کہے اور رکوع میں بھولا تو اسے بھی سجدہ ہی میں کہے نہ قومہ میں کہ قومہ کی مقدار تھوڑی ہوتی ہے اور پہلے سجدہ میں بھولا تو دوسرے میں کہے جلسہ میں نہیں۔ تسبیح اُنگلیوں میں نہ گنے بلکہ ہو سکے تو دل میں شمار کرے ورنہ اُنگلیاں دبا کر شمار کرے۔

عموماً شب براءت اور رمضان کی ستائیسویں رات کو باجماعت صلوٰۃ التسبیح کا

اہتمام کیا جاتا ہے۔اس میں امام صاحب مقتدیوں کو تسبیح کی یاد دلانے کے لئے ایک دو تسبیحات بلند آواز میں پڑھتے ہیں،ایسا کرنا مکروہ ہے۔نماز میں ہر تسبیح آہستہ آواز میں پڑھنا سنت ہے۔کئی مقتدی جماعت کے ساتھ جب نماز پڑھتے ہیں تو جب تک امام اگلے رکن میں نہ جائے مقتدی تسبیح مخصوص تعداد سے زیادہ پڑھتے رہتے ہیں،ایسا کرنا بھی درست نہیں، جہاں جتنی تسبیح پڑھنے کا حکم ہے اتنی ہی پڑھی جائیں کمی وبیشی نہ کی جائے۔

کئی لوگ صلوٰۃ التسبیح کی باجماعت نماز کو درست نہیں سمجھتے اور اس سے منع کرتے ہیں۔درحقیقت حکم یہی ہے کہ ہر کوئی اکیلا یہ نماز پڑھے لیکن چونکہ کئی لوگوں کو پڑھنا نہیں آتی اور وہ اکیلے بھی نہیں پڑھتے لہذا صلوٰۃ التسبیح کا باجماعت اہتمام بھی جائز ہے۔امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن نے اسے جائز فرمایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:"نفل غیر تراویح (مثلا صلوۃ التسبیح ،صلوۃ اللیل ،صلوۃ التہجد وغیرہ) میں امام کے سوا تین آدمیوں تک تو اجازت ہے ہی چار کی نسبت کتب فقہیہ میں کراہت لکھتے ہیں یعنی کراہت تنزیہی جس کا حاصل خلاف اولی ہے نہ کہ گناہ حرام" کما بیناہ فی فتاوٰنا" مگر مسئلہ مختلف فیہ ہے اور بہت اکابردین سے جماعت نوافل بالتداعی ثابت ہے اور عوام فعل خیر سے منع نہ کئے جائیں گے۔علمائے امت وحکمائے ملت نے ایسی ممانعت سے منع فرمایا۔درمختار میں ہے " اما العوام فلایمنعون من تکبیر و لاتنفل اصلا لقلة رغبتهم فی الخیرات بحر " عوام کو تکبیرات اور نوافل سے کبھی بھی منع نہ کیا جائے کیونکہ پہلے ہی نیکیوں میں ان کی رغبت کم ہوتی ہے"یونہی آپ علیہ الرحمۃ حدیقہ ندیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں حدیقہ ندیہ میں ہے "من هذا القبیل نهی الناس عن صلوة الرغائب بالجماعة وصلوة لیلة القدر ونحو ذلك و ان صرح العلماء بالکراهة بالجماعة فیها فلایفتی بذالك العوام

لئلا تقل رغبتهم فی الخیرات و قد اختلف العلماء فی ذلك فصنف فی جوازها جماعة من المتأخرین و ابقاء العوام راغبین فی الصلوٰة اولیٰ من تنفیرهم " اسی قبیل سے نماز رغائب اور لیلۃ القدر کے موقع پر نماز باجماعت کا ادا کرنا ہے جس کی علماء کرام نے کراہت کی تصریح کی ہے۔مگر عوام میں یہ فتوی نہ دیا جائے تاکہ نیکیوں میں انکی رغبت کم نہ ہو علماء اس مسئلہ میں مختلف ہوئے ہیں اور متأخرین علماء کی ایک جماعت نے اس کے جواز پر کتابیں لکھیں ہیں اور عوام کو اس نماز کی طرف راغب رکھنا انھیں اس سے متنفر کرنے سے کہیں بہتر ہے۔" (فتاوی رضویہ ، جلد7 ،صفحہ465،رضافاؤنڈیشن ،لاہور)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کے اس کلام سے ثابت ہوا کہ لوگوں کو نفل کی جماعت سے روکا نہ جائے گا،خصوصا موجودہ دور میں کہ لوگ آگے ہی نمازوں سے دور ہیں۔مبارک راتوں میں دیکھا گیا ہے کہ بے نمازی بھی مساجد میں بیان ونوافل کی جماعت میں شامل ہونے کے لئے آجاتے ہیں۔کچھ نہ ہونا کچھ ہونے سے بہتر ہے۔مصنف عبدالرزاق میں ہے"عن أبی الدرداء أنه مر برجل لا یتم رکوعا ولا سجودا فقال شیء خیر من لا شیء " ترجمہ:حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرے جو نہ نماز کا رکوع صحیح ادا کررہا تھا نہ سجود،تو آپ نے فرمایا کچھ ہونا بالکل نہ ہونے سے بہتر ہوتا ہے۔

(مصنف عبدالرزاق ، کتاب الصلوٰة،باب الرجل یصلی صلاة لا یکملها،جلد2،صفحه 368،المکتب الإسلامی ،بیروت)

کئی جگہ عورتیں بھی باجماعت صلوٰۃ التسبیح کا اہتمام کرتی ہیں جبکہ عورتوں کی جماعت درست نہیں ہے۔بعض عورتیں یوں کرتی ہیں کہ ایک عورت درمیان میں کھڑی ہوجاتی ہے اور باقی اسے دیکھ کر رکوع وسجود کرتی رہتی ہیں،یہ طریقہ بھی درست نہیں ہے۔عورتوں کو طریقہ

سمجھا دیا جائے وہ گھر جا کر اپنی پڑھیں۔

سلام ومصافحہ ومعانقہ

جب کسی سے ملاقات ہو تو اسے سلام کرنا سنت مبارکہ ہے اور دوسرے کا فوراً اتنی آواز میں جواب دینا کہ سلام کرنے والا جواب سن لے واجب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "حق المسلم علی المسلم خمس ردّالسلام وعیادة المریض واتباع الجنازة و اجابة الدعوة وتشمیت العاطس" ترجمہ: مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں (1) سلام کا جواب دینا (2) بیماری میں عیادت کرنا (3) جنازہ کے پیچھے ہونا (4) دعوت قبول کرنا (5) چھینک پر تحمید کا جواب دینا۔ (یعنی الحمد للہ کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا)

(صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب الأمر باتباع الجنائز، جلد2، صفحہ71، دار طوق النجاة)

جس طرح سلام کا جواب واجب ہے اسی طرح چھینک پر کسی نے الحمد للہ کہا تو یَرْحَمُکَ اللہ کہنا بھی واجب ہے۔ بلاعذر سلام اور چھینک کے جواب میں تاخیر کی تو گنہگار ہوا اور اب یہ گناہ جواب دینے سے دفع نہ ہوگا بلکہ توبہ کرنی ہوگی۔ اگر کوئی شخص محفل میں آیا اور اس نے سلام کیا تو محفل میں سے ایک نے بھی جواب دے دیا تو کافی ہے ورنہ سب گناہ گار ہوں گے۔ مرد اور عورت کی ملاقات ہو تو مرد عورت کو سلام کرے اور اگر عورت اجنبیہ نے مرد کو سلام کیا اور وہ بوڑھی ہو تو اس طرح جواب دے کہ وہ بھی سنے اور جوان ہو تو اس طرح جواب دے کہ وہ نہ سنے۔ کسی نے کہہ دیا کہ فلاں کو میرا سلام کہہ دینا اس پر سلام پہنچانا واجب ہے جبکہ اس نے قبول کرلیا ہو کہ میں آپ کا سلام پہنچا دوں گا۔ پھر جب اس نے سلام پہنچایا تو سلام سننے والا جواب یوں دے کہ پہلے اس پہنچانے والے کو اس کے بعد اس کو

جس نے سلام بھیجا ہے یعنی یہ کہے وعلیکَ وعلیہِ السلام۔

خط، ای میل یا موبائل کے میسج میں السلام علیکم لکھا ہوتا ہے اس کا بھی جواب دینا واجب ہے۔ یہاں جواب دو طرح ہوتا ہے: ایک یہ کہ زبان سے جواب دے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ سلام کا جواب فوراً لکھ کر بھیجے۔ لیکن یہ جواب دینا تب واجب ہے جب وہ سلام مسنون ہوں۔ اگر سلام علیکم کہا تو جواب دینا واجب نہیں البتہ جواب دینا مستحب ہے۔ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: "سلام کی میم کو ساکن کہا سلام علیکم جیسا کہ اکثر جاہل اسی طرح کہتے ہیں کہ یا سلامُ علیکم میم کے پیش کے ساتھ کہا ان دونوں صورتوں میں جواب واجب نہیں کہ یہ مسنون سلام نہیں۔"

(بہار شریعت، جلد2، حصہ 16، صفحہ67، ضیاء القرآن، لاہور)

اس زمانہ میں کئی طرح کے سلام لوگوں نے ایجاد کر لیے ہیں ان میں سب سے برا یہ ہے کہ جو بعض لوگ کہتے ہیں "بندگی عرض" یہ لفظ ہرگز نہ کہا جائے بعض لوگ "آداب عرض" کہتے ہیں اگرچہ اس میں اتنی برائی نہیں مگر سنت کے خلاف ہے۔ بعض لوگ "تسلیم یا تسلیمات عرض" کہتے ہیں۔ یہ بھی سلام نہیں ہے۔ اکثر جگہ یہ طریقہ ہے کہ چھوٹا جب بڑے کو سلام کرتا ہے تو بڑا جواب میں کہتا ہے کہ جیتے رہو یہ سلام کا جواب نہیں ہے۔ اسی طرح السلام علیکم ادا نہیں کیا جاتا بلکہ صرف ہاتھ اٹھا دیا جاتا ہے یا سلام کے جواب میں وعلیکم السلام نہیں کہا جاتا بلکہ ہاتھ اٹھا دیا جاتا ہے یا سر ہلا دیا جاتا ہے یہ بھی خلاف سنت ہے منہ سے جواب واجب ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "لیس منا من تشبہ بغیرنا لاتشبھوا بالیھود ولا بالنصاری فان تسلیم الیھود الاشارة بالاصابع وتسلیم النصاریٰ الاشارة بالکف" ترجمہ: ہمارے گروہ سے نہیں جو ہمارے غیروں کی مشابہت کرے، نہ یہود سے مشابہت پیدا کرو نہ نصاریٰ سے کہ یہود کا سلام انگلی

سے اشارہ کرنا ہے اور نصاریٰ کا سلام ہتھیلی سے اشارہ کرنا ہے۔

(جامع ترمذی،أبواب الاستئذان والآداب،باب ما جاء فی کراہیة إشارة الید بالسلام، جلد5،صفحہ56،مصطفی البابی الحلبی،مصر)

ہاں سلام کے ساتھ ہاتھ کا اشارہ بھی ہو تو مضائقہ نہیں۔اسی طرح سلام بھی صحیح طور پر ادا نہیں کیا جاتا کوئی ''سلامہ لیکم'' کہتا ہے اور کوئی اور تلفظ سے سلام کرتا ہے۔صحیح تلفظ یہ ہے کہ ''السلامُ علیکم'' کہا جائے یا ''سلامٌ علیکم'' کہا جائے۔ٹیلی فون پر السلام علیکم کی جگہ ہیلو کہا جاتا ہے یہ خلافِ سنت ہے۔جب کوئی السلام علیکم کے ساتھ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کا اضافہ کرے تو حدیث پاک میں اس کے متعلق کہا گیا کہ اسے تیس نیکیاں ملیں گی۔جو بعض مزید الفاظ ملاتے ہیں کہ جنت حلال ہو اور دوزخ حرام ہو یہ سنت نہیں ہے۔اگر کسی نے یوں سلام کیا ''السلام علیکم'' تو اس کے جواب میں برابری واجب ہے۔خواہ وہ برابری لفظی طور پر ہو یا معنوی طور پر۔لفظی طور پر برابری وعلیکم السلام کہنا اور معنوی طور پر فقط وعلیک یا وعلیکم کہنا کہ ان میں معنا صیغہ سلام موجود ہے۔ یعنی ''وعلیکم السلام'' کے ساتھ ''ورحمۃ اللہ'' کہنا مستحب ہے۔اگر کہا ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' تو جواب میں ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ علیہ وبرکاتہ'' کہنا مستحب ہے۔

سلام اسلئے ہے کہ ملاقات کرنے کو جو شخص آئے وہ سلام کرے کہ زائر اور ملاقات کرنے والے کی یہ تحیت ہے لہذا جو شخص مسجد میں آیا اور حاضرین مسجد تلاوت قرآن وتسبیح ودرود میں مشغول ہیں یا انتظارِ نماز میں بیٹھے ہیں تو سلام نہ کرے کہ یہ سلام کا وقت نہیں اسی واسطے فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ ان کو اختیار ہے کہ جواب دیں یا نہ دیں۔ہاں اگر کوئی شخص مسجد میں اس لیے بیٹھا ہے کہ لوگ اس کے پاس ملاقات کو آئیں تو آنے والے سلام کریں۔اسی طرح کوئی شخص تلاوت میں مشغول ہے یا درس وتدریس یا علمی گفتگو یا سبق کی

تکرار میں ہے تو اس کو سلام نہ کرے اسی طرح اذان واقامت وخطبہ جُمُعَہ وعیدین کے وقت سلام نہ کرے۔ سب لوگ علمی گفتگو کر رہے ہوں یا ایک شخص بول رہا ہے باقی سن رہے ہوں، دونوں صورتوں میں سلام نہ کرے مثلاً عالم وعظ کہہ رہا ہے یا دینی مسئلہ پر تقریر کر رہا ہے اور حاضرین سن رہے ہیں آنے والا شخص چپکے سے آکر بیٹھ جائے سلام نہ کرے۔

کافر اور بد مذہب سے سلام کرنا ناجائز ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا''وان لقیتموھم فلاتسلموا علیھم''جب ان (بدمذہبوں) سے ملو تو سلام نہ کرو۔ (سنن ابن ماجہ،کتاب الایمان،باب فی القدر،جلد1،صفحہ35،دار إحیاء الکتب العربیة)

حدیث پاک میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا''من سلم علی صاحب بدعة اولقیہ بالبشر اواستقبلہ بما یسرہ فقد استخف بما انزل علی محمد'' ترجمہ: جو کسی بدمذہب کو سلام کرے یا اس سے بکشادہ پیشانی ملے یا ایسی بات کے ساتھ اس سے پیش آئے جس میں اس کا دل خوش ہو اس نے اس چیز کی تحقیر کی جو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اتاری گئی۔

(تاریخ بغداد،ذکر من اسمہ عبد الرحمن،جلد10،صفحہ262،دارالکتب العلمیہ،بیروت)

بدمذہب سے بیزاری کا حکم دیا گیا ہے۔البتہ اگر کہیں مجبوری بن جائے تو سلام کہنے کے علاوہ ہاتھ یا دوسرے الفاظ بغیر تعظیم کہہ لئے جائیں۔امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:''بدمذہب کو سلام کرنا حرام ہے۔فاسق کو سلام کرنا ناجائز ہے۔جو برہنہ ہو یا استنجا کر رہا ہو اسے سلام نہ کرے۔جو کھانا کھا رہا ہو اسے سلام نہ کرے۔جو اذان یا تلاوت یا کسی ذکر میں مشغول ہو اسے سلام نہ کرے۔کافر یا مبتدع یا فاسق کو سلام کرنے کی صحیح ضرورت پیش آئے تو لفظ سلام نہ کہے بلکہ ہاتھ اٹھانے یا کوئی لفظ کہ نہ سلام ہو نہ تعظیم کہنے پر قناعت کرے یا مجبور ہو تو آداب کہے یعنی آمیرے پاؤں داب، یا آداب شریعت

کہ تو نے اپنے فسق سے ترک کر دیئے ہیں۔"

(فتاوی رضویہ، جلد22، صفحہ378، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو سلام کرنے یا جواب میں اس کے فرشتوں کی نیت کر لیں کہ اس کے فرشتوں کو سلام کر رہا ہوں۔ کسی کے نام کے ساتھ علیہ السلام کہنا یہ انبیاء و ملائکہ علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام، جبرئیل علیہ السلام نبی اور فرشتے کے سوا کسی دوسرے کے نام کے ساتھ جیسے امام حسین علیہ السلام کہنا بعد از تحقیق ناجائز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کے ساتھ پورا درود لکھا جائے خالی "ؐ" لکھنا ناجائز ہے۔ غیر صحابی کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنا جائز ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مفتی حرمین نے یہ کہا ہے کہ فون پر ہیلو نہیں کہنا چاہئے کہ اس کا مطلب ہے جہنمی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی انگلش لغت کی کتاب میں ہیلو (Hello) کا ترجمہ جہنمی موجود نہیں۔ تمام ڈکشنریز میں Hello کے متعلق یہی لکھا ہے کہ یہ Exclamation noun ہے یعنی اس کا تعلق ان الفاظ سے ہے جو اچانک بولے جاتے ہیں اور اکثر ڈکشنریز میں اس کے بولنے کے مواقع کا بھی ذکر ہے جیسا کہ Oxford Advanced Learener,s Dictionary میں اس کے استعمال کے بارے میں لکھا ہے:

Used as a greeting when you meet somebody,when you answer on the telephone or when you want to attract somebody,s attention

یعنی جب کسی سے ملتے ہیں تو اس وقت Hello استعمال کیا جاتا ہے یا جب کسی کو ٹیلی فون

پر جواب دیتے ہیں یعنی فون attend کرتے ہیں اس وقت بولا جاتا ہے یا کسی کو متوجہ کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

دوسرا یہ کہ لغت میں Hell کا معنی ضرور جہنم ہیں مگر جہنمی کی انگلش Hello نہیں بلکہ ڈکشنریز میں Helish لکھی ہے۔ اور بعض ڈکشنریز میں جہنمی کے لئے All Fired استعمال کیا گیا ہے۔

انگریزوں میں ستر فی صد سے زائد عیسائی ہیں اور عیسائیوں میں بھی جنت دوزخ کا تصور پایا جاتا ہے لہذا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو جہنمی کہتے رہیں۔ لہذا ہیلو (Hello) کا معنی جہنمی بیان کر کے اس کہنے کو حرام کہنا غلط ہے۔ ہاں فون وغیرہ پر ہیلو سے ابتداء کرنے کے بجائے السلام علیکم سے ابتداء کی جائے کہ کلام کی ابتداء سلام سے کرنا سنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا"السلام قبل الکلام" سلام کو کلام سے پہلے ہونا چاہیے۔

مصافحہ

مصافحہ کرنا سنت مبارکہ ہے۔ امام احمد و ترمذی و ابن ماجہ رحمہم اللہ نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا"ما من مسلمین یلتقیان فیتصافحان إلا غفر لھما قبل أن یفترقا" ترجمہ: جب دو مسلمان مل کر مصافحہ کرتے ہیں تو جدا ہونے سے پہلے انکی مغفرت ہو جاتی ہے۔

(جامع ترمذی، أبواب الاستئذان والآداب، باب ما جاء فی المصافحة، جلد 5، صفحہ74، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا سنت ہے چنانچہ ردالمحتار میں ہے"السنة ان تکون بکلتا یدیه" ترجمہ: سنت یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرے۔

(ردالمحتار، کتاب الحظروالاباحة، باب الاستبراء، جلد6، صفحہ382، دارالفکر، بیروت)

صحیح بخاری شریف میں ہے"صافح حماد بن زيد ابن المبارك بيديه "
ترجمہ:امام حماد بن زید نے امام اجل عبداللہ بن مبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔

(صحيح البخاري،كتاب الاستيذان، باب الاخذ باليدين ،جلد8،صفحه59،دار طوق النجاة،مصر)

غیرمحرم عورتیں جیسے مامی، چاچی، کزن وغیرہ غیرمحرم ہیں ان سے مصافحہ کرنا جائز نہیں۔غیرمحرم کوچھونے کے متعلق سخت وعید ہے چنانچہ حدیث پاک میں ہے"من مس كف امرأة ليس منها بسبيل وضع على كفه جمرة يوم القيامة" ترجمہ:جوکسی عورت کی ہتھیلی کو چھوئے گا قیامت والے دن ضرور اس کے ہاتھ میں آگ کا انگارہ رکھا جائے گا۔

(الهداية فی شرح بداية المبتدی،كتاب الكراهيت ،فصل فی الوطء والنظر واللمس، جلد4،صفحه368،دار احياء التراث العربی ،بيروت)

خالہ، پھوپھی اگرچہ محرم میں سے ہے لیکن ان سے بھی مصافحہ کرنے سے بچا جائے۔البتہ اگر خالہ، مامی، چاچی وغیرہ بوڑھی ہوں تو مصافحہ کرنے میں حرج نہیں بشرطیکہ اطمینان نفس ہو اگرچہ بچنا بہتر ہے۔الاختیار میں ہے"(ولا يجوز أن يمس ذلك وإن أمن الشهوة) لأن المس أغلظ من النظر، فإن الشهوة بالمس أكثر، فإن كانت عجوزا لا تشتهى أو كان شيخا لا يشتهى فلا بأس بمصافحتها" ترجمہ:غیرمحرم کو چھونا جائز نہیں اگرچہ شہوت نہ ہو۔اس لئے کہ چھونا دیکھنے سے زیادہ برا ہے کہ چھونے سے شہوت زیادہ آتی ہے۔اگر عورت بوڑھی غیر مشتہاۃ ہو یا آدمی بوڑھا ہو تو ان سے مصافحہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

(الاختيار لتعليل المختار،كتاب الكراهية ،فصل النظر إلى العورة،جلد 4،صفحه 156،مطبعة الحلبی ،القاہرة)

مصافحہ کے بعد رائج ہے کہ لوگ اپنا دائیاں ہاتھ سینے کو لگا لیتے ہیں اس میں کوئی

حرج نہیں ہے۔اسی طرح مصافحہ کے دوران علماء و نیک لوگوں کا ہاتھ چوم لیا جاتا ہے جس میں کوئی حرج نہیں۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ پاؤں کا بوسہ لینا کئی احادیث سے ثابت ہے۔شعب الایمان کی حدیث پاک ہے"وكان في وفد عبد القيس، قال لما قدمنا المدينة فجعلنا نتبادر من رواحلنا فنقبل يد رسول الله صلى الله عليه وسلم ورجله" ترجمہ:جن میں سے وفد عبدالقیس جب مدینہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اپنی سواریوں سے جلدی سے اتر کر سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ پاؤں چومنے لگے۔

(شعب الايمان،مقاربة اہل الدين و موادتہم ،قصہ ابراہیم فی المعانقہ،جلد 11،صفحہ 294،مكتبة الرشد،الرياض)

کئی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک کو بوسہ دینا ثابت ہے۔مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے"عن ابن عمر،قال قبلنا يد رسول الله صلى الله عليه وسلم" ترجمہ:ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک کو بوسہ دیتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شيبہ،كتاب الادب،باب ماجاء فی الرجل يقبل يدالرجل، جلد5،صفحه292،مكتبة الرشد ،الرياض)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ بھی بزرگوں کا ہاتھ چومنا ثابت ہے چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں"عن تميم بن سلمة أن أبا عبيدة قبل يد عمر قال تميم والقبلة سنة" ترجمہ:حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ چوما۔حضرت تمیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہاتھ چومنا (صحابہ کرام علیہم الرضون کی) سنت ہے۔

(مصنف ابن ابی شيبہ،كتاب الادب،باب ماجاء فی الرجل يقبل يدالرجل، جلد 5،

صفحہ292،مکتبۃ الرشد ،الریاض)

معانقہ

معانقہ کرنا یعنی گلے ملنا بھی جائز ہے جب کہ خوفِ فتنہ اور اندیشہ شہوت نہ ہو۔ حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معانقہ کیا چنانچہ ابوداؤد شریف میں ہے "عن ایوب بن بشیر عن رجل من عنزة انه قال قلت لابی ذر هل كان رسول اللهصلى الله تعالى عليه وسلم يصافحكم اذا لقيتموه قال مالقيته قط الاصافحنى وبعث الى ذات يوم ولم اكن فى اهلى فلما جئت اخبرت انه ارسل الى فاتيته وهو على سريره فالتزمنى فكانت تلك اجود واجود "، ترجمہ: حضرت ایوب بن بشیر قبیلہ عنزہ میں سے ایک صاحب سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: جب تم لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کرتے تو کیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تم سے مصافحہ کرتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ میری حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کبھی کوئی ایسی ملاقات نہیں ہوئی جس میں آپ نے مجھ سے مصافحہ نہ کیا ہو، ایک دن آپ نے مجھے آدمی بھیج کر بلایا مگر اس وقت میں گھر پر نہ تھا۔ جب میں واپس آیا اور مجھے آپ کے یاد فرمانے کی اطلاع ہوئی تو حاضر خدمت ہوا۔ اس وقت آپ ایک تخت پر جلوہ افروز تھے پھر آپ نے اسی حالت میں مجھے گلے لگایا۔ یہ موقعہ بڑا اچھا اور بڑا شاندار تھا۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الادب باب فی المعانقۃ، جلد4، صفحہ354، المکتبۃ العصریۃ، بیروت)

ابوجعفر عقیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں "عن تميم الداری قال سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن المعانقة، قال تحية الأمم ودهم، وصالح ود وإن أول من عانق خليل الله إبراهيم" ترجمہ: حضرت تمیم داری رضی اللہ

تعالیٰ عنہ سے مروی ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے معانقہ کا مسئلہ دریافت کیا۔ ارشاد فرمایا تحیت ہے امتوں کی اور اچھی دوستی ہے ان کی اور بیشک پہلے جس نے معانقہ کیا اللہ تعالیٰ کے خلیل ابراہیم ہیں علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

(الضعفاء الکبیر للعقیلی ،باب العین، جلد3، صفحہ154، دارالکتب العلمیہ ،بیروت)

چاہئے کہ جس سے معانقہ کیا جائے وہ صرف تہبند یا فقط پاجامہ پہنے ہوئے نہ ہو بلکہ کرتا یا چادر اوڑھے ہوئے ہو یعنی کپڑا حائل ہو۔ گلے ملنے کے بعد بعض دفعہ کوئی بزرگ شفقت سے بیٹے، بھتیجے، بھانجے وغیرہ کو چوم بھی لیتا ہے اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ جامع ترمذی میں ہے "عن عائشة رضى اللهتعالى عنها قالت قدم زيد بن حارثة المدينة ورسول اللهصلى اللهتعالىٰ عليه وسلم فى بيتى فاتاه فقرع الباب فقام اليه رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم عريانا يجر ثوبه والله مارأيته عريانا قبله ولا بعده فاعتنقه وقبله " ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے انھوں نے فرمایا جب زید بن حارثہ مدینہ منورہ میں تشریف لائے اس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے گھر میں تشریف فرما تھے۔ جب حضرت زید نے آکر دروازے پر دستک دی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام برہنہ (یعنی جسم مبارک کے اوپر والے حصے پر کپڑا نہ تھا) اٹھ کر اسی حالت میں ان سے ملنے تشریف لے گئے۔ حالت یہ تھی کہ اس وقت اپنا کپڑا گھسیٹے جارہے تھے خدا کی قسم میں نے آپ کو اس سے پہلے یا اس کے بعد کبھی ایسا نہیں دیکھا، پھر آپ نے انھیں گلے لگالیا اور انھیں بوسہ دیا۔

(جامع الترمذی، کتاب الاستیذان والادب، باب ماجاء فی المعانقۃ والقبلۃ ،جلد 5، صفحہ 76، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

وظائف کےلوازمات

وظائف کے متعلق بے شمار کتب موجود ہیں اور لوگوں میں رواج ہے کہ وہ اس کا بہت التزام کرتے ہیں۔ یہ بہت اچھا عمل ہے کہ اپنی بیماریوں وضرورتوں کومبارک کلام سے دور کیا جائے۔ وظائف میں یہ سوال بہت پوچھا جاتا ہے کہ کیا ہر وظیفہ کو بغیر اجازت پڑھ سکتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعض وظیفے ایسے ہوتے ہیں جن میں اجازت ہونا ضروری ہے۔ بعض وظیفے ایسے ہوتے ہیں جو بغیر اجازت پڑھ سکتے ہیں جیسا کہ عام کتابوں میں ہوتے ہیں۔ ان وظائف میں جو لوازمات عامل نے دیئے ہوں ہو ان کو پورا کرنا ضروری ہے جتنی تعداد کہی ہو اتنی ہی پوری کی جائے کم یا زیادہ نہ کی جائے کہ بزرگ فرماتے ہیں کہ وظائف کی مثال چابی کے دندان کی طرح ہیں اگر دندان کم یا زیادہ ہوں گے تالا نہیں کھلے گا۔

جس وظیفہ کے لئے اجازت ضروری ہے یا جن لوازمات کا حکم تھا وہ پوری نہیں کی گئیں تو فائدہ نہ ہوگا بلکہ نقصان ہونے کا خطرہ ہے۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے پوچھا گیا: ''کیا آیات قرآنی بھی اثر رکھتی ہیں؟'' جواباً فرمایا: ''جو قُیُود (یعنی شرائط) عامل بتاتے ہیں ان کی پابندی نہ کرنے سے ایسا ہوتا ہے۔''

(ملفوظات اعلیٰ حضرت، حصہ3، صفحہ341، مکتبۃ المدینہ ، کراچی)

عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار نصیب ہو۔ علمائے کرام نے اس مسئلہ میں بھی ہماری رہنمائی فرمائی کہ کس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار نصیب ہوسکتا ہے۔ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں: ''حدیث میں ہے کہ خود حضور اقدس صلی

اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلم نے خواب میں جمالِ جہاں آرا کی زیارت سے مشرف ہونے کے لیے تعلیم فرمائی۔ درمنظّم امام ابوالقاسم محمد لولوی لبستی میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلم فرماتے ہیں "من صلی علی روح محمدفی الارواح وعلی جسده فی الاجساد وعلیٰ قبره فی القبوررانی فی منامه ومن رانی فی منامه رانی فی یوم القیٰمة ومن رانی یوم القیامة شفعت له ومن شفعت له شرب من حوضی وحرم اللّٰـه جسده علی النار" جو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلم کی روحِ اقدس پر ارواح میں اور جسمِ اطہر پر اجسام میں اور قبرِ انور پر قبور میں درود بھیجے وہ مجھے خواب میں دیکھے اور جو خواب میں دیکھے مجھے قیامت میں دیکھے گا اور جو مجھے قیامت میں دیکھے گا میں اُس کی شفاعت فرماؤں گا اور جس کی میں شفاعت فرماؤں گا وہ میرے حوضِ کریم سے پئے گا اور اللہ عزوجل اس کے بدن پر دوزخ کو حرام فرمائے گا۔ اللهم ارزقنا بجاهه عندك امین۔

علماء فرماتے ہیں یُوں درود شریف پڑھو "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی رُوْحِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِی الْاَرْوَاحِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ علٰی جَسَدِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِی الْاَجسَادِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی قَبْرِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِی الْقُبُوْرِ" (فتاوی رضویہ، جلد9، صفحہ517، رضافاؤنڈیشن ،لاہور)

قسم اور اسکے احکام

موجودہ دور میں لوگوں میں قسمیں کھانا بہت رائج ہے۔ اکثریت کو پتہ ہی نہیں کہ کون سے الفاظ سے قسم ہو جاتی ہے اور قسم توڑنے کا کفارہ کیا ہے۔ شرعی طور پر قسم کھانا جائز ہے مگر جہاں تک ہو کمی بہتر ہے اور بات بات پر قسم نہیں کھانی چاہئے۔ بعض لوگوں نے قسم کو تکیہ کلام بنا رکھا ہے کہ قصد و بے قصد زبان پر جاری ہوتی ہے اور اس کا بھی خیال نہیں رکھتے

کہ بات سچی ہے یا جھوٹی یہ عادت سخت معیوب ہے اور غیر خدا کی قسم جیسے ماں کی قسم، تیری قسم، رسول کی قسم، مکروہ ہے اور یہ شرعاً قسم بھی نہیں یعنی اس کے توڑنے سے کفارہ لازم نہیں۔

قسم کی تین قسمیں ہیں: (۱) غموس (۲) لغو (۳) منعقدہ۔ گزرے ہوئے واقعہ کی جھوٹی قسم کھانا جیسے اللہ کی قسم میں نے یہ کام نہیں کیا جبکہ اس نے وہ کام کیا ہے اسے یمین غموس یعنی جھوٹی قسم کہتے ہیں اور ایسی قسم کھانا سخت گناہ ہے، کفارہ کچھ نہیں توبہ کرے اور اگر جھوٹی قسم کھا کر کسی کا مال کھایا ہے تو وہ مال اسے واپس کرے۔ بعض دفعہ کسی جھگڑے میں قرآن پر ہاتھ رکھوایا جاتا ہے کہ اس پر ہاتھ رکھ کر کہو۔ پہلے تو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ قرآن کو بغیر وضو چھونا جائز نہیں، دوسرا اگر قرآن پر ہاتھ رکھ کر جھوٹی قسم کھائی تو اس صورت میں بھی سخت گناہ گار ہوا توبہ کرے کفارہ نہیں۔ حدیث پاک میں جھوٹی قسم کے گناہ کو شرک کے ساتھ شمار کیا ہے چنانچہ بخاری شریف کی حدیث پاک ہے "عن عبداللّٰه بن عمرو عن النبی صلی اللّٰه علیه و سلم قال الكبائر الإشراك باللّٰه وعقوق الوالدين وقتل النفس واليمين الغموس " ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ راویت کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کبیرہ گناہ یہ ہیں: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا، والدین کی نافرمانی، کسی انسان کو قتل کرنا اور یمینِ غموس (جھوٹی قسم)۔

(صحیح البخاری، کتاب الأیمان والنذور، باب الیمین الغموس، جلد 8، صفحہ 137، دار طوق النجاۃ، مصر)

اگر اپنے خیال سے تو اُس نے سچی قسم کھائی تھی مگر حقیقت میں وہ جھوٹی ہے مثلاً جانتا تھا کہ نہیں آیا اور قسم کھائی کہ نہیں آیا اور حقیقت میں وہ آ گیا ہے تو ایسی قسم کو لغو کہتے

ہیں۔ اس میں گناہ بھی نہیں اور کفارہ بھی کوئی نہیں۔

اگر آئندہ کے لئے قسم کھائی مثلاً خدا کی قسم میں یہ کام کروں گا یا نہ کروں گا تو اس کو منعقدہ کہتے ہیں۔ منعقدہ میں قسم توڑے گا تو کفارہ دینا پڑے گا اور بعض صورتوں میں گنہگار بھی ہوگا۔ بعض قسمیں ایسی ہیں کہ اُن کا پورا کرنا ضروری ہے مثلاً کسی ایسے کام کے کرنے کی قسم کھائی جس کا بغیر قسم کرنا ضروری تھا یا گناہ سے بچنے کی قسم کھائی تو اس صورت میں قسم سچی کرنا ضرور ہے۔ مثلاً خدا کی قسم ظہر پڑھوں گا یا چوری یا زنا نہ کروں گا۔ دوسری وہ کہ اُس کا توڑنا ضروری ہے مثلاً گناہ کرنے یا فرائض وواجبات نہ کرنے کی قسم کھائی جیسے قسم کھائی کہ نماز نہ پڑھوں گا یا چوری کروں گا یا ماں باپ سے کلام نہ کروں گا تو قسم توڑ دے۔ تیسری وہ کہ اُس کا توڑنا مستحب ہے مثلاً ایسے امر کی قسم کھائی اُس کے غیر میں بہتری ہے تو ایسی قسم کو توڑ کر وہ کرے جو بہتر ہے۔ چوتھی وہ کہ مباح کی قسم کھائی یعنی کرنا اور نہ کرنا دونوں یکساں ہیں اس میں قسم کا باقی رکھنا افضل ہے۔

اللہ عزوجل کے جتنے نام ہیں اُن میں سے جس نام کے ساتھ قسم کھائے گا قسم ہوجائیگی خواہ بول چال میں اُس نام کے ساتھ قسم کھاتے ہوں یا نہیں۔ مثلاً اللہ کی قسم، خدا کی قسم، رحمٰن کی قسم، رحیم کی قسم، پروردگار کی قسم۔ عموماً صرف اتنا کہہ دیا جاتا ہے قسم سے میں وہاں نہ جاؤں گا، اس صورت میں بھی قسم منعقد ہو جائے گی۔ اسی طرح قرآن کی قسم یا کلمہ طیبہ کی قسم کھائی تو قسم ہوجائے گی۔ کسی حلال کو اپنے اوپر حرام کرلیا یعنی کہا یہ کھانا مجھ پر حرام ہے، اب اگر اس کھانے کو کھائے گا تو قسم ٹوٹ جائے گی اور کفارہ دینا ہوگا۔ اگر یوں کہا اللہ اور رسول کی قسم تو یہ قسم نہ ہوگی۔ اگر قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم نہیں کھائی فقط اتنا کہا کہ میں اس قرآن پر ہاتھ رکھ کے کہتا ہوں کہ میں فلاں کام نہ کروں گا تو یہ قسم نہیں بلکہ وعدہ ہے توڑنے

پر کفارہ نہیں، البتہ جائز وعدہ پورا کرنے کا حکم ہے۔

قسم میں یہ بھی ضروری ہے کہ قسم کھانے والا عاقل و بالغ ہو اور اتنی آواز میں قسم کھائے کہ اپنے کان سن لیں۔ قسم کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو دو وقت کا کھانا کھلائے ،جنہیں صبح کھلایا ہے انہی کو شام کو کھلائے، یا دس مسکینوں کو دس صدقہ فطر دے یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنائے۔ قسم کے کفارے کے متعلق قرآن پاک میں ہے ﴿فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ﴾ ترجمہ کنز الایمان: تو ایسی قسم کا بدلہ دس مسکینوں کو کھانا دینا اپنے گھر والوں کو جو کھلاتے ہو اس کے اوسط میں سے یا انہیں کپڑے دینا یا ایک بردہ (غلام) آزاد کرنا تو جو ان میں سے کچھ نہ پائے تو تین دن کے روزے یہ بدلہ ہے تمہاری قسموں کا جب قسم کھاؤ۔

(سورۃ المائدہ،سورت5،آیت 89)

فی زمانہ زیادہ آسان دس مسکینوں کو دس صدقہ فطر دینا ہے یعنی ہر فقیر کو 2 کلو سے 80 گرام کم (یعنی تقریبا دو سیر) گندم یا اس کا آٹا یا اس کی قیمت دیدے۔ اس دور میں ہر کوئی اتنی تو ضرور استطاعت رکھتا ہے کہ قسم کے کفارے میں دس صدقہ فطر دیدے، البتہ اگر کوئی اتنی طاقت نہیں رکھتا صرف اس کے لئے اجازت ہے کہ وہ تین روزے لگا تار رکھے۔ ہدایہ میں ہے" فان لم یقدر علی احد الاشیاء صام ثلاثۃ ایام متتابعات " ترجمہ: اگر مذکورہ تین کاموں میں سے کسی کی قدرت نہ ہو تو پھر لگا تار تین دن کے روزے رکھنے ہوں گے۔ (ہدایہ مع فتح القدیر، کتاب الایمان، جلد2، صفحہ319، دار احیاء التراث العربی ، بیروت)

شرعی طور پر معاملات میں قسم مدعی علیہ سے لی جاتی ہے یعنی ایک نے دوسرے پر دعوی کیا کہ اس نے مجھ سے اتنے پیسے لئے ہیں اور دوسرا ان پیسوں کے لینے کا انکار کرتا

ہے تو دعویٰ کرنے والا دو گواہ لائے گا ورنہ جس پر دعویٰ ہے وہ قسم کھا کر کہے گا کہ میں نے یہ پیسے نہیں لئے۔ آجکل پنچائتی نظام میں دو بندوں کے معاملہ میں تیسرے سے قسم لی جاتی ہے کہ تم اس کی طرف سے قسم کھاؤ کہ یہ سچا ہے، یہ طریقہ خلاف شرع ہے۔

فصلِ سوئم: منّت اور اسکے متعلق رائج رسم و رواج

منت اردو کا لفظ ہے عربی میں اسے نذر کہتے ہیں۔ منت کا مطلب ہے نیت ،نیاز، بھینٹ۔ عبادات میں منت کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ احادیث میں منت کا جواز ثابت ہے۔ منت میں یہ نہیں ہوتا کہ جو قسمت میں نہ ہو وہ منت سے مل جاتا ہے بلکہ ملتا تب بھی وہی ہے جو قسمت میں ہو البتہ یہ ضرور ہوتا ہے کہ اس سے دوسرے غریبوں کا بھلا ہو جاتا ہے۔ مسلم شریف کی حدیث پاک ہے "عن أبي هريرة أن النبي صلى الله عليه وسلم قال إن النذر لا يقرب من ابن آدم شيئا لم يكن الله قدره له، ولكن النذر يوافق القدر، فيخرج بذلك من البخيل ما لم يكن البخيل يريد أن يخرج" ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ منت بنی آدم کو اس چیز کے قریب نہیں کر دیتی جو چیز اسکی قسمت میں رب تعالیٰ نے نہیں لکھی بلکہ منت قسمت کے موافق ہوتی ہے۔ پس منت بخیل سے پیسے خرچ کروا دیتی ہے جس کے خرچ کرنے کا وہ ارادہ نہیں رکھتا۔ (یعنی انسان اس منت کے ادائیگی میں پیسے خرچ کر دیتا ہے)

(صحيح مسلم، كتاب النذر، باب النهي عن النذر وأنه لا يرد شيئا، جلد3، صفحہ1260، دار إحياء التراث العربي ، بيروت)

منت میں یہ ضروری ہے کہ وہ واجب کی جنس سے ہو یعنی وہ عبادات جو واجب ہیں ان کی جنس سے ہوں جیسے نماز، روزہ، حج، اعتکاف، قربانی وغیرہ کی منت مانگی تو منت

پوری ہونے پراسے پورا کرنا واجب ہوگا۔فتاوی ہندیہ میں ہے"ان النذر لایصح الا بشروط احدھماان یکون الواجب من جنسه شرعاًفلذلك لم یصح النذر بعبادة المریض۔۔والرابع ان لایکون المنذور معصیةًباعتبار نفسه ھکذا فی البحر الرائق" ترجمہ:منت چندشرائط کے ساتھ درست ہوتی ہے،ان میں سےایک شرط یہ ہے کہ جس چیز کی نذر مان رہے ہیں شرعاً وہ واجب کی جنس سے ہو،اس لئے مریض کی عیادت کرنے کی نذر درست نہیں۔ایک شرط یہ ہے کہ جس چیز کی نذر مان رہے ہیں وہ فی نفسہ گناہ کا کام نہ ہو۔اسی طرح بحرالرائق میں ہے۔

(فتاوی ہندیه، کتاب الصوم ،الباب السادس فی النذر، جلد1،صفحه208،دارالفکر،بیروت)

جوعبادت واجب کی جنس سے نہیں غیرمقصودہ ہے اس کی منت شرعی نہیں جیسے وضو،غسل،مسجد میں داخل ہونے،قرآن کو چھونے،مسجد کی تعمیر،جنازہ اٹھانے وغیرہ کی منت۔بعض لوگ بزرگوں کے مزار پرلنگر تقسیم کرنے کی منت مانگتے ہیں،محفل میلاد کی منت مانگتے ہیں،گیارہویں شریف کی منت مانگتے ہیں۔یہ سب منتیں واجبات سے نہیں ہیں یعنی ان کو پورا کرنا واجب نہیں ہے البتہ پورا کرنا بہتر ہے۔بہارشریعت میں ہے:"مسجد میں چراغ جلانے یا طاق بھرنے یا فلاں بزرگ کے مزار پر چادر چڑھانے یا گیارھویں کی نیاز دلانے یا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا توشہ یا شاہ عبدالحق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا توشہ کرنے یا حضرت جلال بخاری کا کونڈا کرنے یا محرم کی نیاز یا شربت یا سبیل لگانے یا میلاد شریف کرنے کی منت مانی تو یہ شرعی منت نہیں مگر یہ کام منع نہیں ہیں کرے تو اچھا ہے۔ہاں البتہ اس کا خیال رہے کہ کوئی بات خلاف شرع اسکے ساتھ نہ ملائے مثلاً طاق بھرنے میں رت جگا ہوتا ہے جس میں کنبہ اور رشتہ کی عورتیں اکٹھا ہو کر گاتی بجاتی ہیں کہ یہ حرام ہے یا چادر چڑھانے کے لئے لوگ تاشے باجے کے ساتھ جاتے ہیں یہ ناجائز ہے یا مسجد میں چراغ

جلانے میں بعض لوگ آٹے کا چراغ جلاتے ہیں یہ خواہ مخواہ مال ضائع کرنا ہے اور ناجائز ہے مٹی کا چراغ کافی ہے۔اور گھی کی بھی ضرورت نہیں مقصود روشنی ہے وہ تیل سے حاصل ہے۔رہا یہ کہ میلاد شریف میں فرش و روشنی کا اچھا انتظام کرنا اور مٹھائی تقسیم کرنا یا لوگوں کو بُلاوا دینا اور اس کے لئے تاریخ مقرر کرنا اور پڑھنے والوں کا خوش الحانی سے پڑھنا یہ سب باتیں جائز ہیں البتہ غلط اور جھوٹی روایتوں کا پڑھنا منع ہے پڑھنے والے اور سننے والے دونوں گنہگار ہونگے۔" (بہارشریعت ،جلد1،حصه9،صفحه20،ضیاء القرآن،لاہور)

تفسیر روح البیان میں ہے"و نذر الزیت والشمع للاولیاء یوقد عند قبورھم تعظیما لھم و محبة فیھم جائز ایضا لا ینبغی النھی عنه"ترجمہ:اولیاء کے مزارات پران کی تعظیم اور محبت میں زیتون کے تیل اور شمع رکھنے کی منت مانگنا جائز ہے۔لوگوں کو اس سے منع کرنا مناسب نہیں۔

(روح البیان، فی التفسیر سورۃ التوبه، سورت9،آیت18،جلد3،صفحه400،دارالفکر،بیروت)

جبکہ وہابی حضرات حسبِ عادت اسے بھی شرک کہتے ہیں:"نذریں ماننا اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا یا نذریں ماننا اپنے رب وخالق کی عبادت میں شرک اور دخل اندازی کرنا ہے۔" عقیدہ یا جہالت،صفحه 67،الدارالسلفیه)

بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا معجزہ دلانے کی بھی منت مانگنے کا رواج ہے جس میں جھوٹی روایات پڑھی جاتی ہیں۔یہ درست نہیں۔معجزہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے غیر نبی سے کرامت ہوتی ہے۔لہذا اس طرح معجزات دلانے کی منت نہیں مانگنی چاہئے۔البتہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ایصال ثواب کے لئے محفل منعقد کی جائے اور اس میں قرآن پاک کی تلاوت و ذکر کیا جائے تو حرج نہیں۔بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے معجزہ میں یہ بھی رائج ہے کہ صرف عورتوں کو کھلایا جاتا ہے مردوں کو نہیں۔یہ

طریقہ بھی درست نہیں۔فتاوٰی رضویہ میں ہے:''فاتحہ وایصال ثواب کے لیے کھانے کا پیش نظر ہونا کچھ ضرور نہیں، یہ اس پیش امام کی غلطی تھی۔اور حضرت خاتون جنت کی نیاز کا کھانا پردے میں رکھنا اور مردوں کو نہ کھانے دینا یہ عورتوں کی جہالتیں ہیں انھیں اس سے باز رکھا جائے۔''

(فتاوٰی رضویہ ،جلد9،صفحہ611،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

اسی طرح بعض لوگ ناجائز کاموں کی منتیں مانگتے ہیں جیسے بچے کے سر پر چوٹی رکھنے کی منت مانگنے کی رسم رائج ہے۔مفتی اعظم ہند مصطفٰے رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:''چوٹی لڑکے کے سر پر رکھنا ناجائز ہے اور لڑکی کے سر پر بھی ایسی چوٹی ناجائز ہے جو ہندوؤں کی چوٹیا ہو۔''

(فتاوٰی مصطفویہ،صفحہ467،شبیربرادرز،لاہور)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:''بعض جاہل عورتوں میں دستور ہے کہ بچے کے سر پر بعض اولیائے کرام کے نام کی چوٹی رکھتی ہیں اور اس کی کچھ میعاد مقرر کرتی ہیں۔اس میعاد تک کتنے ہی بار بچے کا سر منڈے وہ چوٹی برقرار رکھتی ہیں۔پھر میعاد گزار کر مزار پر لیجا کر وہ بال اتارتی ہیں۔تو یہ ضرور محض بے اصل و بدعت ہے۔''

(فتاوٰی افریقہ،صفحہ53،مکتبہ غوثیہ ،کراچی)

ناجائز منت کا پورا کرنا بھی ناجائز ہے۔بہارشریعت میں ہے:''محرم میں بچوں کو فقیر بنانے اور بدھی پہنانے اور مرثیہ کی مجلس کرنے اور تعزیوں پر نیاز دلوانے وغیرہ خرافات جو روافض اور تعزیہ دار لوگ کرتے ہیں ان کی منت سخت جہالت ہے ایسی منت ماننی نہ چاہیے اور مانی ہو تو پوری نہ کرے۔''

(بہار شریعت،جلد1،حصہ9،صفحہ20،ضیاء القرآن،لاہور)

فصلِ چہارم:شادی کی رسومات

شریعت مطہرہ نے زندگی گزارنے میں ہماری بہترین رہنمائی فرمائی ہے چنانچہ شادی کرنے کا حکم دیا کہ اس میں بڑی عافیت اور دین ودنیا کی بہتری ہے۔بلکہ نکاح سے تنگ دستی بھی دور ہوتی ہے کہ بیوی بچے اپنے نصیب کا رزق ساتھ لاتے ہیں۔حدیث پاک میں ہے"عن عائشة قالت قال النبی صلی اللہ علیه و سلم تزوجوا النساء فإنهن یأتین بالمال" ترجمہ:حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عورتوں سے نکاح کرو کہ وہ مال ساتھ لاتی ہیں۔

(کنز العمال، کتاب النکاح ،الترغیب فیه ،جلد16،صفحه693، مؤسسة الرسالة ،بیروت)

نکاح سنت مؤکدہ ہے لیکن کبھی واجب اور کبھی فرض بھی ہوجاتا ہے اور کبھی مکروہ اور حرام بھی ہوجاتا ہے۔بہارشریعت میں ہے:''اعتدال کی حالت میں یعنی نہ شہوت کا بہت زیادہ غلبہ ہو نہ عنین (نامرد) ہو اور مہر ونفقہ پر قدرت بھی ہو تو نکاح سنتِ مؤکدہ ہے کہ نکاح نہ کرنے پر اڑا رہنا گناہ ہے اور اگر حرام سے بچنا یا اتباعِ سنت و تعمیلِ حکم یا اولاد حاصل ہونا مقصود ہے تو ثواب بھی پائے گا اور اگر محض لذّت یا قضائے شہوت منظور ہو تو ثواب نہیں۔شہوت کا غلبہ ہے کہ نکاح نہ کرے تو معاذ اللہ اندیشۂ زنا ہے اور مہر ونفقہ کی قدرت رکھتا ہو تو نکاح واجب۔یونہی جبکہ اجنبی عورت کی طرف نگاہ اٹھنے سے رُک نہیں سکتا یا معاذ اللہ ہاتھ سے کام لینا پڑے گا تو نکاح واجب ہے۔اگر یہ یقین ہو کہ نکاح نہ کرنے میں زنا واقع ہوجائے گا تو فرض ہے کہ نکاح کرے۔اگر یہ اندیشہ ہے کہ نکاح کرے گا تو نان نفقہ نہ دے سکے گا یا جو ضروری باتیں ہیں ان کو پورا نہ کرسکے گا تو مکروہ ہے اور ان باتوں کا یقین ہو تو نکاح حرام۔مگر نکاح بہرحال ہوجائے گا۔''

(بہارشریعت،جلد1،حصہ7،صفحہ6،ضیاء القرآن،لاہور)

پھر رشتہ کہاں کرنا چاہئے اس کی بھی رہنمائی فرمائی اور اس میں دیندار کو انتخاب کرنے کا کہا گیا چنانچہ ابن ماجہ کی حدیث پاک ہے "عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه و سلم، قال تنكح النساء لأربع لمالها، ولحسبها، ولجمالها، ولدينها، فاظفر بذات الدين" ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عورت سے چار وجوہ سے نکاح کیا جاتا ہے: اسکے مال، اسکے حسب، اسکی خوبصورتی اور اس کے دین کے سبب۔ تو دین کو ترجیح دو۔

(ابن ماجہ، كتاب النكاح، باب تزويج ذات الدين، جلد01، صفحہ597، دار إحياء الكتب العربية)

یعنی حسب ونسب، خوبصورتی اور مال ودولت سے زیادہ دیندار عورت کا انتخاب کیا جائے۔ تا کہ نیک کاموں میں وہ تعاون کرے اور اولاد پر بھی اچھے اثرات مرتب ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کی "يا رسول الله، أي المال نتخذ؟ فقال: ليتخذ أحدكم قلبا شاكرا، ولسانا ذاكرا، وزوجة مؤمنة، تعين أحدكم على أمر الآخرة" ترجمہ: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم کس طرح کے مال کو اختیار کریں؟ تو ارشاد فرمایا: دل کو شکر گزار بناؤ، زبان کو اللہ عزوجل کے ذکر میں مصروف رکھو اور نیک عورت کا انتخاب کرو جو نیکی کے کاموں میں مدد کرنے والی ہو۔

(سنن ابن ماجہ، كتاب النكاح، باب افضل النساء، جلد01، صفحہ596، دار إحياء الكتب العربية)

شوہر کی غیر موجودگی میں اس کی عزت و مال کی حفاظت کرنے والی ہو نہ یہ کہ پیچھے سے غیر مردوں سے منہ کالا کرتی پھرے۔ حدیث پاک میں ہے "عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان يقول: ما استفاد المؤمن بعد تقوى الله خيرا له من زوجة صالحة --- وإن غاب عنها نصحته في نفسها وماله" ترجمہ: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم نے فرمایا: تقوی کے بعد مومن کے لئے نیک بیوی سے بڑھ کر کوئی نفع مند شے نہیں کہ جب شوہر غائب ہو تو اس کی عزت و مال کی حفاظت کرے۔

(سنن ابن ماجہ، كتاب النكاح، باب افضل النساء، جلد01، صفحہ596، دار إحياء الكتب العربية)

جبکہ موجودہ دور میں رشتہ کرتے وقت دین داری کا تو تصور نہیں ہوتا بلکہ اگر لڑکے نے داڑھی رکھی ہو تو کہا جاتا ہے داڑھی منڈوائے گا تو شادی کریں گے۔ بس مال و دولت ہی دیکھی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شادیاں کامیاب نہیں ہوتیں۔ عشق ومعشوقی میں کورٹ میرج کر لی جاتی ہے یہ بھی پتہ نہیں ہوتا عورت ومرد کا عقیدہ ونسب کیا ہے۔ گندے خاندان میں نکاح کر کے اپنی نسل خراب کر لی جاتی ہے۔ حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ اچھے خاندان میں نکاح کرو تا کہ اچھے اخلاق کے بچے ہوں چنانچہ ابن ماجہ کی حدیث پاک ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تخيروا لنطفكم فانكحوا الا كفاء وانكحوا اليهم وفي لفظ فان النساء يلدن اشباه اخوانهن واخواتهن" ترجمہ: اپنے نطفے کے لئے اچھی جگہ تلاش کرو۔ کفو (برابر کے خاندان) میں بیاہ ہو اور کفو سے بیاہ (شادی) کرلاؤ کہ عورتیں اپنے ہی کنبے کے مشابہ جنتی ہیں۔

(سنن ابن ماجہ، ابواب النكاح، باب الاكفاء، جلد01، صفحہ633، دار إحياء الكتب العربية)

بد اخلاق، بے حیا، بے دین سے نکاح کیا جائے گا تو اولاد بھی ایسی ہو گی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تزوجوا في الحجز الصالح فان العرق دساس" ترجمہ: اچھی نسل میں شادی کرو کہ رگِ خفیہ اپنا کام کرتی ہے۔

(كنز العمال، كتاب المواعظ۔۔ الباب الثالث في آداب النكاح، جلد 16، صفحہ304، مؤسسة الرسالة، بيروت)

یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ ماں باپ اپنے بچے یا بچی کی شادی بد مذہبوں سے

کر دیتے ہیں جو گستاخ رسول، گستاخ صحابہ اور گستاخ اولیاء ہوتے ہیں۔اسی وجہ سے اولاد میں بھی وہی بدمذہبی والے جراثیم ہوتے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدمذہبوں سے نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے چنانچہ فرمایا"فلا تناکحوهم ولا تواکلوهم ولا تشاربوهم ولا تصلوا معهم ولا تصلوا عليهم" ترجمہ:ان(یعنی بدمذہبوں) کیساتھ نہ نکاح کرو، نہ ان کے ساتھ کھاؤ، نہ پیو، ان کے ساتھ نماز نہ پڑھو اور نہ ان کی نماز جنازہ پڑھو۔

(کنزالعمال، کتاب الفضائل،الإکمال من فضائل الصحابة اجمالا ،جلد 11،صفحہ765، مؤسسة الرسالة ،بیروت)

بدمذہب کی توہین لازمی ہے نہ کہ اسے اپنا داماد بنا کر اس کی عزت وتکریم کی جائے۔حدیث پاک میں ہے "عن عبد الله بن بشير رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله عليه وآله وسلم من وقر صاحب بدعة فقد اعان على هدم الاسلام" ترجمہ:عبداللہ بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو کسی بدمذہب کی توقیر کرے اس نے اسلام کے ڈھانے میں مدد دی۔

(المعجم الاوسط ،باب الميم،من اسمه محمد، جلد 7،صفحہ 35 ،دار الحرمين ،القاہرۃ)

بعض لوگ دل کو تسلی دیتے ہوئے یہ کہہ کر شادی کر لیتے ہیں کہ اسے بعد میں سنی بنالیں گے، پھر یا تو خود بدمذہب ہو جاتے ہیں یا اولاد بدمذہب ہو جاتی ہے۔امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:"غیر مذہب والیوں کی صحبت آگ ہے ذی علم عاقل بالغ مردوں کے مذہب اس میں بگڑ گئے ہیں،عمران بن حطان رقاشی کا قصہ مشہور ہے یہ تابعین کے زمانہ میں ایک بڑا محدث تھا خارجی مذہب کی عورت کی صحبت میں معاذ اللہ خود خارجی ہو گیا اور یہ دعویٰ کیا تھا کہ اسے سنی کرنا چاہتا ہے۔جب صحبت کی یہ حالت تو استاد بنانا کس

درجہ بدتر ہے کہ استاد کا اثر بہت عظیم اور نہایت جلد ہوتا ہے اور پھر کمسن لڑکیاں کچی لکڑی جدھر کو پھیری گئی پھر جائیں گی،تو غیر مذہب عورت کی سپردگی یا شاگردی میں اپنے بچوں کو وہی دے گا جو آپ دین سے واسطہ نہیں رکھتا اور اپنے بچوں کے بددین ہو جانے کی پرواہ نہیں رکھتا۔" (فتاوی رضویه ،جلد23،صفحہ695،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

جس کی بدمذہبی حدِ کفر تک پہنچی ہو اس سے نکاح ہی باطل ہے جیسے قادیانیوں سے نکاح کرنا۔

پھر نکاح کے بعد شریعت نے مرد و عورت دونوں کو ایک دوسرے کے حقوق پورے کرنے کی تلقین کی ہے۔مرد پر لازم ہے کہ وہ عورت کے نان ونفقہ کو پورا کرے،اسے مجبور نہ کرے کہ اپنے ماں باپ سے پیسے یا فلاں چیز لے کر آؤ۔عورت پر لازم ہے کہ وہ شوہر کی خدمت کرے شوہر کے لئے کھانا پکانا، اس کے کپڑے دھونا،گھر کی صفائی کرنا،بچوں کی پرورش کرنا وغیرہ یہ سب عورت پر دیانۃً واجب ہے۔اگر شوہر صحبت کے لئے بلائے تو اپنے آپ کو اس کے حوالے کرے ورنہ سخت گناہ گار ہے۔ابوداؤد شریف کی حدیث پاک ہے"عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال إذا دعا الرجل امرأته إلى فراشه فأبت، فلم تأته فبات غضبان عليها، لعنتها الملائكة حتى تصبح" ترجمہ:حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب شوہر اپنی بیوی کو بستر پر بلائے اور وہ انکار کرے،شوہر ساری رات ناراض رہے تو صبح تک عورت پر فرشتے لعنت کرتے رہتے ہیں۔

(سنن ابی داؤد،باب فی حق الزوج علی المرأة،جلد2،صفحہ244،المکتبة العصریة،بیروت)

ابوداؤد طیالسی کی حدیث پاک ہے"عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم، أن امرأة أتته، فقالت ما حق الزوج على امرأته؟ فقال لا تمنعه نفسها

وإن كانت على ظهر قتب، ولا تعطى من بيته شيئا إلا بإذنه، فإن فعلت ذلك كان له الأجر وعليها الوزر، ولا تصوم تطوعا إلا بإذنه، فإن فعلت أثمت، ولم تؤجر، وأن لا تخرج من بيته إلا بإذنه فإن فعلت لعنتها الملائكة ملائكة الغضب وملائكة الرحمة حتى تتوب أو تراجع قيل وإن كان ظالما؟ قال وإن كان ظالما" ترجمہ:ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے ایک عورت نے پوچھا شوہر کا بیوی پر کیا حق ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شوہر کا حق عورت پر یہ ہے کہ اپنے نفس کو اس سے نہ روکے اگرچہ وہ کجاوے (اونٹ کی کاٹھی جس پر دو شخص ایک دوسرے کے مقابل بیٹھے ہوں) پر ہو۔ شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے گھر میں سے کوئی چیز کسی کو نہ دے۔ اگر اس نے ایسا کیا تو شوہر کے لئے ثواب اور عورت کے لئے گناہ ہے۔ سوائے فرض کے کسی دن بغیر اس کی اجازت کے روزہ نہ رکھے۔ اگر ایسا کیا یعنی بغیر اجازت روزہ رکھ لیا تو گنہگار ہوئی اور کوئی ثواب نہیں۔ بغیر اجازت اس کے گھر سے نہ جائے۔ اگر ایسا کیا تو جب تک توبہ نہ کرے یا نہ لوٹے تو رحمت اور عذاب والے فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں۔ عرض کی گئی اگرچہ شوہر ظالم ہو؟ فرمایا اگرچہ ظالم ہو۔

(ابوداؤد طیالسی،عطاء بن أبی رباح عن ابن عمر،جلد3،457،دار ہجر ،مصر)

ستارے ملا کر رشتہ کرنا

ایک رسم رائج ہونا شروع ہوگئی ہے کہ رشتہ طے کرتے وقت لڑکا اور لڑکی کے ستارے ملائے جاتے ہیں۔ ان ستاروں کو ملانے والے مخصوص عامل قسم کے لوگ ہوتے ہیں جو الٹا سیدھا حساب لگا کر کہتے ہیں کہ یہ رشتہ صحیح رہے گا یا نہیں۔ یہ بالکل غیر شرعی اور ہندوانہ رسم ہے۔ ستاروں کا نکاح و تقدیروں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ صحیح بخاری شریف

میں ہے "قال قتادة ﴿ولقد زينا السماء الدنيا بمصابيح﴾ خلق هذه النجوم لثلث: جعلها زينة للسماء ورجوما للشياطين وعلامات يهتدى بها فمن تاول فيها بغير ذلك اخطاء واضاع نصيبه وتكلف مالاعلم له به" ترجمہ: حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا (اللہ عزوجل کا ارشاد ہے) اور بلاشبہ ہم نے قریب کے آسمان کو چراغوں سے مزین فرمایا۔ یہ ستارے تین فائدے کے لئے پیدا گئے ہیں: ۔آسمان کی زینت کے لئے اور شیطانوں کو سنگسار کرنے کے لئے اور علامتیں ہیں جن سے راستہ جانا جاتا ہے۔ جس نے ان کے علاوہ اور کوئی تاویل کی اس نے غلطی کی اور علم سے اپنا حصہ ضائع کر دیا اور اس کا تلف کیا جس کا اسے علم نہیں۔

(صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق ،باب فی النجوم، جلد4 صفحہ107،دار طوق النجاۃ،مصر)

مذکورہ حدیث شریف کے تحت فقیہ اعظم ہند حضرت علامہ مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''علم نجوم حق ہے مگر اس میں مشغول ہونا اب منسوخ ہے۔ ستاروں کی وضع رفتار دیکھ کر آئندہ کی بات بتانا ممنوع ہے اور ستاروں کو اس میں بالذات مؤثر جاننا کفر۔ لیکن ان کو علامات سمجھ کر کوئی قیاس کرنا کفر تو نہیں مگر لایعنی ہے۔ بڑے بڑے رمّال وجفّار نجومیوں جوتشیوں کی باتیں آئے دن غلط ثابت ہوتی رہتی ہیں، ہندو شادی کی لگن پر بڑا اعتماد رکھتے ہیں۔ مگر کیا ان کی ہر شادی راس آتی ہے؟ جو حال مسلمانوں کا ہے وہی حال ہندوؤں کا ہے۔ فرق یہ ہے کہ مسلمانوں کے یہاں طلاق کی وجہ سے نااتفاقی کی تشہیر ہوجاتی ہے۔ ان کے یہاں طلاق نہیں۔ اس لئے بہرصورت بہر قیمت مردوں کو اپنی بیویاں رکھنا پڑتا ہے۔ ہندوؤں کی داستان کے بموجب رام چندر کی شادی کی ساعت اس وقت کے سب سے بڑے جوتشی نے نکالی تھی۔ مگر انجام یہ ہوا کہ ان کی شادی کے بعد ان پر طرح طرح کے مصائب نازل ہونے لگے۔ بن باس

ہوئے۔راون سیتا کو اٹھا کر لے گیا جنگ کرنی پڑی،اجودھیا واپس آ کر تخت پر بیٹھے تو بھی چین نہ ملا۔بالآخر سرجوندی میں ڈوب کر مکتی حاصل کی۔''

(نزهة القاری شرح صحیح البخاری، جلد4،صفحه 291، فرید بك سٹال، لاہور)

کسی مخصوص مہینہ یا دن میں شادی نہ کرنا

اکثر لوگ محرم و صفر میں منگنی، شادی، رخصتی کرنے کو منحوس سمجھتے ہیں۔یہ نظریہ بالکل غیر شرعی ہے کوئی دن کوئی مہینہ منحوس نہیں۔صدر الشریعہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:''ماہ صفر کو لوگ منحوس جانتے ہیں اس میں شادی بیاہ نہیں کرتے لڑکیوں کو رخصت نہیں کرتے اور بھی اس قسم کے کام کرنے سے پرہیز کرتے ہیں اور سفر کرنے سے گریز کرتے ہیں خصوصا ماہ صفر کی ابتدائی تیرہ تاریخیں بہت زیادہ نحس مانی جاتی ہیں اور انکو تیرہ تیزی کہتے ہیں یہ سب جہالت کی باتیں ہے حدیث میں فرمایا کہ صفر کوئی چیز نہیں یعنی لوگوں کا اسے منحوس سمجھنا غلط ہے۔''

(بہار شریعت،جلد2، حصه 16، صفحه159،ضیاء القرآن،لاہور)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے ملفوظات میں سوال ہوا:''کیا محرم و صفر میں نکاح کرنا منع ہے؟''فرمایا:''نکاح کسی مہینہ میں منع نہیں۔یہ غلط مشہور ہے۔''

(ملفوظات ،حصه اول،صفحه95،المکتبة المدینه ،کراچی)

اگر صفر و محرم میں نکاح کامیاب نہیں تو کیا جو دوسرے مہینوں میں نکاح ہوتے ہیں ان میں طلاق نہیں ہوتی؟لہذا مسلمانوں کو اس نظریہ کو ختم کرنا چاہئے۔

منگنی کی رسم

منگنی کا مطلب ہے شادی کی نسبت یعنی لڑکے اور لڑکی کو شادی کے لئے منسوب کر دینا۔آجکل منگنی کی رسم یوں ادا کی جاتی ہے کہ باقاعدہ اس کی تقریب ہوتی ہے لڑکا لڑکی کو انگوٹھی پہناتا ہے۔مردوں عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے۔گانا باجا اور ناچ گانا ہوتا ہے۔اس

کے بعد لڑکا لڑکی فون پر باتیں اور ملاقاتیں کرتے ہیں وغیرہ یہ سب غیر شرعی حرکات ہیں۔منگنی کی حیثیت ایک وعدے کی سی ہے۔لہذا فقط منگنی سے وہ میاں بیوی نہیں ہو جاتے بلکہ اجنبی ہوتے ہیں اور اجنبی مرد و عورت کا ایک دوسرے کے ہاتھ پاؤں چھونا جائز نہیں۔امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں:''اجنبی جوان عورت کو جوان مرد کے ہاتھ پاؤں چھونا جائز نہیں اگرچہ پیر ہو۔''

(فتاوی رضویه ،جلد22،صفحه245،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

الفقہ الاسلامی میں ہے"بينا أن الخطبة ليست زواجا، وإنما هي مجرد وعد بالزواج، فلا يترتب عليها شيء من أحكام الزواج، ولا الخلوة بالمرأة أو معاشرتها بانفراد؛ لأنها ما تزال أجنبية عن الخاطب، وقد نهى الرسول صلى الله عليه وسلم في الأحاديث السابقة عن الخلوة بالأجنبية وعن الجلوس معها إلا مع محرم كأبيها أو أخيها أوعمها، ومن تلك الأحاديث لا يخلون رجل بامرأة لا تحل له، فإن ثالثهما الشيطان، إلا محرم" ترجمہ:منگنی نکاح نہیں ہے فقط شادی کا ایک وعدہ ہے۔اس پر میاں بیوی والے احکام لاگو نہیں ہوں گے۔اس عورت کے ساتھ خلوت یا انفرادی طور پر ملنا جلنا درست نہیں کہ منگنی سے وہ عورت اس کے لئے غیر اجنبیہ نہیں ہوئی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجنبیہ عورت کے ساتھ خلوت اور اس کے ساتھ بیٹھنے سے منع فرمایا ہے مگر یہ کہ اس عورت کے ساتھ اس کا باپ یا بھائی یا چچا ہو۔ان احادیث میں ہے کہ مرد کا عورت کے ساتھ خلوت حلال نہیں، کہ ان دونوں میں تیسرا شیطان ہوتا ہے،سوائے محرم کے۔

(الفقه السلامی والادلة،جلد9،صفحه18،دار الفکر ،سوريّة ،دمشق)

ماں باپ، بہن بھائی اور قریبی رشتہ داروں پر لازم ہے کہ وہ اس غیر شرعی حرکات

کو روکنے کی کوشش کریں۔اگر منگنی کی رسم شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے کی جائے کہ لڑکے کی ماں یا بہن لڑکی کو انگوٹھی پہنائے، گانے باجے، مردوں عورتوں کا اختلاط نہ ہو تو یہ جائز ہے۔آج کل بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ جس سے منگنی ہو اس سے باتیں اور ملاقاتیں جائز کرنے کے لئے چپکے سے اس کے ساتھ نکاح کر لیتے ہیں۔اس کا بہت نقصان ہو سکتا ہے کہ بعض اوقات کسی وجہ سے منگنی ٹوٹ جاتی ہے اور لڑکی والے فوراً کسی اور جگہ لڑکی کا نکاح کر دیتے ہیں جبکہ وہ لڑکی کسی اور کے نکاح میں ہوتی ہے۔اگر اس طرح جب چپکے سے نکاح کر لیا جائے تو پھر اس لڑکی سے صحبت بھی کر لی جاتی ہے کہ اب میری بیوی ہے۔اگر اسی حالت میں حمل ہو جائے تو خاندان والوں کی بھی بے عزتی ہوتی ہے۔

بعض لوگ دوسروں کی منگنی تڑوا کے اپنے عزیز سے رشتہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ درست عمل نہیں حدیث پاک میں اس سے منع فرمایا گیا ہے بلکہ اگر کسی مسلمان نے رشتے کا پیغام دیا ہو اور ابھی انکار نہ ہوا ہو تب بھی دوسرا رشتہ پیش کرنے کی ممانعت ہے چنانچہ بخاری و مسلم کی حدیث پاک حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے" نهى النبي صلى الله عليه وسلم أن يبيع بعضكم على بيع بعض، ولا يخطب الرجل على خطبة أخيه، حتى يترك الخاطب قبله أو يأذن له الخاطب"ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی کسی خرید و فروخت میں کسی کے سودے پر سودا کرے اور اس سے بھی منع فرمایا کہ مرد اپنے بھائی کے پیغامِ نکاح پر پیغام دے یہاں تک کہ وہ نکاح کر لے یا چھوڑ دے۔

(صحيح بخاري، كتاب النكاح، باب لا يخطب على خطبة أخيه حتى ينكح أو يدع، جلد7، صفحه19، دار طوق النجاة، مصر)

جہیز

لفظ جہیز جَھَّز سے نکلا ہے جس کا مطلب ہے تیار کرنا، مہیا کرنا۔ماں باپ اپنی بچی کو شادی پر جو اشیاء دیں وہ جہیز کہلاتی ہیں۔جہیز دینا سنت ہے۔سنت متوارثہ یہی چلی آرہی ہے کہ والدین اپنی بچی کو شادی پر جہیز دیتے ہیں اور فقہاء نے اس جہیز کی شرعی حیثیت کو بھی واضح کیا ہے کہ یہ کس کی ملک ہوتا ہے۔لہذا جہیز میں سنت یہی ہے کہ اپنی خوشی سے حسبِ توفیق دیا جائے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی شہزادی خاتون جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جہیز میں کیا چیزیں دی تھیں ان کے متعلق مختلف روایات ہیں۔دلائل النبوۃ للبیہقی، السیرۃ النبویہ لابن کثیر، البدایہ والنہایہ، السنن الکبری للبیہقی، المستدرک علی الصحیحین للحاکم، کنزل العمال میں ہے اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے سنن نسائی میں با قاعدہ "جهاز الرجل ابنته" (آدمی کا اپنی بیٹی کو جہیز دینا) کے تحت حدیث پاک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کی "عن علی قال جهز رسول الله صلى الله عليه وسلم فاطمة في خميل وقربة ووسادة أدم حشوها إذخر" ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جہیز میں لحاف، مَشک، ایک چمڑے کا تکیہ جس میں درخت خرما کی چھال بھری ہوئی تھی دیا۔

(سنن نسائي، كتاب النكاح، جهاز الرجل ابنته، جلد6، صفحه135، المطبوعات الإسلامية، حلب)

وہ نبی علیہ السلام جن کو رب تعالیٰ نے خزانوں کی کنجیاں عطا فرمائی تھیں انہوں نے اتنا مختصر جہیز دے کر یہ سنت قائم کر دی کہ بیٹی کو ماں باپ حسبِ توفیق جہیز دیں۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو جہیز دیا وہ بھی سارے کا سارا آپ نے خود سے نہ دیا تھا بلکہ اس میں کچھ جہیز حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذرہ والی قیمت سے تھا۔

وہ جہیز جو سنت تھا موجودہ دور میں آزمائش بن چکا ہے کہ اس کے سبب بچیوں کی شادی نہیں ہو پاتیں ۔ مفتی وقارالدین رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں : " یہ انتہائی افسوسناک بات ہے کہ کثرت جہیز نے ایسی تکلیف دہ صورت اختیار کر لی ہے کہ جس کی وجہ سے بہت سے والدین کے لئے اپنی لڑکیوں کا رشتہ کرنا ناممکن ہوتا جا رہا ہے۔ ان کے دن کا چین اور رات کا سکون چھن گیا ہے۔ محض اس وجہ سے کہ وہ رشتہ کرنے والوں کی طرف سے منہ مانگا جہیز نہیں دے سکتے۔ ان کی زندگی اجیرن ہوگئی ہے۔ اسلامی معاشرے میں اس کو ختم کرنا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں ان لوگوں کو خاص طور پر پہلے قدم اٹھانا چاہئے جو بے تحاشا جہیز دیتے ہیں وہ آگے آئیں اور اس برائی کو ختم کرنے میں تعاون کریں اور وہ جہیز کی مقدار اتنی کم رکھیں کہ جو غریب لوگ بھی دے سکیں۔"

(وقار الفتاوی ، جلد3، صفحہ135، بزم وقارالدین، کراچی)

شرعاً لڑکی کے ماں باپ اگر اپنی خوشی سے سامان وغیرہ دیں تو جائز ہے۔ البتہ آجکل جو رائج ہے کہ لڑکے والے مخصوص چیزوں کی ڈیمانڈ کرتے ہیں نہ ملنے پر نکاح نہیں کرتے یہ سب ناجائز ہے۔ مفتی عبدالمصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "یاد رکھو کہ جہیز میں سامان کا دینا یہ ماں باپ کی محبت و شفقت کی نشانی ہے اور ان کی خوشی کی بات ہے۔ ماں باپ پر لڑکی کو جہیز دینا فرض و واجب نہیں ہے۔ لڑکی اور داماد کے لئے ہرگز ہرگز یہ جائز نہیں ہے کہ وہ زبردستی ماں باپ کو مجبور کر کے اپنی پسند کا سامان جہیز میں وصول کریں۔ ماں باپ کی حیثیت اس قابل ہو یا نہ ہو مگر جہیز میں اپنی پسند کی چیزوں کا تقاضا کرنا اور ان کو مجبور کرنا کہ وہ قرض لے کر بیٹی اور داماد کی خواہش پوری کریں یہ خلافِ شریعت بات ہے۔ بلکہ آج کل ہندوؤں کے تلک جیسی رسم مسلمانوں میں بھی چل پڑی ہے کہ شادی طے کرتے وقت ہی یہ شرط لگا دیتے ہیں جہیز میں فلاں فلاں سامان اور اتنی اتنی رقم دینی پڑے گی۔

چنانچہ بہت سے غریبوں کی لڑکیاں اس لئے بیاہی نہیں جا رہی ہیں کہ ان کے ماں باپ لڑکی کے جہیز کی مانگ پوری کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ یہ سب رسم یقیناً خلافِ شریعت ہے اور جبراً قہراً ماں باپ کو مجبور کر کے زبردستی جہیز لینا یہ ناجائز ہے۔ لہذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس بری رسم کو ختم کر دیں۔" (جنتی زیور، صفحہ111، فرینڈز پرنٹر، جہلم)

بعض قوموں میں لڑکی والے لڑکے سے پہلے پیسے لیتے ہیں پھر شادی کرتے ہیں یہ بھی ناجائز و رشوت ہے۔ مفتی جلال الدین امجدی رحمۃ اللہ علیہ فتاوٰی فیض الرسول میں ارشاد فرماتے ہیں: "لڑکا یا اس کے گھر والوں کا شادی کرنے کے لئے نقد روپیہ اور سامان جہیز مانگنا یا موٹر سائیکل اور جیپ و کار وغیرہ کا مطالبہ کرنا حرام و ناجائز ہے اس لئے کہ وہ رشوت ہے۔ فتاوٰی عالمگیری، جلد1، صفحہ 306 میں ہے "لو اخذ اهل المرأة شيأ عند التسليم فللزوج ان يسترده لانه رشوة كذا فى البحر الرائق" **یعنی عورت کے گھر** والوں نے رخصتی کے وقت کچھ لیا تھا تو شوہر کو اس کے واپس لینے کا شرعاً حق ہے اس لئے کہ وہ رشوت ہے۔ اور جب لڑکے سے لینا رشوت ہے تو لڑکی سے نکاح پر لینا بدرجہ اولیٰ رشوت ہے۔ اس لئے کہ آیت کریمہ ﴿اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُم﴾ کے مطابق نکاح کے عوض مہر کی صورت میں شوہر پر مال دینا واجب ہوتا ہے اور بیوی پر کسی حال میں نکاح کے بدلے کوئی مال واجب نہیں ہوتا لہذا نکاح پر لڑکی یا اس کے گھر والوں سے مال وصول کرنا رشوت ہی ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے "لعن رسول الله صلى الله عليه و آله و سلم الراشى والمرتشى" یعنی رشوت دینے اور لینے والے دونوں پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔ یہ ترمذی، ابوداؤد، اور ابن ماجہ کی روایت ہے۔ اور احمد و بیہقی کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رشوت لینے اور دینے والے کے درمیان واسطہ

بننے والے پر بھی لعنت فرمائی ہے۔(مشکوۃ شریف،صفحہ 226)لہذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لعنت سے بچیں اور اپنی عاقبت خراب نہ کریں۔یعنی لڑکی والوں سے نکاح کے عوض کسی چیز کا مطالبہ نہ کریں اور مانگنے کی صورت میں لڑکی والے ان کو کچھ نہ دیں۔اگر وہ لوگ نہ مانیں تو ان کے درمیان واسطہ نہ بنیں بلکہ ان کو ذلیل قرار دیں۔یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ صراحتاً یا اشارتاً مطالبہ کیا جائے اور اگر اپنی خوشی سے دیا جائے تو شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ھذا ماعندی وھوا علم بالصواب۔''

(فتاوی فیض الرسول،جلد2،صفحہ684، شبیر برادرز،لاہور)

شادی کے بعد اس قسم کا تقاضا کرنا کہ لڑکی والے مجبور ہو جائیں اور نہ دینے پر لڑکی کو طلاق دے دی جائے گی یا طعن و تشنیع سننا پڑے گا تو یہ لینا دینا رشوت ہی ہے اور ناجائز و حرام ہے۔امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے سوال ہوا"ماقولکم رحمکم اللّٰہ تعالیٰ " (اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے آپ کا کیا ارشاد ہے۔) کہ ایک لڑکی کو اُستاد نے اس کے باپ کے یہاں قرآن شریف وغیرہ پڑھایا اور اس مدتِ تعلیم میں والدِ لڑکی نے استاد کو کچھ اُجرت ومشاہیر وغیرہ نہیں دیا۔پھر بروقت شادی اس لڑکی کے استاد کو دولھا کی طرف والوں سے یعنی دولھا یا والد وغیرہ سے روپیہ دلوایا، گویا نوشاہ(دولہا) والوں نے بغرض مجبوری یا خوشی سے دیا لہٰذا اس صورت میں اس اُستاد کو وہ روپیہ لینا جائز ہوا یا از روئے شرع شریف کے ناجائز؟''

اس کے جواب میں امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:''اگر بخوشی دینا لینا جائز ہے اور مجبوری سے دیا تو حرام۔قال اللّٰہ تعالیٰ (اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے) ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ آپس میں اپنے مال ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ تمہاری رضامندی

سے تجارت اور کاروبار ہو۔واللہ تعالیٰ اعلم۔''

(فتاوی رضویہ،جلد23،صفحہ545، رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

ماں باپ جو جہیز لڑکی کو دیں وہ لڑکی کی ملکیت ہوتا ہے،اسی طرح اگر لڑکے والے لڑکی کو جو سونا، چاندی، کپڑے وغیرہ بطور ملکیت دیں،اس کی بھی مالک لڑکی ہے،شوہر جو سونا، چاندی بیوی کو بطور تحفہ دے وہ بھی لڑکی کی ملکیت ہے۔اب زکوٰۃ،فطرہ،قربانی کے احکام بھی لڑکی پر لاگو ہوں گے،شوہر پر فرض نہیں کہ وہ بیوی کی زکوٰۃ وفطرہ دے۔البتہ شوہر اگر اس کی طرف سے دے تو بہت اچھا ہے جبکہ بیوی سے اجازت لے کر ایسا کرے۔بیوی یہ نہ سوچے کہ میں زکوٰۃ،فطرہ،قربانی کہاں سے کروں،اگر بیوی اپنا کچھ سامان یا سونا بیچ کر زکوٰۃ،فطرہ،قربانی کا اہتمام کرے گی تو اجرِ عظیم بھی پائے گی اور اپنے مال کو پاک کرے گی، ان شاء اللہ مال میں برکت ہوگی، اس کا سونا و دیگر مال چوری وتلف ہونے سے بچے گا۔الترغیب والترہیب اور طبرانی نے اوسط میں فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں خشکی وتری میں جو مال تلف ہوتا ہے وہ زکوٰۃ نہ دینے سے تلف ہوتا ہے۔

(الترغیب والترہیب،کتاب الصدقات،الترہیب من منع الزکوٰۃ،جلد1،صفحہ308،دارالکتب العلمیہ،بیروت)

بعض خاندان والے اپنی بچیوں کو جہیز دے کر بعد میں جائیداد میں سے حصہ نہیں دیتے۔ایسا کرنا بالکل جائز نہیں ہے۔بیٹی کا والد کے فوت ہونے کے بعد جائیداد میں حصہ ہوتا ہے جسے ختم نہیں کیا جاسکتا۔مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''پنجاب میں یہ قانون ہے کہ ماں باپ کے مال سے لڑکی میراث نہیں پاتی۔لکھ پتی باپ کے بعد سارا مال جائیداد، مکانات سب کچھ لڑکے کا ہے۔لڑکی ایک پائی کی حق دار نہیں۔بہانہ یہ کرتے

ہیں کہ ہم لڑکی کی میراث کے بدلہ اس کی شادی دھوم دھام سے کر دیتے ہیں۔ سبحان اللہ! اپنے نام کے لئے روپیہ حرام کاموں میں برباد کرو اور لڑکی کے حصے سے کاٹو، کیوں جناب؟ آپ جو لڑکے کی شادی میں، اس کی پڑھائی لکھائی پر جو روپیہ خرچ کرتے ہیں، بی اے۔ ایم اے کی ڈگری دلواتے ہیں کیا وہ بھی فرزند کی میراث سے کاٹتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ پھر یہ عذر کیسا؟ یہ محض دھوکہ دینا ہے۔"

(اسلامی زندگی، صفحہ 33، قادری پبلیشرز، لاہور)

بعض دفعہ بہنیں وراثت میں اپنا حق لئے بغیر بھائیوں کو دے دیتی ہیں یہ بھی درست نہیں۔ اپنے حصے پر قبضہ کر کے بعد میں چاہیں تو بھائیوں کو دی سکتی ہیں بغیر قبضہ کئے خالی زبان سے کہہ کر نہیں چھوڑ سکتیں۔

رسم مائیوں

شادی سے کچھ دن پہلے مائیوں کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ جس میں لڑکی کو زرد کپڑے پہنا کر، ابٹن لگا کر گھر بٹھا دیا جاتا ہے، اب اس کا گھر سے نکلنا بند ہو جاتا ہے۔ اس گوشہ نشینی کو مائیوں بٹھانا کہا جاتا ہے۔ اگر اس رسم میں بے پردگی ناچ گانا نہ ہو تو حرج نہیں۔ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "دولھا، دلھن کو بٹنا لگانا، مائیوں بٹھانا جائز ہے ان میں کوئی حرج نہیں۔ دولھا کو مہندی لگانا ناجائز ہے۔ یونہی کنگنا باندھنا، دال بَری کی رسم کہ کپڑے وغیرہ بھیجے جاتے ہیں جائز۔"

(بہار شریعت، جلد 1، حصہ 7، صفحہ 51، ضیاء القرآن، لاہور)

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "دلہا دلہن کو خوشبو یعنی ابٹن ملا جائے تو کوئی حرج نہیں کہ یہ ابٹن ایک طرح کی خوشبو ہے اور خوشبو استعمال کرنا صحابہ کرام علیہم الرضوان سے ثابت ہے۔ لیکن ان کاموں کے ساتھ حرام رسمیں گانا بجانا، عورتوں

مردوں کا خلط ملط ہونا بیہودہ مذاق سب بند کر دیئے جائیں۔"

(اسلامی زندگی، صفحہ 26، قادری پبلیشرز، لاہور)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے سوال ہوا: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ تخمینا ماہ سوا ماہ شادی سے قبل دولھا اور دولہن کو ابٹن ملا جاتا ہے۔ اس کیلئے اپنے خویش واقارب برادری کی عورتیں بلائی جاتی ہیں۔ دولھا خود بالغ ہو یا نابالغ ان کو اکثر وہ عورتیں جن سے رشتہ مذاق کا ہوتا ہے وہی بدن وغیرہ سارے بدن میں ابٹن لگاتی ہیں اور اس کے بعد سب کو گڑ تقسیم کیا جاتا ہے۔ یہ اسراف ہے یا نہیں؟"

جواباً آپ فرماتے ہیں: "ابٹن ملنا جائز ہے اور کسی خوشی پر گڑ کی تقسیم اسراف نہیں اور دولھا کی عمر نو دس سال کی ہو تو اجنبی عورتوں کا اس کے بدن میں ابٹن ملنا بھی گناہ وممنوع نہیں۔ ہاں بالغ کے بدن میں نامحرم عورتوں کا ملنا ناجائز ہے اور بدن کو ہاتھ تو ماں بھی نہیں لگا سکتی یہ حرام اور سخت حرام ہے۔ اور عورت ومرد کے مذاق کا رشتہ شریعت نے کوئی نہیں رکھا یہ شیطانی وہندوانی رسم ہے۔"

(فتاوٰی رضویہ، جلد 22، صفحہ 245، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مائیوں کے بعد لڑکا لڑکی کو گھر سے باہر نہیں نکلنے دیا جاتا اور بعض لوگ ان کے ساتھ چھری، چاقو رکھتے ہیں تاکہ ان کو بھوت نہ چمٹ جائے، اس کی کوئی اصل نہیں۔ گھر سے باہر نکل سکتے ہیں۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ صبح شام آیت الکرسی پڑھ کر خود پر دم کر لیا جائے، بلکہ نمازی کو آسیب بفضلہٖ تعالیٰ نہیں چھوتا۔

تیل، مہندی کی رسم

اس رسم میں لڑکے کو عورتیں تیل لگاتی ہیں اور لڑکی کو مہندی لگاتی ہیں۔ تیل مہندی کی رسم کئی حرام کاموں کا مجموعہ ہے۔ ناچ گانا، نامحرموں کا چھونا، عورتوں مردوں کا اختلاط

سب اس رسم میں ہوتا ہے۔ ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا ایک مقصد گانے باجے کو ختم کرنا تھا چنانچہ مشکوۃ شریف میں بحوالہ احمد سے مروی ہے ”عن ابی امامۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم أن اللہ بعثنی رحمۃً للعالمین وھدیً للعالمین وامرنی ربی بمحق المعازف والمزامیر“ ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا بیشک میرے رب نے مجھے تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا ہے اور مجھے تمام جہانوں کیلئے ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور میرے رب نے مجھے ڈھول اور بانسری توڑنے کا حکم دیا ہے۔

(مشکوۃ شریف، کتاب الحدود، باب بیان الخمر ووعید شاربھا ،الفصل الأول، جلد2، صفحہ332، المکتب الإسلامی، بیروت)

جس فعل کو ختم کرنے کا مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہو اور ایسا کرنے پر سخت وعید ہو۔ دوسری طرف مسلمانوں کا یہ حال ہو کہ وہ اسے کرتے وقت شرم محسوس نہ کریں، ماں باپ اسے بے غیرتی نہ سمجھیں کہ ان کی بیٹی سڑک پر ناچ رہی ہے، غیر محرم مردوں کے سامنے بھنگڑے ڈال رہی ہے۔ رشتہ دار یہ کہیں کہ خوشی میں معاذ اللہ سب چلتا ہے۔ اگر تیل مہندی پر گانا باجا نہ ہو تو سمجھا جائے کہ یہ شادی نہیں جنازہ ہے۔ بلکہ اب تو بے دین قسم کے لوگ ناچ گانا کو ناجائز ہی نہیں سمجھتے بلکہ اسے جائز ثابت کرنے کے لئے یہاں تک بک دیتے ہیں کہ یہ جائز ہے حضرت داؤد علیہ السلام بھی معاذ اللہ گاتے تھے۔ جبکہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے خوبصورت آواز میں زبور شریف تلاوت کرتے تھے۔ پھر کئی ریڈی میڈ مولوی ایک حدیث پاک شادی پر گانے کے جائز ہونے پر پیش کرتے ہیں۔ اس حدیث اور اس میں پڑھا جانے والا کلام پیش خدمت ہے۔ امام بخاری اور ابن ماجہ نے

روایت کیا ”عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالٰی عنھما قال انکحت عائشۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنھا ذات قرابۃ لھا من الانصار فجاء رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم فقال اھدیتم الفتاۃ قالوا نعم قال الا ارسلتم معھا من تغنی قالت لا فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم ان الانصار قوم فیھم غزل فلو بعثتم معھا من یقول اتینکم اتینکم فحیانا وحیاکم“ ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے فرمایا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا نے قبیلہ انصار میں اپنی ایک قربتدار کا نکاح کیا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کیا تم نے اس نوجوان لڑکی کو کوئی تحفہ دیا ہے؟ گھر والوں نے عرض کی: جی ہاں، پھر فرمایا کیا تم نے اس کے ساتھ کوئی گانے والی بھیجی ہے؟ سیدہ نے عرض کی جی نہیں۔ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا انصار کچھ ایسے لوگ ہیں کہ جن میں غزلیات پڑھنے کا رواج ہے لہذا اگر تم لوگ اس دلہن کے ساتھ کوئی ایسا شخص بھیجتے جو کہتا ”اَتَیْنَاکُم اَتَیْنَاکُم فَحَیَّانَا فحیاکم“ یعنی ہم تمھارے پاس آ گئے۔ اللہ تعالی ہمیں بھی زندہ رکھے اور تمھیں بھی زندہ رکھے۔

(سنن ابن ماجہ، ابواب النکاح ،باب الغناء والدف، جلد1، صفحہ612، دار إحیاء الکتب العربیۃ)

کہاں یہ کلام جس میں دعائیہ اشعار ہیں اور کہاں عشقیہ فسقیہ میوزیکل گانے، دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ پھر تیل مہندی پر ایک دوسرے پر اشعار فٹ کئے جاتے ہیں عزتیں اچھالی جاتی ہیں یہ سب ناجائز و حرام ہے۔ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”اکثر جاہلوں میں رواج ہے کہ محلّہ یا رشتہ کی عورتیں جمع ہوتی ہیں اور گاتی بجاتی ہیں یہ حرام ہے کہ اولاً ڈھول بجانا ہی حرام پھر عورتوں کا گانا مزید برآں عورت کی آواز نامحرموں کو پہنچنا اور وہ بھی گانے کی اور وہ بھی عشق و ہجر و وصال کے اشعار یا گیت۔ جو

عورتیں اپنے گھروں میں چِلّا کر بات کرنا پسند نہیں کرتیں گھر سے باہر آواز جانے کو معیوب جانتی ہیں ایسے موقعوں پر وہ بھی شریک ہو جاتی ہیں گویا ان کے نزدیک گانا کوئی عیب ہی نہیں کتنی ہی دُور تک آواز جائے کوئی حرج نہیں۔ نیز ایسے گانے میں جوان جوان کنواری لڑکیاں بھی ہوتی ہیں ان کا ایسے اشعار پڑھنا یا سننا کس حد تک ان کے دبے جوش کو ابھارے گا اور کیسے کیسے ولولے پیدا کرے گا اور اخلاق و عادات پر اس کا کہاں تک اثر پڑے گا۔ یہ باتیں ایسی نہیں جن کے سمجھانے کی ضرورت ہو ثبوت پیش کرنے کی حاجت ہو۔'' (بہارشریعت، جلد1، حصہ7، صفحہ51، ضیاء القرآن، لاہور)

البتہ خوشی کے موقع پر صرف دف بجانے کی اجازت ہے۔ سیدی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں: ''اوقاتِ سرور میں دف جائز ہے بشرطیکہ اس میں جلاجل یعنی جھانج نہ ہوں، نہ وہ موسیقی کے تال سر پر بجایا جائے ورنہ وہ بھی ممنوع۔'' (فتاوی رضویہ، جلد24، صفحہ137، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مزید ایک جگہ سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ دف بجانے کی شرائط بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''(1) ہیئاتِ تطرب پر نہ بجایا جائے یعنی رعایت قواعد موسیقی نہ ہو ایک یہی شرط اس مروج کے منع کو بس ہے کہ ضرور تال سم پر بجاتے ہیں۔ (2) بجانے والے مرد نہ ہوں کہ ان کو مطلقاً مکروہ ہے۔ (3) عزت دار بیبیاں نہ ہوں، نص علی کل ذلك فی ردالمحتار۔'' (فتاوی رضویہ، جلد24، صفحہ141، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

پتہ چلا کہ آج کل جو دینی محافل میں دف کے ساتھ مرد حضرات جو نعتیں پڑھتے ہیں وہ بھی ناجائز ہے۔ تیل مہندی پر اجنبی عورتوں کا دولہے کو تیل لگانا بھی درست نہیں۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مرد کے لئے سر اور داڑھی کے علاوہ ہاتھ پاؤں میں مہندی لگانا اور منگنی یا

شادی میں سونا پہننا ناجائز ہے۔ شہزادہ اعلیٰ حضرت مفتی مصطفےٰ رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے دولہا کو مہندی لگانے اور کنگن باندھنے کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: ''مرد کو ہاتھ پاؤں میں مہندی لگانا ناجائز ہے۔ زیور پہننا گناہ ہے۔ کنگنا ہندوؤں کی رسم ہے یہ سب چیزیں پہلے اتروائیں پھر نکاح پڑھائیں کہ جتنی دیر نکاح میں ہو گی اتنی دیر وہ اور گناہ میں رہے گا۔ ازالہ منکر میں قدرت ہوتے ہوئے دیر خود گناہ ہے۔ باقی اگر زیور پہنے ہوئے نکاح ہوا تو نکاح ہو جائے گا۔'' (فتاویٰ مصطفویہ، صفحہ452، شبیر برادرز، لاہور)

بعض خاندانوں میں یہ ہوتا ہے کہ تیل والے دن دوست احباب شُغل کے طور پر مل کر دولہے کے کپڑے پھاڑ دیتے ہیں۔ یہ جائز نہیں کہ ایک کپڑے کا ضیائع ہے اور دوسرا بے حیائی ہے۔ اگر تیل مہندی میں یہ سب ناجائز افعال نہ ہوں تو یہ رسم جائز ہے جیسے لڑکیاں مل کر لڑکی کو مہندی لگائیں اور لڑکے کو اس کے بہن بھائی تیل لگائیں۔

دولہا اور دلہن کے ہاتھ پر گانہ باندھنا

تیل مہندی پر ایک رسم یہ ادا کی جاتی ہے کہ دولہے کو اس کے ماموں اور دلہن کو اُسکے ماموں گانہ باندھتے ہیں جو بارات تک دونوں پہنے رکھتے ہیں۔ شرعاً اس میں کوئی ممانعت نہیں۔

سہرا باندھنا، ہار پہننا

سہرا پھولوں یا موتیوں کی اس لڑی کو کہتے ہیں جو دولہے کے چہرے پر لٹکائی جاتی ہیں۔ آج کل پھولوں کے علاوہ دوسری چیزوں کا سہرا یا ہار پہنا جاتا ہے۔ شرعاً سہرا اور ہار پہننے میں کوئی قباحت نہیں یہ جائز ہے۔ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''سہرا باندھنا جائز ہے۔ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ

لِعِبَادِهٖ ﴾ ترجمہ کنزالایمان: تم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لئے نکالی۔ ہاں وہ سہرا جس میں نلکیاں ہوتی ہیں۔ جو خاص ہندوؤں میں رائج ہے ناجائز ہے۔" (فتاوی امجدیہ، جلد4، صفحہ12، مکتبہ رضویہ، کراچی)

دولہے کا سربالا

دولہے کا کسی چھوٹے بچے کو سربالا بنایا جاتا ہے جس میں کوئی حرج نہیں۔ اس میں یہ نظریہ ہوتا ہے کہ دولہے کا بھانجا سربالا نہ بنایا جائے۔ اس کی کوئی اصل نہیں بھانجا یا کوئی بھی سربالا ہوسکتا ہے۔

واگ پھرائی

یہ پنجابی کا لفظ ہے۔ گھوڑی پر جو رسی ہوتی ہے اسے واگ کہا جاتا ہے۔ پہلے زمانے میں جب لڑکا گھوڑی پر سوار ہوتا تھا تو اس کی بہن اس گھوڑی کی واگ پکڑ کر بھائی سے پیسے مانگتی تھی۔ اب اگرچہ بہنیں واگ نہیں پکڑتیں مگر اس رسم پر عمل کرتے ہوئے بھائی سے پیسے ضرور لیتی ہیں۔ یہ رسم شرعاً جائز ہے جبکہ اس میں زیادہ رقم کا مطالبہ نہ کیا جائے جو لڑکے کی حیثیت سے زائد ہو اور وہ مجبوراً دے۔ اسی قسم کی رسم کے متعلق امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے سوال ہوا: "نوشہ (دولہا) کے سر پر پگڑی رکھنے کے واسطے اس کے پھوپھا یا بہنوئی کو بلاتے ہیں جب تک یہ نہیں آتے دوسرے پگڑی نہیں رکھ سکتے، جب یہ آتے ہیں تو بغیر دس پانچ روپے لیے نہیں رکھتے، جب کم ہوتا ہے تو لینے پر انکار اور زیادتی پر اصرار کرتے ہیں، جب حسب مرضی پا لیتے ہیں تو رکھ دیتے ہیں، اور بعض پھوپھا داماد قبل لینے کے رکھ دیتے ہیں، اس کے بعد جو ملا لے لیا اور بعض کچھ اصرار کر کے اور زیادہ لیتے ہیں۔ آیا شرعاً یہ لینا دینا کیسا ہے اور اس کو ضروری حق سمجھنا اور اس پر اہتمام و اصرار کرنا کیسا

ہے؟

جواباً فرمایا: "یہ ایک مخترع رسم ہے، اسے ضروری سمجھنا ناجائز، اور اگر اصرار حد ناگواری تک ہو تو حرام ورنہ آپس کے معاملات ہیں جن پر شرع سے منع وارد نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔" (فتاوی رضویہ، جلد11، صفحہ256، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

نیوتا، (سلامی)

شادی پر دولہا کو جو پیسے دیئے جاتے ہیں اسے نیوتا، نیوندرا یا سلامی کہا جاتا ہے۔ نیوتا کی دو صورتیں ہیں ایک صورت میں یہ قرض ہے اور ایک صورت میں یہ تحفہ ہے۔ جن برادریوں میں نیوتا کو باقاعدہ لکھا جاتا ہے اور واپسی نہ ہونے پر مطالبہ کیا جاتا ہے وہاں یہ قرض ہے۔ فتاوٰی رضویہ میں ہے: "اب جو نیوتا دیا جاتا ہے وہ قرض ہے اس کا ادا کرنا لازم ہے اگر رہ گیا تو مطالبہ رہے گا اور بے اس کے معاف کئے معاف نہ ہوگا "والمسئلة فی الفتاوی الخیریة" (اور یہ مسئلہ فتاوٰی خیریہ میں موجود ہے۔) چارہ کار یہ ہے کہ لانے والوں سے پہلے صاف کہہ دے کہ جو صاحب بطور امداد عنایت فرمائیں مضائقہ نہیں مجھ سے ممکن ہوا تو اُن کی تقریب میں امداد کروں گا لیکن میں قرض لینا نہیں چاہتا۔ اس کے بعد جو شخص دے گا وہ اس کے ذمہ قرض نہ ہوگا ہدیہ ہے جس کا بدلہ ہوگیا فبہا، نہ ہوا تو مطالبہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔" (فتاوی رضویہ، جلد23، صفحہ586، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

جن برادریوں میں مطالبہ نہیں وہاں یہ ہدیہ ہے جیسا کہ مفتی وقارالدین قادری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "جن لوگوں میں برادری نظام ہے ان میں نیوتا قرض ہی شمار کیا جاتا ہے۔ وہ لکھ کر رکھتے ہیں کس نے کتنا دیا ہے۔ اس کے یہاں شادی ہونے کی صورت میں اتنا ہی واپس کرتے ہیں۔ ان برادریوں میں نیوتا قرض ہی سمجھا جاتا ہے۔ لہذا کم یا

زیادہ نہیں کر سکتے۔اصل سے زیادہ دیں گے تو وہ زیادتی سود شمار ہوگی۔اور جن برادریوں میں ایسا کوئی برادری کا قانون نہیں ہے یا غیر برادری کے لوگ دوستی،تعلقات اور عقیدت کی وجہ سے شادی میں کچھ دیتے ہیں وہ ہدیہ ہے۔''

(وقارالفتاوٰی، جلد3،صفحہ116،بزم وقارالدین ،کراچی)

ہمارے ہاں زیادہ تر نیوتا ہدیہ ہی ہوتا ہے کہ واپسی نہ کرنے پر مطالبہ نہیں ہوتا البتہ اگر کسی برادری میں ایسا ہو وہاں یہ قرض ہے اتنا ہی واپس کرنا ہوگا زیادہ دیں گے تو سود ہوگا۔شادی کے علاوہ دیگر معاملات میں بھی لینے دینے کا رواج ہے جیسے کوئی رشتہ دار عمرہ یا حج کر کے آئے تو پیسے دیئے جاتے ہیں،کسی کی سالگرہ پر جائیں تو اسے پیسے دیئے جاتے ہیں،کسی ختم میں جائیں تو کچھ لے کر جایا جاتا ہے۔یہ سب اس لئے ہی کیا جاتا ہے کہ جب کبھی ہم حج عمرہ،سالگرہ،ختم وغیرہ کریں گے تو یہ لوگ ہمیں بھی دیں گے۔ان سب کا حکم بھی سلامی ہی کی طرح ہے کہ جہاں مطالبہ کیا جاتا ہے وہاں یہ قرض کے حکم میں ہے ورنہ یہ تحفہ ہے۔

کوشش کرنی چاہئے کہ یہ لینے دینے کا نظام ختم ہو جائے کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب کسی کو سالگرہ،نیاز وغیرہ کے لئے بلایا جائے تو اس پر آزمائش آجاتی ہے وہ بجائے خوش ہونے کے غمگین ہو جاتا ہے کہ اس نے فلاں موقع پر مجھے اتنے پیسے دیئے تھے اب اگر جاؤں گا تو مجھے بھی اتنے پیسے دینے پڑیں گے،حالات کیسے بھی ہوں پیسے دینے پڑتے ہیں۔لہذا ہو سکے تو نہ پیسے لیں اور نہ دیں تاکہ لوگ خوشی کے موقع پر خوش ہو کر آئیں نہ یہ کہ مجبوراً آئیں یا آئیں ہی نہیں۔مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''حدیث پاک میں ہے کہ ایک دوسرے کو ہدیہ دو،محبت بڑھے گی۔مگر اس ہدیہ کو ٹیکس نہ بنالو کہ وہ بیچارا اس کے بغیر آ ہی نہ سکے۔''

(اسلامی زندگی،صفحہ25،قادری پبلیشرز،لاہور)

بارات پر فائرنگ وآتشبازی

شادی کے موقع پر بطور اعلان فائرنگ کرنا جائز تو ہے کہ یہ نکاح کے اعلان میں سے ہے،جس کی اجازت ہے،لیکن موجودہ دور میں عموماً فائرنگ بطور اعلان نہیں کی جاتی بلکہ بطور تفاخر ہوتی ہے،جس میں کئی مرتبہ حادثات بھی ہو جاتے ہیں اور یہ قانوناً جرم بھی ہے۔لہذا اس کی اجازت نہیں۔ایک جگہ امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا:''اے علماء کرام اللہ تعالیٰ تم پر رحم وکرم فرمائے۔اس مسئلہ میں تم کیا فرماتے ہو کہ شادی میں اعلان نکاح کی غرض سے دف بجانا جائز ہے یا نہیں؟ اور بندوقوں سے ہوائی فائرنگ کرنا خواہ اعلان نکاح کے لئے ہو یا فخریہ طور پر ہو کیسا ہے؟

اس کے جواب میں فرماتے ہیں:''رہی یہ بات کہ قلعی کی رائفل سے نکاح کی تشہیر اور اعلان کرنا تو یہ مطلوب ومندوب ہے تاکہ نکاح اور بدکاری میں امتیاز ہو جائے کیونکہ بدکاری کو چھپایا جاتا ہے بتایا اور ظاہر نہیں کیا جاتا۔جبکہ نکاح کی تشہیر کی جاتی ہے کیونکہ اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ انتہائی دور والے لوگ بھی آگاہ ہو جائیں کیونکہ قریب کے لوگ تو قرب وجوار میں ہونے کی وجہ سے اس معاملے کو بخوبی جانتے ہیں اس لئے دف بجانے اور آوازوں کے پھیلانے کا حکم طریقہ معروف کے مطابق دیا گیا ہے تاکہ قاضی کے لئے حصول علم اس کے مطابق ہو جائے جو لوگوں میں متعارف ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد اس کو شامل ہے کہ حلال حرام میں فرق نکاح کے موقع پر اعلان کرنے اور دف بجانے سے ہے۔۔۔۔ہاں اگر کسی نے آپس کے خرچ کرنے سے فخر کرنے کا ارادہ کیا تو یہ بالکل حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اترانے والے فخر کرنیوالے کو پسند نہیں کرتا،لہذا حرمت کا دف اور بندوق سے کوئی اختصاص نہیں بلکہ اگر آپس میں تفاخر سے تلاوت کلام

پاک کی جائے تو یہ بھی حرام اور ممنوع ہے۔ پس اس صورت میں تلاوت کرنے والا گنہ گار اور گناہ بردا شتہ ہوگا جیسا کہ مخفی نہیں لہذا اس باب میں ہماری یہی تحقیق ہے۔''

(فتاوی رضویہ ،جلد 23،صفحہ 304،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

شادی پر آتشبازی اسراف ہے۔ مفتی محمد اجمل قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اسراف کے معنی حاجت سے زائد خرچ کرنا اور غیر طاعت الٰہی عزوجل میں صرف کرنا ہے۔ مجمع البحار میں ہے "اسراف والتبذیر فی النفقة لغیر حاجة او فی غیر طاعة الله " جامع العلوم میں ہے "الاسراف انفاق المال الکثیر فی الغرض الخسیس"، چنانچہ اکثر و بیشتر اسراف وفضول خرچی کو اس معنی میں استعمال کرتے ہیں اور بلاشبہ اسراف گناہ کبیرہ اور ناجائز و حرام ہے۔ قرآن کریم میں ہے ﴿إِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنِ﴾ یعنی فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔ اور فرمایا ﴿إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ یعنی اللہ عزوجل اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

ان آیات سے اسراف کی مذمت اور برائی ظاہر ہوگئی۔ آتشبازی کا چھوڑنا بلاشک اسراف اور فضول خرچی ہے۔ لہذا اس کا ناجائز و حرام ہونا اور اس طرح آتش بازی کا بنانا اور بیچنا خریدنا سب شرعاً ممنوع ہیں۔''

(فتاوی اجملیہ،جلد4،صفحہ52،شبیر برادرز،لاہور)

مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ناچ باجے آتش بازی حرام ہیں۔ کون اس کی حرمت سے واقف نہیں مگر بعض لوگ ایسے منہمک ہوتے ہیں کہ یہ نہ ہوں تو گویا شادی ہی نہ ہوئی بلکہ بعض تو اتنے بے باک ہوتے ہیں کہ اگر شادی میں یہ محرمات نہ ہوں تو اُسے غمی اور جنازہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ خیال نہیں کرتے کہ ایک تو گناہ ہے اور شریعت کی

مخالفت ہے دوسرے مال ضائع کرنا ہے تیسرے تمام تماشائیوں کے گناہ کا یہی سبب ہے اور سب کے مجموعہ کے برابر اس پر گناہ کا بوجھ۔ آتشبازی میں کبھی کپڑے جلتے کبھی کسی کے مکان یا چھپر میں آگ لگ جاتی ہے کوئی جل جاتا ہے۔''

(بہارشریعت،جلد1،حصہ7،صفحہ51،ضیاء القرآن،لاہور)

بارات روک کر پیسے لے کر آگے جانے دینا

ایک رسم بارات روکنے کی رائج ہے جس میں بارات کو عورتیں روک لیتی ہیں اور پیسے لے کر آگے جانے دیتی ہیں۔ یہ رسم جائز نہیں۔ اس وجہ سے کہ عورتیں بارات کو روک لیتی ہیں جس میں بے پردگی ہوتی ہے اور مذاق مسخری یقینی ہوتی ہے۔

نکاح اور اس کے متعلقات

ہمارے یہاں نکاح عموماً شادی حال یا پارکوں میں ہوتے ہیں۔ بعض تیل مہندی پر نکاح کروادیتے ہیں۔ مستحب یہی ہے کہ عقدِ نکاح مسجد میں ہو چنانچہ عالمگیری میں ہے "مباشرة عقد النکاح فی المساجد مستحب" ترجمہ: عقد نکاح کا مسجد میں ہونا مستحب ہے۔

(فتاوی ہندیہ ،کتاب الکراہیت،آداب مسجد و القرآن،جلد5،صفحہ321،دارالفکر ،بیروت)

نکاح میں شرعی طور پر کئی قباحتیں ہوتی ہیں۔ نکاح کی ایک مجلس نہیں ہوتی لڑکا ایک جگہ اور لڑکی دوسری جگہ ہوتی ہے۔ ٹیلی فون پر تو نکاح ہوتا ہی نہیں۔ لڑکی کے پاس جب ایجاب وقبول کے لئے جایا جاتا ہے تو مووی والا بھی ساتھ ہوتا ہے اور وہاں بے پردگی بھی ہوتی ہے۔

نکاح کا صحیح طریقہ ہے کہ لڑکی کی طرف سے اس کا بھائی یا باپ یا نکاح پڑھوانے والا اجازت لے چاہے فون پر لے لے کہ آپ کا نکاح اتنے حق مہر پر فلاں سے پڑھا دیا

جائے۔لڑکی اجازت دیدے تو دو گواہوں کے سامنے لڑکے سے یوں کہا جائے کہ میں نے اپنی مؤکلہ فلاں بنت فلاں کا عقد آپ کے عقد میں اتنے حق مہر کے عوض کیا۔لڑکا کہے میں نے قبول کیا۔نکاح ہو گیا۔اس کے بعد خطبہ پڑھا جائے اور بعد میں دعا مانگی جائے۔لڑکی سے بعد میں ایجاب وقبول کروانے کی ضرورت نہیں صرف نکاح نامے پر دستخط کروالئے جائیں۔

نکاح میں کم از کم حق مہر دس درہم ہے جو کہ دو تولہ سات ماشے اور تین رتیاں چاندی بنتا ہے یعنی تقریبا دو تولہ ساڑھے سات ماشے چاندی کی جو قیمت ہوگی وہ کم از کم حق مہر ہوگا اور زیادہ سے زیادہ حق مہر کی کوئی قید نہیں جتنا باہم رکھنا چاہیں رکھ سکتے ہیں۔بعض اوقات نکاح کے وقت بیوی کو جو سونا پہنایا جاتا ہے وہی حق مہر رکھ دیا جاتا ہے، تو وہ سونا حق مہر ہو جائے گا۔بعض عورتیں پہلی رات ہی حق مہر معاف کر دیتی ہیں، جب عورت حق مہر معاف کر دے تو بعد میں مطالبہ نہیں کر سکتی۔زبردستی عورت سے حق مہر معاف نہیں کروایا جاسکتا۔شوہر بیوی کو جو چیز سونا، پیسہ وغیرہ دیدے تو بعد مطالبہ نہیں کر سکتا۔

شادی بیاہ کے متعلق جو ملکی قانون بنا ہو کہ فلاں وقت سے پہلے تک پروگرام ختم ہو جائے، اتنی ڈشوں سے زیادہ ڈش نہیں ہونی چاہئے وغیرہ اس کی پابندی کرنا لازم ہے کہ ہر وہ قانون جو شریعت کے خلاف نہ ہو اس کی پیروی کرنے کا حکم ہے کہ نہ کرنے پر ذلت اٹھانی پڑتی ہے۔خود کو ذلت کے مقام پر پیش کرنے سے منع کیا گیا ہے چنانچہ جامع ترمذی کی حدیث پاک میں ہے "عن حذیفة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا ينبغي للمؤمن أن يذل نفسه" ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مومن کو جائز نہیں کہ خود کو ذلت ورسوائی

میں مبتلا کرے۔

(جامع الترمذی،ابواب الفتن،باب ماجاء فی النهی عن سب الریاح،جلد 4،صفحہ523،مصطفی البابی الحلبی،مصر)

امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالی علیہ ارشاد فرماتے ہیں: "ایسے امر کا ارتکاب جو قانونا ناجائز ہو اور جرم کی حد تک پہنچے، شرعا بھی ناجائز ہوگا کہ ایسی بات کے لئے جرم قانونی کا مرتکب ہو کر اپنے آپ کو سزا اور ذلت کے لئے پیش کرنا شرعا بھی روا نہیں۔"

(فتاوی رضویہ،جلد20،صفحہ192،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

نکاح کے بعد چھوہارے لٹانا

پہلے یہ رائج تھا کہ نکاح ہونے کے بعد لڑکے والے چھوارے لٹاتے تھے۔اب "بِد" تقسیم کرنے کا رواج ہو گیا ہے کہ ایک پیکٹ میں چھوارے، گولیاں وغیرہ ہوتی ہیں اسے تقسیم کیا جاتا ہے۔شرعا یہ جائز ہے۔امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے سوال ہوا: "نکاح کے بعد چھوارے لٹانے کا جو رواج ہے یہ کہیں ثابت ہے یا نہیں؟ جواب میں فرماتے ہیں: "حدیث شریف میں لوٹنے کا حکم ہے اور لٹانے میں بھی کوئی حرج نہیں۔یہ حدیث دارقطنی وبیہقی وطحاوی سے مروی ہے۔"

(احکام شریعت،حصہ2،صفحہ233،نظامیہ کتاب گھر،لاہور)

دولہے کا جوتا چھپانا اور رسم دودھ پلائی

ان دونوں رسموں میں عموما بہت بے پردگی اور مذاق مسخری ہوتی ہے، اسلئے شرعا ان کی اجازت نہیں ہے۔ہاں اگر چھوٹی نابالغ سالی دودھ پلائے اور اسے دولہا اپنی خوشی سے کچھ پیسے دیدے تو اجازت ہو سکتی ہے۔

دلہن کی رخصتی کے وقت قرآن کو سر پر رکھنا اور دلہن کا چاول پھینکنا

رخصتی کی ایک رسم یہ ہے کہ دلہن کے سر پر قرآن اٹھا کر رکھا جاتا ہے اور دلہن چاول اٹھا کر پیچھے پھینکتی ہے۔ جہاں تک قرآن سر پر اٹھانے کا تعلق ہے تو وہ جائز ہے کہ یہ بطور برکت ہوتا ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں سفر میں حفاظت کے لئے سر پر قرآن رکھنے کو جائز کہا گیا ہے چنانچہ لکھا ہے "وضع المصحف تحت رأسه فی السفر للحفظ لا بأس به" ترجمہ: سفر میں حفاظت کے لئے سر پر قرآن رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

(عالمگیری، کتاب الکراہیت، آداب مسجد و القرآن، جلد5، صفحہ322، دارالفکر، بیروت)

چاول پھینکنا ناجائز ہے کہ اس میں اسراف ہے اور رزق پاؤں میں آتا ہے۔

دلہن کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے دہلیز پر تیل ڈالنا

دلہن جب رخصت ہو کر لڑکے والوں کے گھر آتی ہے تو دہلیز پر تیل ڈالا جاتا ہے یہ جائز نہیں کہ اسراف ہے۔ بعض لوگوں میں رواج ہے کہ جب دولہے کی بارات لے کر جا رہے ہوتے ہیں تو راستے میں دریا یا نہر آئے تو اس میں پیسے ڈال دیتے ہیں۔ یہ بھی ناجائز و اسراف ہے۔

دلہن کے قدموں کا دھون چھڑکنا

جب دلہن کو لڑکے والے گھر لائیں تو اس کے پاؤں دھلوا لیں پھر ایک برتن میں پانی لیں اور دلہن کے پاؤں اس میں رکھوا لیں بعد میں اس برتن کے پانی کو گھر کے چاروں طرف چھڑک دیں یہ اچھی فال ہے۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ''دلھن کو بیاہ کر لائیں تو مستحب ہے کہ اس کے پاؤں دھو کر مکان کے چاروں گوشوں میں چھڑکیں اس سے برکت ہوتی ہے۔ یہ پانی بھی قابلِ وضو رہنا چاہئے۔''

(فتاویٰ رضویہ، جلد2، صفحہ595، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

گھٹنہ (گوڈا) بٹھائی کی رسم

جب دلہن شوہر کے گھر آ جاتی ہے تو چھوٹا دیور اس کے گھٹنے پر بیٹھ کر اس سے پیسے لیتا ہے۔ اگر دیور چھوٹا بچہ ہے تو اس رسم میں حرج نہیں۔ اگر دیور بڑا ہو تو وہ بھابھی کے پاس یا پاؤں کے قریب بیٹھ کر اس سے پیسے لیتا ہے۔ ایسی صورت میں اس رسم کی اجازت نہیں کہ دیکھنے چھونے کا بہت زیادہ امکان ہوتا ہے۔

ولیمہ

ولیمہ کا مطلب ہے شادی کی خوشی کا کھانا۔ شب زفاف کی صبح کو احباب کی دعوت ولیمہ کرنا سنت مستحبہ ہے۔ بخاری شریف کی حدیث پاک میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا "اولم ولو بشاةٍ" ترجمہ: ولیمہ کر اگرچہ ایک ہی بکری ہو۔

(صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الصفرة للمتزوج، جلد7، صفحہ21، دار طوق النجاة، مصر)

رخصتی سے پہلے جو دعوت کی جائے ولیمہ نہیں، یونہی بعد رخصت قبل زفاف کی گئی دعوت ولیمہ نہیں۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے سوال ہوا: ''جس شہر کے لوگوں میں سے ایک بھی ولیمہ نہ کرتا ہو بلکہ نکاح سے پہلے اول روز جیسا رواج ہے کھلا دیتا ہے تو ان سب کے لئے کیا حکم ہے؟ جواباً فرمایا: ''تارکانِ سنت ہیں مگر سنن مستحبہ سے ہے۔ تارک (یعنی چھوڑنے والا) گناہگار نہ ہوگا، اگر اسے حق جانے (یعنی ولیمہ کو سنت سمجھے)۔''

(ملفوظات اعلیٰ حضرت، حصہ1، صفحہ98، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

ریا و ناموری کے قصد سے جو کچھ ہو حرام ہے۔ مفتی وقار الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''دعوت ولیمہ سنت ہے اور اس میں عظیم ثواب ہے۔ جبکہ ولیمہ ادا کرنے

والے کا مقصد ادائے سنت ہو۔ ولیمہ وہ دعوت ہے جو شب زفاف کی صبح کو اپنے دوست و احباب، عزیز و اقارب اور محلے کے لوگوں کے لئے اپنی استطاعت کے مطابق کی جائے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ پہلے اور دوسرے دن بھی یعنی دو دن تک اس دعوت کو ولیمہ کہا جا سکتا ہے۔ دو دن بعد اس دعوت پر ولیمہ کا اطلاق نہیں ہوگا۔ ملا نظام الدین متوفی 1161ھ نے فتاویٰ عالمگیری میں لکھا " وتسمية العرس سنة و فيها مثوبة عظيمة و هي اذا بنى الرجل بامرأته انه ينبغي ان يدعو الجيران و الاقرباء والاصدقاء و يذبح و يصنع لهم طعاما" یعنی دعوت ولیمہ سنت ہے اور اس میں ثواب عظیم ہے۔ دعوت ولیمہ یہ ہے کہ جب یہ شخص اپنی عورت سے زفاف کرے تو اس کے لئے یہ مناسب ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں، عزیز و اقارب اور دوست و احباب کے لئے دعوت اور مہمانوں کے لئے جانور ذبح کرے اور کھانے تیار کرے۔ اس کے بعد فرمایا "و لاباس بان يدعو يومئذ من الغد و وبعد الغدو ثم ينقطع العرس والوليمة" یعنی اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ ولیمہ اگلے روز کرے یا اگلے سے اگلے روز۔ اس کے بعد اس دعوت کو ولیمہ نہیں کہا جائے گا۔"

(وقار الفتاویٰ، جلد3، صفحہ 137، بزم وقار الدین، کراچی)

دعوت ولیمہ کا قبول کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ حدیث پاک میں ہے "ومن لم يجب الدعوة فقد عصى ابا القاسم صلى الله تعالى عليه وسلم "ترجمہ: جس نے کسی کی دعوت قبول نہ کی اس نے ابوالقاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔

(نصب الراية، کتاب الكراهية الحديث الثالث، جلد4، صفحہ221، المکتبہ الاسلامیہ)

لیکن یہ سنت مؤکدہ تب ہے جب اس میں معصیت مثل میوزک ناچ گانا وغیرہا نہ ہو، نہ اور کوئی مانع شرعی ہو اور اس کا قبول وہاں جانے میں ہے، کھانے نہ کھانے کا اختیار ہے۔ باقی عام دعوتوں کا قبول افضل ہے جبکہ نہ کوئی مانع ہو نہ کوئی اس سے زیادہ اہم کام ہو

اور خاص اس کی کوئی دعوت کرے تو قبول کرنے نہ کرنے کا اسے مطلقا اختیار ہے۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: "اگر یہ شخص جانتا ہے کہ میری خاطر ان لوگوں کو ایسی عزیز ہے کہ بحالت منکرات شرعیہ میں شرکت سے انکار کروں گا تو وہ مجبورانہ ممنوعات سے باز رہیں گے اور میرا شریک نہ ہونا گوارا نہ کریں گے تو اس پر واجب ہے کہ بے ترک منکرات شرکت سے انکار کرے۔ خزانۃ المفتین میں ہے "رجل اتخذ ضيافة للقرابة او وليمة او اتخذ مجلسا لاهل الفساد فدعا رجلا صالحا الى الوليمة قالو ان كان هذا الرجل بحال لو امتنع عن الاجابة منعهم عن فسقهم لاتباح له الاجابة بل يجب عليه ان لايجب لانه نهى عن المنكر " ایک شخص نے اپنے رشتہ داروں اور قرابتداروں کے لئے عام دعوت طعام یا دعوت ولیمہ کا اہتمام کیا اور ساتھ ہی کھیل تماشے لہو ولعب کی مجلس بھی فسادیوں کے لئے آراستہ کی اور خاندان سے غیر متعلق ایک نیک شخص کو بھی دعوت نامہ بھیجا۔ ائمہ کرام فرماتے ہیں کہ اگر وہ شخص اس دعوت کو قبول نہ کرتے ہوئے انھیں غلط قسم محفل آرائی اور بدکاری سے روک سکتا ہو تو اس کے لئے اس دعوت کو قبول کرنا مباح نہیں بلکہ اس پر دعوت کو قبول نہ کرنا واجب ہے کیونکہ گناہ سے روکنے کا عمل اس کے لئے مقدم ہے۔

اور اگر جانتا ہے کہ میری عزت و عظمت ان کی نگاہوں میں ایسی ہے کہ میں ساتھ ہوں گا تو وہ منکرات شرعیہ نہ کر سکیں گے تو اس پر واجب ہے و موجب ثواب عظیم ہے کہ شریک ہو۔ ردالمحتار میں ہے "اذا علم انهم يتركون ذلك احتراما له فعليه ان يذهب اتقاني "جب وہ جانتا ہے کہ اس کے احترام کی وجہ سے وہ گناہ والے کام چھوڑ دیں گے تو اس پر ضروری ہے کہ وہاں جائے اور شرکت کرے۔

اور اگر یہ دونوں صورتیں نہیں تو اگر جانتا ہے کہ جہاں کھانا کھلایا جائے گا وہیں منکرات شرعیہ ہوں گے اور برات والے کا وعدہ محض حیلہ ہی حیلہ ہے تو ہرگز نہ جائے۔قال اللہ تعالیٰ ﴿فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: یاد آجانے کے بعد ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھو۔ ہدایہ میں ہے "لو علم قبل الحضور لایحضر لانه لم یلزمه حق الدعوة " اگر جانے سے پہلے ہی اسے (منکرات شرعیہ کا)علم ہو جائے تو وہاں نہ جائے کیونکہ اس پر دعوت کا حق لازم نہیں ہوا۔۔۔مگر عالم اگر جانے کہ میری اتنی شرکت پر بھی عوام مجھے متہم و مطعون کرینگے تو نہ جائے کہ مواقع تہمت سے بچنا چاہئے اور مسلمانوں پر فتح باب غیبت ممنوع ہے "عن النبی صلی الله تعالی علیه وسلم من کان یؤمن بالله والیوم الاخر فلا یقفن مواقف التهم ذکره الشرنبلالی وغیره" حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو کوئی اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے تو وہ مقامات تہمت سے بچے۔اس کو علامہ حسن شرنبلالی وغیرہ نے ذکر کیا۔"

(فتاوی رضویه، جلد21، صفحه609، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

مفتی محمد اجمل قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"شادی، ولیمہ، عقیقہ میں رکاڈ کا مزامیر گانا اور اسمیں لاؤڈ اسپیکر لگادینا ناجائز وحرام ہے۔ان میں شریک کرنا اور دعوت کھانے کے لئے جانا ممنوع ہے۔اگر وہاں کے گانے اور لہو ولعب کا پہلے ہی سے علم ہے تو انکی دعوتوں میں نہ جائے۔نہ شرکت کرے نہ کھانا کھائے نہ فاتحہ کیلئے جائے۔اور اسمیں متقی و مفتی اور عوام سب کے لئے ایک حکم ممانعت ہے۔درمختار میں ہے "وان علم اولا باللعب لایحضر اصلا سواء کان ممن یقتدی به او لا۔"

(فتاوی اجملیه، جلد4، صفحه86، شبیر برادرز، لاہور)

لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ اگر پہلی رات صحبت نہ ہو تو ولیمہ حلال نہیں ہوتا۔

یہ درست نہیں۔ہاں یہ ضرور ہے کہ سنتِ ولیمہ شب زفاف کے بعد ہوتی ہے۔

شادی پر داج بَری لوگوں کو دکھانا

داج کا مطلب ہے جہیز۔لڑکی والوں کی طرف سے جو سامان، کپڑے وغیرہ بنائے جاتے ہیں اسے داج کہا جاتا ہے۔لڑکے والوں کی طرف سے جو سامان لڑکی کے لئے تیار کیا ہے اسے بَری کہا جاتا ہے۔بَری میں لڑکی کے لیے کپڑے، زیور وغیرہ ہوتا ہے۔داج وری کو بارات یا ولیمہ والے دن لوگوں کو دکھایا جاتا ہے۔شرعی طور پر لوگوں کو دکھانا جائز تو ہے لیکن یہ کئی قباحتوں سے خالی نہیں جیسے کئی لوگوں کی دکھانے میں نیت فخر کی ہوتی ہے اور دوسروں کو نیچا کرنے کی ہوتی ہے، جن کی حیثیت اتنی نہیں ہوتی اور انہوں نے اپنے بچوں کی شادی کرنا ہوتی ہے وہ یہ سب دیکھ کر غمگین ہوتے ہیں۔اسلامی تعلیمات یہ نہیں کہ اپنی شان وشوکت دکھا کر غریب رشتہ داروں اور پڑوسیوں کا دل دکھایا جائے۔امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث پاک روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابی سے فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ پڑوسی کا حق ہے یہ کہ جب وہ تم سے مدد مانگے مدد کرو، جب قرض مانگے قرض دو، جب محتاج ہو تو اسے دو، جب بیمار ہو عیادت کرو، جب اسے خیر پہنچے تو مبارک باد دو، جب مصیبت پہنچے تو تعزیت کرو۔مر جائے تو جنازہ کے ساتھ جاؤ، بغیر اجازت اپنی عمارت بلند نہ کرو کہ اس کی ہوا روک دو"و لا تؤذیه بقتار قدرك إلا أن تغرف له منها و إن اشتریت فاكهة فاهد له فإن لم تفعل فأدخلها سرا و لا یخرج بها ولدك لیغیظ بها ولده أتدرون ما حق الجار و الذی نفسی بیده ما یبلغ حق الجار إلا قلیلا ممن رحم الله" ترجمہ: اور اپنی ہانڈی سے اس کو ایذا نہ دو، مگر اس میں سے کچھ اسے بھی دو، میوے (پھل) خریدو تو اس کے پاس بھی ہدیہ کرو اور اگر ہدیہ

نہ کرنا ہو تو چھپا کر مکان میں لاؤ اور تمہارے بچے اسے لے کر باہر نہ نکلیں کہ پڑوسی کے بچوں کو رنج ہوگا۔ تمہیں معلوم ہے کہ پڑوسی کا کیا حق ہے؟ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے پورے طور پر پڑوسی کا حق ادا کرنے والے تھوڑے ہیں مگر جن پر اللہ عزوجل کی مہربانی ہے۔

(شعب الایمان للبیہقی ،باب فی إکرام الجار،جلد12،صفحہ104،مکتبۃ الرشد ،الریاض)

مُکلاوہ

شادی کے بعد دلہن کا سسرال سے میکے یا میکے سے سسرال جانا مکلاوہ کہلاتا ہے۔ عموماً ولیمے والے دن دولہا دلہن کو لڑکی والے اپنے گھر لے جاتے ہیں۔ دولہا اگلے دن واپس آجاتا ہے، پھر لڑکے والے ایک یا دو دن بعد لڑکی کو لینے جاتے ہیں، ان کے لئے کھانے کا خوب اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس رسم کو مکلاوا کہا جاتا ہے۔ بعض قوموں یا علاقوں میں اس رسم کے متعلق مختلف طریقے یا نظریات رائج ہیں۔ بعض مکلاوے کو دو دن سے زیادہ لیٹ ہونے کو اچھا نہیں سمجھتے، اس کی کوئی اصل نہیں۔ اسی طرح بعض گاؤں میں ایک مکلاوے کے بعد ایک رسم تروینڈا (تیسری مرتبہ) ہوتی ہے، یعنی دلہن کے گھر والے آٹھ یا دس دنوں بعد لڑکے کے گھر آکر دلہن کو چند دنوں کیلئے اپنے گھر لے جاتے ہیں۔ ان سب میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں جب تک شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے، بے پردگی سے بچتے ہوئے کیا جائے اور اس اسے لازم سمجھ کر نہ کیا جائے۔

ماں باپ کا بیٹی کے گھر سے کھانا

بعض خاندانوں میں رائج ہے کہ جہاں بیٹی کی شادی کی ہو اس گھر سے ماں باپ اور بھائی کا کھانا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ اگر کوئی کھائے تو اس پر طعنہ زنی ہوتی ہے۔ یہ نظریہ

درست نہیں بلکہ ہندوؤں کی رسم ہے۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن اس پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''رسم مردود ہنود یہ یہ ہے کہ بہن بیٹی کے گھر کا پانی پینا برا جانتے ہیں کھانا تو بڑی چیز ہے یہ رسم ضرور ناپاک و مردود ہے۔ مولی سبحانہ وتعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے ﴿لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَنْ تَأْكُلُوا مِنْ بُيُوتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ آبَائِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أُمَّهَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ إِخْوَانِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخَوَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَعْمَامِكُمْ أَوْ بُيُوتِ عَمَّاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخْوَالِكُمْ أَوْ بُيُوتِ خَالَاتِكُمْ أَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَفَاتِحَهُ أَوْ صَدِيقِكُمْ﴾ نہ اندھے پر تنگی نہ لنگڑے پر نہ بیمار پر نہ آپ تم پر کہ اپنی اولاد کے گھر کھانا کھاؤ یا اپنے باپ کے گھر یا ماں کے گھر یا بھائیوں کے گھر یا بہنوں کے گھر یا چچا کے گھر یا پھوپی کے گھر یا ماموں کے گھر یا خالہ کے گھر یا جس کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہیں یا اپنے دوست کے یہاں۔

اس اجازت میں جیسے ایک وقت کا کھانا داخل ہے یوں ہی بشرط رضا وعدم بار چند وقت کا خصوصاً جبکہ بہن یا ساس یا ان لوگوں کا مکان دوسرے شہر میں ہو اور یہ بعد مدت ملنے کو جائے جب تک یہ نہ جانے کہ ان پر بار ونا گوار نہ ہوگا جہاں تک ایسے تعلقات میں ایسے بُعد (دور کے سفر) سے اتنے دنوں بعد مہمان داری معروف ہے بلاشبہہ رہ سکتا ہے۔ ہاں اتنا رہنا کہ اکتا جائے اور ناگوار ہونا جائز اور وہ کھانا بھی ناجائز اگرچہ ماں باپ ہی کا گھر ہو، ہاں ماں باپ جبکہ محتاج ہوں مالدار اولاد کے یہاں جتنے دن چاہیں رہ سکتے ہیں اگرچہ اسے ناگوار ہو کہ اس کے مال میں اتنا ان کا حق ہے اس کی بے مرضی بھی لے سکتے ہیں یہ سب عارضی طور پر رہنے میں کلام تھا۔ اب جو لوگ معیوب جانتے ہوں ان کا زعم بالکل مردود

واتباع کفار ہنود ہے۔ رہا دوسرے کے یہاں سکونت اختیار کرنا یہ سوا محتاج ماں باپ کے کسی کے گھر بے اس کی رضا کے اصلا حلال نہیں اگر چہ بھائی یا باپ کے یہاں ہو اگر چہ فقط سکونت ہو کھائے اپنا مگر وہ کسب سے عاجز محتاج جس کا نفقہ شرع نے اس صاحب مکان پر واجب کیا یہ رہ سکے گا اور کھانا بھی اسی کے سر کھائیگا اسے گوارہ ہو خواہ ناگوار، بھائی ہو یا بہن، ساس اس میں داخل نہیں کہ اس کے ذمہ اس کا نفقہ نہیں ہوسکتا ہاں عاجز محتاج کا نفقہ جس پر شرعا لازم ہے اگر نہ وہ اس کی اولاد میں ہے نہ یہ اس کی اولاد میں تو بے اس کی رضا کے جبرا اس کا بار اس پر ڈالنا بحکم حاکم ہوگا خود یہ اس کا اختیار نہیں رکھتا۔ ردالمحتار میں ہے "نفقة قرابة غير الولاد وجوبها لا يثبت الا بالقضاء او لرضاء" ایسے رشتے دار کا خرچہ جو اولاد میں شامل نہ ہو اس کے خرچے کا وجوب فیصلہ قاضی یا خرچہ دینے والے کی رضامندی کے بغیر ثابت نہیں ہوسکتا۔

حکم شرع یہ ہے اس کے خلاف جو کچھ ہو باطل ہے۔"

(فتاوی رضویہ، جلد23، صفحہ272، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

البتہ اگر کوئی بہن یا بیٹی کے گھر سے کھانے کو ناجائز نہیں کہتا لیکن خود کھانا مناسب نہیں سمجھتا تو اس کے اس عمل میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔

شادی بیاہ میں اور بھی کئی رسومات رائج ہیں۔ بیان کردہ رسومات کو سامنے رکھ کر اندازہ کر سکتے ہیں کہ جن رسومات میں غیر شرعی حرکات جیسے بے پردگی وغیرہ ہوگی وہ ناجائز ہوں گی۔

طلاق

ہمارے یہاں طلاق کے مسئلہ کو بہت بگاڑ دیا گیا ہے۔ بعض لوگ تو طلاق سے

بہت زیادہ نفرت کرتے اور اسے بُرا بھلا کہتے ہیں اور بعض نے طلاق کو کھیل بنا رکھا ہے، تین اور تین سے زائد طلاقیں دیتے ہیں پھر رجوع کر کے زنا کرتے رہتے ہیں۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ بلاوجہ شرعی طلاق دینا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند و مکروہ ہے۔ البتہ اگر شوہر کو طلاق کی کوئی حاجت ہے تو مباح ہے بلکہ عورت کا فِسق اور کسی حرام فعل کا ارتکاب ثابت ہے تو طلاق مستحب ہے۔ بعض صورتوں میں طلاق دینا واجب بھی ہوتا ہے جیسے شوہر نامرد ہو یا عورت نافرمان ہو اور شوہر کے ماں باپ اس کو طلاق دینے کا حکم دیں اور نہ دینے میں ان کی ایذا و ناراضگی ہو تو شوہر پر واجب ہے کہ طلاق دیدے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "وان امراك ان تخرج من اهلك و مالك فاخرج" ترجمہ: اگر والدین بیوی اور مال سے علیحدگی کا حکم دیں تو ایسا ہی کرو۔ (الفوائد، جلد1، صفحہ52، دار الصميعی، الرياض)

اس دور میں شوہر بیوی کو جذبات میں آ کر تین طلاقیں دے دیتا ہے پھر دنیاوی مفاد کی خاطر طلاق کا انکار کر دیتا ہے کہ میں نے طلاق دی ہی نہیں یا یہ بہانہ بناتا ہے کہ میرا دماغ کام کرنا چھوڑ گیا تھا، غصے میں تھا، کوئی جاہل اسے کہے گا حمل میں طلاق نہیں ہوتی، کوئی کہے گا جب تک عورت نہ سنے طلاق نہیں ہوتی، کوئی کہے گا جب تک عورت طلاق والے پیپر نہ لے طلاق نہیں ہوتی اور یونین کونسل اس جہالت میں سب سے آگے ہیں وہ کہتے ہیں جب تک ہم طلاق نافذ نہ کریں طلاق ہوتی ہی نہیں چاہے جتنی مرضی طلاقیں ہوں اور جتنا مرضی عرصہ گزر چکا ہو لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ الغرض ہر کوئی اپنی جہالت بکتا ہے اور کسی غیر کے لئے اپنی آخرت خراب کرتا ہے۔ شوہر ایسے جاہل مولوی کے پاس جاتا ہے جو یہ کہہ دے کہ کوئی طلاق نہیں ہوئی بس ساٹھ بندوں کو کھانا کھلا دو۔ الغرض اپنے

مطلب کی بات لے کر بعد میں ساری زندگی زنا کرتا رہتا ہے۔جس کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے ہی سے پیشین گوئی فرمادی تھی چنانچہ المعجم الکبیر للطبرانی ،مجمع الزوائد کی حدیث پاک ہے"یأتی علی الناس زمان یطلق الرجل المرأة، ثم یجحد طلاقها فیقیم علی فرجها، فهما زانیان" ترجمہ:لوگوں پرایک وقت ایسا آئے گا شوہر بیوی کو طلاق دے گا پھر اس طلاق کے متعلق جھگڑا کرے گا (کہ میں نے طلاق نہیں دی) بعد میں اسی عورت کے ساتھ صحبت کرے گا اور یہ دونوں زنا کریں گے۔

(مجمع الزوائد، کتاب الفتن ، باب ثان فی أمارات الساعة ،جلد7،صفحہ624،دار الفکر، بیروت)

یہ بات یادرکھنی چاہئے کہ جب میاں بیوی کا اکٹھے رہنا ناممکن ہوجائے اورطلاق کی ضرورت پڑ جائے تو طلاق دینا جائز ہے۔اب طلاق دینے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ صرف ایک طلاق رجعی دی جائے اورعورت کو چھوڑ دیا جائے۔طلاق کی عدت تین ماہواریاں ہیں جوتقریبا تین ماہ تک ہے۔اس کے اندر شوہر چاہے تو رجوع کرسکتا ہے اور عدت کے بعد عورت نکاح سے نکل جائے گی۔جہاں چاہے آگے نکاح کرسکتی ہے اور دوبارہ پہلے شوہر سے بھی نکاح کرسکتی ہے۔یہی حکم دوسری طلاق دینے کے بعد ہے۔لیکن اگر اکٹھی تین طلاقیں دے دیں تو تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی اورعورت ہمیشہ کیلئے حرام ہوجائے گی اب بغیر حلالہ کے واپس نہ آسکے گی۔حلالہ یہ ہے کہ عورت جہاں چاہے اپنا نکاح اپنے ہم پلہ شخص کے ساتھ کرے،کم ازکم ایک مرتبہ صحبت کے بعد دوسرا شوہر اپنی مرضی سے طلاق دے،عورت اس کی عدت گزارے، پھرعورت کی مرضی ہے وہ چاہے تو پہلے شوہر سے نکاح کرلے یا کسی تیسرے مرد سے نکاح کرلے۔تین طلاقوں اور حلالہ کے متعلق قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد ہے﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا﴾ ترجمۂ کنزالایمان: پھراگر تیسری

طلاق اسے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے، پھر وہ دوسرا اگر اسے طلاق دے دے تو ان دونوں پر گناہ نہیں کہ پھر آپس میں مل جائیں۔

(سورۃبقرہ،سورت2، آیت 230)

سنن الدارقطنی کی حدیث پاک میں ہے"عن عائشة قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم إذا طلق الرجل امرأته ثلاثا لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره، ویذوق کل واحد منهما عسیلة صاحبه" ترجمہ:حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شوہر بیوی کو تین طلاقیں دیدے تو بیوی اس وقت تک حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے اور دونوں ایک دوسرے کا ذائقہ نہ چکھ لیں (یعنی جب تک صحبت نہ کرلیں)۔

(سنن الدارقطنی، کتاب الطلاق والخلع والإیلاء وغیره،جلد5،صفحہ55،مؤسسة الرسالة، بیروت)

بخاری شریف کی حدیث پاک حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے "ان امرأة رفاعة القرظی جاء ت الی رسول الله صلی الله تعالی فقالت یارسول الله صلی الله تعالی علیه وآله وسلم ان رفاعة طلقنی فبت طلاقی وانی نکحت بعده عبدالرحمن بن الزبیرالقرظی وانمامعه مثل الهدابة قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وآله وسلم لعلك تریدین ان ترجعی الی رفاعة لا تحل للاول حتی تذوق عسیلة الآخر" ترجمہ:حضرت رفاعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم میرے شوہر نے مجھے تین طلاقیں دے کر بائنہ کردیا۔اس کی عدت گزرنے کے بعد میں نے عبدالرحمٰن بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح کیا ان کے پاس نہیں ہے

مگر کپڑے کے پلو کی طرح (یعنی ہمبستری نہیں کر سکتے) تو آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کیا تم رفاعہ کی طرف لوٹنا چاہتی ہو؟ بولیں ہاں۔فرمایا کہ تم پہلے شوہر کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہو سکتی جب تک کہ تم اس دوسرے شوہر کی لذت نہ چکھ لو۔

(بخاری، کتاب الطلاق، باب من اجاز طلاق الثلاث، جلد7، صفحہ42، دار طوق النجاۃ، مصر)

اکٹھی تین طلاقیں دینا گناہ بھی ہے۔اکٹھی تین طلاقیں دینے سے تینوں واقع ہو جاتی ہیں اور یہ کثیر احادیث سے ثابت ہے چند احادیث پیش کی جاتی ہیں:

ابوداؤد شریف کی صحیح حدیث پاک ہے ”عن سهل بن سعد فی هذا الخبر قال فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول اللّٰہصلى الله عليه وسلم فانفذه رسول اللّٰہ صلى الله تعالى عليه وآله وسلم “ ترجمہ:حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پھر عویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ایک ساتھ تین طلاقیں دیں تو رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں نافذ فرمادیا۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب فی اللعان، جلد2، صفحہ 274، المكتبة العصرية، بيروت)

صحاح ستہ کی مشہور ومعروف کتاب ابن ماجہ میں صحیح حدیث پاک حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے ” قالت طلقنی زوجی ثلاثا وهو خارج الی اليمن فاجاز ذلك رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم“ ترجمہ:فاطمہ بنت قیس فرماتی ہیں کہ مجھے میرے شوہر نے یمن جاتے وقت تین طلاقیں دیں ان تینوں کو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جائز رکھا۔

(سنن ابن ماجه، كتاب الطلاق، باب من طلق ثلثا فی مجلس واحد، جلد 1، صفحہ652، دار إحياء الكتب العربية)

سنن دارقطنی میں ہے ”عن إبراهيم بن عبيد الله بن عبادة بن الصامت عن أبيه عن جده قال طلق بعض آبائی امرأته ألفا فانطلق بنوه إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالوا يا رسول الله إن أبانا طلق أمنا ألفا فهل له من مخرج فقال إن أباكم لم يتق الله فيجعل له مخرجا بانت منه بثلاث على غير السنة وتسعمائة وسبع وتسعون إثم فی عنقه“ ترجمہ:حضرت ابراہیم بن عبیداللہ بن عبادہ بن صامت اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میرے بعض آباؤ اجداد میں سے کسی نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دیں۔اسکے بچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے باپ نے ہماری ماں کو ہزار طلاقیں دی ہیں اس کے لئے اس سے نکلنے کی کوئی صورت ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارا باپ اللہ سے نہیں ڈرا تو اللہ عزوجل اپنے حکم سے اس کے لئے نکلنے کی کیا صورت پیدا کرے؟ اس کی بیوی تین طلاقوں کے ساتھ اس سے علیحدہ ہوگئی خلافِ سنت طریقہ پر اور باقی نوسوستانوے طلاقوں کا گناہ اس کی گردن پر ہے۔

(سنن الدارقطنی، کتاب الطلاق والخلع والإيلاء وغيره، جلد5، صفحہ36، مؤسسة الرسالة، بيروت)

سنن دارقطنی میں ہے ” عن سويد بن غفلة قال كانت عائشة الخثعمية عند الحسن بن علی بن أبی طالب رضی الله عنه فلما أصيب علی وبويع الحسن بالخلافة قالت ليهنك الخلافة يا أمير المؤمنين فقال يقتل علی وتظهرين الشماتة اذهبی فأنت طالق ثلاثا .قال فتلفعت بساجها وقعدت حتى انقضت عدتها بعث إليها بعشرة آلاف متعة وبقية بقی لها من صداقها فقالت متاع قليل من حبيب مفارق فلما بلغه قولها بكى وقال لولا أنی سمعت جدی أو حدثنی أبی أنه سمع جدی يقول أيما رجل طلق امرأته ثلاثا مبهمة أو ثلاثا

عنـد الأقـراء لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره لراجعتها" ترجمہ: حضرت سوید بن غفلہ سے روایت ہے جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا۔ تو حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بیوی عائشہ بنت خلیفہ خثعمیہ حاضر ہوئیں اور کہا اے امیر المؤمنین آپ کو خلیفہ بننے کی مبارک ہو۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو گئے اور تو خوشی کا اظہار کرتی ہے۔ جاؤ تمہیں تین طلاق۔ حضرت عائشہ نے کہا میں نے تو اچھے ارادے سے کہا تھا پھر زینت و آرائش چھوڑ کر عدت میں بیٹھ گئیں۔ جب عدت پوری ہوئی تو امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی طرف دس ہزار درہم اور مہر کی بقیہ رقم بھیجی تو عائشہ نے کہا حبیب کی جدائی کی نسبت یہ مال قلیل ہے۔ جب حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک عائشہ کا یہ قول پہنچا تو آپ رو پڑے اور فرمایا اگر میں نے اپنے جدامجد سے یہ نہ سنا ہوتا یا فرمایا میرے والد ماجد نے مجھ سے بیان کیا اور انہوں نے میرے جدامجد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ''کوئی شخص اگر اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے یا الگ الگ طلاق دے اس کی بیوی اس کے لئے حلال نہ ہوگی جب تک وہ کسی دوسرے شوہر سے نکاح نہ کر لے'' تو میں اس سے رجوع کر لیتا۔

(سنن الدارقطنی، کتاب الطلاق والخلع والإيلاء وغيره، جلد5، صفحہ55، مؤسسة الرسالة، بيروت)

اس کے علاوہ کثیر صحیح احادیث سے اکٹھی تین طلاقیں دی ہوئی نافذ ہونے کا ثبوت ہے۔ چاروں ائمہ کرام امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام حنبل و دیگر فقہائے کرام و محدثین کے نزدیک اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں تو تینوں ہو جاتی ہے اور انہوں نے فرمایا جو یہ کہے کہ تین دینے سے ایک ہوتی ہے وہ گمراہ ہے۔ شرح ابن بطال میں رفاعہ والی حدیث کے تحت ہے "اتفق أئمة الفتوى على لزوم إيقاع طلاق الثلاث في كلمة

واحدة، فإن ذلك عندهم مخالف للسنة، وهو قول جمهور السلف، والخلاف في ذلك شذوذ، وإنما تعلق به أهل البدع" ترجمہ: ائمہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ تین اکٹھی طلاقیں دی جائیں تو تینوں ہی نافذ ہو جاتی ہیں اگرچہ اکٹھی تین طلاقیں دینا خلافِ سنت ہے اور یہ جمہور علماء سلف کا قول ہے۔ اس کا خلاف اسلاف کے مخالف ہے اور شاذ ہے اور ایسا کہنے والے گمراہ ہیں۔

(شرح ابن بطال، باب من أجاز طلاق الثلاث، جلد7، صفحہ390، مكتبة الرشد، الرياض)

اتنی احادیث اور ائمہ کرام و محدثین کے اجماع کے برخلاف وہابی حضرات جو کہ اہل حدیث ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ جن کا مذہب یہ ہے کہ فضائل میں بھی ضعیف حدیث معتبر نہیں۔ لیکن جب لوگوں کو وہابیت سے متاثر کرنے کی بات آئی تو وہابی حضرات نے کثیر صحیح احادیث کو چھوڑ کر احکام میں ایک ضعیف حدیث پر عمل شروع کر دیا اور لوگوں کو یہ فتویٰ دینا شروع کر دیا کہ اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں تو صرف ایک ہوتی ہے۔ وہ ضعیف حدیث یہ ہے جسے خود وہابیوں کے امام البانی نے ضعیف کہا ہے چنانچہ ابوداؤد شریف کی حدیث پاک ہے "عن نافع بن عجير بن عبد يزيد بن ركانة، أن ركانة بن عبد يزيد طلق امرأته سهيمة البتة، فأخبر النبي صلى الله عليه وسلم بذلك، وقال والله ما أردت إلا واحدة، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم والله ما أردت إلا واحدة؟، فقال ركانة والله ما أردت إلا واحدة، فردها إليه رسول الله صلى الله عليه وسلم، فطلقها الثانية في زمان عمر، والثالثة في زمان عثمان۔ (حكم الألباني) ضعيف" ترجمہ: حضرت نافع بن عجیر بن عبد یزید بن رکانہ سے مروی ہے کہ حضرت رکانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی سہیمہ کو طلاق بتہ دی پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاقِ بتہ دیدی

ہے اور اللہ کی قسم میں نے اس لفظ سے ایک طلاق کی نیت کی تھی۔ تو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو نے واقعی ایک طلاق نیت کی تھی؟ تو اس نے عرض کی کہ ''اللہ عزوجل کی قسم ایک طلاق کی نیت کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی بیوی اسے واپس لوٹا دی۔ حضرت رکانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوسری طلاق حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں دی اور تیسری طلاق حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں دی۔ البانی کہتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث، جلد 2، صفحہ261، المكتبة العصرية، بيروت)

ایک تو یہ حدیث ضعیف ہے اور دوسرا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں تو ایک ہوتی ہے بلکہ اس حدیث کا مطلب ہے کہ کنایہ لفظ سے طلاق دی جائے جو ایک اور تین کا احتمال رکھتا ہے تو جتنی طلاق کی نیت کی ہوگی اتنی طلاقیں ہو جائیں گی۔ جیسے کوئی اپنی بیوی کو کہے تو میری طرف سے فارغ ہے اور اس میں تین طلاقوں کی نیت کرے گا تو تینوں ہوں گی اگر ایک کی نیت کرے گا تو ایک ہوگی۔ لیکن اگر کوئی اپنی بیوی کو صاف صریح الفاظ میں کہے میں نے تجھے طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی تو اس میں نیت کا اعتبار نہیں تینوں طلاقیں ہو جائیں گی جیسا کہ اوپر صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ جسے وہابی حضرات بھی مانتے ہیں وہ بھی یہی فرماتے ہیں ''وأما الرواية التي رواها المخالفون، أن ركانة طلق ثلاثا فجعلها واحدة، فرواية ضعيفة عن قوم مجهولين وإنما الصحيح منها ما قدمناه أنه طلقها البتة ولفظ (البتة)محتمل للواحدة وللثلاث'' ترجمہ: وہ حدیث جو مخالفین روایت کرتے ہیں کہ حضرت رکانہ نے تین طلاقیں دیں تھیں ان کو ایک کر دیا گیا یہ روایت مجہول لوگوں سے ضعیف ہے اور صحیح وہی

ہے جو ہم نے پیچھے بیان کیا کہ حضرت رکانہ نے طلاق بتہ دی تھی اور لفظ بتہ تین اور ایک کا احتمال رکھتا ہے۔

(شرح صحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث، جلد10، صفحہ71، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

وہابی حضرات کی دوسری دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ آپ نے فرمایا'' كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وابى بكر رضى الله عنه وسنتين من خلافة عمر رضى الله عنه طلاق الثلاثة واحدة'' ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی پوری خلافت اور عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں تک تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوا کرتی تھیں۔

(مسلم، كتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث، جلد2، صفحہ1009، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

اس حدیث سے وہابی حضرات ثابت کرتے ہیں کہ پہلے اکٹھی تین طلاقیں دی جاتی تھیں تو اسے ایک شمار کیا جاتا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (معاذ اللہ) سیاسی طور پر تین طلاقوں کو تین ہی قرار دے دیا اور بعد میں ان کو ندامت بھی ہوئی چنانچہ ایک وہابی مولوی صاحب لکھتا ہے: ''آخری ایام میں انہیں اس بات کا احساس بھی ہوا کہ مجھے بطور سزا بھی یہ اقدام نہیں کرنا چاہئے تھا جس پر انہوں نے اظہار ندامت بھی کیا۔''

(ایک مجلس میں تین طلاقیں اور اس کا شرعی حل، صفحہ49، دارلسلام، لاہور)

یہ حضرت عمر فاروق پر بہتان عظیم ہے کہ انہوں نے سیاسی طور یہ قدم اٹھایا تھا جو شرع کے خلاف تھا اور یہ بھی بہت ضعیف قول ہے کہ انہوں کو بعد میں اس عمل سے ندامت بھی ہوئی تھی۔ درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور

میں غیر مدخولہ یعنی جس عورت سے نکاح تو کیا ہوتا لیکن رخصت سے قبل اسے متفرق طور پر تین طلاقیں دے دی جاتیں جیسے تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے تو پہلی طلاق سے عورت بائنہ ہو جاتی اور باقی لغو جاتی تھیں۔ لہذا اس دور میں صرف ایک طلاق واقع ہوتی تھی اور یہ حکم آج بھی ایسا ہی ہے۔ لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں لوگ غیر مدخولہ کو بھی اکٹھی تین طلاقیں اس طرح دیتے تھے کہ میں نے تجھے تین طلاقیں دیں اور ان الفاظ میں تینوں طلاقیں ہو جاتی ہیں اسی کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نافذ فرمایا اور تمام صحابہ کرام علیہم الرضون نے اس پر اجماع کر لیا۔ یہی بات حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابوداؤد شریف کی حدیث پاک سے ثابت ہے چنانچہ ابوداؤد شریف میں ہے "عن طاوس، أن رجلا، يقال له أبو الصهباء كان كثير السؤال لابن عباس، قال أما علمت أن الرجل كان إذا طلق امرأته ثلاثا قبل أن يدخل بها، جعلوها واحدة على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وأبى بكر، وصدرا من إمارة عمر؟، قال ابن عباس بلى كان الرجل إذا طلق امرأته ثلاثا قبل أن يدخل بها، جعلوها واحدة على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وأبى بكر، وصدرا من إمارة عمر، فلما رأى الناس قد تتابعوا فيها، قال أجيزوهن عليهم " ترجمہ: حضرت طاوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص جس کا نام ابوصہبا تھا وہ کثیر سوال حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کرتا تھا۔ اس نے کہا کیا آپ کو معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور مبارک اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور مبارک اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شروع کے دور میں اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو رخصتی سے قبل اگر تین طلاقیں دیتا تھا تو وہ ایک سمجھی جاتی

تھیں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں ان ادوار میں اگر رخصتی سے قبل کوئی اپنی بیوی کو تین (متفرق) طلاقیں دیتا تھا تو اسے ایک شمار کیا جاتا تھا۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں آپ نے دیکھا کہ لوگ اکٹھی تین طلاقیں دیتے ہیں تو آپ نے ان کو نافذ فرما دیا۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث، جلد 2، صفحہ 261، المكتبة العصرية، بيروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث پہلی حدیث کی صاف صاف تشریح بیان کر رہی ہے۔ لہذا دیگر صحیح احادیث کو چھوڑ کر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ والے مجمل قول کو دلیل بنانا درست نہیں۔ کیونکہ یہ روایت قرآن مجید، احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ کی صراحت کے خلاف ہے۔ اس روایت کے شاذ و معلل اور مردود ہونے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما خود یہ فتوی دیتے تھے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ متصور نہیں ہے کہ وہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک چیز روایت کریں اور فتوی اس کے خلاف دیں " كما فى فتح البارى شرح صحيح البخارى انه لا يظن بابن عباس انه يحفظ عن النبى صلى الله عليه وسلم شيئاً ويفتى بخلافه"

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک نقل کرتے ہیں "عن سعيد بن جبير قال جاء رجل إلى ابن عباس فقال إني طلقت امرأتي ألفا ومائة قال بانت منك بثلاث وسائرهن وزر، اتخذت آيات الله هزوا" ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما کے پاس ایک آدمی آیا اس نے کہا میں نے اپنی بیوی کو سو اور ہزار مرتبہ طلاق دی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا وہ تین طلاقوں کے ساتھ تم پر بائنہ ہوگی اور باقی گناہ ہوئیں اور اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ تو نے استہزا کیا۔

(الکتاب المصنف ،کتاب الطلاق،فی الرجل یطلق امراتہ مائۃ او الفا فی قول واحد، جلد 4، صفحہ62،مکتبۃ الرشد ،الریاض)

لہٰذا کسی سنی کے لئے جائز نہیں کہ وہ سب کچھ جانتے بوجھتے تین طلاقیں دینے کے بعد کسی وہابی مولوی سے فتوی لے کر حرام کا ارتکاب کرے اور کل قیامت والے دن اپنے رب تعالیٰ کے حضور اس حال میں حاضر ہو کہ اس کا شمار زانیوں میں ہو۔ خاندان و دیگر دوست احباب کو بھی چاہئے کہ تین طلاقوں کے بعد میاں بیوی کو اکٹھے رہنے سے روکیں تا کہ ان کے ہمدرد بن کر خود گناہ گار ہوں اور ان کے فائدے کے لئے اپنی آخرت خراب کرلیں ۔ایسوں کو اس حدیث سے عبرت حاصل کرنی چاہئے جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا"من أسوأ الناس منزلة ، من أذهب آخرته بدنيا غيره " ترجمہ:لوگوں میں سب سے بڑا بد بخت وہ شخص ہے جو غیر کی دنیا کے لئے اپنی آخرت خراب کرے۔

(شعب الایمان ،باب فی اخلاص العمل للہ۔۔۔،جلد5،صفحہ358، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

بیوی کو اگر معلوم ہے کہ شوہر نے مجھے تین طلاقیں دے دی ہیں تو ہرگز اس کے ساتھ نہ رہے،جس طرح سے بھی ہو سکے اس سے چھٹکارا حاصل کرے۔

آج کل یہ بھی رواج ہو گیا ہے کہ عورت شوہر سے طلاق لینے کی بجائے کورٹ سے خلع لے لیتی ہے۔ شرعی طور پر عورت کا بغیر وجہ سے طلاق یا خلع کا مطالبہ کرنا ہی ناجائز

ہے۔سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا " المختلعات هن المنافقات " ترجمہ: خلع طلب کرنے والی عورتیں منافق ہیں۔

(جامع ترمذی،ابواب الطلاق واللعان،باب ما جاء فی المختلعات، جلد3،صفحہ 484،مصطفی البابی الحلبی ،مصر)

اگر واقعی عورت مظلوم ہے اور اب اس کا شوہر کے ساتھ رہنا مشکل ہو گیا ہے تو شریعت نے اجازت دی ہے کہ وہ شوہر سے خلع لے لے ۔لیکن شریعت نے یہ ہرگز اجازت نہیں دی کہ شوہر کی بجائے کورٹ یا کوئی یونین کونسل یا کوئی پنچائیت خلع دے۔شوہر کے علاوہ کسی اور کے طلاق یا خلع دینے سے طلاق و خلع واقع نہیں ہوتا کہ طلاق کی گرہ شوہر کے ہاتھ میں ہے۔لہٰذا جب تک شوہر طلاق نہیں دے گا،طلاق واقع نہیں ہوگی ۔اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے۔﴿بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ﴾یعنی نکاح کی گرہ صرف خاوند کے ہاتھ میں ہے۔ (سورۃ البقرۃ ،سورت2،آیت 237)

سنن ابن ماجہ میں حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک حدیث پاک مروی ہے کہ ایک غلام نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم میرے آقا نے میرا نکاح اپنی کنیز کے ساتھ کر دیا ہے اور اب وہ چاہتا ہے کہ ہم دونوں میں جدائی ڈال دے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ارشاد فرمایا "یأ یها الناس ما بال أحدكم يزوج عبده أمته ثم يريد أن يفرق بينهما إنما الطلاق لمن أخذ بالساق" ترجمہ:اے لوگو!تم میں سے اس کو کیا ہو گیا ہے جو پہلے اپنے غلام کا نکاح اپنی کنیز سے کر دیتا ہے پھر جدائی ڈالنا چاہتا ہے حالانکہ طلاق تو وہی دے سکتا ہے جس نے جماع کیا (یعنی جو صحبت اور ہمبستری کا حقدار ہے وہی طلاق کا حق رکھتا

ہے)۔

(سنن ابن ماجه، كتاب الطلاق، باب طلاق العبد، جلد1، صفحه672، دار إحياء الكتب العربية)

امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:''لا الـہ الا اللـہ بے شوہر کے طلاق دئے طلاق تحصیلدار کے دئے نہیں ہوسکتی۔۔۔دوسری جگہ نکاح کرے گی تو حرام قطعی اور زنا ہوگا۔'' (فتاوی رضویه، جلد12، صفحه476، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

لہٰذا کورٹ یا پنچائیت وغیرہ کو چاہئے کہ وہ شوہر کو مجبور کر کے اس سے خلع یا طلاق لیں۔

فصلِ پنجم: فوتگی کی رسومات

رشتہ داروں کے اکٹھا ہونے تک میت کو رکھے رکھنا

ہمارے یہاں رائج ہے کہ جب کوئی مرجائے تو جب تک اس کا سارا خاندان اکٹھا نہ ہو جائے جنازہ میں تاخیر کی جاتی ہے یہاں تک کہ اگر کسی نے باہر کے ملک سے آنا ہوتو میت کو فریز کروادیا جاتا ہے۔شرعی حکم یہی ہے کہ مرنے والے کے کفن ودفن میں جلدی کرنی چاہئے اگر کسی نے بہت دور سے آنا ہوتو اس کے لئے کئی گھنٹے یا دن میت کو رکھ چھوڑنا نہیں چاہئے۔ترمذی شریف کی حدیث پاک ہے''عن علی بن أبی طالب أن رسول اللـه صلی اللـه علیه و سلم قال له یا علی ثلاث لا تؤخرها الصلاة إذا أتت والجنازة إذا حضرت والأیم إذا وجدت لها کفوأ'' ترجمہ:اے علی! تین چیزوں میں دیر نہ کرنا۔نماز جب اس کا وقت آئے، اور جنازہ جب حاضر ہو، اور بے شوہر عورت جب اس کے لئے کفو پائے (یعنی جو اس کا ہم پلہ ہو اس سے جلدی نکاح کردو۔)

(جامع ترمذی، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی تعجیل الجنازة، جلد 3، صفحه379، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

میت کے قریبی رشتہ دار اس لئے میت کو دفنانے نہیں دیتے کہ آخری دیدار ہو جائے یہ اگرچہ محبت کا تقاضا ہے لیکن یہ سوچنا چاہئے کہ اگر زیادہ دیر رکھنے سے میت کا چہرہ یا جسم بگڑ جائے تو لوگ مرنے والے کے متعلق بدگمانی کا شکار ہوں گے۔لہٰذا اپنے عزیز کو لوگوں کی بدگمانیوں سے بچانا چاہئے۔

عموما عورتیں اپنے عزیزوں پر روتے ہوئے نوحہ بازی کرتی ہیں، چلا چلا کر روتی ہیں جو کہ جائز نہیں۔سنن ابوداؤد کی حدیث مبارک ہے''قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لیس منا من حلق و من سلق و من خرق'' ترجمہ:رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہم میں سے نہیں جو سر منڈوائے اور چلا کر روئے اور گریبان پھاڑے۔

(سنن ابو داؤد، كتاب الجنائز، باب في النوح، جلد3، صفحه194، المكتبة العصرية، بيروت)

بلکہ بعض اوقات تو اللہ عزوجل پر شکوہ واعتراض کرتی ہیں جیسے ہائے اللہ تو نے یہ کیوں کیا، تجھے رحم نہ آیا (معاذ اللہ عزوجل)۔اللہ عزوجل پر اعتراض کرنا کفر ہے۔بعض لوگ فوتگی پر کہتے ہیں اللہ عزوجل کو نیک لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے اپنے پاس بلا لیتا ہے، ایسا کہنا بھی کفر ہے کہ اللہ عزوجل کسی کا محتاج نہیں۔

غُسلِ میت کا رائج طریقہ کار

مسلمان میت کو غسل دینا فرض کفایہ ہے۔اس کا مختصر صحیح طریقہ یہ ہے: جس چارپائی یا تخت یا تختہ پر نہلانے کا ارادہ ہو اُس کو تین یا پانچ یا سات بار دھونی دیں یعنی جس چیز میں وہ خوشبو سُلگی ہو اُسے اتنی بار چارپائی وغیرہ کے گرد پھرائیں اور اُس میّت کو لٹا کر ناف سے گھٹنوں تک کسی کپڑے سے چھپادیں۔پھر نہلانے والا اپنے ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر پہلے استنجا کرائے، پھر نماز کا سا وضو کرائے یعنی منہ پھر کہنیوں سمیت ہاتھ دھوئیں پھر سر کا مسح

کریں پھر پاؤں دھوئیں مگر میّت کے وضو میں گٹوں تک پہلے ہاتھ دھونا اور کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا نہیں ہے ہاں کوئی کپڑا یا روئی کی پھریری بھگو کر دانتوں اور مسوڑوں اور ہونٹوں اور نتھنوں پر پھیر دیں پھر سر اور داڑھی کے بال ہوں تو گل خیرو سے دھوئیں یہ نہ ہو تو صابون یا کسی چیز سے ورنہ خالی پانی بھی کافی ہے۔ پھر بائیں کروٹ پر لٹا کر سر سے پاؤں تک بیری کا پانی بہائیں کہ تختہ تک پہنچ جائے پھر داہنی کروٹ پر لٹا کر یونہی کریں اور بیری کے پتّے جوش دیا ہوا پانی نہ ہو تو خالص پانی نیم گرم کافی ہے۔ پھر ٹیک لگا کر بٹھائیں اور نرمی کے ساتھ نیچے کو پیٹ پر ہاتھ پھیریں اگر کچھ نکلے دھو ڈالیں وضو وغسل کا اعادہ نہ کریں۔ پھر آخر میں سر سے پاؤں تک کافور کا پانی بہائیں۔ پھر اُس کے بدن کو کسی پاک کپڑے سے آہستہ سے پونچھ دیں۔ نہلانے والا باطہارت ہو۔ جنب یا حیض والی عورت نے غسل دیا تو کراہت ہے مگر غسل ہو جائے گا اور بے وضو نہلایا تو کراہت بھی نہیں بہتر یہ ہے کہ نہلانے والا میّت کا سب سے قریبی رشتہ دار ہو وہ نہ ہو یا نہلانا نہ جانتا ہو تو کوئی اور شخص جو امانت دار و پرہیز گار ہو۔

نہلانے والا معتمد شخص ہو کہ پوری طرح غسل دے اور جو اچھی بات دیکھے مثلاً چہرہ چمک اٹھا یا میّت کے بدن سے خوشبو آئی تو اسے لوگوں کے سامنے بیان کرے اور کوئی بُری بات دیکھی مثلاً چہرے کا رنگ سیاہ ہو گیا یا بدبو آئی یا صورت یا اعضا میں تغیر آیا تو اسے کسی سے نہ کہے اور ایسی بات کہنا جائز بھی نہیں کہ حدیث میں ارشاد ہوا اپنے مُردوں کی خوبیاں ذکر کرو اور اُس کی برائیوں سے باز رہو۔

اگر کوئی بد مذہب مرا اور اُس کا رنگ سیاہ ہو گیا اور کوئی بُری بات ظاہر ہوئی تو اس کو بیان کرنا چاہئے کہ اس سے لوگوں کو عبرت و نصیحت ہو گی۔

(ماخوذ از، بہار شریعت، جلد2، حصہ4، صفحہ73، ضیاء القرآن، لاہور)

ہمارے یہاں جو غسل دینے کا طریقہ رائج ہے اس میں کچھ قباحتیں ہیں جیسے غسل دینے والا میت کے تمام کپڑوں کو کاٹ دیتا ہے حالانکہ اگر کپڑے آسانی سے اتر سکتے ہیں اسے کاٹنا درست نہیں اتار کر استعمال میں آسکتے ہیں۔ ایک بہت بڑی قباحت رائج ہونا شروع ہو گئی ہے کہ میت کے زیرِ ناف بال کاٹے جاتے ہیں یہ بالکل ناجائز ہے۔ درمختار، ردالمحتار اور عالمگیری میں ہے "ولا یسرح شعر المیت ولا لحیته ولا یقص ظفره ولا شعره، کذا فی الهدایة ولا یقص شاربه ولا ینتف إبطه ولا یحلق شعر عانته ویدفن بجمیع ما کان علیه، کذا فی محیط السرخسی، وإن کان ظفره منکسرا فلا بأس بأن یأخذه، کذا فی المحیط" ترجمہ: میّت کی داڑھی یا سر کے بال میں کنگھا کرنا یا ناخن تراشنا یا کسی جگہ کے بال مونڈنا یا کترنا یا اُکھاڑنا ناجائز ومکروہ وتحریمی ہے بلکہ حکم یہ ہے کہ جس حالت پر ہے اُسی حالت میں دفن کر دیں ہاں اگر ناخن ٹوٹا ہو تو لے سکتے ہیں۔

(فتاوٰی عالمگیری، باب الجنائز، الفصل الثانی فی الغسل، جلد1، صفحہ158، دارالفکر، بیروت)

بعض علاقوں وخاندانوں میں غسل دینے میں استعمال ہونے والے برتنوں کے متعلق عجیب وغریب طریقے رائج ہیں۔ بہار شریعت میں ہے: "بعض جگہ دستور ہے کہ عموماً میّت کے غسل کے لئے کورے گھڑے بدھنے لاتے ہیں اس کی کچھ ضرورت نہیں گھر کے استعمالی گھڑے لوٹے سے بھی غسل دے سکتے ہیں اور بعض یہ جہالت کرتے ہیں کہ غسل کے بعد توڑ ڈالتے ہیں یہ ناجائز وحرام ہے کہ مال ضائع کرنا ہے اور اگر یہ خیال ہو کہ نجس ہو گئے تو یہ بھی فضول بات ہے کہ اولاً تو اُس پر چھینٹیں نہیں پڑتیں اور پڑیں بھی تو راجح یہ ہے کہ میّت کا غسل نجاست حکمیہ دُور کرنے کے لئے ہے تو مستعمل پانی کی چھینٹیں پڑیں اور مستعمل پانی نجس نہیں جس طرح زندوں کے وضو وغسل کا پانی اور اگر فرض کیا جائے کہ نجس

پانی کی چھینٹیں پڑیں تو دھوڈالیں دھونے سے پاک ہو جائیں گے اور اکثر جگہ وہ گھڑے بدھنے مسجدوں میں رکھ دیتے ہیں اگر نیت یہ ہو کہ نمازیوں کو آرام پہنچے گا اور اُس کا مُردے کو ثواب تو یہ اچھی نیت ہے اور رکھنا بہتر اور اگر یہ خیال ہو کہ گھر میں رکھنا نحوست ہے تو یہ نری حماقت اور بعض لوگ گھڑے کا پانی پھینک دیتے ہیں یہ بھی حرام ہے۔''

(بہارشریعت، جلد1، حصہ4، صفحہ76، ضیاء القرآن، لاہور)

بعض لوگوں میں یہ بھی نظریہ پایا جاتا ہے کہ جس جگہ میت کو غسل دیا گیا ہو وہاں چالیس دن تک روشنی کرنی چاہئے کہ روح اس جگہ آتی ہے اور اندھیرا دیکھ کر واپس چلی جاتی ہے۔ یہ بھی بے اصل بات ہے۔ فتاوٰی رضویہ میں ہے: ''جس طرح یہاں جُہّال (جاہلوں) میں رواج ہے کہ مردہ کی جہاں کچھ زمین کھود کر نہلاتے ہیں جسے عوام لحد کہتے ہیں، چالیس رات چراغ جلاتے اور یہ خیال کرتے ہیں کہ چالیس شب روح لحد پر آتی ہے اندھیرا دیکھ کر پلٹ جاتی ہے۔ یونہی اگر وہاں جُہال میں رواج ہو کہ موت سے چند رات تک گھروں سے شمعیں جلا کر قبروں کے سرہانے رکھ آتے ہوں اور یہ خیال کرتے ہوں کہ نئے گھر میں بے روشنی کے گھبرائے گا۔ تو اس کے بدعت ہونے میں کیا شبہہ ہے۔ اور اس کا پتہ یہاں بھی قبروں کے سرہانے چراغ کے لیے طاق بنانے سے چلتا ہے اور بیشک اس خیال سے جلانا فقط اسراف و تضییعِ مال ہی نہیں کہ محض بدعت عمل ہو۔ بلکہ بدعتِ عقیدہ ہوئی کہ قبر کے اندر روشنی واموات کا اس سے دل بہلنا سمجھا، ولہذا امام صفار رحمہ اللہ تعالٰی نے اس مسئلہ کو کتاب الاعتقاد میں ذکر فرمایا۔''

(فتاوٰی رضویہ، جلد9، صفحہ502، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

لوگوں میں جو مشہور ہے کہ میت کو غسل دینے پر غسل واجب ہو جاتا ہے یہ درست نہیں البتہ غسل کرنا مستحب ہے۔

کفن میں سنت وممانعت

کفن میں مرد کے لئے سنت تین کپڑے ہیں: (۱) لفافہ (۲) اِزار (۳) قمیص۔ عورت کے لئے پانچ ہیں تین یہی اور باقی دو (۴) اوڑھنی (۵) سینہ بند ہیں۔ آج کل رائج ہو گیا ہے کہ علماء کرام اور دعوت اسلامی کے اسلامی بھائیوں کو عمامہ بھی پہنایا جاتا ہے۔ شرعی طور پر یہ جائز ہے۔ عالم دین، ولی اللہ اور وہ مسلمان جو زندگی میں عمامہ پہنتا ہو اسے عمامہ کے ساتھ دفن کرنا اچھا ہے۔ فتاوٰی ہندیہ میں ہے ''ولیس فی الكفن عمامة فی ظاهر الرواية وفی الفتاوی استحسنها المتأخرون لمن كان عالما ويجعل ذنبها علی وجهه بخلاف حال الحياة'' ترجمہ: اور کفن میں ظاہر الروایہ کے مطابق عمامہ نہیں ہے۔ متاخرین علماء نے عالم کو عمامے کے ساتھ دفن کرنے کو اچھا فرمایا ہے۔ اور عمامے کے شملہ کو چہرے کی طرف رکھا جائے گا بخلاف حیات کے (کیونکہ حیات میں شملہ کندھوں کے درمیان رکھا جاتا ہے۔)

(فتاوی ہندیہ، کتاب الجنائز، الفصل الثالث فی التكفین، جلد1، صفحہ447، دارالفکر، بیروت)

علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''ويسن فی الكفن له إزار وقميص ولفافة وتكره العمامة) للميت (فی الأصح) مجتبى واستحسنها المتأخرون للعلماء والأشراف'' ترجمہ: کفن میں سنت یہی ہے کہ ازار، قمیص اور لفافہ ہو۔ عمامہ اصح قول کے مطابق میت کے لئے مکروہ ہے۔ علمائے متاخرین نے عالم، عزت دار کے لئے عمامے کو اچھا فرمایا۔

(درمختار مع ردالمحتار، باب صلوٰۃ الجنازۃ، مطلب فی الکفن، جلد2، صفحہ201، دارالفکر، بیروت)

مشہور صحابی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے اپنے بیٹے کو عمامے کے ساتھ دفن کیا چنانچہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''ووجه بأن ابن عمر كفن ابنه واقدا

فی خمسة أثواب قمیص وعمامة وثلاث لفائف" ترجمہ: وجہ یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے بیٹے واقد کو پانچ کپڑوں تین لفافوں، قمیص اور عمامہ میں دفن کیا۔

(درمختارمع ردالمحتار، باب صلوٰۃ الجنازۃ،مطلب فی الکفن،جلد2،صفحہ201،دارالفکر،بیروت)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی عمامہ میں دفن کرنا ثابت ہے چنانچہ البنایہ میں ہے"أوصی أنس إلی ابن سیرین رحمه الله أن یغسله فغسله وکفنه فی خمسة أثواب، أحدها العمامة وطلاه بالمسك من فوقه إلی قدمه" ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وصیت کی کہ آپ مجھے غسل دیں۔ انہوں نے غسل دیا اور پانچ کپڑے کفن میں پہنائے جن میں ایک عمامہ پہنایا اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم مبارک کو اوپر سے لے کر نیچے تک خوشبو لگائی۔

(البنایہ شرح الہدایہ، کتاب الصلوٰۃ،باب الجنائز،فصل فی التکفین،جلد 3،صفحہ197،دار الکتب العلمیۃ،بیروت)

جو اسلامی بھائی داڑھی منڈا، عمامہ پہننے والا نہ ہو تو اسے عمامہ نہ پہنایا جائے۔ ایسے شخص کو عمامہ پہنانا مکروہ ہے۔

غسل دینے کے بعد جب جنازہ کو عورتوں کے درمیان رکھا جاتا ہے تو عورتیں بلند آواز سے ذکر و دعا شروع کر دیتی ہیں۔ شرعی طور پر اس طرح مختصر وقت میں ذکر کرنے کی اجازت تو ہے لیکن عورتوں کو اس طرح بلند آواز میں ذکر و دعا کرنے کی اجازت نہیں کہ مردوں تک ان کی آواز جائے۔ ردالمحتار میں ہے "نغمة المرأة عورة" ترجمہ: عورت کی خوش الحانی والی آواز پردہ ہے۔

(ردالمحتار، کتاب الصلوٰۃ، مطلب فی ستر العورۃ،جلد1،صفحہ406،دارالفکر،بیروت)

بعض لوگ زندگی میں اپنا کفن خود تیار کر لیتے ہیں اور اس میں آب زمزم کے چند قطرے بطور تبرک ڈال دیتے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ روح المعانی میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ قبر میں تبرکات رکھنے کے جواز پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں"ومن هذا القبيل ماء زمزم والكفن المبلول به وبطانة أستار الكعبة والتكفن بها" ترجمہ: اسی طرح کفن کو آب زمزم سے تر کرنا اور خانہ کعبہ کے غلاف کے اَستر کا کفن بنانا درست ہے۔

(روح المعانی،سورت التوبہ،سورت9،آیت84،جلد3،صفحہ 479،دار الفکر ،بیروت)

لیکن زندگی میں اپنی قبر تیار کروا کر رکھنے کی اجازت نہیں، علمائے کرام نے اس سے منع فرمایا ہے کہ پتہ نہیں موت کہاں آئے۔

جنازہ کس طرح لے کر چلا جائے؟

جنازہ قبرستان کو لے جاتے وقت میت کا سر آگے رکھنے کا حکم ہے اگر چہ پاؤں قبلہ کی طرف ہوں۔ فتاوی رضویہ میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا گیا کہ" جنازہ لے کر چلیں تو سرہانہ آگے کریں یا پائنتی؟ ایک شخص کہتا ہے کہ پائنتی آگے کرنے کا حکم ہے؟۔" تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواباً ارشاد فرمایا:"اس شخص نے محض غلط کہا، جنازہ لے کر چلنے میں سرہانے آگے کرنے کا حکم ہے۔ فتاوی عالمگیری میں ہے "فی حالة المشی بالجنازة یقدم الراس کذافی المضمرات" جنازہ لے کر چلنے میں سر آگے ہوگا۔ ایسا ہی مضمرات میں ہے۔"

(فتاوی رضویہ ،جلد9، صفحہ135 ، رضافاؤنڈیشن ،لاہور)

عورت کے جنازہ کو غیر محرم اور شوہر کا کندھا دینا

عوام میں یہ مشہور ہے کہ عورت کو غیر محرم اور شوہر کندھا نہیں دے سکتا۔ یہ نظریہ

غلط ہے۔ بہار شریعت میں ہے: ''عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ شوہر عورت کے جنازہ کو نہ کندھا دے سکتا ہے نہ قبر میں اتار سکتا ہے نہ منہ دیکھ سکتا ہے یہ محض غلط ہے صرف نہلانے اور اسکے بدن کو بلا حائل ہاتھ لگانے کی ممانعت ہے۔''

(بہار شریعت، جلد2، حصہ 4، صفحہ74، ضیاء القرآن، لاہور)

کنواری عورت وکنوارے مرد کے جنازے میں رائج رسم

بعض جگہ یہ رائج ہے کہ اگر کنواری عورت مر جائے تو اسے جنازہ میں لال چنری پہنائی جاتی ہے اور مرد مر جائے تو اسے سہرا لگایا جاتا ہے یا ہاتھ پر گانہ باندھا جاتا ہے۔ یہاں تک بھی سننے میں آیا ہے کہ کنوارے مردے کے جنازے کے آگے پیسے لوٹائے گئے۔ ایک عورت سو سال سے زیادہ عمر پا کر فوت ہوئی تو ڈھول بجا کر جنازہ لیجایا گیا کہ لمبی عمر پائی ہے۔ یہ سب ناجائز ہے کہ اس میں زینت وخوشی پائی جارہی ہے جو اس موقع پر درست نہیں۔

جنازہ میں ذکر ونعت

جنازہ لے جاتے وقت ذکر ونعت کرنا جائز ہے بلکہ مستحب ہے کہ ذکر سے میت کو اُنس ہوتا ہے۔ جنازہ میں ذکر ونعت کے جواز کے متعلق شہزادہ اعلیٰ حضرت مفتی مصطفیٰ رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ''ذکر مطلقا بہر نوع اور بہر حال ہر زمان و مکان میں مستحسن ومستحب ومندوب ومطلوب ہے۔ مگر بعض انواع احوال وساعات ولمحات جن میں کراہت شرعی ہو جیسے نماز مطلقا خیر موضوع ہے مگر بحال جنابت وحدیث بے طہارت یا باوقات مکروہہ یا بارض مغصوب یا بر موضع ناپاک یا بمقام غیر طاہر یا بلباس نجس یا بہیأت و وضع ناجائز۔ قرآن عظیم وحدیث نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم میں ذکر کا حکم مطلق ہے اور

مطلق ہمیشہ اپنے اطلاق پر رہے گا۔۔۔اس تمہید حمید کے بعد اب نفس مسئلہ کی جانب عنانِ توجہ موڑیئے۔ جنازہ کے ساتھ ذکر الٰہی وذکر رسالت پناہی جل وجلا وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ خاص نوع خاص حال کا بھی ذکر قرآن وحدیث کے ان مطلق ارشادات کے نیچے داخل ہے۔ تو یہ بھی باعتبارِ اصل ضرور جائز ومندوب ومستحسن ہے۔''

(فتاویٰ مصطفویہ، صفحہ276، شبیر برادرز، لاہور)

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''غسل اور کفن سے فارغ ہو کر نعت خوانی کرتے ہوئے یا بلند آواز سے درود شریف اور کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے میت کو لے چلیں۔ کیونکہ آج کل ذکر الٰہی عزوجل آواز سے نہ ہو تو لوگ دنیا کی باتیں کرتے ہوئے جاتے ہیں اور یہ منع ہے۔ نیز اس نعت خوانی اور درود شریف کی آواز سے گھروں میں لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ کوئی میت جارہی ہے تو آ کر نماز اور دفن میں شریف ہو جاتے ہیں۔''

(اسلامی زندگی، صفحہ85، قادری پبلیشرز، لاہور)

پہلے یہی حکم فقہائے کرام دیتے تھے کہ جنازہ میں خاموشی سے اپنی فکر آخرت کرتے ہوئے چلیں بلند آواز سے کوئی ذکر نہ کیا جائے۔ پھر جب لوگوں کو دیکھا کہ یہ فکر آخرت نہیں کرتے بلکہ باتیں کرتے رہتے ہیں تو جنازہ کے ساتھ بلند آواز میں ذکر کرنے کو مستحب فرمادیا گیا۔

نماز جنازہ اوراس کا طریقہ

اہل سنت میں جو طریقہ جنازہ پڑھنے کا رائج ہے، جو دعائیں جنازہ کی پڑھی جاتی ہیں بالکل ٹھیک واحادیث سے ثابت ہیں۔ نماز جنازہ میں چند باتوں کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے:۔ ایک یہ کہ ہمارے یہاں ہر کسی کا نماز جنازہ پڑھ لیا جاتا ہے یہاں تک کہ جانتے بوجھتے قادیانیوں کا جنازہ پڑھ لیا جاتا ہے۔ جو شخص بدعقیدہ ہو، مسلمانوں کو بدعتی ومشرک

قرار دیتا ہو، حدیثوں کا منکر ہو، صحابہ کرام علیہم الرضوان کو گالیاں دینے والا ہو اس کی نماز جنازہ جائز نہیں۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جمع الجوامع میں، علامہ ابن منظور رحمۃ اللہ علیہ نے مختصر تاریخ دمشق میں، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے الشفاء میں، خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ بغدادی میں حدیث پاک نقل فرمائی ”عن أنس بن مالك قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم لا تسبوا أصحابي فإنه يجيء في آخر الزمان قوم يسبون أصحابي فان مرضوا فلا تعودهم وان ماتوا فلا تشهدوهم ولا تناكحوهم ولا توارثوهم ولا تسلموا عليهم ولا تصلوا عليهم“ ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے اصحاب کو گالی نہ دو۔ آخری زمانہ میں ایک قوم آئے گی جو میرے اصحاب کو گالیاں دے گی اگر ایسے لوگ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت نہ کرو، اگر مر جائے تو جنازہ میں شرکت نہ کرو، ان سے نکاح نہ کرو، ان کو وارث نہ بناؤ، ان سے سلام نہ کرو، ان کی نمازِ جنازہ نہ پڑھو۔ (تاریخ بغداد، جلد8، صفحہ142، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

لہٰذا کسی بھی بدمذہب کا نماز جنازہ پڑھنا اس حدیث اور دیگر احادیث کی روشنی میں ناجائز و گناہ ہے۔ اگر کسی بدمذہب کی بدمذہبی حدِ کفر تک ہے یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گستاخ ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خدا سمجھتا ہے، قرآن کو نامکمل مانتا ہے، قادیانی ہے۔ اب اگر امام یا مقتدی نے اس کے عقیدے کو جانتے ہوئے اسے مسلمان سمجھتے ہوئے جنازہ پڑھا تو خود دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا، اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا۔ اگر غلطی سے پڑھا دیا یا پڑھ لیا تو کافر نہ ہوگا اور نہ نکاح ٹوٹے گا، بس توبہ استغفار کرے اور آئندہ باز رہے۔

مسجد میں نماز جنازہ درست نہیں، جنازہ گاہ یا کسی پارک وغیرہ میں پڑھا جائے۔ صفتیں طاق عدد ہوں یعنی تین، پانچ، سات۔ نمازے جنازہ میں بعض لوگ جوتے پہنے رکھتے ہیں بعض اتار دیتے ہیں اور بعض جوتے اتار کر اوپر پاؤں رکھ لیتے ہیں۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ اگر زمین پاک ہے تو جوتے اتار کر ہی نماز جنازہ پڑھنا چاہئے اور عموماً زمین پاک ہی ہوتی ہے۔ اگر زمین پاک نہیں اور جوتا پاک ہے تو جوتا اتار کر اس پر کھڑے ہو جائیں۔ اگر جوتا سمیت نماز پڑھنا ہے تو ضروری ہے کہ زمین اور جوتا دونوں پاک ہوں۔

چوتھی تکبیر میں بعض لوگ دائیں طرف سلام پھیرتے وقت ایک ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں پھر بائیں طرف سلام پھیرتے وقت بایاں ہاتھ چھوڑتے ہیں۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ چوتھی تکبیر کہنے کے بعد دونوں ہاتھ چھوڑ کر دائیں بائیں سلام پھیرا جائے کہ ہاتھ اس وقت تک باندھے جاتے ہیں جب کچھ پڑھ رہے ہوں۔

نماز جنازہ کا طریقہ یہ ہے کہ کان تک ہاتھ اُٹھا کر اللہ اکبر کہتا ہوا ہاتھ نیچے لائے اور ناف کے نیچے حسب دستور باندھ لے اور ثنا پڑھے یعنی ”سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَجَلَّ ثَنَاؤُکَ وَلَااِلٰہَ غَیْرُکَ“

پھر بغیر ہاتھ اٹھائے اللہ اکبر کہے اور درود شریف پڑھے بہتر وہ دُرود ہے جو نماز میں پڑھا جاتا ہے اور کوئی دوسرا پڑھا جب بھی حرج نہیں۔ پھر اللہ اکبر کہہ کر اپنے اور میّت اور تمام مومنین و مومنات کے لئے دُعا کرے اور بہتر یہ کہ وہ دُعائیں پڑھے جو احادیث میں وارد ہیں اور ماثور دُعائیں اگر اچھی طرح نہ پڑھ سکے تو جو دُعا چاہے پڑھے مگر وہ دُعا ایسی ہو کہ آخرت سے متعلق ہو۔ سورۃ فاتحہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ یہ دعا پڑھنا سنت ہے“

"اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَشَاھِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا وَذَکَرِنَا وَاُنْثَانَا اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہ، مِنَّا فَاَحْیِہٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَہ، مِنَّا فَتَوَفَّہ، عَلَی الْاِیْمَانِ "

بالغ ہیجڑہ ہوتو اس کے جنازے میں بھی یہی دعا پڑھی جائے گی۔اگر میت مجنون یا نابالغ ہوتو تیسری تکبیر کے بعد یہ دُعا پڑھے "اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ لَنَا فَرَطًا وَّ جْعَلْہُ لَنَا اَجْرًا وَّ جْعَلْہُ لَنَا شَافِعًا وَّ مُشَفَّعًا "اورلڑکی ہوتو "اَجْعَلْھَا اور شَافِعَۃً وَّ مُشَفَّعَۃً "

چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر دیا جائے اور صفیں توڑ کر ایک بار الحمدللہ اور تین مرتبہ قل ھواللہ شریف پڑھ کر میت کو ایصال ثواب کریں اور دعا کریں جیسا کہ رائج ہے۔یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جب امام تکبیر کہے اس وقت مقتدی بھی تکبیر پڑھیں پھر ثناء، دورود، دعا پڑھے۔یعنی چاروں تکبیریں مقتدی بھی پڑھے۔

کئی جنازے جمع ہوں تو ایک ساتھ سب کی نماز پڑھ سکتا ہے یعنی ایک ہی نماز میں سب کی نیّت کر لے اور افضل یہ ہے کہ سب کی علیحدہ علیحدہ پڑھے اور اس صورت میں یعنی جب علیحدہ علیحدہ پڑھے تو اُن میں جو افضل یعنی نیک وکار ہے اس کی پہلے پڑھے۔

میت کی طرف سے نمازوں اور روزوں کا فدیہ دینا

بعض علاقوں خصوصا گاؤں میں میت پر حیلہ اسقاط کیا جاتا ہے۔طریقہ یہ ہے کہ نماز جنازہ کے بعد امام اور کچھ لوگ میت کی چار پائی کے گرد جمع ہو جاتے ہیں، ایک دوسرے کو قرآن پکڑاتے ہیں اور آخر میں کچھ رقم رکھ کر ایک غریب آدمی کو دیدیتے ہیں۔کہا جاتا ہے کہ اس سے میت کے نماز، روزہ و گناہ معاف ہو گئے۔اسقاط کا مذکورہ طریقہ درست نہیں۔

درحقیقت جب کوئی مرجائے اوراس نے اپنی زندگی میں نمازیں اورروزے قضا کئے ہوں تو ہر نماز بشمول وتر اور ہرروزے کے بدلے میں ایک ایک صدقہ فطر (دوکلو سے ۸۰ گرام کم یعنی تقریبا دوکلو گندم) دینا پڑتا ہے۔یہ احادیث سے ثابت ہے چنانچہ تبیین الحقائق میں ہے"ولنا قوله عليه الصلاة والسلام لا يصوم أحد عن أحد ولا يصلى أحد عن أحد ولكن يطعم عنه رواه النسائى عن ابن عباس وعن ابن عمر أنه عليه الصلاة والسلام قال من مات وعليه صوم شهر فليطعم عنه مكان كل يوم مسكينا قال القرطبى إسناده حسن ورواه ابن ماجه أيضا ولأنه لا يصوم عنه فى حالة الحياة فكذا بعد الموت كالصلاة" ترجمہ:احناف کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان دلیل ہے کہ آپ نے فرمایا کوئی دوسرے کی طرف سے نہ روزہ رکھے اور نہ نماز پڑھے بلکہ اس کی طرف سے فقیر کو کھانا کھلائے۔یہ حدیث امام نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے۔حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو مرجائے اوراس پر ایک مہینے کے روزے ہوں تو ہر روزے کے بدلے میں اس کی طرف سے مسکین کو کھلایا جائے۔امام قرطبی نے فرمایا اس حدیث کی سند حسن ہے اور ایسا ہی ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔اس لئے جس طرح زندگی میں کسی کی طرف سے روزہ نہیں رکھا جاسکتا اسی طرح مرنے کے بعد بھی اس کی طرف سے روزہ یا نماز ادا نہیں کر سکتے (بلکہ فدیہ دے سکتے ہیں)۔

(تبيين ، كتاب الصوم ،فصل فى العوارض،جلد1،صفحه 335،المطبعة الكبرى الأميرية ، القاهرة)

المبسوط میں ہے"إذا مات، وعليه صلوات يطعم عنه لكل صلاة نصف صاع من حنطة" ترجمہ:جب کوئی مرجائے اوراس پر نمازیں باقی ہوں تو ہر نماز کے بدلے میں نصف صاع گندم فقیر کو دی جائے گی۔

(المبسوط، كتاب الصوم ،جلد3،صفحه90،دار المعرفة ،بيروت)

اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ میت نے جس کا قرض لیا ہو وہ قرض ترکہ میں سے ادا کیا جائے، میت نے لوگوں کے جو حقوق تلف کئے ہوں وہ معاف کروائے جائیں، میت کے لئے استغفار کی جائے اور میت نے جو ساری زندگی میں فرض نمازیں بشمول وتر قضا کی ہیں ہر نماز کے بدلے ایک صدقہ فطر دیں۔ اسی طرح اگر روزے قضا ہیں تو ہر روزے کے بدلے میں ایک صدقہ فطر دیں۔ اگر اتنا مال نہیں یعنی غریب ہے تو مجبوراً حیلہ کر سکتے ہیں۔ اسقاط کا حیلہ بیان کرتے ہوئے امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فتاوٰی رضویہ میں فرماتے ہیں: ''اسقاط کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ اگر میت پر نماز روزہ قضا ہیں اور اس نے اتنا مال نہ چھوڑا جس کے ثلث (ساری جائیداد کا تیسرا حصہ) سے بحالت وصیت اس کا فدیہ ادا ہو سکے یا وصیّت نہ کی اور سب ورثا ادائے فدیہ پر راضی نہیں تو پہلی صورت میں اس کے تہائی مال کا حساب لگائیں کہ اس سے کس قدر کا فدیہ ادا ہو سکتا ہے۔ مثلاً فرض کرو کہ چہارم کی قدر ہے تو ثلث مال فقیر کو بہ نیت فدیہ دیں فقیر اس سے لے کر پھر وارث کو ہبہ کردے یہ پھر بہ نیت فدیہ دے فقیر پھر لے کر ہبہ کردے اور ہر بار فقیر و وارث قبضہ کرتے جائیں یہاں تک کہ فدیہ ادا ہو جائے۔ یا مال بالکل نہیں ہے تو وارث مثلاً ڈیڑھ سیر گیہوں یا اس کی قیمت کسی سے قرض لے کر اس کا الٹ پھیر کرلے اگرچہ ہزار بار یا زائد میں فدیہ کی حد تک پہنچے۔ ''فی الدرلمختار لومات وعلیه صلوٰت فائتة واوصی بالکفارة یعطی لکل صلوٰة نصف صاع من برکالفطرة وکذاحکم الوتر والصوم وانما یعطی من ثلث ماله ولولم یترك مالا یستقرض وارثه نصف صاع مثلا ویدفعه الفقیر ثم یدفعه الفقیر للوارث ثم وثم حتی یتم '' درمختار میں ہے اگر کوئی شخص فوت ہو جاتا ہے اور اس پر نمازیں ہیں اور وہ اپنے کفارہ کی وصیت کر جاتا ہے تو ہر نماز کے عوض فطرہ کی طرح

گندم کا نصف صاع دیا جائیگا وتر اور روزہ کا بھی یہی حکم ہے اور یہ اس کے تہائی مال سے دیا جائے گا اور اگر میّت نے مال ہی نہیں چھوڑا تو وارث نصف صاع قرض لے کر کسی فقیر کو دے اور پھر فقیر نصف وارث کو دے، اسی طرح دیتے رہیں یہاں تک کہ تمام نمازوں کا عوض ہو جائے۔

اس کے سوا یہ جو عوام میں رائج ہے کہ سارے فدیہ کے عوض ایک قرآن دے دیا کہ وہ تو بے بہا ہے یوں ادا نہیں ہوتا قرآن مجید بیشک بے بہا ہے مگر جو بے بہا یعنی کلام الٰہی کہ ورقوں میں لکھا ہے وہ مال نہیں، نہ وہ دینے کی چیز ہے تو جو مال ہے یعنی کاغذ اور پٹھے اسی طرح قیمت معتبر ہوگی اور جب مقدار فدیہ کو نہ پہنچے گی فدیہ کیونکہ ادا ہوگا وھذا ظاھر جدا (یہ نہایت ہی واضح ہے۔) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔''

(فتاوی رضویه، جلد8، صفحه168، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا

نماز جنازہ کے بعد صفیں توڑ کر جو دعا مانگی جاتی ہے بالکل جائز و مستحب اور احادیث سے ثابت ہے۔ سنن ابوداؤد اور سنن ابن ماجہ کی حدیث پاک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اذاصلیتم علی الدعاء فاخلصوا له الدعا'' ترجمہ: جب میت کی نماز جنازہ ادا کرلو تو اب اس کے لئے اخلاص کے ساتھ دعا کرو۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، باب الدعاللمیت، جلد3، صفحه210، المکتبة العصریة، بیروت)

یہ حدیث صحیح ہے جیسا کہ ملاعلی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں ''قال ابن الملك أی ادعوا له بالاعتقاد والإخلاص۔۔۔قال ابن حجر وصححه ابن حبان'' ترجمہ: ابن مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میت کے لئے اعتقاد اور اخلاص کے

ساتھ دعا مانگی جائے۔ابن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ابن حبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

(مرقاۃالمفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، کتاب الجنائز،باب المشی بالجنازۃ،الفصل الثانی ،جلد 3، صفحہ1207،دار الفکر، بیروت)

علامہ علاء الدین ابی بکر بن سعود کاسانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ ارشادفرماتے ہیں:''حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب ایک نماز جنازہ پڑھائی تو حضرت عمر حاضر ہوئے اوران کے ساتھ ایک جماعت بھی تھی دوبارہ جنازہ پڑھنے کاارادہ کیا تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا"الصلوۃ على الجنازة لاتعاد ولكن ادع للميت واستغفر له" ترجمہ: نماز جنازہ دوبارہ نہیں پڑھی جاتی مگر اس میت کے لئے دعاواستغفار کرلو۔

(بدائع الصنائع ،کتاب الصلوۃ،فریضۃ صلوۃ الجنازۃ،وکیفیۃ فرضیتھا، جلد1، صفحہ311،دارالکتب العلمیہ،بیروت)

نیز بدائع اورمبسوط سرخسی میں ہے حضرت ابن عباس اورابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک جنازہ پرنماز سے رہ گئے تو اسی جنازہ پر حاضر ہوکراس کے لئے استغفار کیا۔نیز انہی کتب میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز جنازہ سے رہ گئے تو حاضر ہوکر بولے"ان سبقتمونی بالصلوۃ علیہ فلاتسبقونی بالدعاء له " یعنی آپ لوگوں نے اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پرنماز جنازہ میں مجھ سے پہل کرلی ہے تو ان کے لئے دعا کرنے میں تو مجھ سے پہل نہ کرو۔

(المبسوط،کتاب الصلوۃ ،باب غسل ا لمیت،جلد02،صفحہ 67،دار المعرفۃ ،بیروت)

اس سے صاف صاف ثابت ہورہاہے کہ صحابہ کرام بعدازنماز جنازہ اور دفن کرنے کے بعد دعا کیا کرتے تھے۔مصنف ابن ابی شیبہ کی حدیث میں آیا کہ حضرت علی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید بن مکفف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازہ پر چار تکبیریں کہیں"ثم مشى حتى اتاه وقال اللهم عبدك وابن عبدك نزل بك اليوم فاغفرله ذنبه ووسع عليه مدخله فانالانعلم منه الاخيراوانت اعلم به" ترجمہ: پھر آپ اس کے پاس آئے اوراللہ کی بارگاہ میں اس کے لئے دعا کی کہ یااللہ! اس کی مغفرت فرمااوراس کی قبر کووسیع کردے،اے ہمارے رب ہم اس کے متعلق علاوہ خیر کے کچھ نہیں جانتے اورتو اس کو بہتر جانتا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ،کتاب الجنائز ،فی الدعاء للمیت بعدما یدفن ویسوی علیہ، جلد3، صفحہ20،مکتبۃ الرشد ،الریاض)

سنن ابی داؤد کی بسند صحیح حدیث پاک ہے"كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم اذافرغ من دفن الميت قال استغفروا لميتكم وسلوا له التثبيت فانه الان يسئل " ترجمہ: سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب دفن میت سے فارغ ہوتے تو فرماتے اپنے میت کے لئے استغفار کرواوراس کے لئے سوال تثبیت کرو اس لئے کہ ابھی اس سے سوال ہونے ہیں۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز ،با ب الاستغفارعندالقبرللمیت،جلد 3،صفحہ215،المکتبۃ العصریۃ،بیروت)

اتنے دلائل کے باوجود وہابی حضرات نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنے کو بدعت کہتے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ جنازہ کے بعد دعامانگنے کی کیاضرورت ہے جنازہ میں دعا مذکور ہوتی ہے۔وہابیوں کی یہ دلیل کوئی دلیل نہیں،کیا نماز کے اندر دعا نہیں ہوتی پھر بھی احادیث سے نماز کے بعد دعا مانگنا ثابت ہے۔بلکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نماز جنازہ کے بعد ان پرستر مرتبہ دعا فرمائی۔بنایہ شرح

ہدایہ میں ہے "سقط بالمرۃ الواحدۃ فلم یتصور الثانی قضاء من عندنا بلا توقیف، بخلاف الدعاء فإن التوقیف فیه باق کما بقی بالأمر بالصلاۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھذہ علی سبیل الدعاء فإن قلت صلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی حمزۃ رضی اللہ عنہ سبعین مرۃ۔۔المراد من قول الراوی صلی علی حمزۃ سبعین مرۃ للمعنی اللغوی، وھو الدعاء، أی دعا سبعین مرۃ" ترجمہ: نماز جنازہ کا فرض کفایہ ایک مرتبہ پڑھنے سے ساقط ہوگیا اب دوسری مرتبہ جنازہ پڑھنے کی شرعا اجازت نہیں بخلاف دعا کہ جنازے کے بعد دعا مانگنے کی اجازت ہے۔اگر تو کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ نے ستر مرتبہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر صلوٰۃ پڑھی تو اس سے مراد نماز جنازہ نہیں بلکہ دعا ہے کہ آپ نے ستر مرتبہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے ستر مرتبہ دعا فرمائی۔

(البنایة شرح الہدایة، کتاب الصلوٰۃ، باب الجنائز، جلد3، صفحہ212، دار الکتب العلمیة، بیروت)

تکرارِ نماز جنازہ

بعض لوگ دو بار نمازے جنازہ پڑھا دیتے ہیں ایک مرتبہ ایک جگہ دوسری مرتبہ دوسری جگہ۔اسی طرح اگر کوئی جنازہ سے رہ جائے تو دوبارہ نماز جنازہ پڑھا دیا جاتا ہے یہ سب خلاف سنت ہے۔جب میت کے گھر والوں نے نماز جنازہ پڑھ لی ہے تو اب دوبارہ اس کی نماز جنازہ پڑھنا ناجائز وغیر مشروع ہے۔چاہے میت عالم کی ہو یا غیر عالم کی، چاہے دوسرے شہر میں جا کر پڑھنا ہو۔درمختار میں ہے "تکرارھا غیر مشروع" ترجمہ: نماز جنازہ کی تکرار جائز نہیں۔

(درمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلوٰۃ، باب الجنازۃ، جلد2، صفحہ222، دارالفکر، بیروت)

فتاوی ہندیہ میں ہے" لا یصل علی میت الامرۃ و احدۃ وا لتنفل بصلوٰۃ

الجنازۃ غیر مشروع" ترجمہ: کسی میت پر ایک بار کے سوا نماز نہ پڑھی جائے اور نمازِ جنازہ نفل ادا کرنا ناجائز ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الصلوٰۃ، الفصل الخامس فی الصلوٰۃ علی المیت، جلد 1، صفحہ163، دارالفکر، بیروت)

سیدی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: "نماز جنازہ کی تکرار ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک تو مطلقاً ناجائز و نا مشروع ہے مگر جبکہ اجنبی غیر احق نے بلا اذن و بلا متابعت ولی پڑھ لی ہو تو ولی اعادہ کرسکتا ہے۔"

(فتاوی رضویہ، جلد 9، صفحہ 270، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

امام اجل برہان الملۃ والدین ابوبکر ہدایہ میں فرماتے ہیں" ان صلی غیر الولی و السلطان اعاد الولی ان شاء لان الحق للاولیاء و ان صلی الولی لم یجز لاحد ان یصلی بعدہ لان الفرض یتادی بالاول و التنفل بھا غیر مشروع ولھذا اراینا الناس ترکوا من آخرھم الصلوۃ علی قبر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وھو الیوم کما وضع" ترجمہ: اگر ولی وحاکم اسلام کے سوا اور لوگ نماز جنازہ پڑھ لیں تو ولی کو اعادہ کا اختیار ہے کہ حق اولیاء کا ہے۔اگر ولی پڑھ چکا تو اب کسی کو جائز نہیں کہ فرض تو پہلی نماز سے ادا ہو چکا اور یہ نماز بطور نفل پڑھنی جائز نہیں۔ولہذا ہم دیکھتے ہیں کہ تمام جہان کے مسلمانوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اقدس پر نماز چھوڑ دی حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آج بھی ویسے ہی ہیں جیسے جس دن قبر مبارک میں رکھے گئے تھے۔(یعنی آپ کا جسم مبارک اسی طرح ہے۔)

(الہدایہ، کتاب الصلوٰہ، باب الجنائز، جلد1، صفحہ90، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

غائبانہ نمازِ جنازہ

غائبانہ نمازِ جنازہ کا رواج عام ہوتا جا رہا ہے۔ غائبانہ نماز جنازہ درست نہیں۔ وہابی حضرات غائبانہ نماز جنازہ کے قائل ہے اور دلیل کے طور پر بخاری شریف کی اس حدیث کو پیش کرتے ہیں" جابر بن عبد الله رضی الله عنهما يقول قال النبی صلی الله عليه وسلم قد توفی اليوم رجل صالح من الحبش فهلم فصلوا عليه قال فصففنا فصلى النبی صلى الله عليه وسلم عليه ونحن معه صفوف" ترجمہ: حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حبشہ میں ایک صالح آدمی (یعنی نجاشی) وفات پا گیا ہے تو آؤ اس کی نماز جنازہ پڑھو۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم نے صفیں بنائیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر نماز پڑھی اور ہم آپ کے ساتھ صفوں میں موجود تھے۔ (بخاری، کتاب الجنائز، باب الصفوف علی الجنازة، جلد2، صفحہ86، دار طوق النجاة، مصر)

احناف کے نزدیک یہ عمل سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص تھا اور سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لئے نماز پڑھی کے حبشہ میں کوئی اس کی نماز جنازہ پڑھنے والا نہ تھا چنانچہ فتح الباری میں ہے" أنه كان بأرض لم يصل عليه بها أحد "ترجمہ: اس لئے کہ وہ ایسی جگہ تھی جہاں نجاشی کی نماز جنازہ پڑھنے والا کوئی نہ تھا۔

اور سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نجاشی کا جنازہ غائب نہ تھا بلکہ آپ کے سامنے حاضر تھا چنانچہ فتح الباری میں ہے کہ "ومن ذلك قول بعضهم كشف له صلى الله عليه وسلم عنه حتى رآه، فتكون صلاته عليه كصلاة الإمام على ميت رآه ولم يره المأمومون"، ترجمہ: اور بعض علماء نے کہا کہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے حجاب

ہٹا دیئے گئے یہاں تک کہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نجاشی کو دیکھ رہے تھے اور صحابہ نے اسے نہ دیکھا تو یہ نماز ایسی ہوئی جیسے کہ امام کے سامنے میت ہوتی ہے اور وہ اسے دیکھ رہا ہوتا ہے۔

(فتح الباری، کتاب الجنائز، الصفوف علی الجنازة، جلد3، صفحہ188، دار المعرفة، بیروت)

نجاشی کے علاوہ کسی صحابی کی نماز اس طرح پڑھنا ثابت نہیں جیسا کہ فتح الباری میں ہے "ذلك خاص بالنجاشی لأنه لم يثبت أنه صلى الله عليه وسلم صلى على ميت غائب غيره" ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ عمل نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ خاص ہے۔ اس کے علاوہ کسی پر آپ نے غائبانہ نماز نہیں پڑھی۔

(فتح الباری، کتاب الجنائز، الصفوف علی الجنازة، جلد3، صفحہ188، دار المعرفة، بیروت)

حضور پرنور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کی نماز جنازہ کا بہت اہتمام فرماتے تھے یہاں تک کہ اگر کسی وقت اندھیری رات یا دوپہر کی گرمی وغیرہ کے سبب صحابہ کرام علیہم الرضوان حضور کو اطلاع نہ دیتے اور دفن کر دیتے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان پر غائبانہ نماز جنازہ نہ پڑھتے بلکہ ارشاد فرماتے "لا تفعلوا ادعونی لجنائزکم"، ترجمہ: ایسا نہ کیا کرو مجھے اپنے جنازے کے لئے بلا لیا کرو۔

(مسند امام احمد بن حنبل، حدیث عامر بن ربیعہ، جلد3، صفحہ444، دارالفکر، بیروت)

صحیح مسلم اور صحیح ابن حبان میں اس طرح ہے "إن هذه القبور مملوءة ظلمة على أهلها وإن الله ينورها عليهم بصلاتی "ترجمہ: بے شک یہ قبریں اپنے ساکنوں پر تاریکی سے بھری ہیں اور بے شک اللہ عزوجل میری ان پر نماز پڑھنے پر ان کی قبریں روشن فرما دیتا ہے۔

(ابن حبان، کتاب الجنائز، باب المریض وما يتعلق به، جلد7، صفحہ355، مؤسسة الرسالة، بیروت)

لہٰذا غائبانہ نماز جائز نہیں۔ درمختار، فتح القدیر اور البحرالرائق میں ہے "و شرط صحتها اسلام المیت و طهارته و وضعه امام المصلی فلهذا القید لاتجوز علی غائب" ترجمہ: صحت نماز جنازہ کی شرط یہ ہے کہ میت مسلمان ہو، طاہر ہو، جنازہ نمازی کے آگے زمین پر رکھا ہو۔ اسی شرط کے سبب کسی غائب کی نماز جنازہ جائز نہیں۔

(البحرالرائق، کتاب الجنائز، شروط صلاۃ الجنازۃ، جلد 2، صفحہ 193، دار الکتاب الإسلامی)

اور غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے میں عموماً نماز جنازہ کی تکرار بھی پائی جاتی ہے جس کے ناجائز وگناہ ہونے پر مذہب حنفی کا اجماع ہے۔

نمازِ جنازہ کے بعد میت کا چہرہ نہ دیکھانا

بعض لوگ نماز جنازہ کے بعد میت کا چہرہ نہیں دیکھنے دیتے اور کہتے ہیں اب یہ میت امانت ہوگئی ہے۔ اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں نماز جنازہ کے بعد بھی میت کا چہرہ دیکھ سکتے ہیں۔

دفن اور اس کے احکام

ہمارے یہاں لوگوں کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے مردے کو دیگر خاندان والوں کے پاس دفنایا جائے ایسی سوچ میں کوئی حرج نہیں لیکن کوشش کرنی چاہئے کہ اپنے مردے کو نیکوکاروں کے قریب دفن کیا جائے۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: "اپنے مُردوں کو بزرگ کے پاس دفن کرو کہ ان کی برکت کے سبب ان پر عذاب نہیں کیا جاتا "هم القوم لایشقی بهم جلیسهم" ترجمہ: وہ، وہ لوگ ہیں کہ ان کا ہم نشین بھی بد بخت نہیں ہوتا۔ ولہٰذا حدیث میں فرمایا "ادفنوا موتاکم وسط قوم صالحین" ترجمہ: اپنے مردوں کو نیکوں کے درمیان دفن کرو۔

(اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) میں نے حضرت میاں صاحب قبلہ قدّس سرُّہ کو فرماتے سنا: ایک جگہ کوئی قبر کھل گئی اور مردہ نظر آنے لگا۔ دیکھا کہ گلاب کی دو شاخیں اس کے بدن سے لپٹی ہیں اور گلاب کے دو پھول اس کے نتھنوں پر رکھے ہیں۔ اس کے عزیزوں نے اس خیال سے کہ یہاں قبر پانی کے صدمہ سے کھل گئی، دوسری جگہ قبر کھود کر اس میں رکھیں، اب جو دیکھیں تو دو اژدھا (سانپ) ہیں اس کے بدن سے لپٹے، اپنے پھنوں سے اس کا منہ بھموڑ رہے ہیں۔ حیران ہوئے۔ کسی صاحب دل سے یہ واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا وہاں بھی یہ اژدھا ہی تھے مگر ایک ولی اللہ کے مزار کا قُرب تھا اس کی برکت سے وہ عذاب رحمت ہوگیا تھا، وہ اژدھے درختِ گل کی شکل ہوئے تھے اور ان کے پھن گلاب کے پھول۔ اس کی خیریت چاہو تو وہیں لے جا کر دفن کرو۔ وہیں لے جا کر رکھا پھر وہی درخت گل تھے اور وہی گلاب کے پھول۔"

(الملفوظات، حصہ 2، صفحہ 270، المکتبۃ المدینہ، کراچی)

کافر، فاسق اور گمراہ کے قریب دفن نہیں کرنا چاہئے۔ امام دیلمی و ابن مندہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں، سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "احسنوا الکفن و لاتؤذو امواتکم بعویل و لا بتاخیر وصیة و لا بقطعیة وعجلوا قضاء دینه، واعدلو عن جیران السوء" ترجمہ: کفن اچھا دو اور اپنی میّت کو چلا کر رونے یا اس کی وصیت میں دیر لگانے یا قطع رحم کرنے سے ایذا نہ پہنچا اور اس کا قرض جلد ادا کرو اور بُرے ہمسایہ سے الگ رکھو۔ (یعنی قبور کفار واہل بدعت وفسق کے پاس دفن نہ کرو۔)

(الفردوس بماثور الخطاب، جلد 98، صفحہ 1، دارالکتب العلمیة، بیروت)

دیکھا گیا ہے کہ میت کو دفنانے کے لئے جب قبرستان لایا جاتا ہے تو لوگ قبروں

پر پاؤں دیتے ہوئے گزر جاتا ہیں، ایسا کرنے سے احادیث میں منع کیا گیا ہے اور اس میں مردے کو اذیت ہوتی ہے۔محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کی نعلین پاک کی خاک اگر مسلمان کی قبر پر پڑ جائے تو تمام قبر مشک سے مہک اٹھے، اگر مسلمان کے سینے اور منہ اور سر اور آنکھوں پر اپنا قدم اکرم رکھیں اس کی لذت و راحت و برکت میں ابدا الآباد تک سرشار و سرفراز رہے۔وہ فرماتے ہیں "لأن أمشي على جمرة أو سيف أو أخصف نعلي برجلي أحب إلي من أن أمشي على قبر مسلم" ترجمہ: چنگاری یا تلوار پر چلنا مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں کسی مسلمان کی قبر پر چلوں۔

(سنن ابن ماجه ، كتاب الجنائز،باب ما جاء فى النهى عن المشى على القبور والجلوس عليها ، جلد1، صفحه 499، دار إحياء الكتب العربية)

اس طرح اور احادیث میں قبر پر چلنے، بیٹھنے، پیشاب وغیرہ کرنے کی سختی سے ممانعت ہے۔ان احادیث سے وہ لوگ عبرت حاصل کریں جو سعودیہ چلے جاتے ہیں اور جب آتے ہیں تو وہابیوں کے بُرے اَفعال کی تعریف کر رہے ہوتے ہیں کہ وہ بہت اچھا کرتے ہیں کہ چند سالوں بعد قبروں کو ختم کر دیتے ہیں۔حالانکہ وہ ایک حرام فعل کرتے ہیں جس کی احادیث میں ممانعت ہے۔اس پر یہ جواب دیا جاتا ہے کہ اگر قبریں شہید نہ کی جائیں تو پھر مردوں کو اور کہاں دفن کیا جائے؟ یہ بھی ناجائز ہے شریعت کے مقابل اپنی عقلیں لڑانا حرام ہے۔جب احادیث میں مسلمانوں کی قبریں شہید کرنے کی اجازت نہیں تو پھر دوسرا کون ہوتا ہے جو ایسا کرے۔ویسے بھی سعودیہ میں پہاڑ اور بیابان ہی زیادہ تر ہیں وہاں قبرستانوں کی کمی نہیں ہوسکتی۔اللہ عزوجل ہم مسلمانوں کو ہدایت دے۔

جہاں مردے کو دفن کیا جا رہا ہو وہاں بھی احتیاط کرنی چاہئے کہ کسی قبر پر نہ کھڑے ہوں۔کسی کی قبر کو شہید کر کے وہاں اپنا مردہ دفن کرنا ناجائز ہے۔آج کل قبرستانوں میں جگہ

نہ ہونے کی صورت میں ایسا کر دیا جاتا ہے اور اس پر یہ کہا جاتا ہے کہ ایک قبر سے ستر مردے اٹھائے جائیں گے۔اگر واقعی یہ مستند حدیث ہے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ مسلمانوں کی قبروں کو شہید کیا جائے۔

دفن کا مختصر طریقہ یہ ہے کہ قبر کی لمبائی میّت کے قد کے برابر ہو اور چوڑائی آدھے قد کی اور گہرائی کم سے کم نصف قد کی، اور بہتر یہ کہ گہرائی بھی قد برابر ہو اور متوسط درجہ یہ کہ سینہ تک ہو۔اس سے مراد یہ کہ لحد، یا صندوق اتنا ہو، یہ نہیں کہ جہاں سے کھودنی شروع کی وہاں سے آخر تک یہ مقدار ہو۔

قبر دو قسم کی ہے لحد کہ قبر کھود کر اس میں قبلہ کی طرف میّت کے رکھنے کی جگہ کھودیں اور صندوق وہ جو ہندوستان میں عموماً رائج ہے۔لحد سنت ہے اگر زمین اس قابل ہو تو یہی کریں اور نرم زمین ہو تو صندوق میں حرج نہیں۔

ضرورتاً تابوت میں دفن کرنا بھی جائز ہے۔اگر تابوت میں رکھ کر دفن کریں تو سنت یہ ہے کہ اس میں مٹی بچھا دیں اور دائیں بائیں خام اینٹیں لگا دیں اور اوپر مٹی کا لیپ کر دیں غرض یہ کہ اندر کا حصہ مثل لحد کے ہو جائے ورنہ لوہے کا تابوت مکروہ ہے اور قبر کی زمین نم ہو تو دھول بچھا دینا سنت ہے۔قبر کا وہ حصہ جو میت کے جسم سے قریب ہے وہاں پکی اینیٹ لگانا مکروہ ہے کہ اینٹ آگ سے پکتی ہے۔اگر کسی وجہ سے ایسا کرنا پڑے تو اینٹوں پر گیلی مٹی کا لیپ کر دیں۔(ماخوذ از بہارشریعت، جلد1، حصہ4، صفحہ87، ضیاء القرآن ، لاہور)

بغیر ضرورت تابوت میں دفن کرنا مکروہ ہے۔بعض قبروں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ بہت اونچی بنادی جاتی ہیں یہ خلاف سنت ہے ایک بالشت سے اونچی نہیں ہونی چاہئے۔امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے سوال ہوا: ''قبر کا اونچا بنانا کیسا ہے؟'' جوابا

فرمایا:''خلاف سنت ہے۔ میرے والد ماجد، میری والدہ ماجدہ، میرے بھائی کی قبریں دیکھئے ایک بالشت سے اونچی نہ ہوں گی۔''

(ملفوظات اعلیٰ حضرت، حصہ3، صفحہ428، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

جہادی تنظیموں والے قبر کے اندر مردے کے اردگرد سلاخیں بنادیتے ہیں۔اس میں یہ پیغام دیا جاتا ہے کہ ہم جہادی مرکر بھی جیل میں ہیں، لہٰذا تم زندگی میں جیل سے نہ گھبراؤ، جہاد کرتے رہو۔ یہ عمل بالکل خلاف سنت، بدعت سیئہ، فضول اور مال کا ضیاع ہے۔

چھوٹے بچے کے کفن دفن کے احکام

جو بچہ مردہ پیدا ہوا اسے نہلا کر بغیر نماز کسی کپڑے میں لپیٹ کر قبرستان دفن کردینا چاہئے اور جو زندہ پیدا ہوا اور بعد میں مر جائے اگرچہ ایک منٹ بعد تو اسے غسل دے کر نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا جائے۔ بہار شریعت میں ہے:''مسلمان مرد یا عورت کا بچہ زندہ پیدا ہوا یعنی اکثر حصہ باہر ہونے کے وقت زندہ تھا پھر مرگیا تو اُس کو غسل و کفن دیں گے اور اس کی نماز پڑھیں، ورنہ اُسے نہلا کر ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیں گے۔ اُس کے لئے غسل و کفن بطریق مسنون نہیں اور نماز بھی اس کی نہیں پڑھی جائے گی۔ یہاں تک کہ سر جب باہر ہوا تھا اس وقت چیختا تھا مگر اکثر حصہ نکلنے سے پیشتر مرگیا تو نماز نہ پڑھی جائے۔ اکثر کی مقدار یہ ہے کہ سر کی جانب سے ہو تو سینہ تک اکثر ہے اور پاؤں کی جانب سے ہو تو کمر تک۔''

(بہار شریعت، جلد1، حصہ4، صفحہ86، ضیاء القرآن، لاہور)

لوگوں میں یہ جہالت عام ہے کہ جو چھوٹے بچے مردہ پیدا ہوں یا زندہ پیدا ہو کر فوراً مر جائیں بغیر غسل و جنازہ دفنا دیتے ہیں اور بعض جاہل خصوصاً عورتیں کہتی ہیں کہ ایسے

بچے کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کرنا چاہئے۔ یہ بالکل ناجائز و غیر شرعی نظریہ ہے۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے سوال ہوا:''کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر دیکھا گیا مرا ہوا بچہ کسی کے پیدا ہوتا ہے اس کو ہانڈی میں رکھ کر گورستان سے علیحدہ دفن کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ پکا مسان ہے، اس سے اہل ہنود کی طرح بچتے ہیں، یہ کیونکر ہے؟ بینوا توجروا۔''

جواباً فرمایا:''یہ شیطانی خیال ہے اسے مسلمانوں کے گورستان ہی میں دفن کریں۔''

(فتاوی رضویہ، جلد9، صفحہ390، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

حبیب الفتاوٰی میں مفتی محمد حبیب اللہ نعیمی اشرفی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا:''گزارش یہ ہے کہ جو بچہ مرا ہوا پیدا ہو وہ تین ماہ کا ہو یا اس سے کم یا زیادہ کا ہو۔ دیہات میں یہ رواج ہے کہ ہانڈی میں رکھ کر قبرستان کے علاوہ جنگل میں دفن کرتے ہیں۔ یہ کیسا ہے؟''

جواباً فرماتے ہیں:''یہ رواج میری سمجھ میں نہیں آیا۔ کسی عمر کا بچہ ہو اسے مسلمانوں کے قبرستان ہی میں دفن کرنا چاہئے۔ اس کو ہانڈی میں بند کر کے قبرستان سے دور کہیں جنگل میں دفن کرنا مناسب نہیں۔ ہانڈی میں بند کرنے کی بات بھی غلط ہے۔''

(حبیب الفتاوی، جلد1، صفحہ578، شبیر برادرز، لاہور)

امانۃً دفن کرنا

بعض لوگوں کا نظریہ ہے کہ میت کو امانت کے طور پر دفن کر کے بعد میں اسے قبر سے نکال کر دوسری جگہ دفن کرنا جائز ہے۔ یہ نظریہ بالکل غیر شرعی ہے۔ جب میت کو ایک دفعہ دفن کر دیا جائے تو دوبارہ نکالنا ناجائز ہے۔ کتب فقہ میں ہے "لایخرج منه بعد اهالة

التــراب" مٹی ڈالنے کے بعد دوبارہ نکالا نہیں جائے گا۔ سیدی ومرشدی امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن بعد دفن قبر کو کھولنے کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: "یہ حرام ہے، دفن کے بعد کھولنا جائز نہیں۔"

(فتاوی رضویہ ،جلد09،صفحہ406،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

اگر بارش وغیرہ سے قبر بیٹھ جائے یا سلیب اندر گر جائے تب بھی مطلقا مردہ باہر نکالنے کی اجازت نہیں بلکہ نئی سلیب ڈال کر بغیر پرانی سلیب اور مٹی نکالے قبر بند کر دی جائے۔

قبر کے اندر گلاب کا پانی چھڑکنا

میت کو قبر میں رکھنے کے بعد میت اور قبر کی دیواروں پر گلاب کا عرق چھڑکا جاتا ہے۔ ایسا کرنا جائز و مستحب ہے۔ مفتی وقار الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "میت پر خوشبو چھڑکنا سنت ہے بلکہ غسل کے وقت ہی سے جہاں غسل دیا جائے وہاں میت کو خوشبو کے لئے دھونی دینا، کفن کو دھونی دینا یا میت کے کفن پر خوشبو ڈالنا مستحب ہے۔ لہذا گلاب کا پانی چھڑکنا بھی مستحب ہے۔" (وقارالفتاوی ،جلد1،صفحہ188،بزم وقار الدین ،کراچی)

قبر میں چٹائی بچھانا

پنجاب میں دیکھا گیا ہے کہ قبر میں میت کے نیچے چٹائی بچھا دیتے ہیں یہ جائز نہیں اسراف ہے۔ ردالمحتار میں ہے "یکرہ ان یوضع تحت المیت فی القبر مضربة او مخدة او حصیر او نحو ذلك ولعله وجهه انه اتلاف مال بلا ضرورة فالكراهة تحريمية۔۔وكره ابن عباس ان يلقى تحت الميت شيء رواه الترمذی وعن ابی موسی لا تجعلوا بینی و بین الارض شیئا" ترجمہ: قبر میں میت کے نیچے

رضائی یا تکیہ یا چٹائی وغیرہ بچھانا مکروہ ہے۔ شاید اس میں وجہ یہ ہے کہ یہ بلا ضرورت مال کا ضائع کرنا ہے اور یہ مکروہ تحریمی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکروہ جانتے تھے میت کے نیچے کوئی چیز رکھنے کو، روایت کیا اسے امام ترمذی نے اور ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا میرے اور زمین کے درمیان کوئی چیز نہ رکھنا۔ (یعنی مجھے ایسے دفن کرنا۔)

(ردالمحتار، کتاب الصلوٰۃ،باب صلوٰۃ الجنازۃ،جلد2،صفحہ234،دارالفکر،بیروت)

میت کے ساتھ شجرہ وعہد نامہ رکھنا

میت کے کفن پر کلمہ، پیشانی پر بسم اللہ شریف، قبر میں شجرہ وعہد نامہ رکھنے کا رواج ہے، یہ بالکل جائز و مستحسن ہے۔ علامہ حصکفی علیہ الرحمۃ درمختار میں فرماتے ہیں "کتب علی جبهته المیت او عمامته او کفنه عهدنامه یرجی ان یغفرالله للمیت" ترجمہ: مردے کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھنے سے اس کے لیے بخشش کی امید ہے۔ (درمختار، کتاب الصلوٰۃ،باب صلوٰۃ الجنازۃ،جلد2،صفحہ246،دارالفکر،بیروت)

اسی طرح کسی بھی تبرک جیسے غلافِ کعبہ معظّمہ کا قلیل ٹکڑا سینے یا چہرے پر رکھنا، کفن پر آب زم زم کے چند قطرے چھڑکنا سب اچھا عمل ہے اور بخشش کی امید ہے۔ بہتر یہ ہے کہ میت کے سرہانے طاق بنا کر اس میں تبرکات رکھیں۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے اس طرح تبرکات رکھنا ثابت ہے۔ اسد الغابہ وغیرہا میں ہے "لما حضره الموت اوصی ان یکفن فی قمیص کان علیه افضل الصلوة والسلام کساه ایاه، وان جعل ممایلی جسده، وکان عنده قلامة اظفاره علیه افضل الصلوٰة والسلام فاوصی ان تسحق وتجعل فی عینیه وفمه، وقال افعلوا ذلك وخلوبینی بینی وبین ارحم

"الـــراحـميـن"، ترجمہ: جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آخری وقت آیا وصیت فرمائی کہ اُنہیں اُس قمیص میں کفن دیا جائے جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں عطا فرمائی تھی اور یہ ان کے جسم سے متصل رکھی جائے۔ ان کے پاس حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ناخن پاک کے کچھ تراشے بھی تھے ان کے متعلق وصیت فرمائی کہ باریک کر کے ان کی آنکھوں اور دہن پر رکھ دیے جائیں۔ فرمایا یہ کام انجام دینا اور مجھے ارحم الراحمین کے سپرد کر دینا۔

(اسد الغابہ،باب المیم والعین ،جلد4،صفحہ387،مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ، ریاض)

بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد اور نسائی کی حدیث پاک ہے "عـــن أم عـــطية الأنـصـارية رضـى الـلـه عنها قالت دخل علينا رسول الله صلى الله عليه و سلم حيـن توفيت ابنته فقال اغسلنها ثلاثا أو خمسا أو أكثر من ذلك إن رأيتن ذلك بـمـاء وسـدر واجـعلن فى الآخرة كافورا أو شيئا من كافور فإذا فرغتن فآذننى فـلـما فرغنا آذناه فأعطانا حقوه فقال أشعرنها إياه تعنى إزاره" ترجمہ: حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی کا انتقال ہوا تو آپ تشریف لائے اور فرمایا کہ خالص پانی یا بیر کے پتے جوش دیئے ہوئے پانی سے تین یا پانچ مرتبہ غسل دو اور اگر ضرورت دیکھو تو اس سے زیادہ اور آخر میں کافور لگاؤ اور جب غسل دینے سے فارغ ہو تو مجھ کو خبر دو۔ وہ کہتی ہیں کہ جب ہم لوگ غسل دے کر فارغ ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا تہبند مبارک عنایت فرمایا کہ اسے متصل رکھو۔

(صحیح بخاری ،کتاب الجنائز،باب غسل المیت ووضوئہ بالماء والسدر ،جلد2،صفحہ73،دار طوق النجاۃ،مصر)

علماء کرام نے اس حدیث کے تحت فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا تہبند مبارک دینا برکت دینے کے طور پر تھا۔ ملک العلماء مفتی ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ میں کثیر دلائل پیش کرتے ہوئے اس حدیث پاک کے تحت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا لمعات کے حوالے سے کلام نقل کرتے ہیں "هذاالحديث اصل فى التبرك بـآثار الصالحين و لباسهم كما يفعل بعض مريدى المشائخ من ليس اقمصتهم فـى الـقبر" ترجمہ: یہ حدیث آثار صالحین اور ان کی لباس سے برکت حاصل کرنے کی اصل ہے۔ جس طرح بعض مریدین مشائخ کی قمیصوں کو پہنا کر دفن کئے جاتے ہیں۔

مزید فرماتے ہیں: "امام ترمذی معاصر امام بخاری نے نوادرالاصول میں روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا " مـن كتب هذا لدعاء و جعله بيـن صدر الميت و كفنه فى رقعة لم ينله عذاب القبر ولا يرى منكرا و نكيرا او هـو هـذا" ترجمہ: جو شخص یہ دعا کسی پرچہ پر لکھ کر میت کے سینہ پر کفن کے نیچے رکھے اسے عذاب قبر نہ ہو۔ اور نہ منکر نکیر نظر آئیں۔ وہ دعا یہ ہے "لا اله الا الله والله اكبر لا اله الا الـلـه وحده لاشريك له لا اله الا الله له الملك وله الحمد لا اله الاالله ولاحول ولا قوة الا بالله العلى العظيم"

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ یہ حدیثیں اور نصوص علمائے کرام اس معمول بہ کی اصل ہیں کہ مریدوں کے قبر میں مشائخ کرام کا شجرہ رکھتے ہیں کہ "الاســـم عيـــن الـمسمى كما صرح به فى كتب العقائد" (نام عین ذات ہے جیسا کہ عقائد کی کتب میں ہے۔) اور ظاہر ہے کہ نام کی مسمی پر دلالت تراشنا ناخن کی دلالت سے افزوں ہے تو خالی اسماء ہی ایک ذریعہ تبرک وتوسل ہوتے نہ کہ اسلامی سلاسل علیہ عالیہ کی اسناد اتصال بہ

محبوب ذی الجلال و بہ حضرت عزت وجلال ہیں اور اللہ اور محبوب و اولیاء کے سلسلہ کرم کرامت میں منسلک ہونے کی سند تو شجرہ طیبہ سے بڑھ کر اور کیا ذریعہ توسل چاہیۓ؟

اس جگہ ایک شبہ ہوسکتا ہے کہ اس میں بزرگان دین کے ناموں کی اہانت ہے۔ اس لئے کہ مردے کے بدن سے خون، پیپ وغیرہ تلوث کا اندیشہ ہے۔ مگر اندیشہ و وہم موجب ممانعت نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زکوٰۃ کے چوپایوں پر باوجود احتمال تلوث "حبیس فی سبیل اللہ" لکھوایا تھا۔ علاوہ بریں تلوث بہ نجاست کا احتمال بھی مطرد نہیں۔ اس لئے کہ احادیث سے ثابت ہے کہ دس شخصوں کے بدن قبروں میں سلامت رہتے ہیں: انبیاء، اولیاء، علمائے دین، شہدا، حفاظ، مؤذن کہ للہ (اللہ کے لئے) اذان کہا کرتا ہو، سرحد اسلام پر حفاظت بلاد اسلامیہ کے لئے قیام رکھنے والا، جو طاعون سے صابر و محتسب مرے، ذکر الٰہی بکثرت کرنے والا، بے گناہ بندہ۔ تو اگر وہ شخص جس کی قبر میں شجرہ رکھتے ہیں ان میں سے کوئی ایک ہے جب تو عدم تلوث ظاہر ورنہ ممکن کہ شجرہ شریف کی برکت سے اللہ تعالیٰ یہ عزت اسے عنایت فرمائے۔ پھر بھی شجرہ کے لئے کچھ ضرور نہیں کہ کفن ہی میں رکھیں بلکہ قبر میں قبلہ کی طرف خواہ سرہانے طاق بنا کر رکھیں۔"

(فتاوٰی ملک العلماء، صفحہ 351، نوری کتب خانہ، لاہور)

پکی قبر بنانا

قبر کو اوپر سے پختہ کرنا بالکل جائز ہے اندر سے منع ہے البتہ زمین نرم ہو تو اندر سے بھی پکی کر سکتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ اندر سے پکی اینٹوں پر مٹی کا لیپ کر دیا جائے۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: "قبر پختہ بنانے میں حاصل ارشاد علمائے امجاد رحمہم

اللہ تعالیٰ یہ ہے کہ اگر پکی اینٹ میّت کے متصل یعنی اس کے آس پاس کسی جہت میں نہیں کہ حقیقۃً قبر اسی کا نام ہے بلکہ گڑھا کچّا اور بالائے قبر پختہ ہے تو مطلقاً ممانعت نہیں، یہاں تک کہ امام اجل فقیہِ مجتہد اسمٰعیل زاہدی نے خاص لحد میں پکی اینٹ پر نص فرمایا جبکہ نیچے کچّے چوکے کی تہ ہو اور اپنی قبر مبارک میں یونہی کرنے کی وصیت فرمائی اور متصل میّت ممنوع مکروہ، مگر جبکہ بضرورت تری و نرمی زمین ہو تو اس میں بھی حرج نہیں۔"

(فتاوٰی رضویہ، جلد 9، صفحہ 421، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

درمختار میں ہے "یسوی اللبن علیہ والقصب لاالآجر المطبوخ والخشب لو حولہ امافوقہ فلا یکرہ ابن ملك وجاز حولہ بارض رخوۃ کالتابوت" ترجمہ: اس پر کچی اینٹیں اور بانس چُن دے، پکی اینٹیں اور لکڑی اس کے گرد نہ لگائے، اوپر ہو تو مکروہ نہیں ابن الملک نے فرمایا۔ اور نرم زمین ہو تو اس کے گرد بھی جائز ہے جیسے تابوت۔

(درمختار، کتاب الصلوٰۃ، باب صلوٰۃ الجنائز، فی دفن المیت، جلد 2، صفحہ 236، دارالفکر، بیروت)

ردالمحتار میں ہے "کرھوا الا جرو الواح الخشب وقال الامام التمرتاشی ھذا ان کان حول المیّت وان کان فوقه لایکرہ لانه یکون عصمة من السبع وقال مشائخ بخارا لایکرہ الآجرفی بلد تنا لمساس الحاجة لضعف الاراضی" ترجمہ: علماء نے پکی اینٹوں اور لکڑی کے تختوں کو مکروہ کہا ہے اور امام تمرتاشی نے فرمایا یہ اس وقت ہے جب میّت کے گرد ہو، اور اگر اس کے اوپر ہو تو مکروہ نہیں اس لیے کہ یہ درندے سے حفاظت کا ذریعہ ہوگا، مشائخ بخارا نے فرمایا کہ ہمارے دیار میں پکی اینٹیں مکروہ نہیں کیونکہ زمین کمزور ہونے کی وجہ سے اس کی ضرورت ہے۔

(درمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلوٰۃ، باب صلوٰۃ الجنائز، فی دفن المیت، جلد 2،

صفحہ236،دارالفکر،بیروت)

قبر پر پانی چھڑکنا

دفنانے کے بعد قبر پر پانی چھڑکنا حدیث پاک سے ثابت ہے۔البتہ جو رائج ہے کہ جب کبھی اپنے عزیز کی قبر پر جاتے ہیں تو قبر پر پانی چھڑکتے ہیں یہ فضول ہے۔امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:''قبرستان میں جا کے پڑھنے میں زیادہ ثواب ہے کہ زیارتِ قبور بھی سنت ہے اور وہاں پڑھنے میں اموات کا دل بھی بہلتا ہے اور جہاں قرآن مجید پڑھا جائے رحمتِ الٰہی اترتی ہے۔قبر اگر پختہ ہے اس پر پانی ڈالنا فضول و بے معنی ہے، یونہی اگر کچی ہے اور اس کی مٹی جمی ہوئی ہے۔ہاں اگر کچی ہے اور مٹی منتشر ہے تو اس کے جم جانے کو پانی ڈالنے میں حرج نہیں، جیسا کہ ابتدائے دفن میں خود سنت ہے۔''

(فتاوی رضویہ،جلد9،صفحہ609،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

قبر پر لکھنا

قبر پر لوگ میت کے نام کی تختی لگاتے ہیں تا کہ ڈھونڈنے میں آسانی رہے۔اس طرح تختی پر میت کا نام لکھانا جائز ہے۔لیکن جو تختی پر نام کے ساتھ قرآنی آیات لکھ دیتے ہیں یہ نہیں لکھنا چاہئے کہ بے حرمتی کا اندیشہ ہوتا ہے، اکثر اوقات کتے پیشاب کر دیتے ہیں۔وہابی حضرات قبر پر کچھ بھی لکھنے کو ناجائز کہتے ہیں جبکہ پوری دنیا میں علماء، اولیاء بلکہ انبیاء علیہم السلام کی قبروں پر تختی لگی ہوتی ہے۔ردالمحتار میں ہے''لا بأس بالكتابة -- فان ائمةالمسلمين من المشرق الى المغرب مكتوب على قبورهم و هو عمل اخذ بــه الخلف عن السلف'' ترجمہ: قبر پر لکھنے میں کوئی حرج نہیں۔مشرق سے مغرب تک ائمہ مسلمین کا قبور پر لکھنے کا عمل ہے جو انہوں نے اپنے پچھلوں سے لیا ہے۔

(ردالمحتار،کتاب الصلوٰۃ، باب صلوٰۃ الجنازۃ،جلد2،صفحہ237،دارالفکر،بیروت)

وہابی حضرات ممانعت پر دلیل یہ دیتے ہیں کہ حدیث پاک میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبروں پر لکھنے سے منع فرمایا ہے۔جبکہ ممانعت اس صورت میں ہے جب بغیر ضرورت لکھا جائے یا تختی پر نہیں بلکہ قبر پر کچھ لکھا جائے ۔ ردالمحتار میں ہے''فالاحسن التمسك بما يفيد حمل النهي على عدم الحاجة كما مر''ترجمہ: اچھا یہی ہے کہ اس ممانعت کو عدم ضرورت پر محمول کیا جائے جیسا کہ پیچھے گزرا۔

(ردالمحتار،کتاب الصلوٰۃ، باب صلوٰۃ الجنازۃ،جلد2،صفحہ238،دارالفکر،بیروت)

اب بلاضرورت کیا لکھنا مکروہ ہے اس پر کلام کرتے ہوئے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں''فإن الكتابة طريق إلى تعرف القبر بها نعم يظهر أن محل هذا الإجماع العملي على الرخصة فيها۔۔فاما الكتابة بغير عذر فلا حتى انه يكره كتابة شيء عليه من القرآن او الشعر او اطراء له و نحو ذلك'' ترجمہ: قبر پر لکھنا کہ جس سے قبر کی پہچان ہو جائے اس کی رخصت پر پر اجماع عملی ہے۔بغیر ضرورت قبر پر لکھنا مکروہ ہے جیسے قرآن یا کوئی شعر یا میت کی حد سے زیادہ تعریف لکھنا وغیرہ۔

(ردالمحتار،کتاب الصلوٰۃ، باب صلوٰۃ الجنازۃ،جلد2،صفحہ238،دارالفکر،بیروت)

قبر پر پھول ڈالنا

مردے پر پھولوں کی چادر بالائے کفن ڈالی جاتی ہے۔دفنانے کے بعد یہ قبر کے اوپر ڈال دی جاتی ہے۔اسی طرح قبر پر سبز ٹہنی رکھ دی جاتی ہے۔یہ اچھا عمل ہے۔پھول جب تک تر ہیں تسبیح کرتے ہیں اس سے میّت کا دل بہلتا ہے اور رحمت اترتی ہے۔بخاری شریف کی حدیث پاک سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو قبروں کو دیکھا کہ ان پر عذاب ہو رہا ہے، آپ نے کھجور کی شاخ کو لیا اور اس کے دو حصے کئے ''ثــم غــرز في كل قبر واحدة، فقالوا يا رسول الله، لم صنعت هذا؟ فقال لعله أن يخفف

عـنهـمـا مـا لـم ییبسـا" ترجمہ: پھر ہر قبر پر آدھی آدھی شاخ گاڑھ دی۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ آپ نے کس حکمت کے تحت کیا؟ آپ نے ارشاد فرمایا جب تک یہ خشک نہ ہوں گی ان قبر والوں کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔ (صحیح بخاری ،کتاب الجنائز ،باب الجرید علی القبر،جلد2،صفحہ95،دار طوق النجاۃ)

اس حدیث پاک کے تحت محدثین وفقہاء نے قبر پر شاخ گاڑھنے اور پھول ڈالنے کی اجازت دی ہے اور اسے مستحب کہا ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے "وضع الورود والریاحین علی القبور حسن "ترجمہ: قبروں پر گلاب اور پھولوں کا رکھنا اچھا ہے۔

(فتاوی ہندیۃ،الباب السادس عشرفی زیارۃ القبور،جلد5،صفحہ351،دارالفکر،بیروت)

فتاوٰی امام قاضی خان و امداد الفتاح شرح المصنف لمراقی الفلاح و ردالمحتار علی الدرالمختار میں ہے "یو خـذ من ذلك (ای من انه ما دا م رطبا یسبح الله تعالی فیو نس المیت و تنزل بذکر ہ الر حمة)و من الحدیث ندبا و ضع ذلك للا تبا ع و یـقـا س عـلیه ما اعتید فی زما ننا من و ضع اعصا ن الآس و نحو ہ"ترجمہ: پھول جب تک تر رہتا ہے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر کے میت کا دل بہلاتا ہے اور خدا کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی ہے اس بات سے اور حدیث پاک کے اتباع کے لحاظ سے اس کا مندوب ہونا اخذ ہوتا ہے۔ اسی پر قیاس بھی ہوگا جو ہمارے زمانے میں آس وغیرہ کی شاخیں رکھنے کا دستور رہے۔

(ردالمحتار، کتاب الجنائز،مطلب فی وضع الجدید ونحوالآس علی القبور، جلد2، صفحہ 245، دارالفکر،بیروت)

قبر پر چھوٹے پودے اور گھاس اگا سکتے ہیں جیسا کہ مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "احادیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبروں پر کھجور کی

تر شاخیں گاڑ دیں۔ اب قبروں پر پھول ڈالنے، گھاس اگانے کا بھی یہی منشاء ہے۔"

(مرأۃ المنا جیح، جلد 1، صفحہ 130،نعیمی کتب خانہ، گجرات)

قبر پر موم بتی اور اگر بتی جلانا

دفنانے کے بعد قبر پر کئی اگر بتیاں جلا کر واپس آجاتے ہیں یہ اسراف ہے۔ اسی طرح جب قبروں کی زیارت کو جاتے ہیں تو قبر پر موم بتی اور اگر بتی جلائے جاتی ہے، یہ بھی درست نہیں۔ اگر قبر پر تلاوت قرآن کرنی ہو اور خوشبو حاصل کرنے کے لئے اگر بتی لگائی جائے تو قبر سے ہٹ کر لگائی جائے۔ عین قبر کے اوپر اگر بتی یا موم بتی جلانا منع ہے۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: "عود لوبان وغیرہ کوئی چیز نفسِ قبر پر رکھ کر جلانے سے احتراز چاہیے اگرچہ کسی برتن میں ہو"لـما فیه من التفاؤل القبیح بطلوع الدخان عـلـی الـقبـر والعیـاذ بـالله" (کیونکہ اس میں قبر کے اوپر سے دھواں نکلنے کا بُرا فال پایا جاتا ہے، خدا کی پناہ۔) صحیح مسلم شریف میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی "انـه قـال لابـنـه وهـو فـی سیـاق الـمـوت اذاانـامت فلا تصْحبنی نائحة ولانـــارا" (ترجمہ) انہوں نے دم مرگ اپنے فرزند سے فرمایا جب میں مرجاؤں تو میرے ساتھ نہ کوئی نوحہ کرنے والی جائے نہ آگ جائے۔

شرح المشکوٰۃ للامام ابن حجر المکی میں ہے "لانها من التفاؤل القبیح" (کیونکہ آگ میں فال بد ہے۔) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے "انهـا سبب للتفاؤل القبیح" (یہ فال بد کا سبب ہے۔)

اور قریب قبر سلگا کر اگر وہاں کچھ لوگ بیٹھے ہوں نہ کوئی تالی (تلاوت کرنے والا) یا ذاکر (ذکر کرنے والا) ہو بلکہ صرف قبر کے لیے جلا کر چلا آئے تو ظاہر منع ہے کہ

اسراف واضاعتِ مال ہے۔میّت صالح اس غرفے کے سبب جواس کی قبر میں جنت سے کھولا جاتا ہےاور بہشتی نسیمیں بہشتی پھولوں کی خوشبوئیں لاتی ہیں،دنیا کے اگر لوبان سے غنی اور معاذ اللہ جو دوسری حالت میں ہوا سے اس سے انتفاع نہیں۔تو جب تک سند مقبول سے نفع معقول نہ ثابت ہو سبیلِ احتراز ہے"ولا یقاس علی الورد والریا حین المصرح باستحبابه فی غیر ماکتاب کما اوردناعلیه تصریحات کثیرة فی کتابنا حیاة الموات فی بیان سماع الاموات، فان العلة فیه کما نصوا علیه انها مادامت رطبة تسبح اللّٰه تعالٰی فتؤنس المیّت لاطیبها"اس کا قیاس پھولوں پر نہیں ہوسکتا جن کے مستحب ہونے کی صراحت متعدد کتابوں میں موجود ہے جیسا کہ اس پر کثیر تصریحات ہم نے اپنی کتاب" حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات" میں نقل کی ہیں اس لیے حسبِ تصریح علماء ان کے استحباب کی علت یہ ہے کہ وہ پھول جب تک تر رہیں گے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے اور میّت کا دل بہلاتے رہیں گے۔خوشبودار ہونا علّت نہیں اور اگر بغرض حاضرین وقت فاتحہ خوانی یا تلاوت قرآن مجید وذکر الٰہی سلگائیں تو بہتر و مستحسن ہے"وقد عهد تعظیم التلاوة والذکر وتطییب مجالس المسلمین به قدیما وحدیثا" اور تلاوت وذکر کی تعظیم اوراس سے مسلمانوں کی مجلسوں میں خوشبو پھیلانا زمانہ قدیم وجدید میں متعارف ہے۔" (فتاوی رضویہ،جلد9،صفحہ482،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

تلقینِ میت

مردے کے دفن کرنے کے بعد اسے تلقین کرنے کا حکم ہے۔تلقین منکر نکیر کے سوالوں کے جواب دینے میں میت کی رہنمائی ومدد کرنے کا نام ہے۔تلقین کی فضیلت اور طریقہ کے متعلق طبرانی شریف کی حدیث پاک ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا"إذا مات أحد من إخوانكم فسويتم التراب على قبره فليقم أحدكم على رأس قبره ثم ليقل :يا فلان بن فلانة فإنه يسمعه ولا يجيب ثم يقول :يا فلان بن فلانة فإنه يستوى قاعدا ثم يقول يا فلان بن فلانة فإنه يقول :أرشدنا رحمك الله ولكن لا تشعرون فليقل :اذكر ما خرجت عليه من الدنيا شهادة لا إله إلا الله وأن محمدا عبده ورسوله وأنك رضيت بالله ربا وبالإسلام دينا وبمحمد نبيا وبالقرآن إماما فإن منكرا ونكيرا يأخذ واحد منهما بيد صاحبه ويقول: انطلق بنا ما نقعد عند من قد لقن حجته فيكون الله حجيجه دونهما فقال رجل:يا رسول الله فإن لم يعرف أمه قال: فينسبه إلى حواء يا فلان بن حواء"

ترجمہ:سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تمہارا کوئی مسلمان بھائی مرے اور اس کو مٹی دے چکو تو تم میں ایک شخص قبر کے سرہانے کھڑا ہو کر کہے،یا فلاں بن فلانہ (یعنی اس کی ماں کا نام لے جیسے اے زید بن ہندہ) وہ سنے گا اور جواب نہ دے گا۔پھر اسی طرح کہے وہ سیدھا ہو کر بیٹھ جائے گا،پھر اسی طرح اسے آواز دے،وہ یعنی مردہ کہے گا ہمیں ارشاد کر اللہ عزوجل تجھ پر رحم فرمائے مگر تمہیں اس کے کہنے کی خبر نہیں ہوتی۔پھر یوں کہو"اُذْکُرْ مَا خَرَجْتَ عَلَیْهِ مِنَ الدُّنْیَا شَهَادَةَ لَا إِلٰهَ إِلَا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَأَنَّكَ رَضِیْتَ بِاللّٰهِ رَبّاً وَّبِالإِسْلامِ دِیْناً وَبِمُحَمَّدٍنَبِیاً وَبِالْقُرآنِ إِمَاماً" ترجمہ:تو اسے یاد کر جس پر تو دنیا سے نکلا یعنی یہ گواہی دیتا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں اور یہ کہ تو اللہ عزوجل کے رب اور اسلام کے دین اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نبی اور قرآن کے امام ہونے پر راضی تھا۔

منکر نکیر ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کہیں گے: چلو ہم اس کے پاس کیا بیٹھیں جسے لوگ اس کی حجت سکھا چکے۔ اس پر کسی نے عرض کیا: اگر اس کی ماں کا نام معلوم نہ ہو؟ فرمایا حواء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف نسبت کرے۔

(المعجم الکبیر، باب الصاد، سعید بن عبد الله الأودی، عن أبی أمامة، جلد 08، صفحه 249، مکتبة ابن تیمیة، القاہرة)

دفنانے کی طرح جب مردہ کی روح نکلنے والی ہو اس وقت بھی تلقین کرنے کا حکم ہے کہ مردے کے سامنے کلمہ شہادت پڑھا جائے تاکہ مردے کو بھی یاد آئے اور وہ اللہ عزوجل کا ذکر کرتے ہوئے دنیا سے جائے۔ جوہرہ نیرہ میں ہے "لقوله صلی اللّٰه تعالیٰ علیه و سلم لقنوا موتاکم شهادة ان لا اله الااللّٰه وهو صورة التلقین ان یقال عنده فی حالة النزع جهراً وهو یسمع اشهدان لااله الااللّٰه واشهدان محمدارسول اللّٰه"، ترجمہ: اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے اموات کو لا الٰہ الا اللہ کی شہادت یاد دلاؤ اور اس یاد دلانے کی صورت یہ ہے کہ اس نزع میں اس کے پاس ایسی آواز سے کہ وہ سنے "اشهدان لااله الااللّٰه واشهدان محمدارسول اللّٰه" پڑھیں۔ (الجوہرة النیرة، کتاب الصلوٰة، باب الجنائز، جلد 1، صفحه 101، المطبعة الخیریة)

میت کو نہ کہا جائے کہ تو کلمہ پڑھ، کہ کہیں نزع کی سختی میں وہ انکار نہ کردے۔ خود اس کے سامنے پڑھیں وہ خود بخود پڑھے گا۔

قبر پر اذان و نعت خوانی

دفن کے بعد قبر پر اذان دینا جائز و مستحسن ہے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ جب مردے کو قبر میں اتارا جاتا ہے اس وقت منکر نکیر اس کے پاس آتے ہیں اور اس سے تین

سوالات کرتے ہیں، اگر یہ شخص ان سوالات کے جواب دیدے تو کامیابی و کامرانی اس کا مقدر ہوتی ہے اور اگر ان سوالات کے جوابات نہ دے سکے گا تو ناکامی و نامرادی اس کا مقدر ہوگی۔ چونکہ شیطان مسلمان کا دشمن ہے یہ مسلمان کو بہکانے کیلئے وہاں بھی آ پہنچتا ہے۔ یہ بات بھی احادیث سے ثابت ہے کہ شیطان قبر میں آتا اور مسلمان کو سوالات کے جواب دینے میں پریشانی میں مبتلا کرتا ہے تاکہ یہ سوالات کے جوابات نہ دے کر خائب و خاسر ہو۔ حدیث پاک میں ہے "اذا سئل المیت من ربك تری له الشیطان فی صورة فیشیر الی نفسه ای انا ربك فلهٰذا ورد سوال التثبیت له حین سئل" ترجمہ:۔ جب مردے سے سوال ہوتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ شیطان اس پر ظاہر ہوتا ہے اور اپنی طرف اشارہ کرتا ہے یعنی میں تیرا رب ہوں اس لئے حکم آیا کہ میت کیلئے جواب میں ثابت قدم رہنے کی دعا کریں۔

(نوادرالاصول، صفحه 323، بحواله فتاوی رضویه، جلد5، صفحه655، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اور یہ امر بھی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ اذان دینے سے شیطان بھاگتا ہے جونہی اذان کی آواز اس کے کان میں پڑتی ہے جس جگہ اذان دی جارہی ہو وہاں سے دور بھاگ جاتا ہے چنانچہ حدیث میں ہے "اذا اذن المؤذن ادبر الشیطان وله حصاص" ترجمہ: جب مؤذن اذان کہتا ہے شیطان پیٹھ پھیر کر گوز زناں بھاگتا ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب الصلوٰة، باب فضل الأذان ---، جلد 1، صفحه 291، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

شیخ الاسلام والمسلمین الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن حدیث مبارک نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: "امام احمد و طبرانی و بیہقی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے راویت کرتے ہیں "قال لما دفن سعد بن معاذ و سوی علیه سبح النبی صلی الله

عليه وسلم وسبح الناس معه طويلاثم كبر و كبر الناس ثم قالوا يا رسول الله لم سبحت قال لقد تضايق على هذا الرجل الصالح قبره حتى فرج الله تعالى عنه "

ترجمہ: جب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما کو دفن کر دیا گیا اور قبر درست کر دی گئی نبی صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم دیر تک سبحان اللہ، سبحان اللہ فرماتے رہے اور صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی حضور صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کے ساتھ کہتے رہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم اللہ اکبر، اللہ اکبر فرماتے رہے اور صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کہتے رہے۔ پھر صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم حضور اول تسبیح پھر تکبیر کیوں فرماتے رہے؟ ارشاد فرمایا: اس نیک شخص پر اس کی قبر تنگ ہوئی تھی یہاں تک کہ اللہ تعالی نے وہ تکلیف اس سے دور کی اور قبر کشادہ فرما دی۔ اس حدیث کے معنی بیان کرتے ہوئے علامہ طیبی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں "ای مازالت اکبر و تکبرون و اسبح و تسبحون حتی فرجه الله "حدیث کے معنی یہ ہیں کہ برابر میں اور تم اللہ اکبر اللہ اکبر، سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالی نے اس تنگی سے انہیں نجات بخشی۔ اقول: (میں کہتا ہوں) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے میت پر آسانی کیلئے دفن کے بعد قبر پر اللہ اکبر اللہ اکبر بار بار فرمایا ہے اور یہی کلمہ مبارک اذان میں چھ بار ہے تو عین سنت ہوا۔ غایت یہ کہ اذان میں اس کے ساتھ اور کلمات بھی ہیں سوانکی زیادت معاذ اللہ نہ کچھ مضر نہ اس امر مسنون کے منافی بلکہ زیادہ مفید و موید و مقصود ہے کہ رحمت الٰہی اتارنے کیلئے ذکر خدا عزوجل کرنا تھا۔"

(فتاوی رضویه، جلد5، صفحه656، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

قبر پر اذان دینا فقہ حنفی کی معتبر کتب سے بھی ثابت ہے چنانچہ خاتم المحققین حضرت علامہ مولانا سید محمد امین ابن عابدین المعروف شامی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں

" عند انزال الميت القبر قياسا على اول خروجه للدنيا" ترجمہ: میت کو قبر میں رکھتے وقت پیدائش پر قیاس کرتے ہوئے اذان دینا مستحب ہے۔

(ردالمحتار مع درمختار، کتاب الصلوٰۃ، باب الاذان، جلد1، صفحہ385، دارالفکر، بیروت)

مزید اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "حق یہ ہے کہ اذان مذکور فی السوال کا جواز یقینی ہے ہرگز شرع مطہر سے اس کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں اور جس امر سے شرع منع نہ فرمائے اصلا ممنوع نہیں ہوسکتا قائلان جواز کے لئے اس قدر کافی، جو مدعی ممانعت ہو دلائل شرعیہ سے اپنا دعوی ثابت کرے۔"

(فتاوی رضویہ، جلد 5 صفحہ 654، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مزید تفصیل کے لئے سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا رسالہ " ایــــذان الاجر فی اذان القبر " اور مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مایہ ناز تصنیف "جاء الحق" کا مطالعہ کریں۔

اسی طرح دفنانے کے بعد نعت خوانی کرنا بھی اچھا عمل ہے۔ اس طرح کرنے سے میت کو اُنس حاصل ہوتا ہے۔ ایک صحابی نے وصیت کی تھی کہ مجھے دفنانے کے بعد قبر کے اردگرد کھڑے رہنا تا کہ مجھے تم سے انس حاصل ہو چنانچہ مسلم شریف کی حدیث پاک میں ہے صحابی رسول حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے کو وصیت کی جب وہ قریب الموت تھے "إذا أنا مت فلا تصحبني نائحة ولا نار فإذا دفنتموني فشنوا علـى التراب شنا ثم أقيموا حول قبري قدر ما ينحر جزور ويقسم لحمها حتى أستأنس بكم وأعلم ماذا أراجع به رسل ربي" ترجمہ: روایت ہے حضرت عمرو ابن عاص سے کہ انہوں نے اپنے فرزند سے بحالت موت فرمایا جب میں مرجاؤں تو میرے ساتھ نہ کوئی نوحہ والی جائے نہ آگ۔ جب تم مجھے دفن کر دو تو مجھ پر مٹی ڈالنا پھر میری قبر کے

اردگرد اس قدر کھڑے رہنا جتنی دیر اونٹ ذبح کرکے اس کا گوشت بانٹ دیا جائے تاکہ تم سے مجھے انس ہو اور جان لوں کہ میں رب کے فرشتوں کو کیا جواب دوں۔

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب کون الإسلام یهدم ما قبله و کذا الهجرة والحج، جلد 1، صفحه112، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

قبرستان میں کوئی چیز بانٹنا

میت کو دفن کرنے کے بعد قبرستان میں کوئی چیز تقسیم نہ کی جائے خصوصا غلط نظریہ رکھ کر۔ ممانعت اس لئے ہے کہ قبروں کی بے حرمتی ہوتی ہے لوگ اس پر پاؤں رکھیں گے شور ہوگا۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے سوال ہوا: ''مردہ کے ساتھ مٹھائی قبرستان میں چیونٹیوں کے ڈالنے کے لئے لے جانا کیسا ہے؟ جوابا فرمایا: ''ساتھ لے جانا روٹی کا جس طرح علمائے کرام نے منع فرمایا ہے ویسے ہی مٹھائی ہے۔ چیونٹیوں کو اس نیت سے ڈالنا کہ میت کو تکلیف نہ پہنچائیں یہ محض جہالت ہے۔ اور یہ نیت نہ بھی ہو تو بھی بجائے اس کے مساکین صالحین پر تقسیم کرنا بہتر ہے۔ مکان پر جس قدر چاہیں خیرات کریں۔ قبرستان میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ اناج تقسیم ہوتے وقت بچے اور عورتیں وغیرہ غل مچاتے اور مسلمانوں کی قبروں پر دوڑے پھرتے ہیں۔''

(احکام شریعت، حصه2، صفحه234، نظامیه کتاب گھر، لاہور)

دفن کرنے کے بعد اہل میت کے گھر سے کھانا

دفنانے کے بعد لوگ میت کے گھر واپس آکر کھانا کھاتے ہیں جو میت کے گھر والوں کی طرف سے ہوتا ہے اور اس میں ٹھیک ٹھاک خرچہ ہوتا ہے۔ میت کے گھر والوں کو ایک عزیز کے بچھڑنے کا صدمہ ہوتا ہے دوسری فکر لوگوں کے کھانے کا اہتمام کرنے کی ہوتی ہے۔ بعض خاندانوں میں یہ رواج ہے کہ یہ کھانا بہو کے سسرال والے کھلاتے ہیں۔

یہ بالکل غیر شرعی و بدعت سئیہ ہے۔ یہ کھانا غنی (جو صاحب نصاب ہو) کے لئے ناجائز ہے۔ جو فقیر ہو یا مسافر ہو وہ اس کھانے کو کھا سکتا ہے۔ اسی طرح دوسرے دن اور تیسرے دن کھانے پکائے جاتے ہیں۔ اس کا ممنوع و باطل ہونا بعد ہی کے علماء یا فقہاء کا نظریہ نہیں بلکہ خیر القرون یعنی صحابہ کے زمانہ میں خود صحابہ بھی اس کو برا جانتے حتی کہ اس کو نوحہ سے شمار کرتے۔ حدیث کی مشہور صحیح ترین کتب میں صحیح اسناد کے ساتھ حدیث موجود ہے ''عن جریر قال: کانوا یرون أن اجتماع أهل المیت و صنعة الطعام من النیاحة'' ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ فرماتے ہیں: ہم میت والوں کے ہاں جمع ہونے اور ان کے کھانے کا اہتمام کرنے کو نوحہ کی قسم شمار کرتے تھے۔

(المعجم الکبیر، باب الجیم، باب الجیم، جلد02، صفحه307، مکتبة ابن تیمیة، القاهرة)

لہذا بعد وفات میت کے ہاں تین دن تک پکنے والا کھانا ضیافت میں شامل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے جس کا کھانا اور کھلانا ناجائز ہے۔ امام حافظ الدین محمد بن محمد شہاب المعروف بابن البزار فرماتے ہیں ''ویکره اتخاذ الضیافة ثلاثة ایام واکلها لانها مشروعة للسرور'' ترجمہ: تین دن تک کھانے وغیرہ کا اہتمام کرنا ناجائز ہے کیونکہ دعوت کو شریعت نے خوشی کے موقع پر رکھا ہے۔

(فتاوی بزازیه، کتاب الصلوة، باب الخامس والعشرون فی الجنائز، جلد 04، صفحه78، مکتبه رشیدیه، کوئٹه)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن نے اس مسئلہ پر ایک رسالہ بنام ''جَلِیُّ الصَّوْتِ لِنَهْیِ الدَّعْوَةِ اَمَامَ مَوْت'' کسی موت پر دعوت کی ممانعت کا واضح اعلان۔ جس میں اس کو بدعت سیئہ قرار دیا چنانچہ فرماتے ہیں: ''یہ ناپاک رسم کتنے قبیح اور شدید گناہوں سخت و شنیع خرابیوں پر مشتمل ہے۔ اولاً یہ دعوت خود ناجائز و بدعت شنیعہ قبیحہ ہے۔ امام احمد

اپنے منداور ابن ماجہ سنن میں بہ سند صحیح حضرت جریر بن عبداللہ بجلی سے راوی "کنـا نـعد الاجتماع الی اهل المیّت و صنعة الطعام من النیاحة " ترجمہ: ہم گروہِ صحابہ اہل میّت کے یہاں جمع ہونے اوران کے کھانا تیار کرانے کو مردے کی نیاحت سے شمار کرتے تھے۔

جس کی حرمت پر متواتر حدیثیں ناطق۔امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں "یکره اتخاذ الضیافة من الطعام من اهل المیّت لا نه شرع فی السرور لافی الشرور وهی بدعة مستقبحة" ترجمہ: اہل میّت کی طرف سے کھانے کی ضیافت تیار کرنی منع ہے کہ شرع نے ضیافت خوشی میں رکھی ہے نہ کہ غمی میں اور یہ بدعت شنیعہ ہے۔

ثانیاً: غالباً ورثہ میں کوئی یتیم یااور بچہ نابالغ ہوتا ہے۔ یا اور ورثہ موجود نہیں ہوتے ، نہ ان سے اس کا اذن لیا جاتا ہے، جب تو یہ امر سخت حرام شدید پر متضمن ہوتا ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے ﴿ان الذین یاکلون اموال الیتامٰی ظلما انما یاکلون فی بطونهم نارا سیصلون سعیرا ﴾ بیشک جولوگ یتیموں کے مال ناحق کھاتے ہیں بلاشبہہ وہ اپنے پیٹوں میں انگارے بھرتے ہیں اور قریب ہے کہ جہنم کے گہراؤ میں جائیں گے۔

مال غیر میں بے اذن غیر تصرف خود ناجائز ہے۔قال تعالیٰ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا)﴿لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل ﴾ اپنے مال آپس میں ناحق نہ کھاؤ۔ خصوصاً نابالغ کا مال ضائع کرنا جس کا اختیار نہ خود اسے ہے نہ اس کے باپ نہ اسے کے وصی کو"لان الولایة للنظر لاللضرر علی الخصوص"(اس لیے کہ ولایت

فائدے میں نظر کے لیے ہے نہ کہ معین طور پر ضرر کے لئے۔)اوراگران میں کوئی یتیم ہوا تو آفت سخت تر ہے، والعیاذ باللہ رب العالمین۔ہاں اگر محتاجوں کے دینے کو کھانا پکوائیں توحرج نہیں بلکہ خوب ہے۔ بشرطیکہ یہ کوئی عاقل بالغ اپنے مال خاص سے کرے یا ترکہ سے کریں، تو سب وارث موجود و بالغ وراضی ہوں۔خانیہ و بزازیہ وتتارخانیہ وہندیہ میں ہے"ان اتخذ طعا ماللفقراء کان حسنا اذاکانت الورثة بالغین وان کان فی الورثه صغیر لم یتخذوا ذلك من الترکة" اگر فقراء کے لیے کھانا پکوائے تو اچھا ہے جب کہ سب ورثہ بالغ ہوں،اور اگر کوئی وارث نابالغ ہوتو یہ ترکہ سے نہ کریں۔۔۔۔

ثالثاً: یہ عورتیں کہ جمع ہوتی ہیں افعالِ منکرہ کرتی ہیں،مثلاً چلاّ کر رونا پیٹنا، بناوٹ سے منہ ڈھانکنا، الیٰ غیر ذلک، اور یہ سب نیاحت ہے اور نیاحت حرام ہے، ایسے مجمع کے لیے میّت کے عزیزوں اور دوستوں کو بھی جائز نہیں کہ کھانا بھیجیں کہ گناہ کی امداد ہوگی، قال تعالیٰ ﴿ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان ﴾ گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔نہ کہ اہل میّت کا اہتمام طعام کرنا کہ سرے سے ناجائز ہے، تو اس ناجائز مجمع کے لئے ناجائز تر ہوگا۔

کشف الغطاء میں ہے "ساختن طعام در روز ثانی وثالث برائے اهل میّت اگر نوحه گراں جمع باشند است زیرا که اعانت است ایشاں را بر گناه " اگر نوحہ کرنے والیاں جمع ہوں تو اہل میّت کے لیے دوسرے تیسرے دن کھانا پکوانا مکروہ ہے کیونکہ اس میں گناہ پر اعانت ہے۔

رابعاً: اکثر لوگوں کو اس رسم شنیع کے باعث اپنی طاقت سے زیادہ ضیافت کرنی پڑتی ہے، یہاں تک کہ میّت والے بیچارے اپنے غم کو بھول کر اس آفت میں مبتلا ہوتے

ہیں کہ اس میلے کے لیے کھانا، پان چھالیا کہاں سے لائیں اور بارہا ضرورت قرض لینے کی پڑتی ہے۔ ایسا تکلف شرع کو کسی امر مباح کے لیے بھی زنہار پسند نہیں، نہ کہ ایک رسم ممنوع کے لیے، پھر اس کے باعث جو دقتیں پڑتی ہیں خود ظاہر ہیں۔ پھر اگر قرض سودی ملا تو حرام خالص ہو گیا اور معاذ اللہ لعنت الٰہی عزوجل سے پورا حصہ ملے کہ بے ضرورت شرعیہ سود دینا بھی سود لینے کے باعث لعنت ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں فرمایا۔ غرض اس رسم کی شناعت وممانعت میں شک نہیں، اللہ عزوجل مسلمانوں کو توفیق بخشے کہ قطعاً ایسی رسوم شنیعہ جن سے ان کے دین ودنیا کا ضرر ہے ترک کر دیں اور طعن بیہودہ کا لحاظ نہ کریں، واللہ الہادی۔

تنبیہ: اگرچہ صرف ایک دن یعنی پہلے ہی روز عزیزوں کو ہمسایوں کو مسنون ہے کہ اہل میّت کے لیے اتنا کھانا پکوا کر بھیجیں جسے وہ دو وقت کھا سکیں اور باصرار انھیں کھلائیں، مگر یہ کھانا صرف اہل میّت ہی کے قابل ہونا سنت ہے۔ اس میلے کے لیے بھیجنے کا ہرگز حکم نہیں اور ان کے لیے بھی فقط روز اول کا حکم ہے آگے نہیں۔ کشف الغطاء میں ہے "مستحب است خویشاں وھمسایھائے میّت راکہ اطعام کنندطعام رابرائے اھل وے کہ سیر کنند ایشاں رایك شبانہ روز والحاح کنند تابخورند ودرخوردن غیر اھل میّت ایں طعام رامشھور آنست کہ مکروہ است" میّت کے عزیزوں، ہمسایوں کے لیے مستحب ہے کہ اہل میّت کے لیے اتنا کھانا پکوائیں جسے ایک دن رات وہ سیر ہو کر کھا سکیں، اور اصرار کر کے کھلائیں، غیر اہل میّت کے لیے یہ کھانا قول مشہور کی بنیاد پر مکروہ ہے۔

عالمگیری میں ہے "حمل الطعام الی صاحب المصیبة والاکل معھم فی الیوم الاول جائز لشغلھم بالجھاز وبعدہ یکرہ کذافی التتار خانیة" اہل میّت

کے یہاں پہلے دن کھانا لے جانا اور ان کے ساتھ کھانا جائز ہے کیونکہ وہ جنازے میں مشغول رہتے ہیں اور اس کے بعد مکروہ ہے۔ ایسا ہی تتارخانیہ میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (فتاوی رضویہ، جلد9، صفحہ662---، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

فوتگی کے دوسرے یا تیسرے دن جو قل خوانی ہوتی ہے، اس میں چنے اور پھل ختم میں رکھ کر ان کو تقسیم کیا جاتا ہے۔ ان چنوں اور پھلوں کے کھانے کا حکم یہ ہے کہ یہ میت کے ایصال ثواب کے لئے ہوتے ہیں، اس لئے غنی کے لئے نا کھانا بہتر تو ہے لیکن ناجائز نہیں ہے۔ البتہ قل خوانی کے بعد جو اہل میت کے ہاں کھانا کھایا جاتا ہے یہ غنی کے لئے جائز نہیں ہے۔ فتاوٰی رضویہ میں امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے سوال ہوا: "کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میّت کے گھر کا کھانا، جو اہل میّت سوم تک بطور مہمانی کے پکاتے ہیں اور سوم کے چنوں بتاشوں کا لینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔"

جواباً فرمایا: "میّت کے گھر کا وہ کھانا تو البتہ بلاشبہہ ناجائز ہے جیسا کہ فقیر نے اپنے فتوے میں مفصلاً بیان کیا۔ اور سوم کے چنے بتاشے کہ بغرض مہمانی نہیں منگائے جاتے بلکہ ثواب پہنچانے کے قصد سے ہوتے ہیں، یہ اس حکم میں داخل نہیں، نہ میرے اس فتوے میں ان کی نسبت کچھ ذکر ہے۔ یہ اگر مالک نے صرف محتاجوں کے دینے کے لیے منگائے اور یہی اس کی نیت ہے تو غنی کو ان کا بھی لینا ناجائز، اور اگر اس نے حاضرین پر تقسیم کے لیے منگائے تو اگر غنی بھی لے لے گا تو گنہگار نہ ہوگا اور یہاں بحکم عرف ورواج عام حکم یہی ہے کہ وہ خاص مساکین کے لیے نہیں ہوتے۔ تو غنی کو بھی لینا ناجائز نہیں، اگرچہ احتراز زیادہ پسندیدہ۔ اور اسی پر ہمیشہ سے اس فقیر کا عمل ہے۔"

(فتاوی رضویہ، جلد9، صفحہ672، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

جن خاندانوں میں یہ بری رسم ہے کہ بہو کے والدین کھانا پکا کر لائیں یا کوئی

مخصوص رشتہ دار اس کا اہتمام کریں۔ وہ اس رسم کا خاتمہ کریں کہ خاندان والے مجبوراً اس کھانے کا اہتمام کرتے ہیں۔ سیدی امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں: ''ظاہراً یہ تخصیص اس خیال سے ہو کہ بہن کا اپنا گھر اور مال غالباً نہیں ہوتا بلکہ اس کے شوہر کا اور وہ اگر ناگواری نہ ظاہر کرے تو غالباً مروت اور اپنی زوجہ کی رعایت سے اور ساس جو کچھ کرے گی اپنی بیٹی کے دباؤ سے اور یہ جائز نہیں۔''

(فتاوی رضویہ، جلد 23، صفحہ 273، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

خاندان والے اگر اس بُری رسم کی اتباع میں کھانا نہ کھلائیں تو رشتہ دار طعن و تشنیع کرتے ہیں جو کہ ناجائز وحرام ہے۔ تین دن کے بعد جو جمعرات، دسواں، چالیسواں میں کھانے کا اہتمام کیا جاتا ہے وہ امیر غریب سب کھا سکتے ہیں کہ تین دن کے بعد یہ کھلانا نوحہ نہیں جس کی ممانعت ہے۔ چالیسویں، برسی وغیرہ کا کھانا امیر غریب سب کھا سکتے ہیں لیکن بہتر ہے کہ غریبوں کو کھلایا جائے امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ''میت کے یہاں جو لوگ جمع ہوتے ہیں اور ان کی دعوت کی جاتی ہے اس کھانے کی ہر طرح ممانعت ہے اور بغیر دعوت کے جمعراتوں، چالیسویں، چھ ماہی، برسی میں جو بھاجی کی طرح اغنیاء کو بانٹا جاتا ہے وہ بھی اگرچہ بے معنی ہے مگر اس کا کھانا منع نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ غنی نہ کھائے اور فقیر کو تو کچھ مضائقہ نہیں کہ وہی اس کے مستحق ہیں۔''

(فتاوی رضویہ، جلد 9، صفحہ 673، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

بعض خاندانوں میں یہ طریقہ رائج ہے کہ جس گھر اپنی بچی کی شادی کی ہو وہاں اگر کسی قریبی رشتہ دار جیسے ماں یا باپ کی فوتگی ہو جائے تو لڑکی کے گھر والے تیجہ، دسواں یا چالیسواں پر اس لڑکی، اس کے شوہر اور دیگر گھر والوں کے لئے سوٹ اور پیسے دیتے ہیں، اگر کوئی ایسا نہ کرے تو لڑکے والے طعن و تشنیع کرتے ہیں، لڑکی کو ذلیل کرتے ہیں۔ یہ

طریقہ ناجائز ہے۔ لڑکے والوں کو چاہئے کہ وہ صاف منع کر دیں کہ ہمیں کچھ نہ دیا جائے۔

سوگ

سوگ کا مطلب ہے رنج، غم۔ کسی کے مرنے پر تین دن سے زیادہ سوگ خلاف شریعت ہے البتہ زوجہ کا سوگ عدت تک ہے۔ مسلم شریف کی حدیث پاک میں ہے ''عن زینب بنت ابی سلمة قالت لما اتی ام حبیبة نعی ابی سفیان دعت فی الیوم الثالث بصفرة فمسحت به ذراعیها و عارضیها و قالت کنت عن هذا غنیة سمعت النبی صلی الله تعالی علیه وسلم یقول لا یحل لامرأة تؤمن بالله و الیوم الآخر ان تحد علی میت فوق ثلث الا علی زوج فانها تحد علیه اربعة اشهر و عشراً'' ترجمہ: زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرمایا جب حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس (ان کے والد) حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کی خبر آئی تو تیسرے دن انہوں نے زرد خوشبو منگوائی اور اپنے بازوؤں اور گالوں پر ملی اور فرمایا مجھے اس کی حاجت نہیں تھی میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ کسی عورت کے حلال نہیں جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو کہ میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے مگر شوہر پر کہ اس پر چار ماہ دس دن سوگ کرے گی۔

(صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب وجوب الإحداد فی عدة الوفاة-- جلد 2، صفحہ 1123، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

تین دن میں کیا کرنا ہے کیا نہیں کرنا اس کے متعلق عجیب وغریب باتیں مشہور ہوتی ہیں، جیسے جھاڑو نہیں لگانا وغیرہ۔ شرعاً ایسا کچھ نہیں میت والے گھر میں ضرورتاً جھاڑو لگانے میں حرج نہیں اور تیسرے دن سوگ ختم کرنے کے لئے مہندی، مسی اور

چوڑیوں کا استعمال زوجہ کے علاوہ دیگر عورتوں کو جائز ہے کہ ان کو صرف تین دن تک سوگ کرنے کی اجازت ہے اس سے زائد نہیں۔ مفتی وقارالدین قادری رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا: ''ہماری برادری میں سوگ کے دنوں میں گوشت نہیں پکایا جاتا اور سوگ بھی بیسویں کے بعد گوشت پکا کر توڑا جاتا ہے۔ اور گوشت بھی بیسویں کے روز رشتہ دار اپنی طرف سے اس لئے لاتے ہیں کہ میت کے گھر والوں کا سوگ توڑا جائے گا۔ اگر میت کے وارثین اپنے پیسوں سے گوشت لے آئیں تو برادری میں اس کو برا سمجھا جاتا ہے۔''

مفتی وقارالدین قادری جواباً فرماتے ہیں: ''یہ رسم ناجائز ہے۔ حدیث شریف (بخاری) میں ہے ''عن أم عطية عن النبی صلی الله عليه و سلم قالت كنا ننهى أن نحد على ميت فوق ثلاث إلا على زوج أربعة أشهر وعشرا'' ترجمہ: ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے ہمیں میت پر تین دن سے زیادہ سوگ سے منع کیا گیا ہے۔ مگر شوہر کے انتقال پر چار ماہ دس دن سوگ (عدت) ہے۔

(وقار الفتاوٰی، جلد1، صفحہ193، بزم وقار الدین، کراچی)

آج کل جس کے گھر مرگ ہوئی ہو اس میں سوگ کسی نہ کسی صورت میں سارا سال جاری رہتا ہے۔ اس سال گھر والے عید میں نئے کپڑے نہیں پہنتے، بلکہ بعض جاہل تو بڑی عید میں قربانی بھی نہیں کرتے اگرچہ ان پر واجب ہو، ختم میں اگر کوئی عورت سونا یا زینت اختیار کرے تو اس پر طعن و تشنیع کرتے ہیں، یہ سب غیر شرعی حرکات ہیں۔ تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں۔ سیدی امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں: ''شریعت نے عورت کو شوہر کی موت پر چار مہینے دس دن سوگ کا حکم دیا ہے اوروں کی موت کے تیسرے دن تک اجازت دی ہے باقی حرام ہے اور ہر سال سوگ کی تجدید تو کسی کے لئے اصلاً حلال نہیں۔'' (فتاوی رضویہ، جلد24، صفحہ495، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

زوجہ کی عدّت

عدت کا مطلب ہے تعداد، شمار۔ شوہر کے مرنے کے بعد عورت جتنی دیر میں سوگ کرتی ہے اسے عدت کہا جاتا ہے۔ اگر عورت کا شوہر مر گیا ہو اور عورت حاملہ نہ ہو تو اس کی عدت چار مہینے دس دن ہے جیسا کہ سورۃ البقرۃ میں ہے ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور تم میں جو مریں اور بیبیاں چھوڑیں وہ چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں۔ (سورۃ البقرۃ، سورت2، آیت234)

اگر شوہر مر جائے اور اسکی موت کے وقت عورت حاملہ ہو تو اس کی عدّت بچہ پیدا ہونے تک ہے جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے ﴿وَأُوْلَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور حمل والیوں کی میعاد یہ ہے کہ وہ اپنا حمل جن لیں۔ (سورۃ الطلاق، سورت65، آیت 4)

عدت کے دوران زوجہ سوگ اختیار کرے گی یعنی زینت نہیں کرے گی۔ بخاری شریف کی حدیث پاک ہے ''عن أم عطية عن النبی صلی الله عليه و سلم قالت كنا ننهى أن نحد على ميت فوق ثلاث إلا على زوج أربعة أشهر وعشرا ولا نكتحل ولا نتطيب ولا نلبس مصبوغا إلا ثوب عصب وقد رخص لنا عند الطهر إذا اغتسلت إحدانا من محيضها فی نبذة من كست أظفار و كنا ننهى عن اتباع الجنائز'' ترجمہ: حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں) ہمیں کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کی ممانعت کی جاتی تھی مگر شوہر پر چار مہینہ دس دن تک سوگ کا حکم تھا اور ایسی حالت میں نہ ہم سرمہ لگاتیں نہ

خوشبو لگاتیں اور نہ رنگین کپڑا سوا عصب (جس کپڑے کا سوت بناوٹ سے پہلے رنگا گیا ہو) کے پہنتیں اور ہمیں طہارت کے بعد جب کوئی ہم میں سے حائضہ ہو تھوڑی کست اظفار اور (خوشبو) کی اجازت دیدی گئی تھی اور ہمیں جنازوں کے ہمراہ جانے کی ممانعت کر دی گئی تھی۔

(صحیح بخاری ،کتاب الحیض ،باب الطیب للمرأة عند غسلها من المحیض ،جلد 1، صفحہ 69، دار طوق النجاۃ،مصر)

مرأۃ المناجیح میں ہے: ''عورت کسی عزیز وقرابتدار کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرے، باپ، بیٹا، بھائی کوئی بھی فوت ہوجائے اس پر تین دن تک سوگ یعنی ترک زینت کرسکتی ہے مگر خاوند کی موت پر پوری عدت کے زمانہ میں سوگ کرے کہ نہ خوشبو لگائے نہ زینت کا لباس پہنے، یہ مدت غیر حاملہ کے لئے ہے، حاملہ کی عدت توحمل جَن دینا ہے وہ اس وقت تک سوگ کرے۔'' (مرأة المناجیح ،جلد5،صفحہ151، ضیاء القران،لاہور)

زوجہ کی عدت کے متعلق بھی بہت غلط باتیں مشہور ہیں کئی کہتے ہیں بوڑھی کی عدت نہیں ہوتی، کوئی کہتا ہے اگر جنازہ کے ساتھ باہر تک آجائے تو عدت نہیں، یہ سب غلط ہے اور اس طرح شرعی مسائل میں اپنی عقلیں لڑانا حرام ہے۔ اسی طرح جب عدت ختم ہو، اس وقت کوئی کہتا ہے شوہر کی قبر پر جائے اور واپس آئے کسے سے ملے نہیں، مٹھائی تقسیم کرے، کہیں رسم ہے کہ عدت ختم ہونے کے بعد عورت اپنے والدین یا بھائی کے گھر رات گزارے۔ اسی طرح اور کئی رسمیں رائج ہیں۔ شرعا ان کی کوئی اصل نہیں۔ عدت ختم ہونے کے بعد عورت کے لئے کوئی خاص کام کرنا ضروری نہیں۔

میت کی تصویر کے آگے پھول رکھنا اور موم بتی جلانا

ایک بری رسم یہ چلنا شروع ہوگئی ہے کہ عیسائیوں اور ہندوؤں کی طرح مسلمان میت کی تصویر کے آگے موم بتیاں جلا کر پھول رکھ کر سوگ کرتے ہیں۔ ورلڈ ٹریڈ سینٹر کے حادثہ کے بعد ہر سال عیسائی یہی عمل کرتے ہیں۔ میڈیا میں ان کے دیکھا دیکھی مسلمان بھی ایسا کرتے ہیں۔ پاکستان میں جو بڑے حادثات ہوئے ہیں ہر سال یہی معاملہ کیا جاتا ہے۔ شرعی طور پر یہ سخت ناجائز اور کئی گناہوں کا مجموعہ ہے جیسے تصویر بنانا، رکھنا سب ناجائز ہے، پھول رکھنا اور موم بتی جلانا مال کا ضیاع ہے۔ ایسے موقع پر مرد عورتیں جمع ہوتے ہیں جس سے خوب بے پردگی ہوتی ہے، شرعی طور پر تین دن سے زائد سوگ کرنا ناجائز ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ایسی بُری بدعت سے اجتناب کریں۔

اہل میت سے تعزیت ودعا کرنا

تعزیت کا مطلب ہے اظہار ہمدردی۔ جس کا عزیز فوت ہوا ہو اس سے تعزیت کی جاتی ہے جو کہ مستحب عمل ہے۔ تین دن تعزیت کے لئے بیٹھنا جائز ہے اور اہل میت سے پہلے دن تعزیت کرنا افضل ہے۔ عالمگیریہ میں ظہیریہ سے نقل کیا ہے "لاباس لاھل المصیبة ان یجلسوا فی البیت اوفی مسجد ثلثة ایام والناس یاتونھم و یعزونھم " ترجمہ: اس میں حرج نہیں کہ اہل میّت گھر میں یا مسجد میں تین دن بیٹھیں اور لوگ ان کے پاس آتے اور تعزیت کرتے رہیں۔

(فتاوی ہندیة ،کتاب الصلوٰة،الباب العشرون،الفصل السادس،مسائل التعزیة ،جلد1، صفحہ167،دارالفکر ،بیروت)

خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ زید وجعفر وابن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خبر شہادت سن کر مغموم ومحزون مسجد میں تشریف رکھی، صحابہ کرام حاضر

ہوتے اور تعزیت کرتے جاتے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں اس امر سے منع نہ فرمایا چنانچہ بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے "لماجاء النبی صلی اللّٰہ تعالٰی عیه وسلم قتل ابن حارثة وجعفر وابن رواحه لما جلس يعرف فيه الحزن" ترجمہ: جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو زید بن حارثہ، جعفر اور عبداللہ بن رواحہ کی شہادت کی اطلاع ہوئی جب تشریف رکھی سرکار پرغم کا اثر نمایاں تھا۔

(صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب من جلس عند المصيبة، جلد2، صفحه82، دار طوق النجاة)

صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی تعزیت کے لئے جاتے تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تعزیت کی چنانچہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحفہ اثناء عشریہ میں لکھتے ہیں "در بعض روایات آمده که روزِ دیگر ابوبکر صدیق و عمر فاروق و دیگر اصاحب بخانه علی مرتضٰی بجهت تعزیت آمدند شکایت کردند که چرا ماراخبر نه کردی تاشرفِ نماز و حضوری دریافتم۔ علی مرتضٰی گفت فاطمه رضی اللّٰه تعالٰی عنها وصیت کرده بود که چون ازدنیا بروم مرابه شب دفن کنی تاچشم نامحرم برجنازه من نیفتد، پس بموجب وصیت وے عمل کردم۔ این ست روایت مشهور" ترجمہ: بعض روایات میں آیا ہے کہ دوسرے دن حضرات ابوبکر صدیق و عمر فاروق و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تعزیت کے لئے آئے اور شکایت فرمائی کہ ہمیں خبر کیوں نہ دی کہ ہم نماز اور حاضری کا شرف حاصل کرتے۔ حضرت علی مرتضیٰ نے فرمایا: فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وصیت کی تھی کہ جب میں دنیا سے جاؤں تو مجھے رات

میں دفن کریں تاکہ میرے جنازے پر نامحرم کی نظر نہ پڑے۔ تو میں نے ان کی وصیت کے مطابق عمل کیا۔ یہ روایتِ مشہور ہے۔

(تحفہ اثنا عشریہ، باب دہم، صفحہ281، سہیل اکیڈمی، لاہور)

تعزیت میں رائج ہے جو بھی آتا ہے وہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا سب کو کہتا ہے اور ہاتھ اٹھا کر سورۃ فاتحہ و دعا کی جاتی ہے یہ بھی جائز و مستحسن ہے۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ''میّت کی تعزیت کے لئے جانا جائز ہے اور اس کے لئے مغفرت کی دعا کرنا مستحب ہے اسی طرح اہل میّت کے لئے دعائے خیر کرنا بھی مستحب ہے۔ رہا تعزیت کے وقت کی دعا میں ہاتھ اٹھانا، تو ظاہر یہ ہے کہ جائز ہے، اس لئے کہ حدیث شریف کے اندر دعا میں ہاتھ اٹھانا مطلقاً ثابت ہے تو اس وقت بھی مضائقہ نہیں مگر خاص وقت تعزیت کی دعا میں ہاتھ اٹھانا حدیث میں منقول نہیں ہے۔ اور تعزیت بعد دفن کے اولیٰ ہے "فی الجوهرة ثم ردالمحتار هی بعد الدفن افضل منهاقبله الخ و بمثله ذکر الطحطاوی فی حاشية مراقی الفلاح" ترجمہ: جوہرہ پھر ردالمحتار میں ہے قبل دفن تعزیت سے بہتر بعد دفن تعزیت ہے۔ اسی کے مثل سید طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں ذکر کیا ہے۔

قبر کے پاس مکروہ ہے "فی الدرالمختار وتکره التعزية ثانيا و عند القبر" ترجمہ: درمختار میں ہے دوسری بار تعزیت کرنا یوں ہی قبر کے پاس تعزیت کرنا مکروہ ہے۔ حلیہ میں ہے "يشهدله ما اخرج ابن شاهين عن ابراهيم التعزية عندالقبر بدعة" ترجمہ: اس پر شاہد اثر ہے جو ابن شاہین نے ابراہیم نخعی سے روایت کیا کہ قبر کے پاس تعزیت بدعت ہے۔

مدخل ابن الحاج میں ہے "موضع التعزية علی تمام الادب اذارجع ولی

المیّت الی بیتہ " ترجمہ: کمال ادب کے طور پر تعزیت کا موقع اس وقت ہے جب ولیِ میّت گھر واپس آ جائے۔

اور پہلے دن ہونا بہتر و افضل ہے "فی الدرالمختار اولھا افضلھا یعنی ایام تعزیت" ترجمہ: درمختار میں ہے ایّامِ تعزیت میں پہلا دن افضل ہے۔

اور تعزیت کے لئے اولیائے میّت کے مکان پر جانا بھی سنت سے ثابت "روی ابوداؤ والنسائی فی حدیث قال صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم لسیدتنا البتول الزھراء رضی اللّٰہ تعالٰی عنھا ما خرجک من بیتک یا فاطمۃ قال اتیت اھل ھذا المیّت فترحمت الیھم وعزیتھم بمیّتھم " ترجمہ: ابوداؤد اور نسائی نے ایک حدیث میں روایت کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیدہ بتول زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا فاطمہ تم اپنے گھر سے باہر کس لئے گئی تھیں؟ عرض کی: اس میّت والوں کے یہاں گئی تھی ان کے لئے رحمت کی دعا اور میّت کی مصیبت پر تعزیت کی۔

"وفی السنن الصحاح لابن سکن عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم من اوذون بجنازۃ فاتی اھلھا فعزاھم کتب اللّٰہ لہ قیراطا" ترجمہ: ابن سکن کی سنن صحاح میں حضرت ابوہریرہ کی روایت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے جسے کسی جنازہ کی خبر ملے وہ اہل میّت کے پاس جاکر ان کی تعزیت کرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک قیراط ثواب لکھے۔

تین روز تک اولیائے میّت کو بھی رخصت واجازت ہے کہ بے ارتکاب مکنات واتباع رسوم کفار اپنے مکان میں تعزیت کے لئے بیٹھیں تا کہ لوگ ان کے پاس آئیں اور رسمِ تعزیت بجالائیں "فی الدرالمختار لا بأس بتعزیۃ اھلہ و ترغیبھم فی

الصبر وباتخاذ طعام لھم و بالجلوس لھا فی غیر مسجد ثلثۃ ایام و اولھا افضلھا " ترجمہ: درمختار میں ہے اس میں حرج نہیں کہ اہل میّت کو تعزیت کریں اور صبر کی ترغیب دیں اور ان کے لئے کھانا پکوائیں اور تعزیت کے لئے اگر اہل میّت مسجد کے علاوہ کسی جگہ بیٹھیں تو اس میں بھی حرج نہیں، اور ایام تعزیت میں پہلا دن افضل ہے۔

حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے "قال فی شرح السید و لا باس بالجلوس لھا الی ثلثۃ ایام من غیرا رتکاب محظور من فرش البسط والاطعمۃ من اھل المیّت" ترجمہ: شرح سیّد میں ہے کہ تین دن تک تعزیت کے لئے بیٹھنے میں حرج نہیں مگر کسی ممنوع کام کا ارتکاب نہ ہو جیسے مکلّف فرش بچھانا، اہل میّت کی جانب سے کھانے کا اہتمام ہونا۔

نہرالفائق میں تجنیس سے منقول "لاباس بالجلوس لھا ثلثۃ ایام و کونہ علی باب الدار مع فرش بسط علی قوارع الطریق من اقبح القبائح" ترجمہ: تین دن تک تعزیت کے لئے بیٹھنے میں حرج نہیں، مگر گھر کے دروازے پر عام راستوں میں فرش فروش بچھا کر یہ کام ہو تو بہت بُرا ہے۔"

(فتاوٰی رضویہ، جلد9، صفحہ394، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

تین دن کے بعد تعزیت نہیں اور نہ کوئی سوگ ہونا چاہئے۔ بعض خاندان میں یہ رسم رائج ہے کہ شب برأت کسی مرے ہوئے عزیز کے اہل وعیال سے تعزیت کرنے آتے ہیں، اسی طرح پہلی عید کو بھی تعزیت کرتے ہیں یہ درست نہیں ہے۔ الجوہرۃ النیرہ میں ہے "ووقتھا من حین یموت الی ثلاثۃ ایام وتکرہ بعد ذلک لانھا تجدد الحزن" ترجمہ: تعزیت کا وقت موت سے تین دن تک ہے اس کے بعد مکروہ ہے کہ غم تازہ ہوگا۔

(الجوہرہ النیرہ، کتاب الصلوۃ، مطلب فی حمل الجنازۃ و دفنھا، جلد 1، صفحہ273، مکتبہ

رحمانیہ،لاہور)

ان ایام میں بھی عموماً خاندان والے اس لئے آتے ہیں کہ کہیں باتیں نہ کی جائیں کہ فلاں تعزیت کے لئے نہیں آیا۔تعزیت میں کلمات بہت محتاط ہونے چاہئے عموماً کہا جاتا ہے کہ بہت دکھ ہوا حالانکہ بعض اوقات دلی دکھ نہیں ہوا ہوتا ویسے ہی کہہ دیا جاتا ہے۔اسی طرح تعزیت رسمی طور پر نہ کی جائے بلکہ اچھی نیت سے تعزیت کی جائے، جنازہ میں بھی شرکت اس نیت سے نہ کی جائے کہ لوگ یا رشتہ دار جنازہ میں شامل نہ ہونے پر اعتراض کریں گے۔سیدی امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن تحریر فرماتے ہیں ''جزع فزع کو شریعت منع فرماتی ہے،اور جسے واقعی دل میں غم نہ ہوا سے جھوٹا اظہار غم ریا ہے اور قصداً غم آوری وغم پروری خلاف رضا ہے۔'' (فتاوی رضویہ،جلد24،صفحہ487،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

شطانجلی

یہ کفار کی ایجاد کردہ رسم ہے۔اس میں یوں ہوتا ہے کہ کسی کے مرنے پر لوگ ایک دو منٹ کے لئے خاموش کھڑے ہوتے ہیں اور یہ کھڑا ہونا اس مرنے والے کے لئے شطانجلی ہوتا ہے۔یہ رسم بالکل فضول، جاہلانہ، مشابہتِ کفار ہے جس سے بچنا چاہئے۔

ایصال ثواب

ایصال کا مطلب ہے پہنچانا یعنی کوئی نیک عمل کر کے اس کا ثواب دوسرے کو پہنچانا۔اہل سنت والجماعت کے نزدیک کوئی بھی نیک عمل کر کے اس کا ثواب مرنے والوں کو ایصال کیا جائے تو ان تک یہ ثواب پہنچتا ہے۔ایصالِ ثواب کا ثبوت قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ایصال ثواب سے مقصود ہوتا ہے ''نیک اعمال کا ثواب دوسرے کو پہنچانا'' خواہ اعمال بدنی ہوں یا مالی،جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

ارشاد فرمایا''من یضمن لی منکم ان یصلی لی فی مسجد العشار رکعتین او اربعا ویقول هذه لابی هریرة'' ترجمہ: کون اس بات کی ذمہ داری لیتا ہے کہ وہ مسجد عشار میں دو یا چار رکعت پڑھے اور اس کا ثواب مجھے بخش دے۔

(سنن ابی داؤد،کتاب الفتن،باب الملاحم،جلد 4،صفحہ113، المکتبة العصریة،بیروت)

عمل مالی کے ایصال ثواب پر سنن ابی داؤد کی حدیث ہے کہ جب حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ فوت ہوئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی'' یا رسول الله إن أم سعد ماتت فأی الصدقة أفضل قال ''الماء'' قال فحفر بئرا وقال هذه لأم سعد'' ترجمہ: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ام سعد وفات پاگئیں تو اب کون سا صدقہ بہتر ہے؟ فرمایا پانی۔لہٰذا سعد رضی اللہ تعالی عنہ نے کنواں کھدوایا اور فرمایا یہ کنواں ام سعد کے لئے ہے۔

(سنن ابی داؤد،کتاب الزکوٰة،باب فی فضل سقی الماء،جلد2،صفحہ 130،المکتبة العصریة،بیروت)

ردالمحتار میں ہے''من قرأ الأخلاص أحد عشر مرة ،ثم وهب أجرها للاموات ،أعطی من الأجر بعدد الأموات'' ترجمہ:حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے 11 مرتبہ سورہ اخلاص کو پڑھا اور اس کا ثواب تمام مردوں کو ایصال کر دیا تو پڑھنے والے شخص کو ان تمام مردوں کی تعداد کے برابر ثواب دیا جائے گا۔

(ردالمحتار،کتاب الصلوٰة، باب صلوٰة الجنازة،مطلب فی زیارة القبور، جلد 2، صفحہ596، دارالفکر،بیروت)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے''والسنة أن یتصدق ولی المیت له قبل مضی اللیلة الأولی بشیء مما تیسر له فإن لم یجد شیئا فلیصل رکعتین ثم یهد

ثوابهما له قال ويستحب أن يتصدق على الميت بعد الدفن إلى سبعة أيام كل يوم بشيء مما تيسر " ترجمہ: سنت یہ ہے کہ میت کا ولی میت کے لئے پہلی رات گزرنے سے پہلے کچھ صدقہ کرے جو بھی اسے میسر ہو اور اگر اسکے پاس کچھ نہ ہو تو دو رکعت نماز پڑھ کر اس کا ثواب میت کو بخشدے۔ (صاحب شرعۃ الاسلام) نے فرمایا مستحب یہ ہے کہ دفن کے بعد سات دن تک جو بھی میسر ہو میت کے لئے صدقہ کرتا رہے۔

(حاشیۃالطحطاوی علی مراقی الفلاح، جلد1، صفحہ409، المطبعة الکبری الأمیریة ببولاق، مصر)

علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں " وفی البحر من صام او صلی او تصدق و جعل ثوابه لغيره من الاموات والاحياء جاز و يصل ثوابها اليهم عند اهل السنة والجماعة، كذا في البدائع" ترجمہ: البحر الرائق میں ہے کہ جس نے روزہ رکھا یا نماز پڑھی یا صدقہ کیا اور اسکا ثواب دوسرے مسلمان مردوں اور زندوں کو کرتا ہے تو جائز ہے اور اسکا ثواب اہل سنت و جماعت کے نزدیک ان فوت شدگان و زندوں کو پہنچتا ہے جیسا کہ بدائع صنائع میں ہے۔

(ردالمحتار، کتاب الصلوٰۃ، باب صلوٰۃ الجنازۃ، مطلب فی زیارۃ القبور، جلد 2، صفحہ 243، دارالفکر، بیروت)

ملا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں " قال علماءنا الاصل في الحج عن الغير ان الانسان له ان يجعل ثواب عمله لغيره من الاموات والاحياء حجا او صلوٰة او صوما او صدقة او غيرها كتلاوة القرآن والاذكارفاذا فعل شيأ من هذا و جعل ثوابه ليغره جاز ويصل اليه عند اهل السنة والجماعة " ترجمہ: ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ غیر کی طرف سے حج کرنے میں اصل یہ ہے کہ انسان اپنے عمل کا ثواب اپنے غیر کو دیدے زندہ ہو یا مردہ اور عملِ حج یا نماز یا روزہ یا صدقہ یا اسکے علاوہ جو بھی ہو

جیسے تلاوت قرآن اور اذکار پس جب کوئی ان افعال میں سے کوئی فعل کرے اور اسکا ثواب غیر کو پہنچائے تو جائز ہے۔ اور ثواب دوسرے کو پہنچ جائے گا اہل سنت و جماعت کے نزدیک۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الفتن، باب الملاحم، جلد 8، صفحہ3424، دار الفکر، بیروت)

علمائے کرام نے یہاں تک فرمایا کہ اگر کسی مردے کو خواب میں بیمار دیکھیں تو ان کی بخشش کی دعا کریں اور انہیں ایصال ثواب کریں۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے سوال ہوا: ''حضور ایک شخص نے اپنی لڑکی کے انتقال کے بعد دیکھا کہ وہ علیل (یعنی بیمار) اور برہنہ ہے۔ یہ خواب چند بار دیکھ چکا ہے۔'' آپ نے جواباً فرمایا: ''کلمہ طیبہ ستر ہزار (70000) مرتبہ معہ درود شریف پڑھ کر بخش دیا جائے۔ ان شاء اللہ پڑھنے والے اور جس کو بخشا ہے دونوں کے لئے ذریعہ نجات ہوگا اور پڑھنے والے کو دونا ثواب ہوگا اور اگر دو کو بخشے گا تو تگنا (تین گنہ) اسی طرح کروڑوں بلکہ جمیع مؤمنین و مؤمنات کو ایصال ثواب کرسکتا ہے۔ اسی نسبت سے اس پڑھنے والے کو ثواب ہوگا۔''

(ملفوظات اعلیٰ حضرت، حصہ1، صفحہ139، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

بعض وہابی حضرات بھی ایصال ثواب کے قائل ہیں اور بعض اس کے منکر ہیں۔ مختار احمد ندوی صاحب نے ایک کتاب قرآن خوانی اور ایصال ثواب میں کہا ہے: ''آئندہ صفحات میں مردوں کے لئے قرآن خوانی کی مروجہ رسم کے متعلق بڑی اہم بحث آرہی ہے، جس میں قبروں اور مردوں پر قرآن خوانی کرنے والوں کے توہمات اور جھوٹے دعووں کا پردہ چاک کیا گیا ہے اور صحیح دلائل سے واضح کیا گیا ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت کا ثواب مردوں کو نہیں پہنچتا اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اس من گھڑت رسم سے قرآن کا بے محل استعمال ہو رہا ہے جس کی وجہ سے اس کی عظمت، قدر و منزلت اور مقصد نزول متاثر ہو رہا ہے۔'' (قرآن خوانی اور ایصال ثواب، صفحہ40، دعوت و توعیة الجالیات، ریاض)

اوپر حدیث پاک پیش کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۃ اخلاص پڑھ کر مردے کو ایصال کرنے کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور یہاں وہابی مولوی صاحب قرآن پڑھ کر ایصال ثواب کو ناجائز و بدعت کہہ رہے ہیں۔کاش کے وہابی مولوی صاحب کسی حدیث یا محدث کے کلام سے یہ ناجائز ثابت کرتے، لیکن چونکہ عادت سے مجبور ہیں اس لئے بغیر دلیل ناجائز و بدعت کہہ دیا۔

عارف باللہ شیخ محقق حضرت مولینا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کو وہابی بھی اپنا امام مانتے ہیں وہ مشکوٰۃ شریف کی یہ حدیث "قال (ابوھریرہ) من یضمن لی منکم ان یصلی لی فی مسجد العشار رکعتین اواربعا ویقول ھذہ لابی ھریرۃ" ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کون اس بات کی ذمہ داری لیتا ہے کہ وہ مسجد عشار میں دو یا چار رکعت پڑھے اور اس کا ثواب مجھے بخش دے۔اس حدیث کے تحت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: "اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ مبارک مقامات پر عبادت کرنا، نماز ادا کرنا زیادہ ثواب کا موجب ہے اور بدنی عبادت کا ثواب دوسرے کو دینا بھی جائز اور اکثر علماء کی یہی رائے ہے رہا معاملہ عبادات مالیہ کا تو وہاں ثواب کا بخشنا بالاتفاق جائز ہے۔"

(اشعة اللمعات، جلد 06 صفحہ 425، فرید بک سٹال، لاہور)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو کہ نذر و نیاز، ایصال ثواب کے منکروں کے نزدیک بہت معتبر ہیں وہ بھی نذر و نیاز فاتحہ اور ایصال ثواب کے قائل تھے چنانچہ لکھتے ہیں: "شاہ عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے ایام وصال میں ان کے پاس نیاز دینے کے لیے کوئی چیز میسر نہ تھی۔آخر کار کچھ بھنے ہوئے چنے اور گڑ پر نیاز دی رات میں نے دیکھا کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس

انواع واقسام کے کھانے حاضر ہیں اور ان میں وہ گڑھ اور چنے بھی ہیں۔آپ نے کمال مسرت والتفات فرمایا اور انہیں طلب فرمایا اور کچھ آپ نے تناول فرمایا اور کچھ آپ نے اصحاب میں تقسیم کر دیا۔" (انفاس العارفین، صفحہ 41)

خود شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی تیجہ ہوا جس میں متعدد بار قرآن پاک کی تلاوت ہوئی تھی۔چنانچہ اس کا تذکرہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ملفوظات صفحہ 80 میں اس طرح فرمایا ہے" روز سوم کثرت ھجوم مردم آں قدر بود کہ بیروں ازحساب است ہشتاد ویك كلام الله بہ شمار آمدہ ہم شدہ باشدہ و کلمہ راحصر یست" ترجمہ: تیسرے دن لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ شمار سے باہر ہے اکیاسی ختم کلام اللہ شمار میں آئے اور زیادہ بھی ہوئے ہوں گے، کلمہ طیبہ کا تو اندازہ نہیں۔ (جاء الحق، حصہ 1، صفحہ 270، نعیمی کتب خانہ، گجرات)

وہابی حضرات کے معلم اول مولوی اسماعیل دہلوی کو قرآن اور طعام کی اس یکجائی کا عمدہ ہونا قبول وتسلیم ہے، صراط مستقیم میں یوں اقرار وتسلیم کی راہ اختیار کی ہے: "جب میّت کو کوئی فائدہ پہنچانا منظور ہو کھانا کھلانے پر موقوف نہ رکھے اگر میسر ہو بہتر ہے ورنہ صرف سورہ فاتحہ واخلاص کا ثواب بہترین ثواب ہے اور شک نہیں کہ ایصال ثواب کا طریقہ یہی ہے کہ رب الارباب جل جلالہ کی بارگاہ میں دعا ہو۔"

(صراطِ مستقیم، ہدایت ثالثہ دربدعا تیکہ الخ، صفحہ 64، مطبوعہ المکتبہ السلفیہ، لاہور)

ہمارے یہاں مرنے والے کے ایصال ثواب میں ہر جمعرات، شب براءت وغیرہ کو کھانا پکا کر کسی امام مسجد یا غریب کو دیا جاتا ہے، یہ بھی بہت اچھا عمل ہے۔بعض لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ اگر چھوٹا دودھ پیتا بچہ فوت ہو جائے تو چالیس دن تک مسجد میں دودھ بھیجنا چاہئے۔اس کی کوئی اصل نہیں۔روایتوں میں آیا ہے کہ ارواح اپنے گھر والوں

سے ایصال ثواب کا تقاضا کرتی ہیں۔فتاوٰی رضویہ میں امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:''ابن ابی الدنیا وبیہقی سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی حضرت سلمان فارسی وعبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہما باہم ملے،ایک نے دوسرے سے کہا کہ اگر مجھ سے پہلے انتقال کرو تو مجھے خبر دینا کہ وہاں کیا پیش آیا،کہا کیا زندے اور مردے بھی ملتے ہیں؟ کہا"نعم اما المومنون فان ارواحھم فی الجنة وھی تذھب حیث شاء ت" ہاں مسلمان کی روحیں تو جنت میں ہوتی ہیں انھیں اختیار ہوتا ہے جہاں چاہیں جائیں۔

ابن المبارک کتاب الزہد وابوبکر ابن ابی الدنیا وابن مندہ سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی"قال ان ارواح المؤمنین فی برزخ من الارض تذھب حیث شاء ت ونفس الکافر فی سجین" بیشک مسلمانوں کی روحیں زمین کے برزخ میں ہیں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں، اور کافروں کی روحیں سجین میں (ساتوں زمینوں کے نیچے) مقید ہیں۔۔۔۔دستور القضاۃ مسند صاحبِ مائۃ مسائل میں فتاوٰی امام نسفی سے ہے"ان ارواح المومنین یاتونی فی کل لیلة الجمعة ویوم الجمعة فیقومون بفناء بیوتھم ثم ینادی کل و احد منھم بصوت حزین یا اھلی ویا اولادی ویا اقربائی اعطفوا علینا بالصدقة واذکرونا ولاتنسونا وارحمونا فی غربتنا "بیشک مسلمانوں کی روحیں ہر شب جُمُعَہ اور جُمُعَہ کے دن اپنے گھر آتی اور دروازے کے پاس کھڑی ہو کر دردناک آواز سے پکارتی ہیں کہ اے میرے گھر والو! اے میرے بچّو! اے میرے عزیزو! ہم پر صدقہ سے مہر کرو، ہمیں یاد کرو بھول نہ جاؤ، ہماری غریبی میں ہم پر ترس کھاؤ۔

نیز خزانۃ الروایات مستند صاحب مائۃ مسائل میں ہے"عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھما اذا کان یوم عید اویوم جمعة اویوم عاشوراء ولیلة النصف من

الشعبان تاتی ارواح الاموات ویقومون علی ابواب بیوتھم فیقولون ھل من احد یذکرنا ھل من احد یترحم علینا ھل من احد یذکر غربتنا"ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے جب عید یا جُمُعَہ یا عاشورہ کا دن یا شب براء ت ہوتی ہے اموات کی روحیں آکر اپنے گھروں کے دروازوں پر کھڑی ہوتی اور کہتی ہیں ہے کوئی کہ ہمیں یاد کرے، ہے کوئی کہ ہم پر ترس کھائے، ہے کوئی کہ ہماری غربت کی یاد دلائے۔

اسی طرح کنز العباد میں بھی کتاب الروضہ امام زندویسی سے منقول، یہ مسئلہ کہ نہ عقائد کا ہے نہ فقہ کے حلال وحرام کا، ایسی جگہ دو ایک سندیں بھی بس ہوتیں نہ کہ اس قدر کثیر ووافر۔'' (فتاوٰی رضویہ،جلد9،صفحہ652،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

بعض لوگ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ یہ میت کی روٹی ہے اور میت یہ روٹی کھاتی ہے۔یہ نظریہ بالکل غلط ہے۔یہ ایصال ثواب ہے۔اولاد کا ایصال ثواب کے علاوہ کوئی بھی نیکی کرنا والدین کو فائدہ دیتا ہے کہ انہیں اس کا ثواب پہنچتا ہے۔اولاد کے نیک اعمال والدین کو قبر میں خوش کرتے ہیں۔امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ محمد بن علی والدِ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے راویت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں"تعرض الاعمال یوم الاثنین و یوم الخمیس علی اللّٰہ تعالٰی و تعرض علی الانبیاء وعلی الاباء والامھات یوم الجمعة فیفرحون بحسنا تھم وتزداد وجوھھم بیضا و نزھة فاتقوا اللّٰہ تعالٰی ولا تؤذوا موتاکم" ترجمہ: ہر دوشنبہ و پنجشنبہ کو اعمال اللہ عزوجل کے حضور پیش ہوتے ہیں اور ہر جُمُعَہ کو انبیاء علیہم السلام اور ماں باپ کے سامنے، وہ نیکیوں پر خوش ہوتے ہیں اور انکے چہروں کی نورانیت اور چمک بڑھ جاتی ہے۔تو اللہ عزوجل سے ڈرو اور اپنے مردوں کو اپنی بداعمالیوں سے ایذا نہ دو۔

(نوادر الاصول ،الاصل السابع واستون والمائة،صفحہ213، دار صادر، بیروت)

لہٰذا اولاد کو چاہئے کہ وہ اپنے والدین کو ایصال ثواب کے ساتھ ساتھ دیگر معاملات میں نیکیاں کرکے خوش کرے، والدین کے عزیزوں سے اچھا سلوک کرے، اپنی خالہ سے حسن سلوک کرے، اپنے چچا بلکہ اپنے والد کے دوست کی بھی تعظیم کرے، والدین نے جو جائز وصیت کی ہو وہ پوری کرے، ان کا قرض اتارے، کسی دوسرے کو ماں کی گالی دے کر خود ماں کی گالیاں نہ کھائے۔کوئی عمل کرکے اپنے والدین کو برا نہ کہلوائے۔المعجم الاوسط کی حدیث پاک عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا"من برقسمهما وقضى دينهما ولم يستسب لهما كتب بارا و ان كان عاقا فى حياته و من لم يبر قسمهما ولم يقض دينهما و استسب لهما كتب عاقا وان كان بارا فى حياتهما" ترجمہ: جو شخص اپنے ماں باپ کے بعد ان کی قسم سچی کرے اور ان کا قرض ادا کرے اور کسی کے ماں باپ کو برا کہہ کر انہیں برا نہ کہلوائے وہ والدین کے ساتھ نیکوکار لکھا جاتا ہے اگرچہ ان کی زندگی میں نافرمان تھا اور جو ان کی قسم پوری نہ کرے اور ان کا قرض نہ اتارے اوروں کے والدین کو برا کہہ کر انہیں برا کہلوائے وہ عاق لکھا جائے اگرچہ ان کی حیات میں نیکوکار تھا۔

(الطبرانی الاوسط، جلد5، صفحہ139، دار الحرمین، القاہرۃ)

کسی مرحوم کو ایصال ثواب کرنے یا ویسے برکت و جائز مقصد کے حصول کے لئے گھر میں قرآن خوانی کروائی جاتی ہے جس میں کسی مدرسے کے بچوں کو بلاوا کہ قرآن پڑھوایا جاتا ہے اور بعد میں ان بچوں کو کچھ پیسے یا کھانا کھلایا جاتا ہے۔اس میں جہاں تک قرآن خوانی کا تعلق ہے تو یہ بہت اچھا ہے لیکن پیسوں یا کھانے کے عوض بچوں سے قرآن پڑھانا جائز نہیں ہے کہ یہ تلاوت قرآن پاک پر اجرت ہے جو کہ ناجائز ہے۔امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:"قرآن عظیم کی تعلیم، دیگر دینی علوم اذان اور امامت

پر اجرت لینا جائز ہے جیسا کہ متاخرین ائمہ نے موجودہ زمانہ میں شعائر دین وایمان کی حفاظت کے پیش نظر فتوی دیا ہے اور باقی طاعات مثلا زیارت قبور اموات کے لئے ختم قرآن، قراءت، میلاد پاک سید الکائنات علیہ وعلی آلہ افضل الصلوۃ والتحیات، پر اصل ضابطہ کی بناء پر منع باقی ہے اور عرف میں مقررہ ومشہور لفظا مشروط کی طرح ہے۔لہذا ان باقی امور پر اجرت مقرر کی گئی یا عرفا معلوم ہے کہ اجرت پر پڑھ رہے ہیں یا پڑھانے والے اجرت دیں گے، اگر یہ نہ پڑھیں تو نہ دیں، اور وہ نہ دیں تو یہ نہ پڑھیں تو ایسی صورت میں لینا اور دینا ناجائز ہے، لینے والا اور دینے والا دونوں گنہ گار ہوں گے۔اگر عرف میں ایسے نہیں ہے بلکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے پڑھیں اور دل میں کسی عوض کا خیال نہ کریں حتی کہ یقین بھی ہو کہ نہ دینگے اسکے باوجود پڑھیں، ایسی صورت میں کسی لفظی یا عرفی تقرر کے بغیر پڑھنے والوں کو دیں تو کوئی مضائقہ نہیں ایسی جگہ جہاں عرف میں لینا دینا ہوتا ہو، پڑھنے والے پہلے شرط کریں کہ ہم کچھ نہ لیں گے اور اس کے بعد اگر دینے والے دیں تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ صراحت فائق ہوتی دلالت پر جیسا کہ فتاوٰی قاضیخان میں ہے۔اگر اجرت کی شرط پر پڑھنا حلال ہوجائے تو اس کی صورت یہ ہے کہ قراء اور حفاظ حضرات کو مقررہ وقت مثلا کوئی دن ہفتہ میں یا گھنٹے مثلا صبح سے دس بجے تک اپنی خدمت یا کام کے لئے مقررہ اجرت جس پر فریقین راضی ہوں، اجیر بنالیں، تو اتنے وقت کے لئے یہ حضرات نوکر ہوں گے اور اپنے آپ کو پابند بنانا واجب ہوگا تو اجرت پر رکھنے والوں کو حق ہوگا کہ وہ جو خدمت ان سے چاہیں لیں، انہی خدمات میں سے میلاد خوانی وقرآن خوانی برائے ایصال ثواب فلاں بھی ہوگی، اس صورت میں دینا ضروری اور لینا جائز ہوگا کیونکہ اب ان کی ذات سے منافع پر اجارہ ہے، طاعات وعبادات پر نہیں ہے۔"

(فتاوی رضویہ، جلد20، صفحہ495، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

کھانا سامنے رکھ کر قرآن وذکر اذکار کرنا

ہمارے یہاں قل خوانی، دسواں، چالیسواں، برسی میں قرآن وذکر اذکار کرکے اس کا ثواب مرنے والے کو ایصال کیا جاتا ہے۔ختم کے دوران حسب توفیق پانی اور پھل و طعام سامنے رکھا جاتا ہے۔اس طرح طعام سامنے رکھ کر مقدس ذکر وغیرہ کرنا اور دعا مانگنا حدیث سے ثابت ہے۔مشکوۃ شریف کی حدیث پاک ہے"عن أبی هريرة قال أتيت النبی صلی الله عليه و سلم بتمرات فقلت يا رسول الله ادع الله فيهن بالبركة فضمهن ثم دعا لی فيهن بالبركة" ترجمہ:حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی فرماتے ہیں میں سرکار صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی بارگاہ میں کھجوریں لے کر عرض گزار ہوا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان میں برکت کی دعا فرمادیں پس آپ نے ان کوملایا پھر میرے لئے ان میں دعاء برکت کی۔

(مشكوة المصابيح، كتاب الفضائل والشمائل ،باب فضائل سيد المرسلين،جلد 3،صفحه 290،المكتب الإسلامی ،بيروت)

اس موقع پر اجتماعی طور پر دعا مانگنا بہت فائدہ مند ہے۔امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاذکار'' میں حدیث پاک نقل کی "من قرأ القرآن ثم دعا امّن علی دعاء ه اربعة الاف ملك" ترجمہ:جس نے قرآن مجید کی تلاوت کی پھر دعا مانگی اس کی دعا پر چار ہزار فرشتے آمین کہتے ہیں۔ (الاذکار،صفحہ98،داراحیاء التراث العربی،بیروت)

مفتی وقارالدین قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''اجتماعی طور پر قرآن خوانی کرنا جائز ہے۔حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ختم قرآن کے موقع پر لوگوں کو مدعو کرتے تھے۔الاذکار امام نووی میں ہے"كان انس ابن مالك رضی الله تعالیٰ عنه اذاختم القرآن جمع اهله و دعا" ترجمہ:انس بن مالک ختم قرآن کے موقع پر

لوگوں کو جمع کرتے اور دعا فرماتے۔ (الاذکار،صفحہ 97،داراحیاء التراث العربی، بیروت)

حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح روایت کے ساتھ منقول ہے کہ بزرگانِ دین ختم قرآن کے موقع پر مجمع کا اہتمام فرماتے تھے "عن مجاهد قال كانوا يجتمعون عند ختم القرآن يقولون تنزل الرحمة" اور حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ لوگ ختم قرآن کے موقع پر جمع ہوتے تھے۔وہ کہتے ہیں کہ ایسے موقع پر رحمت نازل ہوتی ہے۔'' (وقار الفتاوی،جلد1،صفحہ 207،بزم وقار الدین،کراچی)

یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ جب ختم میں اجتماعی طور پر دعا مانگ لی جاتی ہے تو فوراً بعد کوئی دوبارہ دعا کا کہہ دیتا ہے۔دوبارہ دعا مانگنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ خشوع وخضوع سے مانگی جائے غافل دل سے نہ مانگی جائے۔دوبارہ جب دعا کا کہا جائے تو مختصر دعا مانگ لی جائے تاکہ کہنے والا بھی خوش ہوجائے اور لوگ کے لئے بھی اکتاہٹ کا باعث نہ ہو۔

زیارتِ قبور

اپنے عزیزوں کی قبروں کی زیارت کرتے رہنا چاہئے کہ اس سے انسان کو اپنی موت بھی یاد رہتی ہے۔ابوداؤد کی بسند صحیح حدیث پاک ہے"عن ابن بريدة، عن أبيه، قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم نهيتكم عن زيارة القبور، فزوروها، فإن فی زيارتها تذكرة" ترجمہ:حضرت بریدہ اپنے والد رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا ،اب ان کی زیارت کروکہ ان کی زیارت میں آخرت کی یاد ہے۔

(سنن ابوداؤد، كتاب الجنائز،باب فی زيارة القبور،جلد3،صفحه218،المكتبة العصرية، بيروت)

جب اپنے فوت شدہ عزیزوں کی قبر پر جایا جائے تو وہ اس سے خوش ہوتے ہیں۔

ملک العلماء شاہ محمد ظفر الدین بہاری قادری رحمۃ اللہ علیہ زیارتِ قبور پر تفصیلاً بہترین کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''زیارتِ قبور کرنا خصوصاً اپنے اعزاہ واقارب اور جانے پہچانے شخص کی قبر پر جانا کہ اس سے مردہ کو اُنس حاصل ہوتا ہے۔ علامہ تقی الدین سبکی شفاء السقام، صفحہ 65، امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں تحریر فرماتے ہیں، سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا''آنس ما یکون المیت فی قبرہ إذا زارہ من کان یحبہ فی دار الدنیا'' ترجمہ: قبر میں مردہ کا زیادہ جی بہلنے کا وہ وقت ہوتا ہے جب زیارت کو وہ شخص آئے جسے دنیا میں دوست رکھتا تھا۔

ابن ابی الدنیا، کتاب القبور میں حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی، حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں''ما من رجل یزور قبر أخیہ ویجلس عندہ إلا استأنس بہ ورد علیہ حتی یقوم'' ترجمہ: جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی قبر کی زیارت کو جائے اور اس کے پاس بیٹھے تو وہ مردہ اس سے اُنس حاصل کرتا ہے۔ اس کا دل اس کے بیٹھنے سے بہلتا ہے اور جب تک وہ شخص اس کے پاس سے نہ اُٹھے اس کا جواب دیتا ہے۔

ابوالشیخ ودیلمی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں ''مامن رجل یزور قبر اخیہ فیسلم علیہ و یقعد عندہ لرد علیہ السلام وانس بہ حتی یقوم من عندہ''، ترجمہ: جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی زیارت کو جائے اور اسے سلام کرے اور اس کے پاس بیٹھے تو اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور اس مردہ کا اس سے جی بہلتا ہے، جب تک کہ وہ شخص اس کے پاس اٹھ آئے۔

بیہقی ابوالدرداء ہاشم بن محمد سے راوی ہیں''قال سمعت رجلا من اھل العلم

یقول انہ کان یزور قبر أبیہ، فطال علیہ ذلك، فقلت أزور التراب؟فأریت فی منامی، فقال یا بنی مالك لا تفعل بی کما کنت تفعلہ؟ فقلت أزور التراب؟ فقال لا تعجل یا بنی، فواللہ لقد کنت تشرف علی، فیبشرنی بك جیرانی، ولقد کنت تنصرف فما أزال أراك حتی تدخل الکوفۃ'' ترجمہ: ہاشم بن محمد کہتے ہیں کہ میں نے ایک اہل علم کو کہتے سنا کہ وہ اپنے والد کی قبر کی زیارت کو برابر جایا کرتے تھے۔ جب زمانہ دراز ہوا (یعنی کافی وقت قبر کی زیارت کو جاتا رہا) تو انہوں نے کہا کہ مٹی کی زیارت کو جاؤں؟ انہوں نے کہا میں نے اپنے والد کو خواب میں دیکھا فرماتے ہیں: اے میرے بیٹے! تم اب زیارت کو کیوں نہیں آتے جس طرح پہلے آیا کرتے تھے؟ میں نے کہا کہ کیا میں مٹی کی زیارت کے لئے آؤں؟ والد صاحب نے فرمایا نہیں بیٹا ایسا نہ کہو۔ خدا کی قسم! تم جس وقت آتے ہوئے دکھائی دیتے تھے، اس وقت میرے پڑوسی تمہارے آنے کی مجھے بشارت وخوشخبری دیتے تھے اور جب تم واپس ہوتے تھے میں تم کو برابر دیکھتا رہتا تھا، یہاں تک کہ تم کوفہ شہر میں داخل ہو جاتے تھے۔۔۔۔''

(فتاوی ملك العلماء، صفحہ 381، نوری کتب خانہ، لاہور)

ہمارے یہاں دس محرم، شب براءت اور خصوصاً عید الفطر کو مسلمان اپنے عزیزوں کی قبروں پر جاتے ہیں، یہ بہت اچھا عمل ہے۔ ہو سکے تو اپنے والدین کی قبر پر ہر جُمُعَہ کو جائے کہ اس کی بہت فضیلت ہے۔ نوادرالاصول للترمذی کی حدیث پاک ہے کہ ہر جُمُعَہ والدین کی زیارت کرنے والے کے اللہ عزوجل گناہ بخش دے گا اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے والا لکھا جائے گا۔ اتحاف السادۃ للمتقین کی حدیث پاک کہ جُمُعَہ والے دن والدین کی قبر پر سورۃ یٰس پڑھنے پر حرفوں کے برابر مغفرت ہے۔ نوادرالاصول للترمذی کی حدیث پاک کے والدین یا دونوں میں سے ایک کی زیارت پر حج مقبول کے برابر ثواب اور جو بکثرت ان کی زیارت کرتا ہو فرشتے اس کی قبر کی زیارت کو آئیں گے۔

فصلِ ششم: مخصوص مہینوں اور دنوں کے متعلق رائج رسم و رواج

محرم الحرام میں محافل کا انعقاد و صدقہ خیرات

اسلامی سال کا پہلا مہینہ محرم الحرام ہے جو کہ تاریخی حیثیت کا حامل ہے۔محرم الحرام میں محافل کا انعقاد کرنا اور صدقہ خیرات کرنا اچھا عمل ہے۔ یہ احتیاط کی جائے کہ سوگ والا انداز نہ ہو کہ فوتگی سے تین دن تک سوگ ہے اس کے بعد سوگ ناجائز ہے۔محرم الحرام میں نوحے پڑھنا،سننا جائز نہیں کہ احادیث میں اس سے سختی سے منع کیا ہے۔مشکوٰۃ شریف اور ابوداؤد شریف کی حدیث ہے"عن ابی سعید الخدری قال لعن رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم النائحة و المستمعة " ترجمہ:حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی نوحہ کہنے والی اور سننے والی پر۔

(سنن ابو داؤد، کتاب الجنائز، باب فی النوح، جلد3،صفحہ194،المکتبة العصرية، بيروت)

اسی طرح سوگ کے طور پر کوئی عمل نہ کرے،کالے کپڑے نہ پہنے چنانچہ سیدی اعلی حضرت مجدد دین وملت فتاوی رضویہ شریف میں ارشاد فرماتے ہیں:''رنگ فی نفسہ جائز ہیں کچے ہوں یا پکے،ہاں اگر کوئی کسی عارض کی وجہ سے ممانعت ہو جائے تو وہ دوسری بات ہے،جیسے ماتم کی وجہ سے سیاہ لباس پہننا حرام ہے "کما فی الهندية" (جیسا کہ فتاوٰی ہندیہ میں ہے) بلکہ ماتم کے لئے کسی قسم کی تغییرِ وضع حرام ہے" کمافی المرقاة شرح المشكوة لعلی القاری" (جیسا کہ ملاعلی قاری کی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے) ولہذا ایام محرم شریف میں سبز لباس جس طرح جاہلوں میں مروج ہے ناجائز وگناہ ہے اور اودا یا نیلا یا

آبی یا سیاہ اور بدتر واخبث ہے کہ روافض کا شعار اور ان کی تشبہ ہے اسی طرح ان ایام میں سرخ بھی ناصبی خبیث بہ نیت خوشی وشادی پہنتے ہیں، یونہی ہولی کے دنوں میں چنریاں اور بسنت کے دنوں میں بسنتی کہ کفار ہنود کی رسم ہے۔''

(فتاوی رضویہ ،جلد22 ،صفحہ185 ،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں محرم الحرام میں رافضی سیاہ کے ساتھ سبز رنگ کے کپڑے بھی پہنے جاتے تھے اس لئے آپ نے دونوں رنگوں کی ممانعت فرمائی ۔ ہمارے دور میں صرف کالے رنگ کی ممانعت ہے۔

احکامِ شریعت میں امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے محرم الحرام کے متعلق چند سوال ہوئے:۔

(1) بعض اہل سنت و جماعت عشرہ محرم میں نہ تو دن بھر روٹی پکاتے اور نہ جھاڑو دیتے ہیں۔کہتے ہیں بعد دفن تعزیہ روٹی پکائی جائے گی۔

(2) ان دس دن میں کپڑے نہیں اتارتے۔

(3) ماہ محرم میں کوئی بیاہ شادی نہیں کرتے۔

(4) ان ایام میں سوائے امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کسی کی نیاز فاتحہ نہیں دلاتے۔

یہ جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

جواب میں امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''پہلی تینوں باتیں سوگ ہیں اور سوگ حرام ہے۔ چوتھی بات جہالت ہے۔ ہر مہینے میں ہر تاریخ ہر ولی کی نیاز اور ہر مسلمان کی فاتحہ ہو سکتی ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔''

(احکام شریعت،حصہ1،صفحہ141نظامیہ کتاب گھر،لاہور)

کئی خاندانوں میں یہ رائج ہے کہ جس کی نئی شادی ہوئی ہوا سے پہلے دس محرم شوہر کے پاس نہیں رہنے دیتے، بیوی ماں باپ کے گھر چلی جاتی ہے۔ یہ بطور سوگ کیا جاتا ہے۔ یہ عمل درست نہیں۔

محرم الحرام میں محافل کا بھی انعقاد کیا جاتا جس میں بعض اوقات واقعہ کربلا سنا کر لوگوں کو رولایا جاتا ہے اور کئی جہلاء تو پیسے کمانے کے لئے خوب جھوٹے واقعات سناتے ہیں۔سیدی امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے سوال ہوا''مجلس ذکر شہادت جائز یا ناروا، ایک صاحب نے کہا کہ تجدید سرور مختلف فیہ اور تجدید غم باتفاق ناجائز۔''

جوابا فرمایا:''مجلس ذکر شہادت اگر روایات باطلہ سے ہو تو مطلقاً ناروا، اور روایات صحیحہ سے ہو تو اگر تجدید غم وجلب بکاء مقصود ہے بیشک نامحمود ہے اور اگر ذکر فضائل محبوبان خدا، مراد ہے تو مورد رحمت جواد ہے۔''

(فتاوی رضویہ، جلد23، صفحہ746، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

دوسری جگہ فرماتے ہیں:'' شرع مطہر نے غم میں صبر وتسلیم اور غم موجود کو حتی المقدور دل سے دور کرنے کا حکم دیا ہے نہ کہ غم معدوم بتکلف وزور لانا نہ کہ بتصنع وزور بنانا، نہ کہ اسے باعث قرب وثواب ٹھہرانا، یہ سب بدعات شنیعہ روافض ہیں جن سے سنی کو احتراز لازم، حاشاللہ اس میں کوئی خوبی ہوتی تو حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات اقدس کی غم پروری سب سے زیادہ اہم وضروری ہوتی، دیکھو حضور اقدس صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ کا ماہ ولادت وماہ وفات وہی ماہ مبارک ربیع الاول شریف ہے پھر علمائے امت وحامیان سنت نے اسے ماتم وفات نہ ٹھہرایا بلکہ موسم شادی ولادت اقدس بنایا۔

عوام مجلس خواں اگر چہ بالفرض صرف روایات صحیحہ بروجہ صحیح پڑھیں بھی تاہم جو

ان کے حال سے آگاہ ہے خوب جانتا ہے کہ ذکر شہادت شریف پڑھنے سے ان کا مطلب یہی بہ تصنع رونا بہ تکلف رلانا اور اس رونے رلانے سے رنگ جمانا ہے اس کی شناعت میں کیا شبہہ ہے۔

ذکر فضائل شریف مقصود ہوتا تو کیا ان محبوبان خدا کی فضیلت صرف یہی شہادت تھی، بے شمار مناقب عظیم اللہ عزوجل نے انہیں عطا فرمائے انہیں چھوڑ کر اسی کو اختیار کرنا اور اس میں طرح طرح سے بالفاظ رقت خیز ونوحہ نماومعانی حُزن انگیز وغم افزا بیان کو وسعتیں دینا انہیں مقاصد فاسدہ کی خبریں دے رہا ہے، غرض عوام کے لئے اس میں کوئی وجہ سالم نظر آنا سخت دشوار ہے۔''

(فتاوی رضویہ، جلد24، صفحہ16-515، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

لہٰذا ان محافل میں اہل بیت کی شان انکا صبر بیان کرنا چاہئے نہ کہ ایسا ماحول بنایا جائے کہ غم تازہ ہو۔ دسویں محرم مسلمان گھروں میں کھانے پکا کر بانٹتے ہیں، یہ عمل بالکل جائز ومستحب اور رزق میں برکت کا سبب ہے۔ مختلف کتب جیسے طبرانی اوسط، بیہقی وغیرہ میں مختلف اسناد کے ساتھ یہ حدیث پاک مروی ہے جس میں ترغیب دی گئی کہ دسویں محرم اپنے اہل وعیال پر کھلا خرچ کیا جائے۔ شعب الایمان للبیہقی کی حدیث پاک ہے "عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال من وسع على عياله و أهله يوم عاشوراء وسع الله عليه سائر سنته ـهذه الأسانيد و إن كانت ضعيفة فهي إذا ضم بعضها إلى بعض أخذت قوة و الله أعلم" ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو دسویں محرم اپنے اہل و عیال میں وسعت کرے اللہ عزوجل سارا سال اس کے (رزق) میں وسعت کرے۔ (یہ حدیث نقل کرنے کے بعد صاحب شعب الایمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) یہ اسناد اگر چہ

ضعیف ہیں لیکن جب ان مختلف اسناد کو ایک دوسرے سے ملایا جائے تو قوی ہو جاتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

(شعب الایمان للبیہقی ،الباب الثالث و العشرون من شعب الإیمان،جلد5،صفحہ333،مکتبۃ الرشد ،الریاض)

دس محرم کا روزہ رکھنے کی بہت فضیلت ہے چنانچہ حدیث پاک میں ہے "عن أبی قتادۃ قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن صیام یوم عاشوراء ،فقال یکفر السنۃ وسئل عن صیام یوم عرفۃ، فقال یکفر سنتین، سنۃ ماضیۃ وسنۃ مستقبلۃ" ترجمہ: حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دسویں محرم کے روزے کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ عرفہ کے دن کے روزے کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا ایک سال قبل اور ایک سال بعد کے گناہوں کا کفارہ ہے۔

(شعب الایمان للبیہقی ،کتاب الصیام،تخصیص شہر المحرم بالذکر،جلد5،صفحہ326،مکتبۃ الرشد ،الریاض)

سنت یہ ہے کہ خالی دسویں محرم کا روزہ نہ رکھا جائے بلکہ نویں یا گیارہویں محرم کے دن بھی روزہ رکھا جائے۔ دس محرم کو بیری کے پتوں سے غسل کیا جاتا ہے کہ جادو ٹونہ کا اثر نہ ہو اور آنکھوں میں سرمہ لگایا جاتا ہے کہ پھر کبھی آنکھیں نہ دکھیں، اس پر بھی عمل کرنا بہتر ہے۔ سرمہ میں اگر اِثمد نامی سرمہ ہو تو زیادہ بہتر ہے کہ حدیث پاک میں ہے "عن ابن عباس، قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اکتحل بالإثمد یوم عاشوراء لم یرمد أبدا" ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو دسویں محرم اثمد سرمہ لگائے تو کبھی بھی اس کی آنکھیں نہ

دکھیں گی۔

(شعب الایمان ،کتاب الصیام،صوم التاسع مع العاشر،جلد5،صفحہ334،مکتبۃ الرشد ،الریاض)

محرم الحرام میں امام حسین کا فقیر بننا

محرم الحرام میں یہ طریقہ رائج ہے کہ لوگ منت کے طور پر بچوں کو امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فقیر بناتے ہیں۔ لوگوں کے گھروں میں جا کر پیسے مانگے جاتے ہیں۔ یہ سب ناجائز وحرام ہے۔ اس طرح بھیک مانگنا بھی حرام ہے اور ایسی منت بھی ناجائز ہے۔ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا کہ "ایام محرم الحرام میں اپنے بچوں کو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام پر فقیر بنانا اور اس کو گود میں لے کر بھیک مانگنا اور سقّہ بنانا اور پیک بنانا اور گلے میں پیلا سرخ ڈورا جس کو کلاوا کہتے ہیں پہنانا اور سبز رنگ کے کپڑے پہنانا اور علَم اور تعزیہ پر سرخ سبز رومال رنگ چڑھانا اور یہ کام لڑکپن سے زندگی بھر تک جاری رکھنا جائز ہے یا ناجائز؟ اور مٹی کے برتنوں کے منہ پر پیلا سرخ ڈورا باندھ کر شربت بھرنا اور اس پر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ دلانا، مصنوعی کربلا کو جانا، علَم اور تعزیہ بنانا اور سینہ کوٹ کر ماتم کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔"

جواب میں صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "سوائے فاتحہ و ایصالِ ثواب کے تمام امور ناجائز ہیں۔ فقیر بننا اور بھیک مانگنا ناجائز۔ بلاضرورت شرعیہ سوال حرام ہے۔ حدیث میں اس کی سخت ممانعت آئی۔ سقّہ بنانا اور زیور پہنانا بھی حرام ہے۔ ہاں ایصالِ ثواب کے لئے کوئی پانی یا شربت پلائے تو یہ کار خیر ہے اور محمود۔ مگر نہ زیور پہننے نہ رنگے ہوئے ہرے کپڑے کہ عشرہ محرم میں یہ تعزیہ داروں کی علامت ہے اور منع۔ اور پیک بنانا بھی بالکل ناجائز و مہمل اور اس کی کمر میں گھنٹیاں باندھنا حرام، حدیث

میں فرمایا"لاتصحب الملائکۃ رفقۃ فیھا جرس" ایسےلوگوں کےساتھ ملائکہ رحمت نہیں ہوتے۔کلادہ پہننا پہنانا بھی ناجائز۔علم وتعزیہ بنانا ناجائز اوراس پر کپڑے چڑھانا بھی ممنوع۔شربت کے گھڑوں پر کلادہ باندھنا بھی ناجائز۔یونہی اس مصنوعی کربلا کو جانا (ناجائز ہے۔) سینہ کوٹنا ماتم کرنا حرام۔حدیث میں فرمایا"لیس منا من ضرب الخدود و شق الجیوب ودعا بدعوی الجاھلیۃ" اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عمل خیر کی توفیق دے۔ وہ کام کریں جس سے امامین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روحیں خوش ہوں ،نہ کہ بیکار باتوں میں مال ضائع کریں اورآخرت کا مواخذہ سر پر لیں۔واللہ تعالیٰ اعلم۔"

(فتاوی امجدیہ،جلد4،صفحہ13،مکتبہ رضویہ ،کراچی)

امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فقیر بننے کے علاوہ بھی جو پیشہ ور بھیک مانگنے والے ہوتے ہیں انہیں دینا بھی ناجائز ہے کہ جس کے پاس دووقت کا کھانا اور پہننے کے لئے کپڑا ہے وہ چاہے اپاہج ہو یا بیوہ عورت ہوا سے لوگوں سے مانگنا ناجائز وحرام ہے اور لوگوں کا اسے دینا بھی ناجائز کہ گناہ پر تعاون ہے۔اگر لوگ نہ دیں گے تو یہ مانگنا چھوڑ دیں گے۔خصوصا مسجد میں اپنی ذات کے لئے مانگنا اور زیادہ ناجائز ہے اور ایسوں کو مسجد میں دینا بھی ممنوع ہے۔

تعزیہ ومصنوعی کربلا کا حکم

تعزیہ کا مطلب ہے ماتم پرسی۔محرم الحرام میں تعزیے نکالے جاتے ہیں،سڑکوں پر ماتم ہوتا ہے وغیرہ اس کو دیکھنا جائز نہیں۔امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے ملفوظات میں تعزیہ دیکھنے جانے کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا:"نہیں (جانا) چاہئے۔ناجائز کام میں جس طرح جان مال سے مدد کرو گے یونہی سواد (یعنی گروہ) بڑھا کر بھی مددگار ہوگا۔ناجائز

بات کا تماشا دیکھنا بھی ناجائز ہے۔بندر نچانا حرام ہے۔اس کا تماشا دیکھنا بھی حرام ہے۔ درمختار و حاشیہ علامہ طحطاوی میں ان مسائل کی تصریح ہے۔آجکل لوگ ان سے غافل ہیں۔ متقی لوگ جن کو شریعت کی احتیاط ہے ناواقفی سے ریچھ یا بندر کا تماشا یا مرغوں کی پالی (لڑائی) دیکھتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اس سے گنہگار ہوتے ہیں۔حدیث میں ارشاد ہے کہ اگر کوئی مجمع خیر کا ہوا اور وہ نہ جانے پایا اور خبر ملنے پر اس نے افسوس کیا تو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا حاضرین کو اور اگر مجمع شر کا ہوا اس نے نہ جانے پر افسوس کیا تو جو گناہ ان حاضرین پر ہوگا وہ اس پر بھی ہوگا۔" (ملفوظات ،حصہ دوم،صفحہ286،المکتبۃ المدینہ ،کراچی)

اس طرح مصنوعی کربلا بنانا اور عجیب وغریب حرکتیں کرنا خلاف شریعت ہے۔

مفتی اجمل قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا:"محرم کی دس تاریخ کو شام کے وقت کربلا میں پہنچ کر فاتحہ روٹیوں پر دیکر تقسیم کردیتا ہوں۔یہ روٹیاں توشہ کی کہی جاتی ہیں۔زید کہتا ہے یہ طریقہ غلط ہے۔مگر میں کہتا ہوں صحیح ہے۔جواب سے مطلع فرمائیے گا۔"

جوابا فرماتے ہیں:"دسویں محرم کو حضرات شہداء کربلا کے لئے ایصال ثواب و فاتحہ کرنا جائز ہے۔چاہے روٹیوں پر ہو یا چاولوں پر یا مٹھائی پر ہو۔لیکن ان روٹیوں پر منگڑھت کربلا میں جا کر فاتحہ دینا اور ان کو توشہ کی روٹیاں سمجھنا ان کی بھی شرع میں کوئی اصل نہیں۔تو یہ طریقہ بھی بے اصل اور غلط ہے۔"

(فتاوی اجملیہ ،جلد4،صفحہ42،شبیر برادرز،لاہور)

فتاوی رضویہ میں ہے:"اگر روضہ مبارک حضرت شہزادہ گلگوں قبا حسین شہید ظلم وجفا صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علی جدہ الکریم وعلیہ کی صحیح نقل بنا کر محض بہ نیت تبرک بے آمیزش منکرات شرعیہ مکان میں رکھتے تو شرعا کوئی حرج نہ تھا،مگر حاشا تعزیہ ہرگز اس کی نقل نہیں،نقل ہونا درکنار بنانے والوں کو نقل کا قصد بھی نہیں،ہر جگہ نئی تراش نئی گھڑت جسے اس

اصل سے نہ کچھ علاقہ نہ نسبت پھر کسی میں پریاں کسی میں براق کسی میں اور بیہودہ طمطراق پھر کوچہ بکوچہ ودشت بدشت اشاعت غم کے لئے ان کا گشت، اور اس کے گرد سینہ زنی ماتم سازشی کی شور افگنی، حرام مرثیوں سے نوحہ کنی، عقل ونقل سے کٹی چھنی، کوئی ان کپھیوں کو جھک جھک کر سلام کر رہا ہے، کوئی مشغول طواف، کوئی سجدہ میں گرا ہے، کوئی اس مایہ بدعات کو معاذ اللہ جلوہ گاہ حضرت امام عالی مقام سمجھ کر اس ابرک پنی سے مرادیں مانگتا منتیں مانتا ہے، عرضیاں باندھتا حاجت روا جانتا۔ پھر باقی تماشے باجے تاشے مردوں عورتوں کا راتوں کو میل اور طرح طرح کے بیہودہ کھیل ان سب پر طُرہ ہیں۔ غرض عشرہ محرام الحرام کہ اگلی شریعتوں سے اس شریعت پاک تک نہایت بابرکت ومحل عبادت ٹھہرا ہوا تھا، ان بیہودہ رسموں نے جاہلانہ اور فاسقانہ میلوں کا زمانہ کر دیا، پھر وبال ابتداع کا وہ جوش ہوا کہ خیرات کو بھی بطور خیرات نہ رکھا، ریا، وتفاخر علانیہ ہوتا ہے پھر وہ بھی یہ نہیں کہ سیدھی طرح محتاجوں کو دیں بلکہ چھتوں پر بیٹھ کر پھینکیں گے، روٹیاں زمین پر گر رہی ہیں، رزق الٰہی کی بے ادبی ہوتی ہے۔ پیسے ریتے میں گر کر غائب ہوتے ہیں، مالک کی اضافت ہو رہی ہے مگر نام تو ہوگیا کہ فلاں صاحب لنگر لٹا رہے ہیں۔ اب بہار عشرہ کے پھول کھلے، تاشے باجے، بجتے چلے۔ رنگ رنگ کے کھیلوں کی دھوم، بازاری عورتوں کا ہر طرف ہجوم، شہوانی میلوں کی پوری رسوم، جشن فاسقانہ، یہ کچھ اور اس کے ساتھ خیال وہ کچھ کہ گویا یہ ساختہ ڈھانچ بعینہا حضرات شہدائے کرام علیہم الرضوان کے پاک جنازے ہیں۔ اے مومنو! اٹھاؤ جنازہ حسین کا گاتے ہوئے مصنوعی کربلا پہنچے، وہاں کچھ نوچ اتار باقی توڑ تاڑ دفن کر دئے، یہ ہر سال اضاعت مال کے جرم ووبال جدا گانہ رہے اللہ تعالیٰ صدقہ حضرات شہدائے کرام کربلا علیہم الرضوان والثناء کا مسلمانوں کو نیک توفیق بخشے اور بدعات سے توبہ دے آمین آمین۔''

(فتاوی رضویہ، جلد21، صفحہ423، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

دس محرم کو قبروں کا لیپ کرنا

دس محرم میں بعض علاقوں میں قبروں کو لیپ کیا جاتا ہے یعنی مسلمان اپنے عزیزوں کی قبروں پر جاتے ہیں اگر قبر کی مٹی کم ہوگئی ہو اس پر مٹی ڈالتے ہیں پھر قبر کا لیپ کرتے ہیں۔ اس عمل میں شرعا کوئی ممانعت نہیں بلکہ اچھا عمل ہے۔ درمختار میں ہے''المختار أنه لا يكره تطيين القبور و لا القراءة عندها'' ترجمہ: مختار یہ ہے کہ قبروں کا لیپ کرنا اور ان کے پاس قرآن پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔

(ردالمحتار، کتاب الوصایا، جلد6، صفحہ666، دار الفکر، بیروت)

لیپ کرنے کا زیادہ رجحان عورتوں کا ہوتا ہے۔ جبکہ عورتوں کا قبروں اور مزاروں پر جانا منع ہے چاہے عورت جوان ہو یا بوڑھی چنانچہ بہار شریعت میں ہے: ''اسلم یہ ہے کہ عورتیں مطلقاً منع کی جائیں کہ اپنوں کی قبور کی زیارت میں تو وہی جزع وفزع ہے اور صالحین کی قبور پر یا تعظیم میں حد سے گزر جائیں گی یا بے ادبی کریں گی تو عورتوں میں یہ دونوں باتیں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔''

(بہار شریعت، جلد1، حصہ4، صفحہ89، ضیاء القرآن، لاہور)

اگر قبر ٹھیک ہے تو اس میں اور زیادہ مٹی نہ ڈالی جائے۔

ماہ صفر اور اس کے متعلق نظریات وعوامل

موجودہ دور میں یہ نظریہ عام ہے کہ صفر میں بلائیں اترتی ہیں۔ جھوٹی حدیث سنائی جاتی ہے کہ جو ماہ صفر کے ختم ہونے کی خوشخبری دے اس پر جنت واجب ہے۔ اس مہینے کو منحوس سمجھتے ہوئے لوگ اس میں نہ منگنی کرتے ہیں نہ شادی۔ یہ سب جہالت ہے۔ صفر بھی عام مہینوں کی طرح ایک مہینہ ہے۔ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا یہ نظریہ تھا کہ ایک کی بیماری دوسرے کو اثر کر لگ سکتی ہے (جیسا موجودہ دور میں بھی لوگوں کا ذہن ہے کہ

فلاں کی بیماری کے سبب مجھے یہ بیماری لگی ہے)،اُلو کا بولنا منحوس ہے اور صفر بھی منحوس ہے۔احادیث میں اس نظریے کی نفی فرمائی گئی ہے چنانچہ بخاری شریف کی حدیث پاک ہے" عن أبی هريرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله عليه و سلم قال لا عدوی ولا طيرة ولا هامة ولا صفر " ترجمہ:حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک کا مرض دوسرے کو نہیں لگتا اور نہ بدشگونی ہے اور نہ ہی الو منحوس ہے اور نہ ہی صفر کا مہینہ منحوس ہے۔

(صحیح بخاری ، کتاب الطب،باب لا ہامة ولا صفر،جلد7،صفحه135،دار طوق النجاة)

فتح الباری میں ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں" فجاء الإسلام برد ما كانوا يفعلونه من ذلك فلذلك قال صلى الله عليه وسلم لا صفر "ترجمہ:اسلام آیا اور اس نے ان کے ان افعال کا رد کیا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا صفر کوئی چیز نہیں ہے۔ (فتح الباری ، کتاب الطب،بَاب لا صفر،جلد10،صفحه171،دار المعرفة،بیروت)

فتاوی ہندیہ میں ہے"سألته فی جماعة لا يسافرون فی صفر ولا يبدؤن بالأعمال فيه من النكاح والدخول ويتمسكون بما روی عن النبی صلی الله عليه وآله وسلم (من بشرنی بخروج صفر بشرته بالجنة) هل يصح هذا الخبر ؟ وهل فيه نحوسة ونهی عن العمل ؟-- أما ما يقولون فی حق صفر فذلك شیء كانت العرب يقولونه --ينسبون إلى النبی صلی الله عليه وآله وسلم وهو كذب محض كذا فی جواهر الفتاوی" ترجمہ:اس جماعت کے متعلق پوچھا گیا جو صفر میں سفر نہیں کرتے نہ کوئی کام شروع کرتے ہیں جیسے نکاح و دخول ہے اور اس نظریہ پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان بطور دلیل لاتے ہیں کہ جو صفر جانے کی خوشخبری مجھے دے اسے میں جنت کی بشارت دیتا ہوں۔کیا یہ باتیں صحیح ہیں؟ کیا صفر کے مہینہ میں

نحوست ہے،کیا صفر میں کام (شادی وغیرہ) کرنے کی ممانعت ہے؟(جواب)صفر کے مہینے کے متعلق جو کچھ کہا جاتا ہے یہ تمام باتیں عرب کہا کرتے تھے۔صفر کے متعلق جتنی اس قسم کی احادیث حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہیں وہ سب جھوٹی ہیں جیسا کہ جواہر الفتاوی میں ہے۔

(فتاوی ہندیه، کتاب الکراہیت،باب المتفرقات،جلد5،صفحه 380 ،دارالفکر،بیروت)

لہٰذا مسلمانوں کو ان جاہلانہ نظریات سے بچنا چاہئے۔صفر کے مہینے کو منحوس سمجھنا ،اس میں شادی ہونے کو نا کام سمجھنا وغیرہ سب باتوں سے بچنا ضروری ہے۔

آخری بدھ

صفر میں لوگ آخری بدھ میں سیر و تفریح کے لئے جاتے ہیں اور یہ نظریہ ہے کہ اس روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحت یاب ہوئے تھے۔لوگ اس خیال سے صبح پارکوں میں چہل قدمی کے لئے جاتے ہیں اور آجکل مردوں کے ساتھ ساتھ اس دن عورتیں بھی پارکوں میں سیر کو جاتی ہیں جہاں خوب بدنگاہی ہوتی ہے۔درحقیقت یہ نظریہ غلط ہے۔مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''آخر چہار شنبہ بالکل بے اصل ہے اور یہ جو مشہور ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس روز غسلِ صحت فرمایا،کتابوں سے ثابت نہیں بلکہ اس کا عکس ثابت ہوتا ہے۔یعنی اس دن میں مرض شدید و سخت تھا۔لہذا جس بنا پر خوشی منائی جاتی ہے وہ صحیح نہیں۔'' (فتاوی امجدیه،جلد4،صفحه62،مکتبه رضویه ، کراچی)

بہار شریعت میں ہے:''ماہِ صفر کا''آخری چہار شنبہ'' ہندوستان میں بہت منایا جاتا ہے۔لوگ اپنے کاروبار بند کردیتے ہیں،سیر و تفریح و شکار کو جاتے ہیں،پوریاں پکتی ہیں اور نہاتے دھوتے خوشیاں مناتے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

اس روز غسل صحت فرمایا تھا اور بیرونِ مدینہ طیبہ سیر کے لیے تشریف لے گئے تھے یہ سب باتیں بے اصل ہیں بلکہ ان دنوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرض شدت کے ساتھ تھا وہ باتیں خلاف واقع ہیں اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس روز بلائیں آتی ہیں اور طرح طرح کی باتیں بیان کی جاتی ہیں۔سب بے ثبوت ہیں بلکہ حدیث کا یہ ارشاد لاصفر یعنی صفر کوئی چیز نہیں ایسی تمام خرافات کو رد کرتا ہے۔''

(بہار شریعت، جلد2، حصہ159، صفحہ159، ضیاء القرآن، لاہور)

عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بارہ ربیع الاول کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی خوشی منائی جاتی ہے۔ عید میلاد النبی پوری دنیا میں منائی جاتی ہے، لوگ اس دن خوشی کا اظہار کرتے ہیں، بازار سجائے جاتے ہیں، کھانے پکا کر تقسیم کئے جاتے ہیں، محافل کا انعقاد کیا جاتا ہے، جلوس نکالے جاتے ہیں۔ یہ سب نہ صرف جائز بلکہ مستحب عمل ہے۔ اللہ عزوجل نے نعمتوں کو یاد رکھنے اس کا شکر کرنے اور اس کا چرچا کرنے کا فرمایا ہے چنانچہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے ﴿اُذْکُرُوا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اے ایمان والو! اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو۔ (سورۃ المائدہ، سورت5، آیت11)

دوسری جگہ فرمایا ﴿وَاشْکُرُوا نِعْمَۃَ اللّٰہِ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو۔ (سورۃ النحل، سورت16، آیت114)

ایک اور مقام پر فرمایا ﴿وَاَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔ (سورۃ الضحی، سورت93، آیت 11)

بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے بڑی نعمت ہیں چنانچہ بخاری

شریف میں ہے "ومحمد صلی اللہ علیہ و سلم نعمۃ اللہ" ترجمہ: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ عزوجل کی نعمت ہیں۔

(بخاری شریف، کتاب المغازی، باب قتل أبی جہل، جلد5، صفحہ76، دارطوق النجاہ)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری پر خوشی منانا ان کے وسیلہ سے مانگنا پچھلی امتوں کا بھی شیوہ رہا ہے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ الخصائص الکبری میں لکھتے ہیں کہ ابن عساکر نے حضرت کریب سے روایت کیا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں "لم یزل اللہ یتقدم فی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الی ادم فمن بعدہ ولم تزل الامم تتباشربہ وتستفتح بہ حتی اخرجہ اللہ فی خیر امۃ ، وفی خیر قرن وفی خیر اصحاب وفی خیر بلد" ترجمہ: ہمیشہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں آدم علیہ السلام اور ان کے بعد سب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے پیشگوئی فرماتا رہا۔ قدیم سے سب امتیں تشریف آوری حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشیاں مناتیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توسل سے اپنے دشمنوں پر فتح مانگتی آئیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہترین امم وبہترین قرون وبہترین اصحاب وبہترین شہر میں ظاہر فرمایا۔

(الخصائص الکبریٰ، جلد1، صفحہ16، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے دن روزہ رکھتے تھے پوچھنے پر بتایا کہ میں اس دن پیدا ہوا۔ جید علمائے اسلام نے عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منانے کو مستحب کہا ہے۔ تفسیر روح البیان میں ہے "ومن تعظیمہ عمل المولد اذا لم یکن فیہ منکر قال الامام السیوطی قدس سرہ یستحب لنا اظہار الشکر لمولدہ علیہ السلام --وقد قال ابن حجر الہیثمی ان البدعۃ الحسنۃ متفق علی ندبہا وعمل المولد

واجتماع الناس له كذلك اى بدعة حسنة قال السخاوى لم يفعله احد من القرون الثلاثة وانما حدث بعد ثم لا زال اهل الاسلام من سائر الاقطار والمدن الكبار يعملون المولد ويتصدقون فى لياليه بانواع الصدقات ويعتنون بقرآءة مولده الكريم ويظهر من بركاته عليهم كل فضل عظيم قال ابن الجوزى من خواصه انه امان فى ذلك العام وبشرى عاجلة بنيل البغية والمرام واول من احدثه من الملوك صاحب اربل وصنف له ابن دحية رحمه الله كتابا فى المولد سماه التنوير بمولد البشير النذير فأجازه بألف دينار وقد استخرج له الحافظ ابن حجر اصلا من السنة وكذا الحافظ السيوطى وردا على الفاكهانى المالكى فى قوله ان عمل المولد بدعة مذمومة" ترجمہ: **میلاد شریف کرنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم ہے جبکہ وہ بُری باتوں سے خالی ہو۔امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت پر شکر کا اظہار کرنا مستحب ہے۔ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بدعت حسنہ کے مستحب ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔میلاد شریف کرنا اور اس میں لوگوں کا جمع ہونا بھی اسی طرح بدعت حسنہ ہے۔امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میلاد شریف تینوں زمانوں میں کسی نے نہ کیا بعد میں ایجاد ہوا پھر ہر طرف کے اور ہر شہر کے مسلمان ہمیشہ میلاد شریف کرتے رہے اور کرتے ہیں۔طرح طرح کا صدقہ و خیرات کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد پڑھنے کا بڑا اہتمام کرتے ہیں۔ اس مجلس پاک کی برکتوں سے ان پر اللہ عزوجل کا بڑا ہی فضل ہوتا ہے۔امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میلاد شریف کی تاثیر یہ ہے کہ سال بھر اس کی برکت سے امن رہتا ہے اور اس میں مرادیں پوری ہونیکی خوشخبری ہے۔جس بادشاہ نے پہلے اس کو ایجاد کیا وہ شاہ**

اربل ہے اور ابن دحیہ نے اس کے لئے میلاد شریف کی ایک کتاب لکھی جس پر بادشاہ نے اسکو ہزار اشرفیاں نذر کیں۔حافظ ابن حجر اور حافظ سیوطی نے اس کی اصل سنت سے ثابت کی ہے اور ایسوں کو رَد کیا ہے جو میلاد شریف کو بدعت سئیہ کہتے اور اس سے منع کرتے ہیں۔

(تفسیر روح البیان،فی تفسیر،سورۃ فتح،سورت 48،آیت 28،جلد9،صفحہ56،دار الفکر،بیروت)

پتہ چلا کہ جید علمائے کرام نے میلاد کی محافل کو مستحب کہا یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس طرح کی محافل صحابہ کرام علیہم الرضوان سے ثابت نہیں۔بلکہ یہاں تک کہا گیا کہ جس رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے وہ رات لیلۃ القدر سے بھی افضل ہے چنانچہ ردالمحتار رہے"عن بعض الشافعية أن أفضل الليالي ليلة مولده صلى الله عليه وسلم ثم ليلة القدر، ثم ليلة الإسراء والمعراج، ثم ليلة عرفة، ثم ليلة الجمعة، ثم ليلة النصف من شعبان، ثم ليلة العيد" ترجمہ: **بعض شافعیہ سے مروی ہے کہ سب سے افضل رات وہ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے ،پھر اس کے بعد لیلۃ القدر ہے،پھر معراج کی رات افضل ہے ،پھر عرفہ کی رات، پھر جُمُعَہ کی رات، پھر پندرہویں شعبان کی رات اور پھر عید کی رات افضل ہے۔**

(ردالمحتار، کتاب الحج،جلد2،صفحہ511،دارالفکر،بیروت)

حضرت علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے المواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ میں اور حضرت علامہ عبدالملک بن حسین بن عبدالملک العصامی المالکی میلاد کی رات کے افضل ہونے کی وجہ پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں"فإن قلت إذا قلنا بأنه ولد ليلا فأيما أفضل ليلة القدر أو ليلة مولده عليه الصلاة والسلام أفضل من ليلة القدر أجيب بأن ليلة مولده عليه الصلاة والسلام أفضل من ليلة القدر من وجوه ثلاثة

أحدهما أن ليلة المولد ليلة ظهوره وليلة القدر معطاة له وما شرف بظهور ذات المشرف من اجله فضل مما شرف سبب ما اعطيه ولا نزاع فى ذلك فكانت ليلة المولد بهذا الاعتبار أفضل الثانى أن ليلة القدر شرفت بنزول الملائكة فيها وليلة المولد شرفت بظهوره فيها ومن شرفت به ليلة المولد أفضل ممن شرفت به ليلة القدر على الأصح المرتضى فتكون ليلة المولد أفضل الثالث أن ليلة القدر وقع التفضيل فيها على أمة محمدوليلة المولد الشريف وقع التفضيل فيها على سائر الموجودات فهو الذى بعثه الله رحمة للعالمين فعمت به النعمة على جميع الخلائق فكانت ليلة المولد أعم نفعا فكانت أفضل" ترجمہ:اگرتو یہی پوچھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس رات پیدا ہوئے وہ رات اورلیلۃ القدر میں سے کون سی رات افضل ہے؟ تو میں جواب دیتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس رات پیدا ہوئے وہ رات افضل ہے۔اس کے افضل ہونے کی تین وجوہات ہیں:لیلۃ القدرحضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ سے ملی ہے اور جو چیز کسی کے صدقے سے ملی ہوتو جس کے صدقے سے ملی ہے وہ ذات ہمیشہ افضل ہوتی ہے اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں۔تو اس وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی رات لیلۃ القدر سے افضل ہے۔دوسرا یہ کہ لیلۃ القدر فرشتوں کے نزول کے سبب فضیلت والی ہے اور مولود کی رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کے سبب اور آپ کی تشریف آوری فرشتوں کے نزول سے افضل ہے۔تیسرا یہ کہ لیلۃ القدر کی فضیلت صرف امت محمدیہ کے لئے ہے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات تمام جہانوں کے لئے رحمۃ للعالمین ہے۔تو یہ نعمت جمیع خلائق کے لئے عام ہے اور زیادہ نافع ہے۔

(سمط النجوم العوالى فى أنباء الأوائل والتوالى،جلد1،صفحہ305،دار الكتب العلمية،بيروت)

مفتی وقارالدین قادری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق وفضائل اور احکامات وغیرہ بیان کرنے کے لئے جو مجالس منعقد کی جاتی ہیں ان مجالس کو میلاد کی محافل کہتے ہیں۔ایسی محافل کا انعقاد سینکڑوں برس سے مسلمانوں کا معمول ہے۔امام ترمذی نے ترمذی شریف،حصہ دوم میں میلاد کے نام سے ایک باب مقرر کیا ہے "باب ماجاء فى ميلاد النبى صلى الله عليه وآله وسلم" نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد کا ذکر کرنے کا بیان۔

ایسی مجالس کے اختتام پر کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنا مسلمانوں کا معمول ہے۔علامہ سیوطی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہما نے اسے مستحب لکھا ہے۔اور دیوبندیوں کے پیر حاجی امداد اللہ رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ 'ہفت مسئلہ' میں لکھا ہے:"مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولود میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لذت ولطف پاتا ہوں۔" دیوبندی نہ محدثین کی بات مانتے ہیں نہ اپنے پیر کی۔"

(وقار الفتاوی،جلد1،صفحہ149،بزم وقار الدین،کراچی)

وہابی حضرات اس کو ناجائز و بدعت کہتے ہیں۔اسے ناجائز و بدعت کہنے کی وجہ وہی پرانی کہ یہ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے ثابت نہیں۔وہابی حضرات کے بڑے عالم احسان الٰہی ظہیر عید میلاد النبی منانے کو کرسمس ڈے منانے کے مترادف سمجھتے ہیں چنانچہ اپنی کتاب بریلویت میں لکھتے ہیں:"عید میلاد صرف عیسائیوں کی مشابہت میں جاری کی گئی، اسلامی شریعت میں اس کا کوئی تعلق نہیں۔"

(بریلویت،صفحہ177،ادارہ ترجمان سنت)

بلکہ ایک وہابی مولوی خلیل انبیٹھوی نے اسے معاذ اللہ ہندوؤں کے دیوتا کنھیا سے ملا دیا چنانچہ اپنی کتاب براہین قاطعہ میں لکھا ہے:"میلاد النبی منانا ایسا ہے جیسے ہندو اپنے

کنہیا کا جنم دن مناتے ہیں۔" (براہین قاطعہ، صفحہ148، کتب خانہ رحیمیہ، سہارنپور)

خود ان کے چیلوں نے 23 مارچ 1980ء کو دارالعلوم دیوبند کا سو سالہ جشن منایا اور اس میں کافرہ عورت اندرہ گاندھی کو مہمان خصوصی کے طور پر بلایا تھا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسلام میں عیدیں صرف دو ہیں جبکہ احادیث میں جُمُعَہ کو بھی عید کہا گیا ہے چنانچہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے مستدرک میں اور ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح ابن خزیمہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پاک نقل فرمائی کہ انہوں نے فرمایا"سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الجمعة عید"، ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جُمُعَہ عید ہے۔

(صحیح ابن خزیمہ، کتاب الصیام، باب ذکر الدلیل علی--، جلد 3، صفحہ318، المکتب الإسلامی، بیروت)

ترمذی شریف کی حدیث پاک ہے "عن عمار بن أبی عمار، قال قرأ ابن عباس ﴿**الیوم أکملت لکم دینکم وأتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الإسلام دینا**﴾ وعنده یهودی فقال لو أنزلت هذه علینا لاتخذنا یومها عیدا، قال ابن عباس فإنها نزلت فی یوم عیدین فی یوم جمعة، ویوم عرفة"، ترجمہ: روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ آپ نے یہ آیت پڑھی "**الیوم اکملت لکم دینکم** الایۃ" آپ کے پاس ایک یہودی تھا وہ بولا اگر یہ آیت ہم پر اترتی تو ہم اس دن کو عید بنا لیتے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ یہ آیت دو عیدوں کے دن میں اتری یعنی جُمُعَہ اور عرفہ کے دن۔

(جامع ترمذی، ابواب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ المائدۃ، جلد5، صفحہ250، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

معلوم ہوا کہ جن تاریخوں میں اللہ عزوجل کی نعمت ملے انہیں عید بنانا شرعاً اچھا ہے اور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودی کی اس بات کو ناجائز وحرام نہیں کہا بلکہ وہابیوں کی اس بات کی نفی کردی کہ یہ کہنا کہ عیدیں صرف دو ہیں بالکل غلط ہے۔

خود وہابی حضرات کے بڑے علماء سے بھی میلاد شریف منانا ثابت ہے۔ موجودہ دور میں وہابی حضرات نے میلاد شریف کی جگہ سیرت کانفرس کرنا شروع کردی ہیں۔ لیکن وہابی حضرات نے یہ نہیں ابھی تک فرمایا کہ سیرت کانفرس کون سے صحابی کرتے تھے؟ موجودہ دور میں یوم آزادی منائی جاتی ہے، گولڈن، سلور جوبلی منائی جاتی ہے، سالگرہ منائی جاتی ہے، الغرض بے شمار جشن منائے جاتے ہیں کسی پر بھی اعتراض نہیں۔ اعتراض ہے تو صرف جشن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر۔ اللہ عزوجل حق سمجھنے کی توفیق دے۔

کبھی وہابی حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں فلاں صحابی کی زندگی میں میلاد شریف اتنی مرتبہ آیا، فلاں کی اتنی مرتبہ مگر کسی سے میلاد منانا ثابت نہیں ہے۔ یہ پیچھے ثابت کیا ہے کہ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ جو کام صحابہ کرام علیہم الرضوان نے نہ کیا ہو وہ ناجائز ہے۔ درحقیقت میلاد شریف میں ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے واقعات، آپ کے معجزات وشان کا ذکر کرتے ہیں، کیا کوئی مسلمان یہ تصور کرسکتا ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں مل بیٹھ کر کچھ کہتے نہ ہوں گے؟ یقیناً صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی باہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان بیان کرتے تھے اگرچہ وہ اپنے دور اور حالات کے پیش نظر موجود طریقے پر میلاد نہ کرتے تھے۔ ترمذی شریف کی حدیث پاک حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان بیٹھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتظار کررہے تھے کہ آپ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم نکلے اور ان کے اتنا قریب ہوگئے کہ آپ کو ان کی باتیں سنائی دے رہی تھیں۔ بعض نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں، ایک صحابی نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں، ایک نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ ہیں، ایک نے کہا کہ حضرت آدم علیہ السلام صفی اللہ ہیں۔ یہ سب سن کر آپ ان کے پاس تشریف لائے سلام کیا اور فرمایا"قد سمعت كلامكم وعجبكم إن إبراهيم خليل الله وهو كذلك وموسى نجى الله وهو كذلك، وعيسى روحه وكلمته وهو كذلك وآدم اصطفاه الله وهو كذلك، ألا وأنا حبيب الله "ترجمہ: میں نے تمہاری باتیں اور تمہارا تعجب کرنا سنا۔ بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں اور وہ اسی لائق ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نجی اللہ ہیں اور وہ اسی لائق ہیں، حضرت عیسیٰ روح اللہ اور اللہ عزوجل کا کلمہ ہیں اور وہ اسی لائق ہیں، حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ عزوجل نے صفی بنایا اور وہ اسی لائق ہیں۔ آگاہ رہو میں حبیب اللہ ہوں۔

(جامع ترمذی، أبواب المناقب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، جلد5، صفحه 587، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

وہابی یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت بارہ ربیع الاول کو نہ تھی بلکہ اس دن کو وفات ہوئی، تو خوشی کس بات کی منائی جاتی ہے؟ بلکہ بعض اوقات اس طرح بھی لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں کہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کے نزدیک بھی تاریخ ولادت بارہ ربیع الاول نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سمیت اکثر اہل تحقیق کا یہی مؤقف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت بارہ ربیع الاول ہی کو ہوئی۔ علماء اہلسنت نے کثیر دلائل سے ثابت کیا ہے۔ امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ''اس میں اقوال بہت مختلف

ہیں، دو، آٹھ، دس، بارہ، سترہ، اٹھارہ، بائیس سات قول ہیں مگر اشہر واکثر و ماخوذ و معتبر بارہویں ہے۔ مکہ معظّمہ میں ہمیشہ اسی تاریخ مکان مولد اقدس کی زیارت کرتے ہیں"كما فی المواهب والمدارج" (جیسا کہ مواہب اور مدارج النبوۃ میں ہے۔) اور خاص اس مکان جنت نشان میں اسی تاریخ مجلس میلاد مقدس ہوتی ہے۔''

(فتاوی رضویہ، جلد26، صفحہ 411، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

علامہ قسطلانی وفاضل زرقانی رحمہما اللہ فرماتے ہیں"المشهور انه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم ولد يوم الاثنين ثانی عشر ربيع الاول وهو قول محمد بن اسحاق امام المغازی وغيره" ترجمہ: مشہور یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بارہ ربیع الاول بروز پیر کو پیدا ہوئے، امام المغازی محمد بن اسحاق وغیرہ کا یہی قول ہے۔

(شرح الزرقانی علی المواهب اللدنية، جلد1، صفحه132، دارالمعرفة، بيروت)

شرح مواہب میں امام ابن کثیر سے ہے"هو المشهور عندالجمهور"
ترجمہ: جمہور کے نزدیک یہی مشہور ہے۔

(شرح الزرقانی علی المواهب اللدنية، جلد1، صفحه132، دارالمعرفة، بيروت)

بالفرض اگر ولادت بارہ ربیع الاول کو نہ بھی ہوتی تو بھی کیا حرج ہے اگر بارہ کو اس کا اہتمام کیا جائے۔ جو کہتے ہیں کہ بارہ کو ولادت نہیں ہوئی تھی، ان سے پوچھا جائے تو پھر کب ہوئی تھی؟ جس دن ہوئی تھی آپ اسی دن ہی کر لیا کریں۔ باقی یہ کہ ہم بارہ ربیع الاول کو ولادت کی خوشی مناتے ہیں وصال کو غم کیوں نہیں کرتے؟ تو یہ اس لئے ہے کہ شریعت نے غم کی تین دن تک اجازت دی ہے۔ سیدی امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں: '' شرع مطہر نے غم میں صبر وتسلیم اور غم موجود کو حتی المقدور دل سے دور کرنے کا حکم دیا ہے نہ کہ غم معدوم بتکلف وزور لانا نہ کہ بتصنع وزور بنانا، نہ کہ اسے باعث

قرب وثواب ٹھہرانا، یہ سب بدعات شنیعہ روافض ہیں جن سے سنی کو احتراز لازم، حاشاللہ اس میں کوئی خوبی ہوتی تو حضور پرنور رسید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات اقدس کی غم پروری سب سے زیادہ اہم وضروری ہوتی، دیکھو حضور اقدس صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ کا ماہ ولادت وماہ وفات وہی ماہ مبارک ربیع الاول شریف ہے پھر علمائے امت وحامیان سنت نے اسے ماتم وفات نہ ٹھہرایا بلکہ موسم شادی ولادت اقدس بنایا۔''

(فتاوی رضویہ، جلد24، صفحہ515، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

ہمیں آپ کی ولادت کی خوشی منانے کا کہا گیا ہے نہ کہ غم کرنے کا۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''وقد أمر الشرع بالعقيقة عند الولادة، وهي إظهار شكر وفرح بالمولود، ولم يأمر عند الموت بذبح ولا بغيره بل نهى عن النياحة وإظهار الجزع، فدلت قواعد الشريعة على أنه يحسن في هذا الشهر إظهار الفرح بولادته صلى الله عليه وسلم دون إظهار الحزن فيه بوفاته'' ترجمہ: شریعت نے ولادت کے موقع پر عقیقے کا حکم دیا کہ یہ پیدائش کی خوشی اور شکر کا اظہار ہے۔ موت پر اس طرح کو کرنے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ نوحہ وجزع سے منع کیا ہے۔ شریعت کے مذکورہ اصول کا تقاضا ہے کہ ولادت مصطفیٰ کے مہینے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی خوشی منائی جائے نہ کہ وصال کا غم کیا جائے۔

(الحاوی للفتاوی، کتاب النکاح ،باب الولیمۃ، جلد1، صفحہ226، دار الفکر ، بیروت)

دوسرا یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دنیا سے تشریف لے جانا بھی ہماری لئے بہتری ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ''وقال رسول الله صلى الله عليه و سلم حياتي خير لكم تحدثون ويحدث لكم ووفاتي خير لكم تعرض على أعمالكم فما رأيت من خير حمدت الله عليه وما رأيت من

شر استغفرت الله لكم ۔رواه البزار ورجاله رجال الصحيح '' ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری حیات تمہارے لئے بہتر ہے تم خبریں دیتے ہو اور تمہارے لئے (بطور وحی) خبریں دی جاتی ہیں۔ میری وفات بھی تمہارے لئے بہتر ہے کہ تمہارے اعمال مجھ پر پیش ہوں گے اگر اس میں اچھائیاں ہونگیں تو اللہ عزوجل کی حمد کروں گا اور اگر اس میں برائیاں دیکھوں گا تو اللہ عزوجل سے تمہاری مغفرت کروں گا۔ اس حدیث کو امام بزار رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا اور اس کے تمام راوی صحیح ہیں۔

(مجمع الزوائد، کتاب علامات النبوۃ، باب ما یحصل لأمتہ۔۔، جلد8، صفحہ594، دارالفکر، بیروت)

لہٰذا میلاد شریف کی محافل وخوشی کو بے تکی دلیلوں سے ناجائز وحرام ثابت کرنا خود ناجائز فعل ہے اور یہ شیطانی چیلوں کا کام ہے کیونکہ شیطان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش پر خوش نہیں ہوا تھا بلکہ رویا تھا۔ امام ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں ''حكى السهيلي عن تفسير بقي بن مخلد الحافظ أن إبليس رن أربع رنات حين لعن، وحين أهبط، وحين ولد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وحين أنزلت الفاتحة'' امام سہیلی نے بقی بن مخلد حافظ کی تفسیر سے روایت کیا کہ شیطان چار مرتبہ چیخ کر رویا جب اس پر لعنت کی گئی، جب اس کو جنت سے نکال کر زمین پر بھیج دیا گیا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے اور جب سورۃ فاتحہ نازل ہوئی۔

(البداية والنهاية، فصل فيما وقع من الآيات ليلة مولده عليه الصلاة والسلام، جلد2، صفحہ326، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

اب ہر کوئی غور کرے کہ وہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشی منا کر مومنین کے گروہ میں شامل ہونا چاہتا ہے کہ میلاد سے چڑ کر شیطان کے چیلوں میں؟ میلاد شریف پر بے شمار دلائل علمائے اہل سنت نے دیئے ہیں اور اس پر ہونے والے اعتراضات کے

جوابات بھی دیئے ہیں۔مزید تفصیل کے لئے ان کتب کا مطالعہ کیا جائے خصوصا مفتی احمد یارخان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کی مایہ ناز کتاب ''جاءالحق'' کا مطالعہ کریں۔

عید میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چراغاں کرنا

جشن آزادی میں لاکھوں روپے کے جھنڈے اور جھنڈیاں لگائی جاتی ہیں کوئی بھی اس پر اعتراض نہیں کرتا نہ اسے اسراف کہتا ہے لیکن جب میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اگر بازاروں کو سجایا جائے، چراغاں کیا جائے تو کہا جاتا ہے یہ اسراف ہے۔درحقیقت یہ اسراف نہیں۔یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت وتعظیم ہے اور ایسا فعل ہرگز اسراف نہیں ہوتا۔خانہ کعبہ پر غلاف ڈالنا بھی تعظیم ہے اب اس پر معمولی قیمت کا بھی غلاف ڈالا جاسکتا ہے لیکن اس پر ہر سال کروڑوں ریال کا غلاف ڈالا جاتا ہے۔امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ملفوظات میں فرماتے ہیں:"لا خیر فی الاسراف ولا اسراف فی الخیر" یعنی اسراف میں کوئی بھلائی نہیں اور بھلائی کے کاموں میں خرچ کرنے میں کوئی اسراف نہیں۔جس شے سے تعظیم ذکر شریف مقصود ہو ہرگز ممنوع نہیں ہوسکتی۔امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم شریف میں سید ابوعلی رودباری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ ایک بندہ صالح نے مجلس ذکر شریف ترتیب دی اور اس میں ایک ہزار شمعیں روشن کیں۔ایک شخص ظاہر بین پہنچے اور یہ کیفیت دیکھ کر واپس جانے لگے۔بانی مجلس نے ہاتھ پکڑا اور اندر لے جاکر فرمایا کہ جو شمع میں نے غیر خدا کے لئے روشن کی ہو وہ بجھا دیجئے۔کوششیں کی جاتی تھیں اور کوئی شمع ٹھنڈی نہ ہوتی۔''

(ملفوظات،حصہ اول،صفحہ174،المکتبۃ المدینہ ،کراچی)

علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''تاریخ الخلفاء'' میں نقل فرماتے ہیں"واخرج ابن عساکر عن اسمعیل بن زیاد قال مرا بن ابی طالب

علی المساجد فی رمضان و فیھا القنادیل فقال نور اللہ علی عمر فی قبرہ کما نور علینا فی مساجدنا" ترجمہ:یعنی ابن عساکر نے اسمعیل بن زیاد سے تخریج کی انہوں نے فرمایا حضرت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رمضان کے مہینے میں مساجد کے پاس سے گذرے ان مساجد میں قندیلیں روشن تھیں تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ دعا دی اللہ عزوجل حضرت عمر کی قبر کو روشن فرمائے جیسا کہ انہوں نے ہماری مساجد کو روشن کیا۔

(تاریخ الخلفاء، فضائل عمر فاروق ،جلد1،صفحہ110،مکتبۃ نزار مصطفی الباز)

ثابت ہوا کہ تعظیم کے لئے زیادہ روشنی کرنا جائز ہے۔سجاوٹ کے ساتھ ساتھ روضہ مبارک کی شبیہ بنائی جاتی ہے، پہاڑیاں بنائی جاتی ہیں، کھجور کے درخت بنائے جاتے ہیں، یہ سب اس لئے بنایا جاتا ہے کہ جس وقت جس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے وہ مقام ایسا تھا۔یہ سب کچھ کرنا جائز ہے۔مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''روضہ منورہ کی صحیح نقل بنا کر بقصد تبرک رکھنا جائز ہے۔جس طرح کاغذ پر اسکا فوٹو بہت سے مسلمان رکھتے ہیں۔یونہی اگر پتھر وغیرہ کی عمارت بنائیں تو اس میں اصلا حرج نہیں۔جانور کی تمثال حرام وناجائز ہے۔غیر ذی روح کی تصویر میں کوئی قباحت نہیں۔نقشہ نعلین مبارک کو ائمہ وعلماء جائز بتاتے ہیں اور اس کے مکان میں رکھنے کو سب برکت جانتے ہیں۔شبیہ روضہ کا بھی وہی حکم ہے۔'' (فتاوی امجدیہ،جلد4،صفحہ25،مکتبہ رضویہ ،کراچی)

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ عید میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موقع پر جو چراغاں کرنا ہو اس میں ڈائریکٹ مین تاڑوں سے بجلی حاصل نہ کی جائے بلکہ اپنے میٹروں سے بجلی لی جائے۔اس طرح ڈائریکٹ بجلی لینا عرفا چوری کہلاتا اور قانونا جرم ہے۔لہٰذا ایسا کرنا ناجائز ہے۔

بعض وہابی حضرات عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہوئے چراغاں کو دیکھ کر اہل سنت کے بھولے بھالے لوگوں کو اس سے روکتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''یہی پیسے کسی اسپتال یا فلاں نیک کام میں لگا دیئے جاتے تو زیادہ بہتر تھا۔'' بے شک اسپتالوں و دیگر فلاحی کاموں میں پیسے لگانا بڑی نیکی ہے، لیکن وہابی حضرات کو یہ بات کہنا اسی موقع پر ہی کیوں یاد آتا ہے؟ جشن آزادی، سالگرہ، شادی بیاہ پر کیوں یاد نہیں آتا؟ جب چراغاں کرنا جائز ہے تو پھر کیوں اس پر عجیب وغریب اعتراض کئے جائیں؟ کیا خود وہابی ہر وہ کام کرتے ہیں جو زیادہ بہتر ہو؟ کسی وہابی کے اگر دو مکان ہوں تو اسے جا کر کہا جائے کہ وہابی صاحب آپ کے دو مکان ہیں زیادہ بہتر تو یہ ہے کہ آپ ایک مکان دین کی راہ میں دیدیں۔ کوئی وہابی لوٹا اٹھا کر تبلیغ کے لئے جانے لگے تو اسے کہا جائے زیادہ بہتر تو یہ ہے کہ آپ یہی تبلیغ کا خرچہ کسی بیمار کو دے دیں کہ وہ صحت یاب ہو کر اللہ عزوجل کا ذکر کر سکے، لاکھوں روپیہ لگا کر وہابی دینی اجتماع کرنے لگیں تو کہا جائے کہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ انہی پیسوں سے لوگوں کو حج کروا دیں۔

عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جلوس کا اہتمام کرنا

عید میلاد النبی میں جلوس نکالے جاتے ہیں، مقدس اشیاء کی زیارت کروائی جاتی ہے۔ یہ سب جائز و مستحب ہے۔ لیکن یہ احتیاط کی جائے کہ کوئی ناجائز افعال نہ ہوں جیسے ناچ گانا، بے پردگی، فائرنگ وغیرہ۔ مفتی وقار الدین قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''کسی بھی موقع پر اس طرح کا فعل یعنی فائرنگ کرن انتہائی قبیح و مذموم ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس میں مال کا ضیاع بھی ہے۔ اور ربیع الاول شریف کے موقع پر اس کا ارتکاب سخت گناہ کا باعث ہے۔''

(وقار الفتاوی، جلد1، صفحہ156، بزم وقار الدین، کراچی)

وہابی حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں نکالے ہوئے جلوس کو تو بدعت کہتے ہیں لیکن خود اپنے ذاتی مفاد کے لئے نکالی گئی ریلی کو نہ صرف جائز کہتے ہیں بلکہ اسے جہاد تصور کرتے ہیں۔

مروجہ محافل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عید میلاد النبی کی خوشی میں محافل پاک کا بھی انعقاد کیا جاتا ہے جس میں نعت خوانی، ذکر اذکار اور بیانات کی ترکیب ہوتی ہے۔ یہ سب بہت اچھا ہے۔ لیکن آج کل اس میں کافی غیر شرعی حرکات آگئی ہیں۔ محافل میں نعت وخوانی میں کلام بعض اوقات بالکل غیر شرعی ہوتا ہے، میوزک، ذکر اور دف کے ساتھ نعت خوانی ہوتی ہے، قوالیاں ہوتی ہیں، نعت خواں اور قاری نعت اور تلاوت کے پیسے لیتے ہیں جو کہ جائز نہیں چنانچہ درر الحکام شرح غرر الحکام میں ہے"والأصل أن الإجارة لا تجوز عندنا على الطاعات والمعاصي لكن لما وقع الفتور في الأمور الدينية جوزها المتأخرون ولذا قال(ويفتى اليوم بصحتها)أي الإجارة لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان" ترجمہ: اصل یہ ہے کہ طاعات ومعاصی یعنی نیکی وبدی کے کاموں پر اجارہ جائز نہیں۔ متاخرین علماء نے دینی امور کی حفاظت کے لئے صرف قرآن وفقہ کی تعلیم اور امامت واذان کی اجرت کو جائز قرار دیا ہے۔

(درر الحکام شرح غرر الحکام، کتاب الاجارة، باب مایفسد الاجارة، جلد 2، صفحہ233، دار إحياء الكتب العربية)

لہٰذا امام مسجد، مؤذن خطیب، مقرر، استاد کے علاوہ نیک کاموں کے عوض جیسے نعت وتلاوت پر اجرت لینا ناجائز ہے۔ اسی طرح مروجہ محافل میں فاسق وفاجر شخص کو اسٹیج پر نہ صرف تعظیما بٹھایا جاتا ہے بلکہ اس کو عاشق رسول، مجاہد ملت، پتہ نہیں کیا کیا کہا جاتا

ہے۔نقابت کرنے والوں کو اکثر دیکھا گیا ہے غیر عالم ہوتے ہیں اور لوگوں سے داد لینے کے لئے باطل روایات بھی کہہ دیتے ہیں۔عوام بھی اب زیادہ تر محافل میں علماء کو نہیں بلاتی بلکہ صرف نعت خوانوں کو بلاتی ہے۔مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنی ان حرکات کی اصلاح کریں۔جو شخص ایسی محفل کا انعقاد کرے اور اس میں میوزک و ذکر کے ساتھ نعتیں پڑھوائے،قوالیاں کروائے،ان پڑھنے سننے والوں کو گناہ تو ہوگا ہی،ان سب کا گناہ اس محفل کروانے والے کے کھاتے میں آئے گا۔فتاوٰی رضویہ میں ہے:''ذکر الٰہی سب مسلمانوں کے لئے ہے اور مجلس میلاد مبارک جو مطابق رواج حرمین شریفین معتبر روایتوں سے پڑھی جائے اور منکرات شرعیہ سے خالی ہو اس سے روکنا ذکر خدا سے روکنا ہے ایسا شخص اگر بے عذر صحیح مقبول وقابل قبول روکے تو وہ'' مناع للخیر معتداثیم '' ہے یعنی خیر سے روکنے والا۔خدا کی باندھی ہوئی حدوں سے بڑھنے والا گناہ میں بالقصد پڑھنے والا۔والعیاذ باللہ تعالیٰ۔''

مزید آگے فرماتے ہیں:''وہ پڑھنا سننا جو منکرات شرعیہ پر مشتمل ہو،ناجائز ہے جیسے روایات باطلہ وحکایات موضوعہ واشعار خلاف شرع خصوصاً جن میں توہین انبیاء وملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام ہو کہ آج کل کے جاہل نعت گویوں کے کلام میں یہ بلائے عظیم بکثرت ہے حالانکہ وہ صریح کلمہ کفر ہے۔والعیاذ باللہ تعالیٰ۔واللہ تعالیٰ اعلم۔''

(فتاوٰی رضویہ،جلد23،صفحہ175،722،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ میلاد شریف کی محفل ساری سڑک بند کر کے دلائی جاتی ہے جس سے ٹریفک نظام متاثر ہوتا ہے اور لوگ پریشان ہوتے ہیں ایسا کرنا درست نہیں۔امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:''دوسرا امر ناجائز اس مجلس میں یہ تھا کہ عام سڑک پر خصوصاً بازار میں جہاں آمدورفت کی زیادہ کثرت رہتی ہے فرش کر کے

کتاب پڑھنا کہ یہ حقوق عامہ میں دست اندازی ہوئی شریعت میں تو اسی لحاظ سے راستہ میں نماز پڑھنی بھی مکروہ ہوئی نہ کہ بازار کی سڑک پر مجلس۔''

(فتاوٰی رضویہ،جلد23،صفحہ724،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

بعض نعت خواں محافل میں خوب گلے بازی کرتے سُر ملاتے ہیں،نعتوں کو گانے والے اسٹائل سے پڑھتے ہیں جو کہ مکروہ ہے۔مفتی محمد اجمل قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''قرأت قرآن واذان کے علاوہ اذکار میں بھی خوب گلے بازی کرنا مکروہ ہے۔اس لئے کہ یہ فُسّاق سے مشابہت کرنا ہے کہ وہ اپنے فسق میں اس طرح گاتے ہیں۔علامہ محمد طاہر مجمع بحار الانوار میں طیبی وکرمانی سے ناقل ہیں "اما لاوزان الموسیقی فاشبہ ببدع" اوزان موسیقی بدعات سے زیادہ مشابہت رکھنے والے ہیں۔شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں"اما بہ تکلف بالحان موسیقی مکروہ ہست"اور موسیقی کی راگنیوں میں بہ تکلف گانا مکروہ ہے۔

ان عبارات سے ثابت ہوگیا کہ جو خوش آوازی اور گلے بازی حرف کی اصلی حالت اور حرکت وسکون کی کیفیت کو بدل دے اور کسی حرف کی کمی یا زیادتی پیدا کردے اور یہ سب کچھ موسیقی کے وزنوں اور لحنوں کی رعایت کی بنا پر کیا جائے،نیز اسمیں فُسّاق کے خاص عشقیہ اشعار کی راگنی اور لہجوں کی مشابہت مقصود ہو تو ایسی خوش آوازی اور گلے بازی کے ساتھ حمد ونعت کا پڑھنا مکروہ ہے کہ حمد ونعت اذکار میں داخل ہیں۔لہذا میلاد شریف میں ایسی گلے بازی کرنا مکروہ ہوئی اور پڑھنے والے اور پڑھوانے والے اور سننے والے سب مرتکب مکروہ ہوئے۔'' (فتاوٰی اجملیہ،جلد4،صفحہ65،شبیر برادرز،لاہور)

شہزادہ اعلیٰ حضرت مفتی مصطفیٰ رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے سوال ہوا:(1) ''دف بجا کر قصائد،نعت اور حالت قیام میلاد شریف میں صلوٰۃ وسلام پڑھنا جائز ہے یا

ناجائز؟ دف مع جھانج ہوتو کیا حکم اور بلاجھانج ہوتو کیا حکم؟(2)کسی بزرگ کے قدیم جھنڈے پر پھول چڑھانا ،دف بجا کر قصائد،نعت وتوسل پڑھتے ہوئے اس کا جلوس نکالنا۔ پھراس جھنڈے کو بہ نیت تبرک مجلس میلاد شریف میں رکھنا اور بعد ختم میلاد شریف ان پھولوں کوتبرک کےطور پرلوٹنا جائز ہے یانا جائز؟

اس کے جواب میں آپ فرماتے ہیں:''(1)ہرگز نہ چاہئے۔ظاہر ہے کہ یہ سخت سوءادب ہےاوراگر(دف کےساتھ)جھانج بھی ہوں یااس طرح بجایا جائے کہ گت پیدا ہوفن کےقواعد پر۔ جب تو حرام اشدحرام ہے۔حرام درحرام ہے۔(2) یہ بھی نہ چاہئے جھنڈے پر پھول چڑھانا محض بےمعنی۔دف بجا کرنعت ومنقبت پڑھنے کاحکم اوپر گذرا۔ ان پھولوں کوتبرک بنانا نری ہوش خام ہے۔جھنڈے کی کسی بزرگ کی طرف نسبت ہی کے کیامعنی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے تعزیہ دار فتح نشان کی عظمت حضرت امام عالی مقام کی جانب فرضی نسب سے کرتے ہیں۔فرضی نسبت کیا کارآمد ہے۔پھراگرنسبت فرضی نہ ہومثلاً کسی پیر کے مریداس کی خانقاہ کے جھنڈے کی ایسی تعظیم کرتے ہوں،اس پر پھول چڑھا کرانہیں لوٹتے ہوں، جب بھی کہ غلو ہے اوراللہ عزوجل غلو سے منع فرماتا ہے۔ارشادقرآن ہے ﴿**لا تغلوا فی دینکم**﴾ محض جھنڈے کا جلوس نکالنا بھی ایسا ہی ہے۔''

(فتاوٰی مصطفویہ،صفحہ447،شبیر برادرز،لاہور)

بعض نقیب حضرات ان محافل میں یہ بڑے زور وشور سے کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ ہرمحفل میں تشریف لاتے ہیں۔جبکہ اہل سنت کا یہ عقیدہ نہیں۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس محفل پر کرم فرمانا چاہیں فرما سکتے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہرمحفل میں تشریف لائیں۔مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''ہرمجلس میلاد شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تشریف لانا ثابت نہیں۔ ہاں اگراپنے کسی

خاص غلام پرایسا کرم فرمائیں تو زہےقسمت۔اورایک ہی وقت میں مختلف مقامات پر میلاد شریف ہونا آپ کےتشریف لانے کے منافی بھی نہیں۔ایک وقت میں بہتوں کا انتقال ہوتا ہےاور ملک الموت انکی روحیں قبض کرتے ہیں ،ایک ہی وقت میں بہت سے لوگ قبروں میں دفن کئے جاتے ہیں نکیرین قبور میں آتے ہیں اور سوالات کرتے ہیں۔جس طرح یہ چیزیں ممکن بلکہ واقع ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر کرم فرمائیں تو اس میں کیا استبعاد ہے۔جب مردےقبر میں دفن ہوتے ہیں اورنکیرین سوالات کرتے ہیں ان میں یہ ایک سوال بھی ہوتا ہے"ما تقول فی ھذا الرجل"اس شخص کے بارے میں تو کیا کہتا تھا۔ توجس طرح تمام مردوں کےسامنےحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہونا ثابت اسی طرح ان مجالس خیر میں بھی اگراس قسم کی موجودگی ہوتو کیا استحالہ۔''

(فتاوٰی امجدیہ،جلد4،صفحہ275،مکتبہ رضویہ ،کراچی)

اگراخلاص ومحبت کےساتھ کوئی محفل میلاد کا انعقاد کرےتو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت سے امید ہے کہ وہ تشریف لائیں گے۔امام خاتم الحفاظ جلال الملّۃ والدّین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تنویر میں فرماتے ہیں"قد اخبرنی الثقات من اھل الصلاح انھم شاھدوہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مرارا عند قراءۃ المولود الشریف وعندختم القرآن وبعض الاحادیث" ترجمہ:مجھےثقہ صالحین نےخبر دی کہ انہوں نے بارہا حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کومجلس میلاد شریف وجلسہ ختمِ قرآن عظیم وبعض احادیث میں مشاہدہ کیا۔

نیز امام ممدوح تنویر پھرامام محدث جلیل زرقانی شرح المواہب شریفہ میں فرماتے ہیں"انہ وسائر الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہم وسلم اذن لھم فی الخروج من قبورھم للتصرف فی الملکوت العلوی والسفلی" ترجمہ:بےشک رسول اللہ صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو اجازت ہے کہ آسمان و زمین کی سلطنت الٰہی میں تصرف فرمانے کے لیے اپنے مزارات طیبہ سے باہر تشریف لے جائیں۔

علامہ زرقانی فرماتے ہیں "ونحوہ یاتی للمصنف فی غیر موضع من ھذاالکتاب " ترجمہ: اس کے مثل امام احمد قسطلانی نے مواہب شریفہ میں جابجا تصریح فرمائی ہے۔

امام ابن حجر مکی فتاوی کبریٰ، باب الجنائز میں فرماتے ہیں "روح نبیّنا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ربما تظھرفی سبعین الف صورۃ " ترجمہ: ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح اقدس ستّر ہزار صورتوں میں جلوہ گر ہوتی ہے۔

حضور عین نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ اقدس تو بلند و بالا ہے۔ امام اجل عبداللہ بن مبارک و ابوبکر بن ابی شیبہ استاد بخاری و مسلم حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے وقفاً اور امام احمد مسند اور حاکم صحیح مستدرک اور ابونعیم حلیہ میں بسندِ صحیح حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے رفعاً راوی "وھذاحدیث ابی بکر اذا مات المؤمن یخلی سربہ یسرح حیث شاء" ترجمہ: جب مسلمان کا انتقال ہوتا ہے اس کی راہ کھول دی جاتی ہے جہاں چاہے جاتا ہے۔ (فتاوی رضویہ، جلد29، صفحہ257، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

ان محافل میں یہ بھی ہوتا ہے کہ قریب مسجد میں باجماعت نماز ادا نہیں کی جاتی بلکہ اپنی جماعت کروا لیتے ہیں جو کہ جائز نہیں۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ رات دو تین بجے تک محفل جاری رہتی ہے اور صبح کی نماز سوئے ہوئے گزر جاتی ہے۔ جبکہ صبح باجماعت نماز پڑھنا ساری رات عبادت سے بہتر ہے۔

عیدمیلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موقع پر جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کی شان بیان کی جاتی ہے وہاں آپ کے والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بھی شان بیان کرنی چاہئے اور دلائل سے ثابت کرنا چاہئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد نیک وکار اور پکے مسلمان تھے۔ کیونکہ وہابی حضرات کے نزدیک آپ کے والدین معاذ اللہ کافر تھے اور اس عقیدہ کو وہابی اسکالر ڈاکٹر ذاکر نائیک نے بہت ہوا دی ہے۔ بے شک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد حضرت آدم علیہ السلام تک سب کے سب مؤمن تھے۔ ان کا مؤمن ہونا کثیر آیات واحادیث اور مستند کتب سے ثابت ہے۔ قرآن پاک میں ہے ﴿ إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ ﴾ ترجمہ کنزالایمان: مشرک نرے ناپاک ہیں۔

(سورۃ التوبۃ، سورت9، آیت 28)

دلائل النبوۃ لابن نعیم کی حدیث پاک حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "لم یزل اللہ عزوجل ینقلنی من اصلاب الطیبۃ الی الارحام الطاھرۃ مصفی مھذبا لاتنشعب شعبتان الا کنت فی خیرھما" ترجمہ: ہمیشہ اللہ تعالیٰ مجھے پاک ستھری پشتوں میں نقل فرماتا رہا صاف ستھرا آراستہ جب دو شاخیں پیدا ہوئیں، میں ان میں بہتر شاخ میں تھا۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم، الفصل الثانی، الجزالاول، صفحہ11، 12، عالم الکتب، بیروت)

ایک حدیث میں ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "لم ازل انقل من اصلاب الطاھرین الی ارحام الطاھرات" ترجمہ: میں ہمیشہ پاک مردوں کی پشتوں سے پاک بیبیوں کے پیٹوں میں منتقل ہوتا رہا۔

(شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ بحوالہ ابی نعیم عن ابن عباس، المقصد الاول، جلد1، صفحہ174، دارالمعرفۃ، بیروت)

تو ضرور ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آبائے کرام طاہرین وامہات

کرام طاہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب اہل ایمان وتوحید ہوں کہ بنص قرآن عظیم کسی کا فرو کافرہ کے لیے کرم وطہارت سے حصہ نہیں ۔اس وجہ سے جمہور اہل سنت نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر نہ تھے بلکہ حضرت تارح تھے جو کہ مسلمان تھے۔روح المعانی میں ہے"والذی عول علیه الجم الغفیر من أهل السنة أن آزر لم يكن والد إبراهيم عليه السلام وادعوا أنه ليس فى آباء النبى صلّى الله عليه وسلّم كافر أصلالقوله عليه الصلاة والسلام لم أزل أنقل من أصلاب الطاهرين إلى أرحام الطاهرات والمشركون نجس"ترجمہ:اہل سنت کے جم غفیر کا اس پر اعتماد ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نہیں تھے۔اسلئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد میں سے کوئی کافر نہیں تھا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں ہمیشہ پاک مردوں کی پشتوں سے پاک بیبیوں کے پیٹوں میں منتقل ہوتا رہا اور مشرکین ناپاک ہیں۔

(روح المعانی ،سورۃ الانعام،سورت6،آیت74،جلد4،صفحہ184،دار الکتب العلمیۃ ، بیروت)

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں میں فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے والدین مومن تھے "أن آباء الأنبياء ما كانوا كفارا ويدل عليه وجوه منها قوله تعالى ﴿**الذى يراك حين تقوم وتقلبك فى الساجدين**﴾ "ترجمہ: بے شک انبیاء علیہم السلام کے آباء کافر نہیں تھے اور اس پر اللہ عزوجل کا یہ قول دلالت کرتا ہے"جو تمہیں دیکھتا ہے جب تم کھڑے ہوتے ہو اور نمازیوں میں تمہارے دورے کو۔

(تفسیر کبیر،فی تفسیر، سورۃ الانعام ،سورت 6،آیت42،جلد13،صفحہ32،دار إحياء التراث العربی ،بیروت)

صحیح حدیث پاک سے بھی تمام انبیاء علیہم السلام کی ماؤں کی شان ثابت ہے

چنانچہ المعجم الکبیر للطبرانی میں ہے"عن العرباض بن سارية قال سمعت رسول الله

صلى الله عليه وسلم يقول أنا عبد الله، وخاتم النبيين، وإن آدم عليه السلام لمنجدل فى طينته، وسأخبركم عن ذلك دعوة أبى إبراهيم، وبشارة عيسى، ورؤيا أمى التى رأت، وكذلك أمهات النبيين يرون " ترجمہ:حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں اللہ عزوجل کے ہاں اس کا بندہ اور آخری نبی تھا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی تیاری میں تھے۔میں تمہیں یہ خبر دوں کہ میں اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ کا خواب ہوں جو انہوں نے دیکھا جیسا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی مائیں خواب دیکھتی ہیں۔

(المعجم الكبير للطبرانی ،جلد18،صفحہ252،مکتبۃ ابن تیمیۃ ،القاہرۃ)

حافظ صلاح الدین علائی نے اپنی کتاب التعظیم والمنہ میں لکھا ہے " انا ندعی انهما كانا من اول امرهما على الحنفية دين ابراهيم عليه السلام و انهما لم يعبدا صنما قط" بیشک ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ والدین کریمین اپنی ابتدا ہی سے دین ابراہیمی پر تھے اور بے شک ان دونوں نے بت کی کبھی عبادت نہیں کی۔

(التعظیم و المنہ،صفحہ40)

اس طرح کے اور بے شمار دلائل ہیں جن سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کا مومن ہونا ثابت ہوتا ہے۔وہابی حضرات ان تمام دلائل سے نظریں پھیرتے ہوئے ایک حدیث پاک کی بنا پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کو معاذ اللہ کافر جانتے ہیں۔وہ مسلم شریف کی حدیث یہ ہے"حدثنا ابو بكر نا شيبة قال حد ثنا حماد و سلمة عن ثابت عن انس ان رجلا قال يا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم اين ابى قال فى النار قال فلما قفىٰ دعاه فقال ان ابى و اباك فى

الـنـــار" ترجمہ:ہمیں ابوبکر نے روایت کیا،اسے شیبہ نے روایت کیا،اسے حماد اور سلمہ نے روایت نے ثابت سے روایت کیا کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کی میرا (فوت شدہ) والد کہا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آگ (جہنم میں) جب وہ پیٹھ پھیر کر جانے لگا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرا اور تیرا باپ آگ میں ہے۔

(مسلم شریف ،کتاب الایمان،باب بیان أن من مات...،جلد 1،صفحہ191،دار إحياء التراث العربي ،بیروت)

اس حدیث پاک کے محدثین نے کئی جواب دیئے ہیں:

جواب اول: حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں"ان ابی و اباك فی النا ر" ابن سلمہ راوی کی روایت میں ہیں۔لیکن ثابت سے جو معمر راوی نے روایت کی اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔حماد راوی کے بارے محدثین نے کلام کیا ہے اور محدثین کو معمر راوی کے حافظہ میں کسی طرح کا کلام نہیں تو روایت معمر اس روایت مسلم سے زیادہ قوی ثابت اور حدیث مسلم جو بروایت حماد ہے حدیث منکر ہے اور یہ حماد راوی ضعیف ہے جیسا کہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ مسالک الحنفاء میں فرماتے ہیں" الطـريـق التـى رواه مسلم منهـا و قـد خـالـفه معمر عن ثابت فلم يذكر ان ابى و اباك فى النا ر فان معمر اثبـت مـن حـمـاد فـان حـمادا تكلم فى حفظه ووقع فى احاديثه منا كير و اما مـعمر فلم يتكلم فى حفظه و لا استنكر شيئى من حديثه و اتفق على التخريج له الشيخان فكان لفظه اثبت ملخصا۔" مفہوم اوپر گذر چکا ہے۔

جواب دوم: اس حدیث میں "ابی" سے مراد ابوطالب ہیں کہ چچا بھی باپ کہلاتا ہے جیسے حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے چچا آزر کو قرآن میں "اب" فرمایا

گیا حالانکہ ان کے والد تارح ہیں اس طرح اس حدیث میں "ابی" سے مراد ابوطالب ہیں نہ آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ۔لفظ "ابی" صرف باپ کے لئے استعمال نہیں ہوتا ہے۔قرآن اہل عرب پر نازل ہوا اور اہل عرب ہماری طرح چچا، تایا اور دادا کو ابو، نواسوں کو بیٹا کہہ دیتے تھے۔اس کی بے شمار مثالیں قرآن وحدیث سے ملتی ہیں چنانچہ قرآن پاک میں سورۃ کہف میں دو بچوں کے متعلق فرمایا﴿ وَکَانَ تَحْتَهٗ کَنْزٌ لَّهُمَا وَکَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور اس کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ نیک آدمی تھا۔ (سورۃ الکہف،سورت18،آیت82)

جب کہ مذکورہ باپ ان کا حقیقی باپ نہ تھا بلکہ ساتواں دادا تھا چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں ہے"و کان بينهما و بين الاب الذى حفظا به سبعة آباء"

(تفسیر ابن کثیر،فی تفسیر،سورۃ الکہف،سورت18،آیت82،جلد5،صفحہ186،دار طیبۃ)

روزِ حنین جب ارادہ الٰہیہ سے تھوڑی دیر کیلئے کفار نے غلبہ پایا معدود بندے رکاب رسالت میں باقی رہے، اللہ عزوجل کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر شان جلال طاری تھی فرمایا"انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب " ترجمہ: میں نبی ہوں کچھ جھوٹ نہیں، میں ہوں بیٹا عبدالمطلب کا۔

(صحیح البخاری کتاب الجہاد باب من قاد دابة غيره فى الحرب،جلد4،صفحہ30،دار طوق النجاۃ،مصر)

ترمذی شریف کی بسند حسن حدیث پاک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں"عـم الـرجـل صِنوُ اَبِيه" ترجمہ: آدمی کا چچا اس کے باپ کی طرح ہوتا ہے۔

(جامع الترمذی، ابواب المناقب، مناقب ابی الفضل عم النبی صلی الله تعالی علیه وسلم ،

جلد5،صفحہ653،مصطفی البابی،مصر)

دوسری حدیث پاک میں آپ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابو کہا چنانچہ تفسیر کبیر میں ہے"فاما والده فهو تارح والعم قد يسمى بالاب على ماذكرنا ان اولاد يعقوب سموا اسماعيل بكونه ابا يعقوب مع انه كان عما له وقال عليه السلام "ردوا على ابى" يعنى العم العباس" ترجمہ:حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارح تھا اور چچا کو باپ کہہ دیا جاتا ہے۔جیسا ہم نے ذکر کیا کہ اولادِ یعقوب کو اولادِ اسماعیل بھی کہا جاتا ہے حالانکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے چچا تھے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ نے فرمایا مجھ پر میرے باپ کو پیش کرو یعنی چچا عباس کو۔

(تفسير كبير، فى تفسير، سورة الانعام،سورت6،آيت74،جلد13،صفحه33،دار إحياء التراث العربى،بيروت)

المستدرک للحاکم کی صحیح حدیث پاک ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا"انا دعوة ابى ابراهيم" ترجمہ:میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں۔حضرت حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق فرمایا"هذان ابناى" ترجمہ:یہ دونوں میرے بیٹے ہیں۔اسی طرح کی اور بے شمار مثالیں ہے۔جس سے واضح ہوا کہ مذکورہ حدیث میں لفظ''ابی'' سے مراد چچا ہے۔

جواب سوم: یہ حدیث مسلم منسوخ ہے۔شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ میں ہے"والجواب:أنه منسوخ بالآيات والأحاديث الواردة فى أهل الفترة وأراد بأبيه عمه أبا طالب؛ لأن العرب تسمى العم أبا حقيقة، ولأنه رباه والعرب تسمى المربى أبا، أو أنه خبر آحاد فلا يعارض القاطع وهو نص ﴿وَمَا

كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا﴾ ''ترجمہ:اس کا جواب یہ ہے کہ جو آیات واحادیث اہل فترت (جس دور میں کوئی نبی نہ آیا ہو) کے متعلق وارد ہوئی ہیں اس کی روشنی میں یہ حدیث منسوخ ہے۔اور اس میں باپ سے مراد چچا ہے جو کہ ابو طالب ہے۔اس لئے کہ اہل عرب چچا کو حقیقی باپ کہتے ہیں اس لئے کہ وہ اسے پالتا ہے اور عربی پالنے والے کو''ابو'' کہتے ہیں۔مسلم شریف کی یہ حدیث خبر واحد ہے جو دیگر نص قطعی کے برعکس ہے۔قرآن پاک میں ہے:اور ہم عذاب کرنے والے نہیں جب تک رسول نہ بھیج لیں۔

(شرح الزرقانى على المواهب اللدنية بالمنح المحمدية،ذكر وفاة أمه وما يتعلق بأبويه صلى الله عليه وسلم،جلد1،صفحه336،دار الكتب العلمية،بيروت)

بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی تو اللہ عزوجل نے آپ کے والدین کو زندہ فرمادیا اور وہ آپ پر ایمان لائے اور دوبارہ اپنی قبروں میں تشریف لے گئے۔امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند صحیح روایت کیا کہ ایک نوجوان انصاری صحابی تھا جس سے بڑھ کر میں نے کسی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کرنے والا کوئی نہیں دیکھا۔اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کے والدین کا تذکرہ کیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "سألتهما ربى فيعطينى فيهما وإنى لقائم يومئذ المقام المحمود،هذا حديث صحيح" ترجمہ:میں نے ان کے لئے اپنے رب سے جو کچھ طلب کیا تو اس نے ان کے حق میں مجھے عطا فرمایا بے شک میں مقام محمود پر قائم ہوں۔یہ حدیث صحیح ہے۔

(المستدرك على الصحيحين،كتاب التفسير،جلد2،صفحه396،دار الكتب العلمية،بيروت)

گیارہویں شریف

ہر اسلامی مہینے کی گیارہویں تاریخ کو حضور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کی گیارہویں شریف کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں کھانا پکا کر ختم دلا کر حضور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کو ایصال ثواب کیا جاتا ہے۔ ربیع الآخر کی گیارہ تاریخ کو بڑی گیارہویں کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ اس تاریخ کو حضور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کا عرس مبارک ہوتا ہے۔ گیارہویں شریف کی تاریخ بیان کرتے ہوئے علامہ امام یافعی قادری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''گیارھویں شریف کی اصل یہ تھی کہ حضرت غوث صمدانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چالیسویں شریف کا ختم شریف ہمیشہ گیارہ ماہ ربیع الآخر کو کیا کرتے تھے۔ وہ نیاز اتنی مقبول ومرغوب ہوئی کہ اس کے بعد آپ ہر ماہ کی گیارہ تاریخ کو حضور کا ختم شریف دلانے لگے۔ آخر رفتہ رفتہ یہی نیاز خود حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گیارھویں شریف مشہور ہوگئی۔ آج کل لوگ آپ کا عرس مبارک بھی گیارہ تاریخ کو کرتے ہیں۔'' (قدوۃ الناظرہ و خلاصۃ المفاخرہ)

یہ ختم حضور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کیا کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے آپ کے اس صدق وشوق کو قبول فرمایا کہ آپ کے وصال کے بعد گیارہ تاریخ آپ کے عرس مبارک کے لئے مخصوص ہوگئی چنانچہ حضرت محمد بن جیون فرماتے ہیں: ''دیگر مشائخ کا عرس تو سال کے آخر میں ہوتا ہے لیکن غوث الاعظم کی یہ امتیازی شان ہے کہ بزرگان دین نے آپ کا عرس مبارک ہر مہینے کی گیارہ تاریخ کو مقرر فرمادیا ہے۔'' (وجیز القراط، صفحہ 83)

امام المحدثین حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ہم

نے اپنے امام وسردار عارف کامل شیخ عبدالوہاب قادری متقی قدس سرہ کو حضرت غوث اعظم کے یوم عرس (یعنی گیارہویں شریف) کی محافظت و پابندی فرماتے دیکھا ہے۔ علاوہ ازیں ہمارے شہروں میں ہمارے دیگر مشائخ کے نزدیک بھی گیارہویں شریف مشہور و متعارف ہے۔ بے شک ہمارے ملک (ہندوستان) میں آج کل (عرس مبارک غوث پاک یعنی گیارہویں شریف کی) گیارہویں تاریخ مشہور ہے کہ امام عبدالوہاب متقی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے مشائخ بھی اسی تاریخ کو گیارھویں شریف کا ختم دلایا کرتے تھے۔''

(ثبت السنۃ، صفحہ 124تا127)

اسی طرح استاذ المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''حضرت غوث پاک کے روضہ مبارک پر گیارھویں تاریخ کو بادشاہ اور شہر کے اکابر وغیرہ جمع ہوتے نماز عصر کے بعد مغرب تک قرآن شریف کی تلاوت کرتے اور سرکار غوث پاک کی شان میں قصائد اور منقبت پڑھتے، مغرب کے بعد سجادہ نشین درمیان میں تشریف فرما ہوتے اور ان کے آس پاس مریدین حلقہ بنالیتے اور ذکر جہر شروع ہوتا اسی حالت میں بعض پر وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی، اس کے بعد طعام وشیرنی جو نیاز ہوتی تقسیم کی جاتی اور نماز عشاء پڑھ کر لوگ رخصت ہوتے۔

ان مذکورہ روایات سے معلوم ہوا کہ گیارہویں شریف کا اہتمام کرنا ہمارے اسلاف کا طریقہ رہا ہے اور علماء صلحاء نے گیارہویں شریف کے اہتمام کو ہمیشہ محبوب و مرغوب رکھا ہے اور اپنے معتقدین کو بھی فرمایا کہ گیارہویں شریف جیسے محمود و مستحسن فعل پر اپنے اسلاف کی پیروی کریں کہ ارشاد نبوی ہے کہ "ماراہ المؤمنین حسنا فھو عند اللہ حســن" ترجمہ: جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔ اور پھر گیارھویں شریف محبوب و مستحسن کیوں نہ قرار دی جائے کہ اس میں وہ اعمال انجام

دیئے جاتے ہیں جو اللہ عزوجل کے قرب و رضا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی اور حصول خیر و برکت اور حصول اجر وثواب کا ذریعہ ہیں جیسے قرآن و درود شریف و ذکر و بیان وغیرہ۔

المختصر گیارہویں شریف درحقیقت ایصال ثواب ہے اور ایصال ثواب قرآن وحدیث سے ثابت ہے جسے پیچھے دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔ چونکہ گیارہویں شریف کی حضور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ خاص نسبت ہے، جس کی وجہ سے مسلمان اس دن لنگر تقسیم کرتے ہیں۔ اس طرح کسی دن کو خاص وجہ سے مخصوص کر لینا حدیث پاک سے ثابت ہے چنانچہ صحیح مسلم، سنن البیہقی الکبری، شعب الایمان کی حدیث پاک ہے "عن ابن عباس رضى الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قدم المدينة فوجد اليهود صياما يوم عاشوراء فقال لهم رسول الله صلى الله عليه و سلم ما هذا اليوم الذى تصومونه ؟ فقالوا هذا يوم عظيم أنجى الله فيه موسى وقومه وغرق فرعون وقومه فصامه موسى شكرا فنحن نصومه فقال رسول الله صلى الله عليه و سلم فنحن أحق وأولى بموسى منكم فصامه رسول الله صلى الله عليه و سلم وأمر بصيامه " ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ پاک میں تشریف لائے تو وہاں یہودیوں کو دیکھا کہ دس محرم کے دن روزہ رکھتے ہیں۔ سبب پوچھا تو انہوں نے عرض کیا اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو رب تعالیٰ نے فرعون سے نجات دی تھی اور فرعون کو غرق کیا تھا۔ ہم اس کے شکر میں یہ روزہ رکھتے ہیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہم موسیٰ علیہ السلام سے تم سے زیادہ قریب ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بھی روزہ رکھا اور

لوگوں کو عاشورہ کے روزہ کا حکم دیا۔

(شعب الایمان للبیہقی، کتاب الصیام، تخصیص یوم عرفه بالذکر، جلد 5، صفحہ 321، مکتبة الرشد، الریاض)

اسی طرح صفا مروہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نسبت سے آج بھی کیا جاتا ہے، جس پتھر پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ تعمیر کیا آج بھی وہاں طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھی جاتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر پیر کو روزہ رکھتے تھے۔ جب روزہ رکھنے کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا "ذاك يوم ولدت فيه ويوم أنزل علی"، ترجمہ: میں اس دن پیدا ہوا اور اسی دن مجھ پر وحی نازل ہوئی۔

(صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب استحباب صیام ثلاثة، جلد 2، صفحہ 818، دار إحياء التراث العربی، بیروت)

لہٰذا جس دن کوئی نبی یا ولی پیدا ہوا یا دنیا سے پردہ کر گیا، یا کوئی نعمت ملی اس دن کو کوئی محفل کرنا، لنگر پکانا اور تقسیم کرنا سب جائز اور احادیث سے ثابت ہے۔ وہابی حضرات کو گیارہویں شریف سے بہت زیادہ چڑ ہے۔ اسے ناجائز ثابت کرنے کے لئے ایڑھی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔ دلیل وہی پرانی کہ صحابہ کرام سے یہ ثابت نہیں۔ ان سے پوچھا جائے کہ قرآن وحدیث میں کہاں آیا ہے کہ گیارہویں منانا ناجائز ہے؟ اگر نہیں آیا تو اسے ناجائز کہنا کیسا ہے؟ کیا یہ اس آیت کے خلاف نہیں ﴿وَلاَ تَقُولُواْ لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَـذَا حَلاَلٌ وَهَـذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُواْ عَلَى اللّهِ الْكَذِبَ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللّهِ الْكَذِبَ لاَ يُفْلِحُونَ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور نہ کہو اسے جو تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا۔ (سورۃ النحل، سورت 16، آیت 116)

ایک وہابی پروفیسر محمد اکرم نسیم صاحب گیارہویں شریف کو ناجائز ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''نذروں اور نیازوں میں گیارہویں کی نیاز سب سے زیادہ مقبول ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ عبدالقادر جیلانی کا مقام اور اختیارات مسلمان مشرکوں کی نظر میں اللہ تعالیٰ کے برابر ہی ہیں۔۔حقیقت یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں میں گیارہویں کا نہ کوئی وجہ ہے نہ ثبوت ہے۔ یہ دراصل کفار کی سنت ہے۔امام سیوطی اپنی معروف کتاب تاریخ الخلفاء میں گیارہویں کی حقیقت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ جب حضرت عمرو بن العاص نے مصر کو فتح کیا اور شہر میں داخل ہوئے تو وہاں کے لوگوں نے آپ کے پاس آ کر عرض کی کہ سیرابی کے لئے دریائے نیل کا ایک طریقہ مقرر ہے جس کے بغیر وہ نہیں چلتا۔عمرو بن العاص نے پوچھا کیا رسم ہے؟ انہوں نے کہا ہر چاند کی گیارہویں تاریخ کو ایک جوان باکرہ لڑکی کو دلہن بنا کر خوب صورت پوشاک اور زیورات پہنا کر اس کے والدین کی رضامندی حاصل کرنے کے بعد دریائے نیل میں غرق کردیتے ہیں۔۔۔''

(تفہیم توحید، صفحہ 138، توحید اکیڈمی، لاہور)

جس انداز سے پروفیسر صاحب نے گیارہویں کو ناجائز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے بہت مضحکہ خیز ہے۔ پروفیسر صاحب کبھی اکیلے بیٹھ کر بھی اس بات کو پڑھیں گے تو اگر شرم ہوگی تو ضرور محسوس کریں گے۔ پہلے تو پروفیسر صاحب نے جھوٹ و بہتان کی انتہا کردی کہ مسلمان غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ عزوجل کے برابر سمجھتے ہیں جو کہ بہت بڑا بہتان ہے۔ دوسرا یہ کہ کیا کافروں کی اس بیہودہ رسم کی وجہ سے گیارہویں کو ناجائز ثابت کیا جاسکتا ہے؟ اس میں کفار کی کونسی مشابہت پائی جارہی ہے؟ مسلمان گیارہویں تاریخ کو لڑکیاں دریاؤں میں ڈالتے ہیں یا صدقہ وخیرات کرتے ہیں؟ کفار گیارہویں رات کو لڑکی دریا میں ڈالتے تھے جیسا کہ تاریخ الخلفاء میں ہے "قالوا إذا كان إحدى عشرة ليلة"

جبکہ پروفیسر صاحب نے اس سے پوری گیارہویں تاریخ دن سمیت کو ناجائز ثابت کردیا ہے۔ جس تاریخ کو پروفیسر صاحب پیدا ہوئے اگر یہی تاریخ ابوجہل کی تاریخ پیدائش ہو تو کیا اس وجہ سے پروفیسر صاحب کو گمراہ کہہ سکتے ہیں؟ گیارہویں حضور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے اور حضور غوث پاک حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور سے کئی سالوں بعد آئے تھے۔ اگر پروفیسر صاحب کے نزدیک گیارہویں کے ناجائز ہونے کی یہ وجہ ہے کہ اس دن کفار یہ عمل کرتے تھے تو اسی گیارہویں تاریخ کو جو دیگر واقعات رونما ہوئے وہ پیش خدمت ہیں۔

درمنثور میں لیلۃ القدر کے متعلق ایک روایت ہے کہ وہ رمضان کی گیارہویں رات ہے۔"وأخرج ابن مردويه عن أنس بن مالك عن نبي الله صلى الله عليه و سلم قال التمسوا ليلة القدر في أول ليلة من رمضان وفي تسعة وفي إحدى عشرة وفي أحدى وعشرين وفي آخر ليلة من رمضان" مسند ابویعلی کی حدیث پاک ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور شریف گیارہویں تاریخ کو نازل ہوئی "وأنزل الزبور على داود في إحدى عشرة ليلة" اسی طرح بیسیوں ایسے واقعات ثابت کئے جاسکتے ہیں جو گیارہویں تاریخ کو ہوئے۔

لہٰذا گیارہویں شریف کو ناجائز و بدعت کہنا جہالت و بے دینی ہے۔ وہابی حضرات گیارہویں اور اس کے کھانے کو تو بغیر دلیل ناجائز کہتے ہیں اور اسے مثل سوئر بھی کہہ دیتے ہیں۔ لیکن وہابیہ کے نزدیک کچھوا کھانا جائز ہے اور جائز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں اسے حرام نہیں فرمایا گیا چنانچہ فتاوی ثنائیہ میں سوال کیا گیا'' کچھوا کوکرا اور گھونگا حرام ہیں یا حلال؟ از روئے قرآن وحدیث جواب ہو۔

(سائل: امیر میاں مظفر پور)

جواب میں مولوی ثناء اللہ صاحب لکھتے ہیں: ''قرآن وحدیث میں جو چیزیں حرام ہیں ان میں یہ تینوں نہیں اور حدیث شریف میں آیا ہے " ذرونی ماترکتم" جب تک شرع تم کو بند نہ کرے تم سوال نہ کیا کرو۔ ان تینوں سے شرع شریف نے بند نہیں کیا لہذا حلال ہیں۔ (فتاوی ثنائیہ، جلد 1، صفحہ 557، 598، مطبوعہ بمبئی)

وہابیوں سے گذارش ہے کہ کبھی کچھوا کھا بھی لیا کریں کہ آپ کے لئے تو یہ خالص حلال ہے جو کبھی حرام ہوا ہی نہیں کیونکہ باقی حلال چیزوں پر جب ختم پڑھا جائے تو وہ آپ کی شریعت میں حرام ہو جاتی ہیں، لیکن کبھی سنیوں نے کچھوے پر ختم نہیں پڑھا، لہذا جہاں آپ نے کوے کھانے کو اس لئے مستحب کہہ دیا تھا کہ لوگ اسکو حرام سمجھتے ہوئے چھوڑ رہے ہیں اس لئے کوے کھائیں جائیں، اب آپ کچھوے کھانے کی اسکیم چلائیں۔ جو غوث پاک کی گیارہویں اور ختم کے کھانوں سے بُغض رکھے اس کے کھانے کے لئے کچھوا اور کوا ہی ہے۔

جب وہابیوں کے نزدیک کچھوا کھانا حلال ہے اور دلیل یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں ممانعت نہیں تو وہابی حضرات یہ تو بتائیں کہ قرآن وحدیث میں کہاں لکھا ہے کہ گیارہویں شریف ناجائز ہے؟ اسی طرح وہابی اسکالر ذاکر نائیک بھی مزاروں پر جانا، ختم، گیارہویں، تبرک وغیرہ کو ناجائز کہتا ہے۔ ایک جلسہ میں کسی نے کہا آپ پینٹ کوٹ کیوں پہنتے ہیں، یہ اسلامی لباس نہیں، انگریزوں کا لباس ہے اور یہ ان سے مشابہت ہے؟ اس کے جواب میں کہتا ہے: ''قرآن وحدیث میں اس کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔'' واہ کیا بات ہے جو کام اہل سنت کریں اس پر صاف دلیل لائیں ورنہ ناجائز اور جو وہابی

حضرات کریں وہ صرف اس وجہ سے جائز کہ ممانعت نہیں آئی۔

وہابی خود کو اہل حدیث کہتے ہیں یعنی یہ دعوی کرتے ہیں کہ ہم ہر کام حدیث کے مطابق کرتے ہیں اور حال یہ ہے کہ کئی جائز کاموں کو بغیر دلیل کے تکّے مار کر ناجائز وحرام ٹھہراتے ہیں۔ اپنے فرقوں کے اچھے اچھے نام رکھنے سے کچھ نہیں ہوتا جب عقیدہ ہی درست نہ ہو۔ سنن ابوداؤد میں ہے "عن انس و ابی سعید قال رسول الله علیه وآله وسلم انه سیکون فی امتی اختلاف و فرقة قوم یحسنون القول و یسیّؤن العمل" ترجمہ: حضرت انس وابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یقیناً میری امت میں اختلاف اور فرقہ بازی ہوگی ایسے لوگ ہونگے جن کی باتیں اچھی ہوں گی اور اعمال بُرے ہوں گے۔

(سنن ابو داؤد، کتاب السنة، باب فی قتال الخوارج، جلد4، صفحہ243، المکتبة العصریة، بیروت)

ربیع الاول کو ربیع النور اور ربیع الآخر کو ربیع الغوث کہنا

اہل سنت والے ربیع الاول کو ربیع النور کہہ دیتے ہیں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے سبب اور ربیع الثانی کو ربیع الغوث کہہ دیتے ہیں حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عرس کی نسبت سے۔ اس طرح کرنا بالکل جائز ہے کہ یہ نسبتوں کی وجہ سے نام کے ساتھ اضافہ کرنا ہے۔ تو جس طرح محرم کے ساتھ الحرام، شوال کے ساتھ مکرم وغیرہ بسبب نسبت جائز ہے حالانکہ حقیقت میں محرم کے ساتھ الحرام نہیں ہے، اسی طرح یہ بھی جائز ہے۔ اس طرح نسبت کے سبب کوئی نیا نام دینے کی احادیث واسلاف سے اجازت ہے۔ بخاری شریف کی ایک حدیث پاک ہے جس میں ظہر کی نماز کو دوپہر کی نماز، پہلی نماز اور عشاء کو عتمہ اور فجر کی نماز کو صبح کی نماز کہا گیا ہے چنانچہ بخاری شریف میں ہے "عــــن

سیار بن سلامة قال دخلت أنا وأبی علی أبی برزة الأسلمی فقال له أبی کیف کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یصلی المکتوبة فقال کان یصلی الهجیر التی تدعونها الأولی حین تدحض الشمس ویصلی العصر ثم یرجع أحدنا إلی رحله فی أقصی المدینة والشمس حیة ونسیت ما قال فی المغرب وکان یستحب أن یؤخر العشاء التی تدعونها العتمة وکان یکره النوم قبلها والحدیث بعدها وکان ینفتل من صلاة الغداة حین یعرف الرجل جلیسه ویقرأ بالستین إلی المائة" ترجمہ:حضرت سیارابن سلامہ سے روایت ہے کہ میں اور میرے والدحضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے تو میرے باپ نے ان سے کہا ہمیں بتائیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرض نماز کیسے پڑھا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا دوپہر کی نماز جسے تم پہلی نماز کہتے ہو اس وقت پڑھتے تھے جس وقت سورج ڈھل جاتا اور عصر کی نماز پڑھتے پھر ہم سے کوئی شخص مدینہ منورہ کی دوسری طرف اپنے گھر جاتا تو سورج زندہ ہوتا۔(یعنی غروب نہ ہوتا) میں یہ بھول گیا کہ مغرب کے متعلق ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا کہا۔(ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں) آپ کو یہ پسند تھا کہ عشاء کی نماز جسے تم عتمہ کہتے ہو تاخیر سے پڑھیں۔کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عشا کی نماز سے پہلے سونا اور اس کے بعد فضول باتیں کرنا اچھا نہ جانتے تھے اور صبح کی نماز سے اس وقت پھرتے جبکہ ہم سے کوئی اپنے ساتھی کو پہچان لیتا اس میں ساٹھ سے سو تک آیات پڑھا کرتے تھے۔

(بخاری،کتاب مواقیت الصلوٰة،باب وقت العصر،جلد1،صفحہ114،دار طوق النجاة،مصر)

عشاء کو عتمہ کہا گیا ہے حالانکہ عشاء کا لفظ صراحتاً قرآن میں آیا ہے ﴿ وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ﴾ ترجمہ کنزالایمان:اور نماز عشاء کے بعد۔ (سورة النور، سورت24،آیت 58)

لہذا جس چیز کا نام قرآن میں ذکر ہوا ہے اسے اس کے علاوہ کے ساتھ پکارنا

جائز ہے تو ربیع الاول کو ربیع النور اور ربیع الآخر کو ربیع الغوث کہنا بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔شارح بخاری امام ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں"وتسمیتها فی کتاب الله بالعشاء لا یدل علی کراهة تسمیتها بغیره، کما أن الله تعالی سمی صلاة الصبح صلاة الفجر، ولا یکره تسمیتها صلاة الصبح" ترجمہ:قرآن پاک میں لفظ عشاء کے مذکور ہونے کو علاوہ عشاء کے نام پر مکروہ ہونے پر دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔جیسے کہ اللہ عزوجل نے صبح کی نماز کو صلاة الفجر کہا اور صلوٰة الفجر کو صلوٰة الصبح کہنا مکروہ نہیں ہے۔

(فتح الباری لابن رجب،کتاب مواقیت الصلوٰة،باب ذکر العشاء والعتمة، ومن رآه واسعا، جلد4،صفحہ365،مکتبة الغرباء الأثریة،المدینة النبویة)

لہٰذا ربیع النور اور ربیع الغوث کہنا ربیع الاول اور ربیع الآخر کو ختم کرنا نہیں ہے بلکہ نسبت کی وجہ سے ایک اور نام رکھنا ہے۔نسبتوں ہی کی وجہ سے قرآنی سورتوں کے کئی نام ہیں جیسے سورة الفاتحہ کو ام القرآن، فاتحۃ الکتاب، سورة الکنز، شفا، سورة الدعا، سورة المناجاة، سورة الصلوٰة وغیرہ کہتے ہیں۔کئی نام سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکھے اور کئی بزرگانِ دین نے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورة فاتحہ کا نام"اساس القرآن رکھا"حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا نام واقعہ اور حضرت یحییٰ بن ابی کثیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا نام کافیہ رکھا چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں ہے" وروی الشعبی عن ابن عباس أنه سماها أساس القرآن، قال فأساسها بسم الله الرحمن الرحیم، وسماها سفیان بن عیینة الواقیة وسماها یحیی بن أبی کثیر الکافیة۔۔" مفہوم اوپر گزر گیا۔ (تفسیر ابن کثیر،جلد1،صفحہ101،دار طیبة)

ان تمام دلائل کے علاوہ ایک ہی دلیل جائز ہونے کے لئے کافی ہے کہ ربیع النور اور ربیع الغوث کہنے کی قرآن و حدیث میں کہیں ممانعت نہیں۔جو اسکو ناجائز کہتا ہے وہ

دلیل لائے۔قرآن میں صرف اتنا منع کیا ہے کہ مہینوں کو آگے پیچھے نہ کرو کہ اس سے بہت سے فرائض ومحرمات میں فرق آتا ہے۔

رجب کے کونڈے

کونڈوں کی نیاز جو کہ 15یا22 رجب میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے ایصال ثواب کیلئے کی جاتی ہے نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحسن ہے۔کیونکہ یہ ایک ایصالِ ثواب ہے اور ایصال ثواب کا ثبوت قرآن وحدیث میں موجود ہے۔ہاں اس میں بعض لوگوں نے اُسی جگہ کھانے کی پابندی لگا رکھی ہے یہ بے جا اور غلط پابندی ہے جیسے گھر سے باہر کھانا نہ بھیجا جائے وغیرہ۔صدر الشریعہ بدر الطریقہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:''اسی طرح ماہ رجب میں بعض جگہ حضرت سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ تعالی عنہ کو ایصال ثواب کے لئے پوڑیوں کے کونڈے بھرے جاتے ہیں یہ بھی جائز ہیں مگر اس میں بھی اسی جگہ کھانے کی بعضوں نے پابندی کر رکھی ہے یہ بے جا پابندی ہے اس کونڈے کے متعلق ایک کتاب بھی ہے جس کا نام داستان عجیب ہے، اس موقع پر بعض لوگ اس کو پڑھاتے ہیں اس میں جو کچھ لکھا ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں وہ نہ پڑھی جائے فاتحہ دلا کر ایصال ثواب کریں۔''

(بہار شریعت ،جلد2،حصہ 16،صفحہ151، ضیاء القرآن،لاہور)

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ رجب کے کونڈوں پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:''رجب کے مہینہ میں 22 تاریخ کو کونڈوں کی رسم بہت اچھی اور برکت والی ہے۔''اس سے پہلے آپ ارشاد فرماتے ہیں:''اس مہینہ کی 22 تاریخ کو یو۔پی میں کونڈے ہوتے ہیں یعنی نئے کونڈے ہوتے ہیں یعنی نئے کونڈے منگائے جاتے ہیں اور سوا پاؤ میدہ، سوا پاؤ شکر، سوا پاؤ گھی کی پوریاں بنا کر حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کی فاتحہ کرتے ہیں۔اس رسم میں صرف دو خرابیاں پیدا کر دی گئی ہیں۔ایک تو یہ کہ فاتحہ دلانے والوں کا عقیدہ ہو گیا ہے کہ اگر فاتحہ کے اول لکڑی والے کا قصہ نہ پڑھا جائے تو فاتحہ نہ ہوگی اور یہ پوریاں گھر سے باہر نہیں جا سکتیں اور بغیر کونڈے کے یہ فاتحہ نہیں ہو سکتی۔یہ سارے خیال غلط ہیں۔''

(اسلامی زندگی،صفحہ55،52،قادری پبلیشرز،لاہور)

بعض لوگ اس سے منع کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے تو شیعوں نے اس کا جشن اس طرح منایا تھا کہ کونڈوں میں کھانے رات کو ایک دوسرے کے گھر بھیجے تھے۔حالانکہ شیعوں کی کتب میں ایسا کچھ نہیں لکھ ہے بلکہ وہ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے ایصالِ ثواب کے لئے کرتے ہیں۔ہاں بعض متعصب قسم کے شیعوں نے یہ لکھا ہے کہ امام جعفر صادق کے ساتھ ساتھ حضرت امیر معاویہ کی وفات کی خوشی کی بھی نیت کر لی جائے تو بہتر ہے۔بہرحال ہمارے یہاں اہل سنت والے جو رجب کے کونڈوں کا اہتمام کرتے ہیں وہ قطعاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے جشن میں نہیں کرتے بلکہ وہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایصال ثواب کے لئے کرتے ہیں، جس میں کوئی حرج نہیں اور نہ یہ شیعوں سے مشابہت ہے۔

شبِ معراج

ستائیس رجب کو ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ عزوجل نے جسمانی معراج سے نوازا۔مسلمان اس دن مساجد کو سجاتے، محافل کا انعقاد کرتے ہیں، جس میں آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ واقعات بیان کئے جاتے ہیں جو معراج شریف میں پیش آئے۔یہ سب افعال شرعاً بہت اچھے ہیں۔معراج کی رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کا کئی ارواح سے ملنا، دیکھنا اور انکی آواز سننا ثابت ہے۔البتہ کئی جاہل لوگ اس میں جھوٹی اور کفریہ روایتیں بیان کرتے ہیں بعض کہتے ہیں اللہ عزوجل نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پردے میں ہاتھ کے ساتھ سلام کیا تھا اور وہ ہاتھ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تھا۔بعض کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رب تعالیٰ کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکل میں دیکھا تھا۔یہ سب کہنا کفر ہے۔اللہ تعالیٰ کے لئے ہاتھ، پاؤں، شکل، جسم ثابت کرنا کفر ہے اللہ عزوجل جسم سے پاک ہے چنانچہ امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:''اللہ تعالیٰ کے لئے جسم کا قائل کافر ہے۔''

(فتاوی رضویہ، جلد14،صفحہ250،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رب تعالیٰ سے ملاقات اوپر آسمانوں میں ہوئی تھی، یہی وجہ ہے کہ رب تعالیٰ کو اوپر والا کہا جاتا ہے جبکہ یہ بھی کفر ہے ،رب تعالیٰ لامکاں ہے۔ زمین و آسماں سے پہلے بھی وہ لامکاں تھا اب بھی لامکاں ہے،کوئی چیز اس کا احاطہ نہیں کرسکتی جیسے ایک شخص ایک کمرے میں ہے تو اس کمرے نے اس کا احاطہ کرلیا رب تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ کوئی اس کا احاطہ کرے۔وہ ذات ہماری ناقص عقل سے بالاتر ہے ہماری عقل بھی اس ذات کا احاطہ نہیں کرسکتی ،اس ذات میں غوروفکر کرنے کی ممانعت ہے۔لہٰذا یہ کہنا درست نہیں کہ رب تعالیٰ اوپر ہے۔علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں"ولا یتمکن فی مکان ولا یجری علیہ زمان " ترجمہ:نہ وہ کسی مکان میں ہے اور نہ ہی اس پر زمانے وغیرہ جاری ہوتے ہیں۔ (شرح العقائد النسفیہ،صفحہ54-55،مکتبہ رحمانیہ،لاہور)

یہ بھی کہنا کفر ہے کہ رب تعالیٰ ہر جگہ ہے۔یہ عقیدہ رکھا جائے کہ وہ ذات واجب الوجود ہے،اپنی ذات کے ساتھ نہیں بلکہ اپنے علم وقدرت کے ساتھ ہر جگہ ہے،ہماری شہ

رگ سے بھی نزدیک ہے، ہر چیز اس کی قدرت میں ہے۔مزید معلومات کے لئے امیر اہلسنت مولانا الیاس عطار قادری دامت برکاتہم العالیہ کی کتاب ''کفریات کے بارے میں سوال وجواب'' کا مطالعہ کریں۔

اسی طرح معراج شریف کی محافل میں اور بے سند روایات بیان کردی جاتی ہیں اس سے اجتناب چاہئے۔ستائیس رجب کی رات عبادت اور صبح کو روزہ رکھا جاتا ہے جس کی بہت فضیلت حدیث میں آئی ہے چنانچہ شعب الایمان للبیہقی کی ایک حدیث پاک ہے

"عن سلمان الفارسی قال قال رسول الله صلی الله علیه و سلم فی رجب یوم و لیلة من صام ذلك الیوم و قام تلك اللیلة كان كمن صام من الدهر مائة سنة و هو لثلاث بقین من رجب و فیه بعث الله محمدا صلی الله علیه و سلم "

ترجمہ:حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا رجب میں ایک دن اور ایک رات ہے جو اس دن روزہ رکھے اور رات کو عبادت کرے تو گویا اس نے سو سال کے روزہ رکھے اور یہ رجب کی ستائیس تاریخ ہے۔اسی دن محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ عزوجل نے مبعوث فرمایا۔

(شعب الایمان للبیہقی ،کتاب الصیام،تخصیص شھر رجب بالذکر،جلد5،صفحہ345،مکتبة الرشد ،الریاض)

شب براءت

براءت کا مطلب ہے نجات، چھٹکارا۔اس رات چونکہ گناہگاروں کی بخشش ہوتی ہے اسے لئے اسے شب براءت کہا جاتا ہے۔شب براءت میں مسلمان عبادات کرتے ہیں،مساجد کو سجاتے ،کھانا پکا کر خصوصا حلوہ تقسیم کیا جاتا ہے،اپنے فوت ہوئے عزیزوں کو ایصال ثواب کیا جاتا ہے،مساجد میں محافل کا انعقاد ہوتا ہے،نعت خوانی و بیانات ہوتے

ہیں،مغرب کے بعد چھ نوافل پڑھے جاتے ہیں، اگلے دن روزہ رکھا جاتا ہے۔ یہ سب افعال جائز ومستحب ہیں۔ وہابی حضرات شب معراج اورشب براءت میں ہونے والے مذکورہ افعال کو بدعت کہتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ ایسا کرنا ثابت نہیں۔جبکہ شبِ برأت کا مبارک، بابرکت ہونا اور اس رات عبادت کرنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے ﴿اِنَّـا اَنْـزَلْـنٰـهُ فِـىْ لَيْلَةٍ مُّبٰـرَكَةٍ اِنَّـا كُنَّـا مُـنْـذِرِيْنَ ﴾ ترجمہ کنزالایمان: بیشک ہم نے اسے برکت والی رات میں اتارا بیشک ہم ڈر سنانے والے ہیں۔ (سورة الدخان،سورت44، آیت3)

اس آیت کریمہ کے تحت حضرت علامہ ابوالفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک روایت نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں " قال عکرمہ و جماعة : هى ليلة النصف من شعبان و تسمى ليلة الرحمة و الليلة المباركة و ليلة الصك و ليلة البراء ة" یعنی حضرت عکرمہ اور ایک جماعت رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا کہ یہ پندرہ شعبان کی رات ہے اس کو لیلۃ الرحمۃ (رحمت والی شب) اور لیلۃ المبارکہ (برکت والی شب) اور لیلۃ الصک (یعنی آئندہ کے احکام تحریر کرنے کی شب) اور شب براءت (یعنی چھٹکارا پانے کی رات) کہا جاتا ہے۔

(روح المعانی ،فی التفسیر،سورة الدخان،سورت44،آیت3،جلد25،صفحہ110،دار إحياء التراث العربی ،بیروت)

امام بخاری کے استاد محترم امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ مصنف عبدالرزاق میں روایت کرتے ہیں "إن أجر ليلة النصف من شعبان مثل اجر ليلة القدر"،ترجمہ: شعبان کی پندرہویں شب کی فضیلت لیلۃ القدر کی فضیلت کی طرح ہے۔

(مصنف ،کتاب الصیام ،باب النصف من شعبان،جلد4،صفحہ317،المکتب الإسلامی ،بیروت)

شعب الایمان اور ابن ماجہ کی حدیث پاک میں ہے "عن علی بن ابی طالب قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم اذاكانت ليلة النصف من شعبان فقوموا ليلها و صوموا نهارها فان الله ينزل فيها لغروب الشمس الى السماء الدنيا فيقول الا من مستغفرلى فاغفرله الا مسترزق فارزقه الا مبتلى فاعافيه الا كذا لا كذا حتى يطلع الفجر" ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب پندرہ شعبان کی رات آئے تو اس میں قیام (یعنی عبادت) کرو اور دن میں روزہ رکھو۔ بے شک اللہ تعالیٰ غروبِ آفتاب سے آسمان دنیا پر خاص تجلی فرماتا اور کہتا ہے ، ہے کوئی مجھ سے مغفرت طلب کرنے والا کہ اسے بخش دوں، ہے کوئی روزی طلب کرنے والا کہ اسے روزی دوں، ہے کوئی مصیبت زدہ کہ اسے عافیت عطا کروں، ہے کوئی ایسا، ہے کوئی ایسا،اور یہ اس وقت تک فرماتا ہے کہ فجر طلوع ہو جائے۔

(سنن ابن ماجه ،كتاب الصوم، باب ماجاء في اليلة النصف من شعبان،جلد 1،صفحه444، دار إحياء الكتب العربية)

ترمذی اور ابن ماجہ کی حدیث پاک میں ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "عن عائشة قالت فقدت النبى صلى الله عليه و سلم ذات ليلة فخرجت أطلبه فإذا هو بالبقيع رافع رأسه إلى السماء فقال(يا عائشة أكنت تخافين أن يحيف الله عليك ورسوله ؟) قالت قد قلت وما بى ذلك ولكنى ظننت أنك أتيت بعض نسائك فقال (إن الله تعالى ينزل ليلة النصف من شعبان إلى السماء الدنيا فيغفر لأكثر من عدد شعر غنم كلب" ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پندرہویں شعبان کو میرے پاس

موجود نہ تھے میں انہیں ڈھونڈنے کے لئے نکلی تو آپ جنت البقیع میں تھے۔آپ علیہ السلام نے اپنا سرمبارک آسمان کی طرف اٹھایا تو فرمایا اے عائشہ! کیا تجھے اس بات کا خوف ہے کہ اللہ عزوجل اور اسکا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیرے ساتھ ناانصافی کریں گے؟ عرض کیا جو آپ کہہ رہے ہیں میرا ایسا ذہن نہیں بلکہ میں نے یہ گمان کیا کہ آپ کسی دوسری بیوی کہ پاس نہ چلے گئے ہوں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرویں شب کو آسمان دنیا پر تجلی فرماتا ہے اور بنوکلب کی بکریوں کے بال برابر لوگوں کی مغفرت فرماتا ہے۔

(سنن ابن ماجه ،كتاب الصوم، باب ماجاء في الليلة النصف من شعبان،جلد1،صفحه444، دار إحياء الكتب العربية)

صحیح ابن حبان کی حدیث پاک ہے "عن معاذ بن جبل عن النبی صلی الله علیه و سلم قال(یطلع الله إلى خلقه فی لیلة النصف من شعبان فیغفر لجمیع خلقه إلا لمشرك أو مشاحن)قال شعیب الأرنؤوط حدیث صحیح بشواهده"
ترجمہ:حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل پندرہویں شعبان کو اپنی مخلوق پر نظر رحمت فرماتا ہے اور سب کی مغفرت فرمادیتا سوائے مشرک اور بہت سخت دشمنی کرنے والے کے۔حضرت شعیب ارنؤوط نے فرمایا یہ حدیث اپنے شواہد کے ساتھ صحیح ہے۔

(صحيح ابن حبان، كتاب الحظر والاباحت،باب ما جاء في التباغض،جلد 12،481،مؤسسة الرسالة،بيروت)

اس رات دعا کا قبول ہونا احادیث سے ثابت ہے۔شعب الایمان للبیہقی میں ہے"عن ابن عمر قال خمس لیال لا یرد فیهن الدعاء لیلة الجمعة ، وأول لیلة

من رجب ، ولیلة النصف من شعبان ، ولیلة العید ولیلة النحر "ترجمہ:حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں پانچ راتوں میں دعا رَد نہیں کی جاتی جُمُعَہ کی رات، رجب کی پہلی رات، شعبان کی پندرہویں رات (یعنی شب براءت)، عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی رات۔

(شعب الايمان للبيهقي ،كتاب الصيام ،التماس ليلة القدر--،جلد5،صفحه228،مكتبة الرشد،الرياض)

سنن البیہقی الکبری میں ہے"قال الشافعی وبلغنا أنه کان یقال إن الدعاء یستجاب فی خمس لیال فی لیلة الجمعة ، ولیلة الأضحی ، ولیلة الفطر ، وأول لیلة من رجب ، ولیلة النصف من شعبان "ترجمہ:امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ پانچ راتوں میں دعا قبول ہوتی ہے۔جُمُعَہ کی رات، عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی رات، رجب کی پہلی رات اور پندرہویں شعبان کی رات۔

(سنن البيهقي الكبرى ،كتاب صلوٰة العيدين،باب عبادة ليلة العيدين، جلد3،صفحه445،دار الكتب العلمية، بيروت)

اس رات آئندہ سال ہونے والے کاموں کو فرشتوں کے سپرد کردیا جاتا ہے۔الترغیب والترہیب اور احیاء العلوم میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں"قال عطاء بن یسار إذا کانت لیلة النصف من شعبان دفع إلى ملك الموت صحیفة فیقال اقبض فی هذه السنة من فی هذه الصحیفة، قال فإن العبد لیغرس الغراس وینکح الأزواج ویبنی البنیان وإن اسمه فی تلك الصحیفة وهو لا یدری ،وقال الحسن ما من یوم إلا وملك الیوم یتصفح کل بیت ثلاث مرات فمن وجده منهم قد استوفى رزقه وانقضى أجله قبض روحه" ترجمہ:حضرت عطاء بن یسار رحمۃ

اللہ علیہ نے فرمایا جب شب براءت آتی ہے تو ملک الموت علیہ السلام کی طرف ایک صحیفہ بھیج دیا جاتا ہے جس میں اس نے اس سال جس کی روح قبض کرنا ہوتی ہے اس کا نام لکھا ہوتا ہے۔فرمایا بندہ کسی چیز کو گاڑھ رہا ہوتا، شادی کررہا ہوتا ہے، مکان بنا رہا ہوتا اور اس کا نام مرنے والوں کی فہرست میں شامل ہوتا ہے جسے وہ نہیں جانتا۔حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ملک الموت علیہ السلام ہر دن ہر گھر کا تین مرتبہ چکر لگاتا ہے اور جس گھر میں ایسے فرد کو پاتا ہے جس کا رزق اور زندگی کا وقت پورا ہو چکا ہوتا ہے تو اس کی روح قبض کر لیتا ہے۔ (إحياء علوم الدين، جلد4، صفحه468، دار المعرفة، بيروت)

کنز العمال میں ہے" عن راشد بن سعد أن النبی صلی الله علیه و سلم قال فی لیلة النصف من شعبان یوحی الله إلی ملك الموت بقبض كل نفس يريد قبضها في تلك السنة" ترجمہ: حضرت راشد بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا شعبان کی پندرہویں شب کو اللہ عزوجل ملک الموت علیہ السلام کی طرف وحی بھیجتا ہے جس کی اس سال روح قبض کرنا ہوتی ہے۔

(كنز العمال، كتاب الفضائل، ليلة النصف من شعبان، جلد 12، صفحه 561، مؤسسة الرسالة، بيروت)

شب براءت میں عبادت کرنے اور صبح روزہ رکھنے کے متعلق احادیث درج ذیل کتب حدیث میں مذکور ہیں:۔مصنف ابن ابی شیبہ، السنن الکبری للبیہقی، مصنف عبدالرزاق، المعجم الکبیر للطبرانی، المعجم الاوسط للطبرانی، صحیح ابن حبان، مسند عبد بن حمید، جامع الأصول من أحادیث الرسول، جامع ترمذی، مسند البزار، مسند احمد بن حنبل۔وغیرہ۔ان تمام احادیث سے واضح طور پر شب براءت عبادت کرنے اور دن کو روزہ رکھنے کا مستحب ہونا ثابت ہوتا ہے۔

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ شب براءت کے متعلق حدیث پاک کو نقل کرنے کے بعد اس رات میں رائج حلوہ پکا کر بانٹنے پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:''اس سے ثابت ہوا کہ نیکیوں کی کثرت اور مردوں کو ثواب پہنچانا اس شب میں سنت ہے۔اطعام طعام بھی نیکی ہے۔اور طعام میں جو لذیذ تر ہو اس کا خرچ کرنا اور بہتر۔مسلمان حلوے کو بہت نفیس غذا سمجھ کر خرچ کرتے ہیں۔وہ اس کا اجر پائیں گے۔اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ (تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک راہِ خدا میں اپنی پیاری چیز نہ خرچ کرو) تفسیر مدارک میں ہے " وعن عمر ابن ابن العزیز انه كان یشتری اعدال السكر و یتصدق بها فقیل له لما تتصدق بثمنها قال لان السكر احب الی فاردت ان انفق مما احب" حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ شکر کی بوریاں خرید کر صدقہ فرمایا کرتے تھے۔ان سے کہا گیا کہ آپ اس کی قیمت صدقہ کیوں نہیں کر دیتے؟ فرمایا کہ شکر مجھے پسند ہے، تو میں چاہتا ہوں کہ وہی چیز خرچ کروں جو مجھے پسند ہے۔

ثابت ہوا کہ شے مرغوب ومحبوب کا خرچ کرنا اس آیت کی تعمیل ہے۔حلوہ مسلمانوں کو مرغوب ومحبوب ہے اس کو اللہ کے لئے خرچ کرتے ہیں۔تو اس آیت کا مصداق ہیں اور اللہ سے اجر پائیں گے۔جو اس کو حرام کہتا ہے وہ گمراہ ہے کہ اللہ عزوجل کی حلال کی ہوئی چیز کو محض اپنی رائے سے حرام کہتا ہے اور شریعت میں اپنی رائے کو دخل دیتا ہے اور احکام الٰہی کو بدلتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا إِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ﴾ ترجمہ: اے ایمان والو حرام نہ کرو ان پاک چیزوں کو جنہیں اللہ نے تمہارے لئے حلال کیا اور حد سے نہ

گذرو۔اللہ تعالیٰ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ کے ملفوظات میں ہے "بــــازازا بتد ائے کرامت شب برأت فرمود که در شب پانز دهم شعبان بعد عشاء قریب سنه وصال نجانه آمده بود که ناگاه جبرئیل آمد و گفت آن روز شب مبارك و تقسیم برأت یکساله است برخیز دبرائے مردگان مدفون جنت بقیع درانجارفته دعاکن چنانچه آنحضرت همچنیں کردند برائے آن رسم فاتحه دریں شب ست خواه نان و حلوه خواه هرچه خواهد مگر درهند حلوه می باشد و دربخارا و سمرقند قتلما وغیره" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنہ وصال کے قریب شب برأت کو عشاء کی نماز کے بعد دولت سرائے اقدس تشریف لائے۔ اچانک جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یہ مبارک رات ہے آج سال بھر کے حصے تقسیم ہوں گے۔ جنت بقیع تشریف لے جا کر وہاں کے مُردوں کے لئے دعا کیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔اسی وجہ سے اس شب میں فاتحہ کا دستور ہے۔ خواہ حلوہ روٹی ہو خواہ اور کچھ۔مگر ہندوستان میں حلوہ ہوتا ہے اور بخارا اور سمرقند میں قتلمہ وغیرہ کرتے ہیں۔

شاہ صاحب کے کلام سے معلوم ہوا کہ یہ سب حدیث شریف کے مطابق ہے۔"

(فتاوی صدر الافاضل ،صفحہ235،شبیر برادرز،لاہور)

وہابی حضرات جہاں عید میلاد النبی ،قرآن خوانی وغیرہ کو ناجائز و بدعت کہتے ہیں اسی طرح وہ شب معراج اور شب براءت میں ہونے والے افعال کو ناجائز و بدعت کہتے ہیں۔ایک وہابی مولوی صاحب عمرو بن عبدالمنعم بن سلیم نے ایک کتاب "عبادات میں بدعات"،لکھی اس میں بے شمار جائز و مستحب افعال کو بدعت ثابت کیا چنانچہ شب براءت

میں بھی ہونے والے تمام افعال کو ناجائز و بدعت ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:"پندرہ شعبان کی رات: یہ رات آج کل بہت سے لوگوں کے لئے بڑی آزمائش بن چکی ہے۔اس کی فضیلت میں بہت سے روایات مروی ہیں جن میں سے راجح قول کے مطابق کوئی روایت بھی صحیح نہیں ہے۔۔۔" (عبادات میں بدعات، صفحہ 145،مکتبہ قدوسیہ)

پہلے باب میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ حدیث ضعیف فضائل میں قابل قبول ہے۔اگر بالفرض ضعیف حدیث بھی نہ ہو کوئی حدیث نہ ہو یا موضوع حدیث ہو تو کیا پندرہویں شعبان کی رات میں عبادت کرنا ناجائز ہو جائے گا؟ کیا اگلے دن روزہ رکھنا بدعت ہو جائے گا؟ قرآن پاک میں کہاں اس رات یا کسی بھی رات عبادت کرنے کی نفی موجود ہے؟ جس رات عبادت کی تصریح قرآن وحدیث سے نہ ملے تو کیا اس رات عبادت کرنا ناجائز ہے؟ یہ عجیب بات ہے۔قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا﴿ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اللہ کی یاد کرو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں پر لیٹے۔ (سورۃ النساء، سورت4،آیت103)

یہاں مطلقا فرمایا گیا کہ اللہ عزوجل کا ذکر کرو،کوئی دن،کوئی وقت کے ساتھ ذکر اللہ کرنے کی قید نہیں ہے۔پھر پندرہویں شعبان کو عبادت کرنا کیوں ناجائز و بدعت ہو گیا؟ جمہور فقہائے کرام نے اس رات کو عبادت کرنا مستحب فرمایا ہے چنانچہ الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ میں ہے"ذہب جمهور الفقهاء إلى ندب قيام ليلة النصف من شعبان لما روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال إذا كانت ليلة النصف من شعبان فقوموا ليلها ، وصوموا نهارها ۔۔۔" ترجمہ: جمہور فقہاء کرام اس طرف گئے ہیں کہ پندرہویں شعبان عبادت کرنا مستحب ہے۔کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا جب شعبان کی پندرہویں رات آئے تو اس میں عبادت کرو اور صبح کو روزہ رکھو۔

(الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ ،جلد34،صفحہ123،دار الصفوۃ،مصر)

ہمارے یہاں شب براءت کو آتشبازی بھی کی جاتی ہے جو کہ ناجائز ہے۔ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اس پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اس رات (شب براء ت) کو گناہ میں گزارنا بڑی محرومی کی بات ہے۔ آتشبازی کے متعلق مشہور یہ ہے کہ یہ نمرود بادشاہ نے ایجاد کی۔ جس جگہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا اور آگ گلزار ہوگئی، تو اس کے آدمیوں نے آگ کے انار بھر کر ان میں آگ لگا کر حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی طرف پھینکے۔ کاٹھیا واڑ میں ہندو لوگ ہولی اور دیوالی کے موقع پر آتشبازی چلاتے ہیں۔ ہندوستان میں یہ رسم مسلمانوں نے ہندوؤں سے سیکھی۔ مگر افسوس کہ ہندو تو اس کو چھوڑ چکے ہیں مگر مسلمانوں کا لاکھوں روپیہ سالانہ اس رسم میں برباد ہوتا ہے اور ہر سال خبریں آتی ہیں کہ فلاں جگہ سے اتنے گھر آتشبازی سے جل گئے اور اتنے آدمی جل کر مر گئے۔ اپنے مال میں اپنے ہاتھ سے آگ لگانا اور پھر خدا تعالیٰ کی نافرمانی کا وبال سر پر ڈالنا ہے۔ خدا کے لئے اس بے ہودہ اور حرام کام سے بچو۔ اپنے بچوں اور قرابت داروں کو روکو، جہاں آوارہ بچے یہ کھیل کھیل رہے ہوں وہاں تماشا دیکھنے کے لئے بھی نہ جاؤ۔ آتشبازی بنانا، اس کا بیچنا، اس کا خریدنا اور خریدوانا، اس کا چلانا یا چلوانا سب حرام ہے۔''

(اسلامی زندگی، صفحہ53، قادری پبلیشرز، لاہور)

عیدین

عید عود سے ہے جس کا معنی لوٹنا ہے۔ چونکہ یہ خوشی کا دن ہے اس لیے نیک فالی کے لیے اسے عید کہا گیا یعنی بار بار لوٹنے والی۔ اب ہر خوشی کے اجتماع کو عید کہہ دیتے ہیں جیسے عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ عیدین کا مطلب ہے دو عیدیں۔ ہر قوم میں عید کا تہوار پایا جاتا ہے۔ ایران میں فیروز جان کی عید پانچ روز تک مناتے تھے۔ مصر میں قبطی

نوروز کی عید مناتے تھے۔ یہودیوں کی سب سے بڑی عید عید الخطاب ہے۔ عیسائی ایسٹر کی عید مناتے ہیں جو 21 مارچ کو ہوتی ہے یا اس کے پہلے اتوار کو منائی جاتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے عربوں کے ہاں عید کا دن یوم السبع کہلاتا تھا جسے وہ لہو لعب میں گزارتے تھے۔ اہل مدینہ اسلام کی روشنی سے پہلے دو دن عید کے مناتے تھے جس میں وہ کھیلتے کودتے تھے۔ ان میں سے ایک کا نام نیروز تھا یعنی سال کا پہلا دن، یہ فارسی لفظ ہے نوروز سے بنا اور دوسرے کا نام مہرجان تھا۔ اسلام نے ہمیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ دی۔ ابوداؤد شریف کی بسند صحیح حدیث پاک ہے "عن أنس قال قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة ولهم يومان يلعبون فيهما، فقال ما هذان اليومان؟ قالوا كنا نلعب فيهما في الجاهلية، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن الله قد أبدلكم بهما خيرا منهما يوم الأضحى، ويوم الفطر" ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینے میں تشریف لائے اور اہل مدینہ کے دو دن تھے جن میں وہ کھیلتے تھے۔ فرمایا یہ دو دن کیسے ہیں؟ وہ بولے کہ ہم ان دنوں میں زمانہ جاہلیت میں کھیلتے تھے۔ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے تمہیں ان کے عوض ان سے دو اچھے دن دیئے ہیں، عید الاضحیٰ اور عید الفطر۔

(سنن ابو داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب صلاۃ العیدین، جلد1، صفحہ295، المکتبة العصرية، بيروت)

ان دونوں عیدوں کو شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے منانا چاہئے، ہمارے یہاں دونوں عیدوں کی راتوں اور دنوں کو ناچ گانے اور دیگر ناجائز افعال میں گزارا جاتا ہے۔ کئی نئی فلمیں عید پر ہی ریلیز ہوتی ہیں۔ جبکہ عیدین کی راتوں میں جنہیں ہم چاند رات کہتے ہیں عبادت کرنا مستحب ہے اور ان راتوں عبادت کرنا جنت کو واجب کرتا ہے۔ اصبہانی معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ فرماتے ہیں جو پانچ راتوں میں شب

بیداری کرے اس کے لئے جنت واجب ہے، ذی الحجہ کی آٹھویں، نویں، دسویں راتیں اور عیدالفطر کی رات اور شعبان کی پندرھویں یعنی شب براءت۔

اسلامی عید کی ابتداء نماز سے ہوتی ہے چنانچہ عید کی نماز کا طریقہ و احکام یوں ہیں:۔عیدین کی نماز واجب ہے مگر سب پر نہیں بلکہ انہیں پر جن پر جُمُعَہ واجب ہے لہذا عورتوں پر نماز عید واجب نہیں۔جب عید کی نماز کے لئے نکلا جائے تو سنت یہ ہے کہ جس راستے سے جائیں واپسی دوسرے راستہ سے آئیں۔اس میں حکمت یہ ہے کہ ہر طرف کے منافقین مسلمانوں کے اژدہام کو دیکھ کر جلیں اور راستوں میں بھیڑ کم ہو، دونوں راستوں کے فقراء پر خیرات ہو، اہلِ قرابت کی قبور کی زیارتیں ہوں جو ان راستوں میں واقع ہیں، اور دونوں راستے ہماری نماز و ایمان کے گواہ بن جائیں۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جاتے وقت دراز رستہ اختیار فرماتے اور لوٹتے وقت مختصر، تاکہ جاتے ہوئے قدم زیادہ پڑیں اور ثواب زیادہ ملے۔معلوم ہوا کہ عیدگاہ پیدل جانا اور جاتے آتے راستہ بدلنا سنت ہے۔

نمازِ عید کا طریقہ یہ ہے کہ دو رکعت واجب عیدالفطر یا عیدالاضحیٰ کی نیت کر کے کانوں تک ہاتھ اٹھائے اور اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لے پھر ثناء پڑھے، پھر کانوں تک ہاتھ اٹھائے اور اللہ اکبر کہتا ہوا ہاتھ چھوڑ دے پھر ہاتھ اٹھائے اور اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ چھوڑ دے پھر ہاتھ اٹھائے اور اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لے یعنی پہلی تکبیر میں ہاتھ باندھ لے، اس کے بعد دو تکبیروں میں ہاتھ لٹکائے، پھر چوتھی تکبیر میں باندھ لے، اس کو یوں یاد رکھئے کہ جہاں تکبیر کے بعد کچھ پڑھنا ہے وہاں ہاتھ باندھ لئے جائیں اور جہاں پڑھنا نہیں وہاں ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں۔پھر امام اعوذ اور بسم اللہ آہستہ پڑھ کر جہر کے ساتھ الحمد اور

سورت پڑھے پھر رکوع کرے، دوسری رکعت میں پہلے الحمد و سورت پڑھے پھر تین بار کان تک ہاتھ لے جا کر اللہ اکبر کہے اور ہاتھ نہ باندھے اور چوتھی بار بغیر ہاتھ اٹھائے اللہ اکبر کہتا ہوا رکوع میں جائے۔اس سے معلوم ہو گیا کہ عیدین میں زائد تکبیریں چھ ہوئیں، تین پہلی قرأت سے پہلے اور تکبیر تحریمہ کے بعد اور تین دوسری میں قرأت کے بعد اور تکبیر رکوع سے پہلے اور ان چھ کی چھ تکبیروں میں ہاتھ اٹھائے جائیں گے اور ہر دو تکبیروں کے درمیان تین تسبیح کی قدر سکتہ کرے۔

پہلی رکعت میں امام تکبیریں بھول گیا اور قراءت شروع کر دی تو قراءت کے بعد کہہ لے اور قراءت کا اعادہ نہ کرے۔عیدین کی سب تکبیریں یا بعض بھول گیا یا زائد کہیں یا غیر محل میں کہیں ان سب صورتوں میں سجدۂ سہو واجب ہے۔اگرچہ فقہائے کرام نے عیدین میں واجب چھوٹنے پر سجدہ سہو نہ کرنے کی اجازت دی ہے کہ کثیر تعداد ہے فتنہ وغیرہ نہ ہو لیکن موجودہ دور میں لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھائی جاتی ہے اس لئے بہتر ہے کہ سجدہ سہو کر لیا جائے۔

عید والے دن عموماً لوگ اپنے افسروں اور دیگر صاحب اقتدار کو کیک یا گوشت دیتے ہیں تاکہ ان سے ہمارے تعلقات اچھے ہو جائیں، ضرورت پر کام آئیں، یہ سب رشوت ہے اور ان کا لینا بھی ناجائز ہے۔اس مقصد کے علاوہ اگر کوئی دیتا ہے جیسے جس جگہ رشتہ طے کیا ہو دیا جاتا ہے تو لینا دینا جائز ہے۔

عیدالاضحیٰ تمام احکام میں عیدالفطر کی طرح ہے صرف بعض باتوں میں فرق ہے۔جس نے قربانی کرنی ہو تو مستحب یہ ہے کہ پہلی سے دسویں ذی الحجہ تک حجامت نہ بنوائے نہ ناخن ترشوائے، نہ جسم کے کسی حصے سے بال کاٹے۔بلکہ جو قربانی نہ کر سکے وہ بھی

اس عشرہ میں حجامت وغیرہ نہ کرائے، بقرعید کے دن بعد نماز حجامت کرائے تو انشاء اللہ ثواب پائے گا جیسا کہ بعض روایت میں ہے۔

نویں ذی الحجہ کی فجر سے تیرہویں کی عصر تک ہر نماز فرض پنجگانہ کے بعد جو جماعت مستحبہ کے ساتھ ادا کی گئی ایک بار تکبیر بلند آواز سے کہ آس پاس کے لوگ سن لیں کہنا واجب ہے اور تین بار افضل۔ اسے تکبیر تشریق کہتے ہیں وہ یہ ہیں "اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ"

تکبیر تشریق سلام پھیرنے کے فوراً بعد واجب ہے یعنی جب تک کوئی ایسا فعل نہ کیا ہو کہ اس نماز پر بنا نہ کر سکے، اگر مسجد سے باہر ہو گیا یا قصداً وضو توڑ دیا یا کلام کیا اگرچہ سہواً تو تکبیر ساقط ہو گئی اور بلا قصد وضو ٹوٹ گیا تو کہہ لے۔ تکبیر تشریق اس پر واجب ہے جو شہر میں مقیم ہو یا جس نے اس کی اقتدا کی اگرچہ عورت یا مسافر یا گاؤں میں رہنے والا ہو اور اگر اس کی اقتدا نہ کریں تو ان پر واجب نہیں۔ عورت ایام تشریق میں گھر میں فرض نماز پڑھے تو تکبیر کہنا واجب نہیں البتہ مستحب ہے کہ وہ کہہ لے اسی طرح مرد اگر اکیلا نماز پڑھے تو واجب نہیں۔

عیدین میں عزیز و اقارب کے گھر اور سیر و تفریح کے لئے جایا جاتا ہے جس میں حرج نہیں لیکن شرط یہ ہے کہ پردے کی پوری پابندی ہو۔

عیدالفطر میں میٹھا کھانا اور گلے ملنا

عیدالفطر میں رائج ہے کہ مسلمان کھجور یا سویاں کھا کر جاتے ہیں اور کچھ کھا کر نماز کو جانا سنت ہے۔ ایک حدیث پاک میں کھجور کھانا ثابت ہے چنانچہ ترمذی شریف کی حدیث پاک ہے "عن أنس بن مالك أن النبی صلى الله عليه و سلم كان يفطر

علی تمرات یوم الفطر قبل أن یخرج إلی المصلی" ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیدالفطر میں نماز عید کی طرف نکلنے سے پہلے کھجوریں کھایا کرتے تھے۔

(جامع ترمذی، ابواب العیدین، باب (ماجاء) فی الأکل یوم الفطر قبل الخروج، جلد2، صفحہ427، دار إحياء التراث العربی ،بیروت)

عید کے بعد مسلمان ایک دوسرے کو عید مبارک کہتے اور ایک دوسرے کے گلے ملتے ہیں۔ وہابی حضرات عید والے دن گلے ملنے کو بدعت کہتے ہیں۔ صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ عید میں ہونے والے مصافحہ و معانقہ کو احادیث سے ثابت کرتے ہوئے آخر میں ایک حدیث پاک کے حوالے سے فرماتے ہیں: "امام احمد نے یعلیٰ سے روایت کی "ان حسنا و حسینا الی رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم فضمهما" امام حسن، امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دوڑ کر آئے۔ حضور صلوٰۃ اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین نے انہیں سینے سے لگا لیا۔ ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مصافحہ و معانقہ سنت رسول ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اب رہا کہ کسی خاص وقت میں سنت ہے یا مطلقا۔ احادیث مذکورہ بالا پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سنت کسی مخصوص وقت کے ساتھ خاص نہیں۔ جس وقت جس زمانہ جس دن بھی مصافحہ یا معانقہ علی درجہ محمود کیا جائے گا، سنت ہی ہوگا۔ اور ادائے سنت کی نیت رکھنے والے کو سنت کا ثواب ملے گا۔ مجمع البحار میں ہے "هی سنة مستحبة عند كل لقاء وما اعتادوه بعد صلوٰة الصبح والعصر لا اصل له فی الشرع ولكن لاباس به وكونهم حافظين عليها فی بعض الاحوال مفرطين فيها فی كثير منها لا يخرج ذلك البعض عن كونه مما ورد الشرع باصلها وهی من البدع المباحة" یعنی

مصافحہ ہر ملاقات کے وقت سنت مستحبہ ہے۔اور یہ جولوگوں نے فجر وعصر کے بعد عادت ڈال لی ہے،اس عادت کی شرع میں کوئی اصل نہیں۔لیکن اس میں کچھ مضائقہ بھی نہیں اور بعض اوقات میں لوگوں کا مصافحہ کی پابندی کرنا اور بہت حالات میں کوتاہی کر جانا ان بعض اوقات کو اس سے خارج نہیں کرتا جن کی اصل کے ساتھ شرع وارد ہوئی (یعنی بعد عصر وفجر کی پابندی مصافحہ کو سنیت سے خارج نہیں کرتی۔)اور یہ عادت (یعنی فجر وعصر کے بعد پابندی مصافحہ) بدعات مباحہ میں سے ہے۔

اس عبارت سے چند باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ مصافحہ ہر ایک ملاقات کے وقت سنت مستحبہ ہے خواہ وہ ملاقات عید کی ہو یا رمضان میں یا ذی الحجہ میں یا جُمُعَہ کو یا اور کسی روز اور خواہ صبح کو ہو یا دوپہر کو یا شام یا شب میں جب کبھی ملاقات ہوگی اور مصافحہ کیا جائے گا سنت ہی رہے گا۔کوئی وقت اور دن اس کو سنت سے خارج نہ کر سکے گا۔یہی احادیث مذکورہ بالا سے ثابت ہوتا ہے۔چنانچہ حدیث نمبر 2 وحدیث 5 سے یہ مضمون صراحۃً ظاہر ہو رہا ہے۔اب عید کے روز مصافحہ کا منع کرنا حدیث شریف کی مخالفت ہے۔۔۔''

(فتاوٰی صدر الافاضل ،صفحہ 486،شبیر برادرز،لاہور)

بقرہ عید میں مستحب یہ ہے کہ نماز سے پہلے کچھ نہ کھائے اگرچہ قربانی نہ کرے اور کھالیا تو کراہت نہیں اور راستہ میں بلند آواز سے تکبیر کہتا جائے اور عیدالاضحیٰ کی نماز عذر کی وجہ سے بارہویں تک بلا کراہت مؤخر کر سکتے ہیں، بارہویں کے بعد پھر نہیں ہوسکتی اور بلا عذر دسویں کے بعد مکروہ ہے۔

بسنت

بسنت کا مطلب ہے بہار کا موسم۔موسمِ بہار میں جہاں جشنِ بہاراں کی محافل

سجائی جاتی ہیں، بے حیائی خوب ہوتی ہے، وہاں موسم بہار میں بسنت کا اہتمام کیا جاتا ہے جو کئی حرام کاموں کا مجموعہ ہے جیسے مال کا ضیاع، بے حیائی، ناچ گانا، لوگوں کو ایذا، حادثات وغیرہ۔حکومت اپنی عیاشی کے لئے بسنت کی اجازت دے دیتی ہے پھر جب لوگوں کی اموات ہوتی ہیں تو اس پر پابندی لگا دیتی ہے۔

ڈاکٹر بی۔ایس۔نجار نے اپنی کتاب (Punjab Under The Later Mughals) میں بسنت کی تاریخ یوں لکھی ہے کہ ماضی میں سیالکوٹ شہر کے ایک سکول میں زیرِ تعلیم ہندو طالب علم ''حقیقت رائے باکھل پوری'' نے مسلمان لڑکوں کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کئے۔اس جرم پر حقیقت رائے کو گرفتار کر کے عدالتی کارروائی کے لئے لاہور بھیجا گیا۔اس واقعہ سے پنجاب کی غیر مسلم آبادی کو شدید دھچکا لگا۔کچھ ہندو افسر گورنر پنجاب زکریا خان کے پاس گئے کہ حقیقت رائے کو معاف کر دیا جائے۔لیکن زکریا خان نے کوئی سفارش نہ سنی اور سزائے موت کے حکم پر نظر ثانی سے انکار کر دیا۔چنانچہ مجرم کو پہلے ایک ستون سے باندھ کر کوڑوں کی سزا دی گئی اور پھر اسکی گردن اڑا دی گئی۔اس واقعہ سے پنجاب کی غیر مسلم آبادی کو شدید رنج پہنچا۔حقیقت رائے کی یادگار مڑھی کوٹ خواجہ سعید لاہور میں ہے۔اب یہ جگہ ''باوے دی مڑھی'' کے نام سے معروف ہے۔اسی جگہ سے ایک ہندو رئیس کالو رام نے گستاخِ رسول حقیقت رائے کی یاد میں بسنت میلے کا آغاز کیا۔راجہ رنجیت سنگھ کے بعد انگریز حکومت نے حقیقت رائے کی سمادھی کو باغبانپورہ بھوگی والی میں ارائیوں سے زمین خرید کے مندر بنا دیا۔ہندو، سکھ بسنتی کپڑے (شہیدی لباس) پہن کر یہ میلہ مناتے اور اسلام کو بدنام کرنے کی غرض سے بسنت کا تہوار مناتے تھے۔لاہور سب

سے پہلا شہر ہے جہاں بسنت منانی شروع ہوئی۔

(Punjab Under The Later Mughals,Page279)

یہی واقعہ تاریخ لاہور از سید عبداللطیف صفحہ نمبر 324 پر درج ہے۔عبداللطیف اپنی کتاب ''تاریخ لاہور'' میں سکھ دور کی بسنت کا حال لکھتے ہیں: ''لوگوں کو ابھی تک یاد ہے کہ اس جگہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور میں بسنت پر کس قدر جشن ہوتا تھا۔عیش پسند مہاراجہ ،اسکے سردار اور فوجی دستوں کے علاوہ ہر کوئی زرد پوشاک میں ملبوس ہوتا تھا اور مہاراجہ اس خانقاہ پر حاضری کے وقت 1100 روپے اور دو زرد شالوں کا جوڑا انذرانہ پیش کرتا تھا۔''

(تاریخ لاہور، صفحہ260)

یونس ادیب کی کتاب ''میرا شہر لاہور'' میں لاہور میں بسنت کا اسطرح منظر بیان کی گیا ہے: ''لاہور شہر کی زندگی میں بسنت سے رنگینیاں بھر جاتی تھیں۔اس سے پندرہ یا بیس دن پہلے ہندو لوہڑی کا تہوار مناتے تھے جسے بسنت کی ریہرسل کا نام دیا جا سکتا ہے۔ لوہڑی لاہور کے حلوائی اور دوسرے دکاندار خاص طور پر چڑوے، ریوڑیاں اور بتاشے تیار کرتے تھے۔سارا دن بازاروں میں چہل پہل ہوتی تھی۔پتنگوں اور ڈور کی خرید و فروخت ہوتی اور رات کے آنگن میں شام اپنے قدم رکھتی تو بازاروں، محلول اور چوکوں میں لکڑی کے الاؤ روشن ہو جاتے۔ہندو عورتیں اور بچے لوہڑی کے روشن الاؤ دیکھنے کے لئے گھروں سے باہر آجاتے۔یہ الاؤ صبح تک روشن رہتے اور صبح ہوتے ہی لاہور میں زبردست پتنگ بازی شروع ہو جاتی۔''

(میرا شہر لاہور،صفحہ127)

پتہ چلا کہ بسنت ہندوؤں کا تہوار ہے اور اس تہوار کو گستاخِ رسول کی یاد میں منایا جاتا تھا۔مسلمانوں کو غور کرنا چاہئے کہ وہ کس کے نقش قدم پر ہیں۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو چھوڑ کر غیروں کے رسم و رواج پر عمل پیرا ہیں۔ناجائز و حرام کاموں میں پڑ

کر اپنی جان و مال کو ضائع کرتے ہیں۔روزنامہ نیا اخبار، 7 فروری 2005، کی خبر کے مطابق منائی گئی بسنت میں ڈھائی ارب کے پیچے، 20 کروڑ کی شراب، 22 لوگ ہلاک اور 700 زخمی ہوئے۔واپڈا کا جو نقصان ہوتا ہے اس کا اندازہ ہی کوئی نہیں۔اس تہوار کے ناجائز و حرام ہونے کے باوجود ہمارے بعض سیاستدان اور ماڈرن ذہن کے لوگ اسے نہ صرف جائز سمجھتے ہیں بلکہ اس کی شان میں اپنی زبان بھی دراز کرتے ہیں چنانچہ 2 فروری، 2005 روزنامہ نیا اخبار میں خواتین وکلاء نے بسنت کے متعلق کہا کہ بسنت کا تہوار موسم کی تبدیلی اور خوشیوں کا پیغام لیکر آتا ہے۔اب بھی کئی رنگین طبیعت کے سیاستدان اپنے چسکوں کے لئے بسنت کی پابندی ختم کرنے کی کوشش میں ہیں۔

اللہ عزوجل مسلمانوں کو غیرت اور عقل سلیم عطا فرمائے۔آمین۔

ویلنٹائن ڈے

یہ بے حیائی کی نئی رسم پوری دنیا میں چل پڑی ہے جو 14 فروری کو منائی جاتی ہے۔اس کی فضول اور بے حیائی پر مبنی کہانی یوں ہے کہ یہ دن ''رومن سینٹ ویلنٹائن'' کی مناسبت سے منایا جاتا ہے جسے محبت کا دیوتا بھی کہتے ہیں۔ویلنٹائن نامی شخص کو مذہب تبدیل نہ کرنے کے جرم میں قید رکھا گیا، لیکن بعد میں سولی پر چڑھا دیا گیا۔قید کے دوران ویلنٹائن کی جیلر کی بیٹی سے دوستی اور محبت ہوگئی۔سولی پر چڑھائے جانے سے پہلے ویلنٹائن نے جیلر کی بیٹی کے نام ایک الوداعی محبت نامہ چھوڑا جس پر دستخط سے پہلے لکھا تھا ''تمہارا ویلنٹائن'' اور یہ واقعہ 14 فروری 269ء کو رونما ہوا۔

یوں محبت کرنے والوں کے لئے ویلنٹائن کی یاد میں یوم تجدید محبت تہوار بن گیا۔ صدیوں سے یہ مغرب ممالک میں منایا جاتا رہا، جس میں محبت کرنے والے ایک دوسرے

کو پھول اور تحائف پیش کرتے تھے۔مشرق ممالک والے اس سے نا آشنا رہے۔لیکن ڈش اور دیگر چینل کے فروغ کے بعد ویلنٹائن ڈے کے حوالے سے نشر ہونے والے پروگراموں کی وجہ سے ویلنٹائن ڈے پوری دنیا میں مقبولیت حاصل کر گیا۔اب یہ پاکستان سمیت مختلف ممالک میں منایا جاتا ہے۔ (نوائے وقت،14فروری2001ء)

دوسری روایت کے مطابق شہنشاہ کلاڈیلس دوم کے عہد میں روم کی سرزمین مسلسل جنگوں کی وجہ سے کشت وخون اور جنگوں کا مرکز بنی رہی اور یہ عالم ہوا کہ ایک وقت کلاڈیلس دوم کی اپنی فوج کے لئے مردوں کی بہت کم تعداد آئی،جس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ روم کے نوجوان اپنی بیویوں اور ہم سفروں کو چھوڑ کر پردیس جانا پسند نہ کرتے تھے۔اس کا شہنشاہ کلاڈیلس نے یہ حل نکالا کہ ایک خاص عرصے کے لئے شادیوں پر پابندی عائد کردی تاکہ نوجوانوں کو فوج میں آنے کے لئے آمادہ کیا جائے۔اس موقع پر سینٹ ویلنٹائن نے سینٹ مارلیس کے ساتھ مل کر خفیہ طور پر نوجوان جوڑوں کی شادی کروانے کا اہتمام کیا۔ان کا یہ کام چھپ نہ سکا اور شہنشاہ کلاڈیلس کے حکم پر سینٹ ویلنٹائن کو گرفتار کر لیا گیا اور اذیتیں دیکر 14فروری270ء کو بعض حوالوں کے مطابق 269ء میں قتل کر دیا گیا۔اس طرح 14فروری ملکہ جونو جشن زرخیزی اور سینٹ ویلنٹائن کی موت کے باعث اہل روم کے لئے معتبر و محترم دن قرار پایا۔

چوتھی صدی عیسوی تک اس دن کو تعزیتی انداز میں منایا جاتا تھا۔لیکن رفتہ رفتہ اس دن کو محبت کی یادگار کا رتبہ حاصل ہو گیا اور برطانیہ میں منتخب محبوب اور محبوبہ کو اس دن محبت بھرے خطوط،پیغامات،کارڈز اور سرخ گلاب بھیجنے کا رواج پا گیا۔برطانیہ سے رواج پانے والے اس دن کو بعد میں امریکہ اور جرمنی میں بھی منایا جانے لگا۔تاہم جرمنی میں دوسری

جنگِ عظیم تک یہ دن منانے کی روایات نہیں تھی۔برطانوی کاؤنٹی ویلز میں لکڑی کے چمچ 14 فروری کو تحفے کے طور پر دیئے جانے لگے،تالے تراشے جاتے اور خوبصورتی کے لئے ان کے اوپر دل اور چابیاں لگائی جاتی تھیں۔جو تحفہ وصول کرنے والے کے لئے اس بات کا اشارہ ہوتیں کہ تم میرے بند دل کو اپنی محبت کی چابی سے کھول سکتے ہو۔کچھ لوگ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ویلنٹائن ڈے کو اگر کوئی چڑیا کسی عورت کے سر پر سے گزر جائے تو اس کی شادی ملاح سے ہوتی ہے اور اگر کوئی چڑیا دیکھ لے تو اس کی شادی کسی غریب آدمی سے ہوتی ہے،جبکہ زندگی بھی خوشگوار گزرے گی اور اگر عورت ویلنٹائن ڈے پر کسی سنہرے پرندے کو دیکھ لے تو اس کی شادی کسی امیر کبیر شخص سے ہوگی اور زندگی ناخوش گوار گزرے گی۔امریکہ میں روایات مشہور ہے کہ 14فروری کو وہ لڑکے اور لڑکیاں جو آپس میں شادی کرنا چاہتے ہیں سٹیم ہاؤس جا کر ڈانس کریں اور ایک دوسرے کے نام دہرائیں جونہی رقص کا عمل ختم ہوگا اور جو آخری نام ان کے لبوں پر ہوگا اس سے ہی اس کی شادی قرار پائے گی ۔جبکہ زمانہ قدیم سے مغربی ممالک میں یہ دلچسپ روایت بھی زبان زدعام ہے کہ اگر آپ اس بات کے خواہش مند ہیں کہ یہ جان سکیں آپ کی کتنی اولاد ہوگی تو ویلنٹائن ڈے پر ایک سیب درمیان سے کاٹیں،کٹے ہوئے سیب کے آدھے حصے میں جتنے بیج ہوں گے اتنے ہی آپ کے بچے پیدا ہوں گے۔(ماخوذ از،ویلنٹائن ڈے کیا ہے؟ صفحہ10،زاویہ پبلشرز،لاہور)

ویلنٹائن ڈے کی اس تاریخ اور اس میں ہونے والی خرفات و بے حیائیوں سے واضح ہوا کہ ویلنٹائن ڈے کفار کی بے ہودہ و بے حیا ایجاد ہے جس سے مسلمانوں کو بچنا لازم ہے۔موجودہ دور میں اس تہوار کو عاشق لوگ بہت دھوم دھام سے مناتے ہیں۔نامحرم لڑکا لڑکی ایک دوسرے کو پھول دیتے ہیں۔لڑکیاں مخصوص رنگ کے کپڑے پہنتی ہیں۔پھول

والوں کی اس دن عید ہوتی ہے ایک ایک پھول بہت مہنگا بکتا ہے۔شرعی طور پر اس دن نامحرموں کا اس طرح ملنا بدنگاہی کرنا حرام، جہنم میں لے جانے والا کام اور اللہ عزوجل کی لعنت کا سبب ہے چنانچہ حدیث پاک میں ہے ''لعن اللہ الناظر والمنظور إلیہ'' ترجمہ: اللہ عزوجل دیکھنے والے اور دکھائی جانے والی پر لعنت کرتا ہے۔

(السنن الکبری للبیھقی، کتاب النکاح، باب ما جاء فی الرجل ینظر۔۔۔، جلد7، صفحہ159، دار الکتب العلمیة، بیروت)

لڑکا لڑکی کا ایک دوسرے کو تحفے لینا دینا حرام ہے اور یہ رشوت کے حکم میں ہے جس کا واپس کرنا ضروری ہے چنانچہ البحرائق شرح کنز الدقائق میں ہے ''وفیھا ما یدفعہ المتعاشقان رشوة یجب ردھا ولا تملك'' ترجمہ: عاشق ومعشوق آپس میں ایک دوسرے کو جو تحائف دیتے ہیں وہ رشوت ہے۔ان تحفوں کا واپس کرنا واجب ہے، وہ ملکیت میں داخل نہیں ہوتے۔

(البحرائق شرح کنزالدقائق، کتاب القضاء، باب الفاسق یصلح مفتیا، جلد6، صفحہ286، دار الکتاب الاسلامی، بیروت)

اس بے حیائی کی رسم کو میڈیا اور بے غیرت قسم کے لوگوں نے فروغ دیا ہے۔ بعض اخبار تو ڈاکیے کی حیثیت سے کام کرتے ہیں کہ لڑکا و لڑکی کے لو لیٹر چھاپ کر ایک دوسرے کو پہنچاتے ہیں۔ایک سیاسی عورت نے ٹی۔وی پر آکر کہا ویلنٹائن ڈے منانے میں کیا حرج ہے اس دن بیچارے پھول والوں کی کمائی ہوتی ہے۔اگر اس محترمہ کی بیٹی کو (اللہ نہ کرے) کوئی غریب گھر سے بھگا کر شادی کر لے تو یہ اس وقت یہ نہیں کہے گی چلو کسی غریب کا گھر بس گیا بلکہ اس مرد کے ساتھ وہ بُرا سلوک کرے گی جو یہ کر سکتی ہے۔اسلامی تعلیمات یہ نہیں ہیں کہ دوسروں کی عزت اچھالی جائے، دوسروں کی اولادوں

کا بیڑا غرق کیا جائے۔ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی عزت وآبرو کا رکھوالا ہوتا ہے۔ جس طرح ہم پسند نہیں کرتے کہ کوئی غیر مرد ہماری بہن کو پھول وتحائف دے اس طرح کوئی دوسرا مسلمان بھی یہ بات ہرگز نہیں پسند کرتا کہ اس کی بہن سے کوئی عشق کرتا پھرے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''أن تحب للناس ما تحب لنفسك وتكره لهم ما تكره لنفسك'' ترجمہ: لوگوں کے لیے وہ ہی پسند کرو جو اپنے لیے چاہتے ہو اور ان کے لیے وہ ناپسند کرو جو اپنے لیے ناپسند کرتے ہو۔

(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان، جلد1، صفحہ 10، المکتب الإسلامی، بیروت)

اسلام نے بے حیائی سے اس لئے منع فرمایا اور حیاء کو ایمان کا حصہ قرار دیا گیا کہ یہ دین اور معاشرے کے لئے تباہی کا باعث ہے۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''إن اللہ عز و جل حیی ستیر یحب الحیاء والستر'' ترجمہ: اللہ تعالیٰ حیا دار، پردہ پوش ہے۔حیا اور پردے کو پسند کرتا ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الطھارت، باب الغسل، جلد1، صفحہ 96، المکتب الإسلامی، بیروت)

جب حیا ختم ہو جائے تو انسان، چور، زانی، بے دین کچھ بھی ہو سکتا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ما کان الفحش فی شیء قط الا شانه وما کان الحیاء فی شیء قط الا زانه'' ترجمہ: فحش جب کسی چیز میں دخل پائے گا اسے عیب دار کر دے گا اور حیاء جب کسی چیز میں شامل ہو گی اس کا سنگار کر دے گی۔

(سنن ابن ماجه، کتاب الزہد باب الحیاء، جلد2، صفحہ1400، دار إحیاء الکتب العربیة)

بے حیائی کی ابتداء نظر سے شروع ہوتی ہے جو کہ موجودہ دور میں میڈیا ہمیں فراہم کر رہا ہے۔میڈیا نے تو لوگوں کو بے حیاء بنانے میں کوئی قصر نہیں چھوڑ رکھی، میڈیا کا یہی مشن ہے کہ جو چاہے کرو، جیسی مرضی زندگی گزارو، ناجائز وحرام رسم ورواج کو بھی بہت سجا

کر پیش کیا جاتا ہے۔ پردے کے متعلق تو بات کرنا اچھا ہی نہیں سمجھا جاتا، ہر کوئی یہ بیان دے رہا ہوتا ہے کہ پردہ دل کا ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ روز بروز بےحیائی اس قدر عام ہوتی جارہی ہے کہ مقدس رشتے بھی پامال ہوکر زنا کا شکار ہورہے ہیں بھائی بہن سے منہ کالا کرتا پھر رہا ہے اور بیٹا ماں سے۔ شوہر اپنی بیوی کی اپنے دوست سے ہیلو ہائے کرواتا ہے بعد میں اس کی بیوی شوہر کے دوست کے ساتھ اپنا منہ کالا کرتی ہے۔ گھروں میں جوان بچیوں کو پڑھانے کے لئے استاد وقاری رکھ لئے جاتے ہیں جو اپنے عظیم منصب کی دھجیاں اڑاتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ پردہ ظاہر و باطن دونوں کا ہونا چاہئے لیکن ظاہری پردے کا انکار کرتے ہوئے یہ بے دینی بات کہنا کہ پردہ دل کا ہوتا ہے کفر ہے کہ اس میں پردے کے متعلق جو آیات واحادیث ہیں ان کا انکار ہے۔ جو علانیہ بےحیا اور بے پردہ ہے وہ دلی طور پر بےحیاء ہی ہوگا۔ شعب الایمان میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "من لم يستح من الله فى العلانية لم يستح منه فى السر" ترجمہ: جو علانیہ اللہ عزوجل سے حیا نہیں کرتا وہ تنہائی میں بھی حیا نہیں کرتا۔

(شعب الایمان، الحیاء، فصل فی ستر العورة، جلد10، صفحہ186، مکتبة الرشد، الریاض)

بے پردہ، بے حیاء عورت نہ جنت میں داخل ہوگی اور نہ جنت کی خوشبو پائے گی۔

صحیح ابن حبان کی حدیث ہے "عن ابى هريرة قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم صنفان من امتى من اهل النار لم ارهم قوم معهم سياط كاذناب البقر يضربون بها الناس و نساء كاسيات عاريات مائلات مميلات رؤوسهن كا سنمة البخت السمائلة لا يدخلون الجنة و لا يجدون ريحها و ان ريحها ليوجد من مسيرة كذا و كذا" ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری امت میں دو قسم کے لوگ جنہیں میں نے نہیں دیکھا جہنمی ہوں گے ایک تو وہ لوگ جن کے ہاتھ میں گائے کی دموں کی شکل کے کوڑے ہوں گے ان سے وہ لوگوں کو مارا کریں گے۔ دوسرے وہ کج رو نیم برہنہ اور اپنی طرف متوجہ کرنے والی عورتیں ہوں گی جن کے سر بختی اونٹوں کی ٹیڑھی کوہانوں کی طرح ہوں گے ایسی عورتیں جنت میں داخل نہیں ہوں گی اور نہ اسکی خوشبو پاسکیں گی حالانکہ جنت کی خوشبو اتنے اور اتنے فاصلے پر (یعنی بہت دور سے) پہنچ جاتی ہے۔

(صحيح ابن حبان، باب وصف الجنة، ذكر نفى دخول الجنة باب صفة النار، جلد61، صفحہ500، مؤسسة الرسالة، بيروت)

والدین کو چاہئے کہ اپنے بچوں کو حیاء کی تعلیم دیں اور لڑکیوں کو پردہ کروائیں، کزنوں کے ساتھ فری نہ ہونے دیں۔ والدین اپنے بچوں پر نظر رکھیں۔ والدین کا اپنے بچوں پر نظر رکھنا ان کے کریکٹر پر شک نہیں کہلاتا بلکہ یہ ان بچوں کی حفاظت کے لئے ہے۔

اپریل فُول

اپریل کی پہلی تاریخ کو بعض لوگ مذاق کرتے ہیں جس میں دوسرے کو بے وقوف بنایا جاتا ہے۔ کبھی فون کر کے کہا جاتا ہے آپ کا فلاں عزیز فوت ہوگیا، وہ پریشان ہو جاتا ہے بعد میں کہا جاتا ہے آج اپریل فول ہے ہم مذاق کررہے تھے۔ بعض اوقات تو اخبار میں جان بوجھ کر جھوٹی خبر شائع کردی جاتی ہے کہ فلاں شخصیت کو ہارٹ اٹیک ہوگیا۔ یہ سب خلافِ شرع ہے۔ اس میں دوسرے مسلمان کو پریشانی ہوتی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی کو ایسی خبر سن کر ہارٹ اٹیک ہوجائے۔ سنن الدارمی شریف کی حدیث پاک ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ويل للذى يحدث فيكذب ليضحك به القوم،

ویـل لـه ویـل لـه " ترجمہ: ہلاکت ہے اس کے لئے جو لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بولے، ہلاکت ہے اسکے لئے، ہلاکت ہے اسکے لئے۔

(سنن الدارمی، کتاب الاستئذان، باب فی الذی یکذب لیضحك به القوم، جلد3، صفحه1770، دار المغنی، السعودیة)

مسند احمد کی حدیث پاک ہے "عن أبی هریرة قال قال رسول الله صلى الله علیـه و سـلم لا یؤمن العبد الإیمان كله حتى یترك الكذب من المزاحة و یترك المراء و ان كان صادقا" ترجمہ: ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بندے کا ایمان مکمل نہیں ہوگا جب تک وہ جھوٹ کو مزاح میں بھی نہ چھوڑے اور سچا ہونے کے باوجود جھگڑا نہ چھوڑے۔

(مسند أحمد بن حنبل، فصل مسندابی ہریرہ، جلد2، صفحه352، مؤسسة قرطبة، القاہرة)

آجکل فلموں، لطیفوں خصوصا اسٹیج ڈراموں میں لوگوں کو ہنسانے کے لئے بعض اوقات معاذ اللہ فرشتوں، علماء، حوروں، جنت کا مذاق اڑایا جاتا ہے جو کہ کفر ہے۔ شعب الایمان للبیہقی میں ہے "عن أبی هـریـرة قال قال رسول الله صلى الله علیه و سلم إن الـعبـد لیـقـول الكلمة لا یقولها إلا لیضحك به الناس یهوی بها أبعد ما بین السـمـاء والأرض وإنـه لیـزل عـن لسـانه أشد مما یزل عن قدمه" ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ کوئی بات اس لئے کرتا ہے کہ اس سے لوگوں کو ہنسائے، اس کی وجہ سے وہ آسمان وزمین کے فاصلہ سے زیادہ نیچے گر جاتا ہے۔ وہ اپنی زبان سے پھسلتا ہے جو کہ قدم کے پھسلنے سے زیادہ سخت ہے۔

(شعب الایمان للبیہقی، باب فی حفظ اللسان، جلد4، صفحه213، دار الكتب العلمیة، بیروت)

کرسمیس ڈے

اصل تلفظ کرِسْمَیْس ہونا چاہئے۔ عموما لوگ کرِسمس پڑھتے ہیں، جبکہ یہ انگلش کا لفظ ہے اور انگلش میں حرف M کے بعد a ہے i نہیں ہے، اس لئے کرسمیس صحیح تلفظ ہے۔ بعض لوگوں میں مشہور ہوگیا ہے کہ کرسمیس کا مطلب ہے خدا نے بچہ جنا۔ (معاذ اللہ عزوجل) جبکہ یہ درست نہیں۔ کرسمیس دو الگ لفظوں کا مجموعہ ہے۔ لفظ Christ سے مراد حضرت عیسی علیہ السلام لی جاتی ہے اور لفظ Mas سے مراد پیدائش لی جاتی ہے۔ گویا کرسمیس کا مطلب ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش۔ انٹرنیٹ پر ایک شخص "David J. Meyer" نے باقاعدہ انگلش ڈکشنری و تاریخ سے ثابت کیا ہے کہ کرسمیس کا مطلب حضرت عیسی علیہ السلام کی پیدائش نہیں بلکہ اس کا مطلب ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات چنانچہ وہ کہتا ہے:۔

Here let it be noted that most people think that the word, "Christmas" means "the birth of Christ." By definition, it means "death of Christ", and I will prove it by using the World Book Encyclopedia....the word "Mass" in religious usage means a "death sacrifice." The impact of this fact is horrifying and shocking; for when the millions of people are saying, "Merry Christmas", they are literally saying "Merry death of Christ!"

یعنی یہ بات غور طلب ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ کرسمس کا مطلب ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش۔ جبکہ اس کا مطلب ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات۔ اس بات کو میں ورلڈ بک انسائیکلوپیڈیا سے ثابت کروں گا۔۔۔ لفظ Mass مذہب میں موت کی قربانی میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ بات کافی حیران کن ہے کہ جب لاکھوں لوگ کہتے ہیں کہ کرسمس مبارک ہو تو درحقیقت وہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات مبارک ہو۔

(www.lasttrumpetministries.org/tracts/tract4.html)

کرسمس پوری دنیا میں عیسائی لوگ بڑی دھوم دھام سے مناتے ہیں۔ اسکا اسلامی ممالک میں بھی بہت اہتمام ہوتا ہے اور اس میں بعض سیاستدان، فلاحی تنظیمیں اور دنیا پسند مولوی ذاتی مفاد کے لئے اس میں شرکت کرتے، کیک کاٹتے اور عیسائیوں کو مبارک باد دیتے ہیں۔ کرسمس ڈے عیسائیوں کا شعار خاص ہے اس میں عیسائیوں کے ساتھ شرکت کرنا جائز نہیں۔ ابوداؤد شریف کی حدیث پاک ہے "من جامع المشرك و سكن معه فانه مثله " ترجمہ: جو مشرک سے یکجا ہوا اور اس کے ساتھ رہے وہ اسی مشرک کی مانند ہے۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الجھاد، باب فی الإقامة بأرض الشرك، جلد 3، صفحہ 93، المکتبة العصرية، بيروت)

جب شرکت کرنا جائز نہیں تو کیک کاٹنا اور زیادہ ناجائز ہے۔ اگر کوئی اس دن عیسائیوں کی تقریبات میں اس دن کی تعظیم کرتے ہوئے شریک ہو تو وہ کفر کا مرتکب ہے۔ فتاوی ہندیہ میں ہے "یکفر بخروجه الی نیروز المجوس لموافقته معهم فیما یفعلون فی ذلك الیوم " ترجمہ: جو مجوسیوں کے نیروز میں ان کی موافقت کرنے کے لئے جائے جس دن میں وہ خرافات کرتے ہیں تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب السیر، الباب التاسع فی احکام المرتدین، مطلب موجبات الکفر، جلد

2، صفحہ 276، دار الفکر، بیروت)

اگر شرکت نہ کی جائے ویسے ہی اس دن کی تعظیم کرے اور عیسائیوں کی اس دن میں خرافات کرنے کو اچھا سمجھے تو کفر ہے فتاوی تارتارخانیہ میں ہے "واتفق مشایخنا ان من رای امر لکفار حسنا فھو کافر" ترجمہ: مشائخ عظام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو کافر کے کسی امر کو اچھا جانے وہ کافر ہے۔

(تار تار خانیہ، کتاب احکام المرتدین، فصل فی الخروج الی النشیدۃ۔۔، جلد 5، صفحہ 354، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

فتاوی تارتارخانیہ میں ہے " حکی عن ابی حفص الکبیر لو ان رجلا عبد الله خمسین سنة ثم جاء یوم النیروز فاهدی الی بعض المشرکین بیضة یرید به تعظیم ذلك الیوم فقد كفر بالله و احبط عمله " ترجمہ: حضرت ابوحفص الکبیر سے حکایت کیا گیا کہ اگر آدمی پچاس سال اللہ عزوجل کی عبادت کرے پھر نیروز کا دن (کافروں کا مخصوص دن) آجائے اور وہ اس دن کی تعظیم میں بعض مشرکین کو کوئی تحفہ دے اگرچہ انڈہ ہی ہو تو بے شک اس نے کفر کیا اور اس کے اعمال برباد کر دیئے جائیں گے۔

(تار تار خانیہ، کتاب احکام المرتدین، فصل فی الخروج الی النشیدۃ۔۔، جلد 5، صفحہ 354، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ یہ حضرت عیسی علیہ السلام کی پیدائش کا دن ہے۔ کرسمس کے نام پر یہ دن خاص عیسائیوں کا شعار بن چکا ہے۔ وہ اس دن کو اپنے مذہبی طریقے سے مناتے ہیں۔ اس دن کو قابل تعظیم سمجھتے ہوئے کفار کے ساتھ موافقت پر وہی حکم ہے جو اوپر گزرا۔ علمائے اہل سنت نے فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش 25 دسمبر نہیں ہے یہ تو بعد میں بنالی گئی ہے۔ بلکہ "David J. Meyer" نے بھی یہ کہا ہے کہ حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش 25 دسمبر نہیں چنانچہ کہتا ہے:۔

Jesus was not born on December 25th.

(http://www.lasttrumpetministries.org/tracts/tract4.html)

مفتی عبد الواجد قادری مفتی اعظم ہالینڈ فتاوٰی یورپ میں فرماتے ہیں :''عیسائیوں کے یہاں کرسمیس ڈے کی کوئی تاریخی حیثیت نہیں ہے یہ چودہویں صدی عیسوی کا ایک حادث تیوہار ہے ۔لیکن دنیا بھر کے عیسائیوں نے اس اختراعی تیوہار کو اتنی مضبوطی سے تھاما کہ یہ صدیوں سے عیسائیت کی پہچان و شعار بن گیا ہے۔ ہر چرچ اور عیسائی تنظیم گاہیں اس تاریخ میں مزین کی جاتی ہیں اور دنیا کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ گویا یہ مسیحیوں کا عظیم الشان تیوہار ہے، جس میں اربوں ڈالر کی شراب نہ صرف پی جاتی ہے بلکہ لنڈھائی جاتی ہے۔ پھر اربوں ڈالر کی آتشبازی اور آتشی مادّوں سے یورپ و امریکہ کے در و دیوار اور آسمانی فضا تھرا اٹھتی ہے۔ ہفتہ عشرہ تک گندھک کی بدبو سے ملک کا ملک مہکتا رہتا ہے۔

بہر حال کرسمیس ڈے ان کا مذہبی تیوہار ہو یا نہ ہو مگر آج قومی تہوار کی حیثیت اختیار کر گیا ہے جس سے مسلمانوں کا دور رہنا لازم و ضروری ہے۔۔۔مسلمانوں کے لئے حرام ہے کہ ان کے تیوہار میں اپنے گھروں کو انہیں چیزوں سے مزین کریں جن سے وہ لوگ کرتے ہیں۔ پھر اس تاریخ میں انہیں ہدیہ دینا اور ان سے تحفہ لینا بھی حرام و ممنوع ہے۔اور اگر کرسمیس ڈے کی تعظیم مقصود ہو تو معاذ اللہ یہ کفر ہے۔''

(فتاوٰی یورپ، صفحہ 540، شبیر برادرز، لاہور)

بعض مفاد پرست لوگوں کو یہ کہہ کر دھوکہ دیتے ہیں کہ ہم کرسمیس ڈے میں شرکت اس لئے کرتے ہیں کہ عیسائیوں کو اسلام کے قریب لاسکیں۔ان کا یہ بہانہ بالکل

باطل ہے۔تبلیغ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ نے کی ہے لیکن ایسی تبلیغ نہیں کی کہ ان کی عبادت گاہوں میں جا کر ان کے مذہبی شعار میں شرکت کریں۔تبلیغ کی بھی کچھ شرائط ہیں۔ یہ نہیں کہ کوئی ہندوؤں کے مندروں میں جائے ، ماتھے پر تلک لگائے اور کہے میں تبلیغ کر رہا ہوں، عیسائیوں کے گرجے میں جا کر پادری کے پیچھے دعا مانگے ،اس کی شرکیہ دعا پر آمین کہے اور کہے میں تبلیغ کر رہا ہوں ۔ یہ تبلیغ نہیں بلکہ کفر ہے۔فقہائے کرام نے تو صراحت کے ساتھ کفار کے دینی شعار میں شرکت کو کفر کہا ہے۔ بلکہ یہاں تک فرمایا کہ اس دن اپنے گھر میں بھی ذکر و نعت کی محفل نہ رکھیں کہ کہیں یہ اس دن کی تعظیم نہ سمجھی جائے۔ البدع والنہی عنہا میں ابوعبداللہ محمد بن وضاح المروانی القرطبی (المتوفی 286ھ) رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں"عن أبان بن أبی عیاش قال لقیت طلحة بن عبید الله بن کریز الخزاعی فقلت له قوم من إخوانك من أهل السنة والجماعة لا یطعنون علی أحد من المسلمین یجتمعون فی بیت هذا یوما وفی بیت هذا یوما ویجتمعون یوم النیروز والمهرجان ویصومونهما فقال طلحة بدعة من أشد البدع والله لهم أشد تعظیما للنیروز والمهرجان من غیرهم" ترجمہ:حضرت ابان بن ابی عیاش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں طلحہ بن عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملا اور ان سے کہا کہ آپ کے اہل سنت والجماعت بھائی نیروز، مہرجان (کفار کے دن) ایک گھر میں (ذکر اذکار کے لئے) جمع ہوتے ہیں، کسی مسلمان پر طعن و تشنیع نہیں کرتے اور ان دونوں دنوں میں روزہ رکھتے ہیں۔حضرت طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ سخت بدعت ہے۔اللہ کی قسم یہ روزہ رکھنا کفار سے زیادہ نیروز اور مہرجان کے دن کی تعظیم ہے۔

(البدع والنہی عنہا، جلد 1، صفحہ 42، مکتبۃ ابن تیمیۃ، القاہرۃ)۔

لہٰذا مسلمانوں کا کرسمیس والے دن اپنے گھر بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یاد

میں محفل دلانے کی اجازت نہیں کہ یہ اس دن کی تعظیم ہوگا۔مفاد پرستوں کا تبلیغ کے بہانے گرجے میں کیک کاٹنے جانا دین کے نام پر دنیا کمانا ہے۔

نیوایئر نائیٹ

ہر سال نیا سال آنے پر خوشی منائی جاتی ہے جس میں خوب میڈیا اور وہوٹلوں میں جشن کا اہتمام ہوتا ہے۔اخباروں میں یہاں تک آتا ہے کہ پاکستان میں شراب ختم ہوگئی ہے یعنی اتنی شراب نوشی و بے حیائی ہوتی ہے۔نیو ائیر نائٹ کی تقاریب دنیا بھر میں انتہائی اہتمام کے ساتھ منائی جاتی ہیں۔ برطانیہ، فرانس اور جرمنی سمیت تمام عیسائی مما لک اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔امریکہ میں نیو یارک سنٹر، لندن میں ٹرائی فالگر سکوائر اور جرمنی کی دارالحکومت برلن برانڈن برگ گیٹ میں نیوایئر کی بڑی بڑی تقریبات ہوتی ہیں۔ نیویارک کی تقریب میں ایک لاکھ کے قریب جوان شرکت کرتے ہیں۔ٹرائی فالگر سکوائر میں ساٹھ ہزار افراد جمع ہوتے ہیں جب کہ برلن برائیڈن گیٹ پر دنیا کی سب سے بڑی تقریب منعقد ہوتی ہے۔ایک اندازے کے مطابق اس میں تقریباً 15 لاکھ جوڑے شرکت کرتے ہیں۔ 31 دسمبر اور یکم جنوری کی درمیانی شب تمام روشنیاں گل کر دی جاتی ہیں، آسمان پر آتش بازی ہوتی ہے اور اس کے بعد شراب کے نشے میں دھت نوجوان برف پر رقص کرتے ہیں۔ یہ تقریبات دنیا بھر کے ٹی وی چینلز دکھاتے ہیں۔ان کے ساتھ ساتھ تمام مما لک کے فائیو اسٹار ہوٹلوں اور فحاشی اور عریانی کے مارے لوگ اپنے گھروں میں ان تقاریب کا اہتمام کرتے ہیں۔ایک سروے کے مطابق صرف امریکہ میں 171 ارب ڈالر کی شراب پی جاتی ہے۔200 ملین کی آتش بازی کی جاتی ہے اور نوجوان اربوں ڈالر رقص گاہوں میں اڑا دیتے ہیں۔

نیو ایئر کی تقریبات کے متعلق کوئی باقاعدہ روایت موجود نہیں ہے کہ ان کا آغاز کب ہوا؟ فرانس میں 1542ء میں گریگوری کیلنڈر کو تسلیم کیا گیا تو اس وقت تک یکم اپریل کو شروع ہونے والے نئے سال کے استقبال کے لیے مارچ کے آخری ہفتے میں بھرپور تقریبات منعقد ہوئیں۔اور 13 مارچ کی رات کو نیو ایئر نائٹ کے طور پر منایا جاتا تھا۔ نئے کیلنڈر کو تسلیم کرنے میں جب حکومت اور عوام کی چپقلش شروع ہوئی تو حکومت نے 31 دسمبر کی رات کو بطور نیو ایئر نائٹ بھرپور انداز میں منانے کا آغاز کر دیا۔لیکن یہ تقریبات صرف فرانس یا برطانیہ تک محدود تھیں۔

نیو ایئر نائٹ کی تقریبات کا باقاعدہ آغاز انیسویں صدی کے شروع میں ہوا۔ برطانیہ کی رائل نیوی (Royal Neavy) کے نوجوانوں کی زندگی کا زیادہ حصہ بحری جہازوں میں گزرتا تھا۔ یہ لوگ سمندروں کے تھکا دینے والے سفروں سے بیزار ہو جاتے تو جہازوں کے اندر ہی اپنی دلچسپی کا سامان پیدا کر لیتے۔ یہ لوگ رنگا رنگ تقریبات مناتے، شراب پیتے، رقص کرتے اور گر پڑ کر سو جاتے، اگلے دن جب ان کی آنکھ کھلتی تو سمندر اپنی پوری حشر سامانیوں کے ساتھ بچھا ہوتا۔ یہ لوگ تقریبات مناتے، لیکن سال لمبا اور تقریبات مختصر، چنانچہ یہ لوگ تقریب کا بہانہ تلاش کرتے، ایک دوسرے کی سالگرہ مناتے ایک دوسرے کی بیوی بچوں کی سالگراہیں مناتے، ویک اینڈ مناتے، ایسٹر اور کرسمس کا اہتمام کرتے، جب یہ سارے مواقع بھی ختم ہو جاتے تو ایک دوسرے کے کتوں اور بلیوں اور گھروں کی سالگراہیں منانے لگتے، انہی تقریبات کے دوران کسی نے نیا آئیڈیا پیش کیا۔ اس نے کہا ''کیوں نہ ہم سب مل کر نئے سال کو خوش آمدید کہا کریں''، اچھا آئیڈیا تھا۔لہذا اس سال 31 دسمبر کو جہاز کا سارا عملہ اکٹھا ہوا انھوں نے جہاز کے ''ہال روم'' کو سجایا، موسیقی

اورشراب کا اہتمام کیا رات دس بجے سب نے خوب شراب پی، رقص کیا اور ٹھیک بارہ بجکر ایک منٹ پر ایک دوسرے کو نئے سال کی مبارک باد دی اور ایک دوسرے کو اپنے ہاتھ سے ایک ایک جام پیش کیا یہ ''نیو ایئر نائٹ'' کا باقاعدہ آغاز تھا۔ اگلے سال ستمبر اور اکتوبر ہی میں نیو ایئر نائٹ کا انتظار شروع ہو گیا۔ دسمبر آیا تو جونیئر افسروں نے اپنے سینئر افسروں کو درخواست دی ''ہم ایک طویل عرصے سے اپنے گھروں سے دور ہیں۔ سمندر کی بوریت ہمیں خودکشی پر ابھار رہی ہے ہم نیو ایئر نائٹ منانا چاہ رہے ہیں اور ہمیں رقص کے لیے خواتین ساتھی درکار ہیں مہربانی فرما کر ہمیں صرف ایک رات کے لیے ساحل سے خواتین لانے کی اجازت دی جائے۔''

افسر اپنے ماتحتوں کی ضرورت سے واقف تھے۔ چنانچہ انھوں نے اجازت دے دی۔ اس رات قریب ترین ساحل سے فاحشہ عورتوں کا بندوبست کر دیا گیا۔ یہ ''نیو ایئر نائٹ'' دوسری راتوں سے بے پناہ اچھی تھی کیوں اس میں شراب کے ساتھ شباب بھی میسر تھا۔ تیسرے سال اس تقریب میں بتیاں بجھانے کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ ایک سپاہی نے جہاز کے الیکٹرکل سسٹم کے رکھوالے کو چند پاونڈ دیے اور اس سے کہا کہ جونہی رات کے بارہ بجیں چند سیکنڈ کے لیے بتیاں گل کر دینا۔ رکھوالے نے اس کی بات پر عمل کیا۔ جونہی رات کے بارہ بجے روشنیاں بجھ گئیں، فلور پر موجود تمام لوگوں کی چیخیں نکل گئیں، پھر اچانک روشنیاں جلیں اور روشنیاں گل کرنے والے آفیسر نے مائیک پر تمام لوگوں کو ہیپی نیو ایئر کہا۔ تمام افسروں اور ماتحتوں نے تالیاں بجا کر اس کا شکریہ ادا کیا۔ اگلے سال تمام لوگ روشنیاں گل ہونے کا انتظار کرتے رہے۔ جونہی روشنیاں گل ہوئیں تمام لڑکے اور لڑکیاں ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔

برٹش رائل نیوی (British Royal Neavy) اس جہاز سے نیو ایئر نائٹ دوسرے جہازوں تک پہنچی اور پھر وہاں سے ساحل پر اینا ڈین شہر تھا، جس کے ساحل پر 1910ء میں پہلی نیو ایئر نائٹ منائی گئی۔ رائل نیوی کے افسروں نے اعلیٰ عہدے داروں سے چند گھنٹے ساحل پر گزارنے کی اجازت طلب کی، اجازت دے دی گئی۔ نیوی کے نوجوانوں نے اپنی بیگمات، منگیتروں اور گرل فرینڈز کو اسکاٹ لینڈ کی اس غیر معروف ساحل پر جمع ہونے کی دعوت دی۔ 31 دسمبر کی رات جب نیوی کا جہاز وہاں رکا تو درجنوں مرد اور عورتیں نیوی کے افسروں کی منتظر تھیں۔ ان لوگوں نے انہیں پھول پیش کیے، موسیقی بجائیں، شراب پلائی، اور پھر ان لوگوں نے مل کر رقص کیا۔ آخر میں نئے سال کا ظہور ہوا تو ان لوگوں نے بے حیائی کا نیا باب کھول دیا۔

اگلے سال ساحل پر خیمے لگ چکے تھے، عارضی ہوٹل قائم ہو چکے تھے، موسیقی اور شراب کا وسیع انتظام تھا اور ان افسروں اور ماتحتوں کے دل بہلانے کے لیے سینکڑوں فاحشہ عورتیں موجود تھیں جن کا دنیا میں کوئی نہیں تھا۔ یہ نیو ایئر نائٹ زیادہ کھلی ڈھلی اور بے حجاب تھی۔ اس کے بعد برٹش نیوی میں یہ رواج ہو گیا۔ نیوی کے جہاز نیو ایئر نائٹ پر کسی قریب ترین ساحل پر رکتے، نائٹ مناتے اور سفر پر روانہ ہو جاتے۔ یہ روایت جنگ اول عظیم کے دوران بھی جاری رہی۔ جنگ ختم ہوئی تو نیوی کے یہ افسر اپنے سامان میں نیو ایئر نائٹ بھی باندھ کر گھر لے گئے، ان نوجوانوں، افسروں اور اہلکاروں کے ساتھ فحاشی اور بے حیائی کا یہ سامان شہروں میں منتقل ہو گیا اور دنیا ایک نئے دور میں داخل ہو گئی۔

اس وقت دنیا کے کئی ممالک میں نیو ایئر نائٹ منائی جاتی ہے۔ دنیا کے سات ہزار بڑے شہروں میں فحاشی اور عریانی سے بھرپور تقریبات منعقد کی جاتی ہیں۔ 1980ء

تک نیوایئر نائٹ کی تقریبات یورپ تک محدود تھیں لیکن 1980ء کی دہائی میں اس مرض نے آگے پھیلنا شروع کر دیا۔ یہ مشرق بعید آیا اور پھر یہ برصغیر میں بھی جڑ پکڑنے لگا۔ 1992ء میں کراچی کے فائیو اسٹار ہوٹل میں پہلی ایئر نائٹ منائی گئی۔ اس تقریب میں کراچی کے تاجروں، زمین داروں اور اداکاروں نے شرکت کی۔ کڑے پہرے میں یہ تقریب منائی گئی جس میں شراب اور رقص کا خصوصی انتظام تھا۔ پہلے تو نیوایئر نائٹ کے نام سے اونچے طبقے کے لوگوں میں یہ رواج تھا کہ ان کی راتیں آباد ہوتی رہتی تھیں۔ ان کے ہاتھوں عصمتوں کے تاج بکھرتے تھے اور ان کے پہلو گرمی سے معمور ہوتے تھے بڑے بڑے خاندان میں اداکارائیں اور رقاصائیں اپنے جسم کی نمائش کے لیے منڈی کا مال بنتی تھیں، لیکن اب متوسط اور چھوٹے طبقے میں بھی یہ کا سرانجام دیا جانے لگا ہے۔ الغرض نیو ایئر نائٹ پر رنگ برنگی محفلیں ہوتی ہیں، جام سے جام ٹکراتے ہیں، بڑے بڑے ہوٹلوں، پلازوں اور امرا کے عشرت کدوں میں ناچ گانے اور عیاشی کے پروگرام رات گئے تک جاری رہتے ہیں۔

روز نامہ پاکستان یکم جنوری 2002ء میں ہے کہ 31 دسمبر کی رات شدید سردی کے باوجود ٹھیک بارہ بجے نوجوان سڑکوں پر آ کر نئے سال کا خیر مقدم کرتے رہے۔ لاہور میں مال روڈ اور فورٹریس اسٹیڈیم کے علاقوں میں نوجوان نعرے بازی کرتے رہے۔ دوسری جانب نیوایئر نائٹ پر صوبائی دارالحکومت کے کسی بھی اہم اور غیر اہم ہوٹل میں کمرہ دستیاب نہ تھا۔ مختلف تنظیموں اور امراء نے اپنی خفیہ محفلیں سجانے کے لیے کئی روز پہلے ہی کمرے بک کروا لیے تھے۔ جن میں رات بھر محفلیں جاری رہیں۔ اس طرح مختلف بڑے نجی اداروں اور تنظیموں کے زیر اہتمام بھی خفیہ تقریبات ہوتی رہیں۔ پولس اہلکار مختلف

علاقوں میں جمع نوجوانوں کو چیک کرتے رہے دن بھر پولس نے درجنوں شرابی گرفتار کر کے ان سے بوتلیں برآمد کیں۔

دنیا کی دیگر رسومات کی طرح اس رسم کو منانے کے بھی مختلف طریقے رہے ہیں۔ جنوبی ایشیا میں پرندے اور فاختائیں آزاد کرتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آئندہ مہینے ان کے لیے اچھے ہوں گئے۔ یہودی لوگ مخصوص کھانوں کے ساتھ مذہبی تقریبات منعقد کرتے ہیں۔ جاپانی چاولوں کا کیک تیار کرتے ہیں۔ امریکی لوگ 13 دسمبر ہی سے اس کا آغاز کر دیتے ہیں اور بسا اوقات بہروپ بھرتے ہوئے نئے کپڑے پہن کر منہ پر ماسک چڑھاتے ہیں۔ یہ ساری ابتدائی چیزیں آہستہ آہستہ کھانوں کی جگہ شراب کباب نے لے لیں، تقریبات نے ڈانس پارٹیوں کا رنگ اختیار کر لیا۔ پھر وہی سب کچھ ہونے لگا جس کا پہلے بیان ہو چکا ہے۔

نیوایئر نائٹ پر ہونے والے نقصانات

نیوایئر نائٹ ہر سال دنیا بھر میں نیوایئر نائٹ پر بے شمار حادثات ہوتے رہتے ہیں۔ برازیل کے شہر روڈی جنیرو میں ایک بدنام زمانہ ساحل ہے جس کا نام کوپاکابانا (Copaca bana) ہے۔ یہ ساحل ساڑھے چار کلومیٹر طویل ہے۔ اس ساحل پر 2002ء میں پندرہ لاکھ افراد جمع ہوئے۔ رات بارہ بجے جب روشنیاں بجھیں اور آتش بازی شروع ہوئی تو وہاں ہلڑ مچ گیا۔ اس ہنگامے میں سیکڑوں نوجوان سمندر میں گر گئے، درجنوں لڑکیوں کی عصمت دری ہوئی اور بے شمار افراد پیروں میں کچلے گئے۔ دوسرے دن ساحل پر انسانی اعضا، خون اور پھٹے پرانے کپڑے کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔

یکم جنوری 2005ء کی خبر ہے ارجنٹائن کے دارالحکومت بیونس آئرس کے ایک

نائٹ کلب میں نئے سال کی خوشی میں موسیقی کے ایک پروگرام کے دوران آتش بازی کے نتیجے میں آگ لگنے کی وجہ سے کم از کم 200 افراد جل کر ہلاک اور 400 سے زائد شدید زخمی ہو گئے۔ جن میں بعض کی حالت تشویش ناک بتائی گئی اور ہلاکتوں میں اضافے کا خدشہ ظاہر کیا گیا۔ ارجنٹائن کے وزیر داخلہ ''انبیل فنانڈو'' نے بتایا کہ دارالحکومت بیونس آئرس کے کرومگنن نائٹ کلب میں آتش بازی کے مظاہرے کے دوران اچانک آگ بھڑک اٹھی۔ انھوں نے بتایا کہ اس واقعہ کے دوران کلب کے ہال میں 1500 افراد موجود تھے۔ جن میں کم از کم 200 افراد آگ لگنے کے باعث جل کر ہلاک، جبکہ 400 سے زائد شدید زخمی ہوئے۔

کولمبیا کے سب سے بڑے شہر بگوٹا میں 2002ء میں صرف ایک گھنٹے کے اندر 741 مارے گئے۔ یہ تمام لوگ نوجوان تھے جنھوں نے رات کو نیو ایئر نائٹ کا اعلان ہوتے ہی ایک دوسرے پر حملہ کر دیا۔ اس حملے میں چونسٹھ 64 افراد گولی لگنے، 22 افراد خنجر لگنے، 11 پتھر تلے کچلے جانے اور 50 سڑکوں پر حادثات کے باعث مارے گئے۔ اور کولمبیا کی حکومت نے خیال ظاہر کیا تھا کہ 2003ء میں مرنے والوں کی تعداد 400 ہو سکتی ہے۔

یکم جنوری 2005ء نوائے وقت کی خبر کے مطابق پیرا گویہ میں 2004ء کے دوران آتش بازی کے باعث 400 افراد ہلاک اور سینکڑوں زخمی ہو گئے تھے۔ پاکستان میں کثرت شراب نوشی اور زہریلی شراب پینے کے باعث 25 افراد مارے گئے۔ ہر سال حادثات کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔

نیو ایئر نائٹ کے باطنی قباحتوں اور شرعی حرمت کے علاوہ ظاہری نقصانات کا

ایک سرسری جائزہ آپ نے ملاحظہ کیا جس سے اس بات کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ رسم ایجاد کرنے والے اہل مغرب نے دراصل اپنی لامذہبیت کے حساب سے تفریح کا ایک موقع تلاش کیا، جب کہ ان کا مذہب بھی خواہ یہودیت ہو یا نصرانیت ایسی واہیات اور بے ہودہ رسم کی اجازت کبھی نہیں دے سکتا جس میں عصمتیں لٹیں، جوانیاں برباد ہوں، غل غپاڑے کے ساتھ ساتھ ناچ رنگ اور جام اور اللہ کی حدود پھلانگ کر خالق کی نافرمانی میں مخلوق اس قدر دیدہ دلیری کا مظاہرہ کرنے لگے۔ اہل پاکستان پر بھی کچھ عرصہ سے نیو ایئر نائٹ کا عذاب آیا ہوا ہے جس کی تقریبات کا انعقاد کرنے والے اور فائرنگ و ناچ رنگ سے اس رات کو ہنگامہ بپا کرنے والے اللہ کے عذاب کو دعوت دے رہے ہوتے ہیں اس طرح وہ خود تو مبتلائے عذاب ہوتے ہی ہیں، دوسروں کا سکون بھی برباد کرتے ہیں۔ اللہ ہماری قوم کو ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین۔ (ماخوذ از، ماہنامہ اشرفیہ، دسمبر 2007ء)

سفر کے لئے مبارک دن

سفر کس دن کرنا مبارک ہے اس کے متعلق بعض لوگ الگ الگ رائے رکھتے ہیں اس لئے یہاں یہ بتانا مناسب ہے کون سے دن سفر کرنا مبارک ہے۔ سفر کے لئے مبارک دن جمعرات، ہفتہ اور پیر ہے۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے پوچھا گیا کہ: ''سفر کے لئے کون کون سے دن مخصوص ہیں؟ تو فرماتے ہیں: ''پنجشنبہ دوشنبہ (جمعرات، ہفتہ اور پیر) حدیث شریف میں ہے بروز شنبہ (یعنی ہفتہ) قبل طلوع آفتاب (یعنی سورج نکلنے سے پہلے) جو کسی حاجت کی طلب میں نکلے ان کا ضامن میں ہوں۔ (کنز العمال) بحمد اللہ دوسرے بار کی حاضری حرمین طیبین میں یہاں سے جانے اور وہاں سے واپس آنے میں انہیں تین دن میں سے ایک دن میں روانگی ہوئی تھی اور بفضلہٖ تعالیٰ فقیر کا یومِ ولادت بھی

شنبہ (یعنی ہفتہ) ہے۔" (ملفوظات اعلیٰ حضرت، حصہ1، صفحہ60، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

منگل کے دن کپڑا کاٹنا

بعض عورتوں میں اس طرح کی باتیں ہوتی ہیں کہ فلاں دن یہ نہیں کرنا چاہئے وہ نہیں کرنا چاہئے وغیرہ۔ ان سب باتوں کی کوئی اصل نہیں، سب خودساختہ باتیں ہیں۔ البتہ منگل کے دن کپڑا کاٹنے کے متعلق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے: "جو کپڑا منگل کے دن قطع ہو وہ جلے گا یا ڈوبے گا یا چوری ہو جائے گا۔"

(ملفوظات اعلیٰ حضرت، حصہ2، صفحہ268، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

اس فرمان کے باوجود منگل کو کپڑا کاٹنا ناجائز وحرام نہیں بلکہ جائز ہے البتہ نہ کاٹنا بہتر ہے۔ ایک حدیث پاک میں بدھ والے دن ناخن کاٹنے سے منع کیا گیا ہے کہ برص کی بیماری پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک قول جوتا پہننے کے متعلق بھی ہے کہ پیلے رنگ کا جوتا پہنا غم کو کم کرتا ہے چنانچہ سورت بقرہ میں جو گائے کے متعلق واقعہ ہے ﴿قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّکَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُھَا قَالَ اِنَّہٗ یَقُوْلُ اِنَّھَا بَقَرَۃٌ صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُھَا تَسُرُّ النّٰظِرِیْنَ﴾ ترجمہ کنزالایمان: بولے اپنے رب سے دعا کیجئے ہمیں بتادے اس کا رنگ کیا ہے کہا وہ فرماتا ہے وہ ایک پیلی گائے ہے جس کی رنگت ڈہڈہاتی دیکھنے والوں کو خوشی دیتی۔ اس آیت کی تفسیر میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "کان علی کرم اللہ تعالی وجھہ یرغب فی النعال الصفر ویقول من لبس نعلاً أصفر قل ھمہ، ونھی ابن الزبیر ویحیی بن أبی کثیر عن لباس النعال السود لأنھا تغم" ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم پیلا جوتا پہننے کی ترغیب دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو پیلا جوتا پہنے گا اسکا غم کم ہوگا۔ حضرت ابن زبیر اور حضرت

یحیٰی بن ابی کثیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سیاہ جوتا پہننے سے منع کرتے تھے کہ اس سے غم پیدا ہوتا ہے۔

(تفسیر روح المعانی، فی التفسیر، سورۃ البقرہ، سورت 2، آیت69، جلد1، صفحہ289، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

فصلِ ہفتم: علاج معالجہ کے متعلق رسم ورواج

علاج معالجہ دو طرح کے رائج ہیں ایک ڈاکٹری اور ایک روحانی۔ ڈاکٹری میں بھی بعض اوقات غیر شرعی افعال کر دیئے جاتے ہیں جیسے چھوٹے بچے کو نزلہ زکام پر برانڈی شراب کے چند قطرے پلائے جاتے ہیں، بعض اوقات ڈاکٹر معمولی بات پر روزہ چھوڑنے کا کہہ دیتے ہیں، زیادہ بچے نہ لینے کے لئے حمل ضائع کروا دیا جاتا ہے اور نسبندی کروادی جاتی ہے، بلا عذر شرعی غیر کے آگے ستر عورت کھولا جاتا ہے وغیرہ۔ اسی طرح روحانی علاج میں بعض لوگ بیماری کے علاج یا حصول اولاد کے لئے ناجائز و کفریہ شرکیہ افعال بھی کر دیتے ہیں۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ علاج معالجہ میں ناجائز وحرام افعال سے باز رہیں۔ نجس وحرام چیز سے علاج کرنے کی ممانعت احادیث میں آئی ہے چنانچہ السنن الکبریٰ للبیہقی میں ہے "عن أبی الدرداء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ عزوجل انزل الداء والدواء وجعل لکل داء دواء فتداووا ولا تداووا بحرام" ترجمہ: حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ عزوجل نے مرض اور دواء نازل فرمائی اور ہر مرض کیلئے دواء ہے تو علاج کرو لیکن حرام سے نہ کرو۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی، باب النھی عن التداوی بما یکون حراما، جلد10، صفحہ9، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے سوال ہوا: ''ایک شخص نے ایک مرتبہ اپنی حالت بیماری میں اپنے اچھا ہونے کی غرض سے ایک روز کچھ ہنود کو اپنے مکان پر بلا کر ڈبر وبجوایا اور موافق رسم ہنود کے ہندوؤں کے دیوتا کی پوجا یعنی بکری اور مرغا ہندوؤں سے مروایا یعنی مردار کرایا اور ڈبرو پر ناچا، اس ناجائز حرام کام کرنے پر یہاں کے مسلمان لوگوں نے اس شخص کو برادری سے نکال باہر کر دیا اور حقہ بند کر دیا، کچھ دنوں بعد اس بت پرست شخص نے مسلمانوں سے کہا میری جان جا رہی تھی اس وجہ سے میں نے یہ کام کرائے آئندہ مجھ سے ایسا قصور نہ ہوگا۔ تب یہاں کے مسلمانوں نے اس کی معافی مانگنے اور آئندہ کو توبہ کرنے سے اس کا ایک سو روپیہ جرمانہ لے کر اور توبہ کروا کر حقہ کھول دیا۔ بعد کچھ دنوں کے پھر اس شخص نے پوشیدہ طور پر رات کو ایک ہندو کے یہاں اپنی بیوی اور لڑکی کو بھیج کر ڈبرو بجوایا اور ان کی لڑکی ناچی یعنی لڑکی کے بدن پر ڈبرو بجانے سے دیوتا مسان آیا اور اسی نے یعنی دیوتا نے بکری اور مرغا مانگا تو ڈبرو بجانے والے نے مرغا اور بکرا کو مردار کر کے پوجا کی۔ دوبارہ اس حرکت کی کسی کو خبر نہ ہوئی اب سہ بارہ اس شخص نے ایک ہندو کو اپنے مکان پر بلا کے ایک مرغا اس کو یعنی اس ہندو کو دیا اس نے موافق اپنے رسوم کے مرغے کو اپنے قبرستان میں لے جا کر رات کو مردار کر کے قبر میں دبا دیا اور ایک قبرستان میں جا کر پتھروں کو پوجا۔ اس کام کے کرنے پر یہاں مسلمانوں نے پھر اس کا حقہ بند کر دیا اور کہا کہ تو نے مکرر سہ کرر اسی کام کو کیا اور کرتا ہے تو کافر ہے۔ اس کے جواب میں بت پرست مسلمان کہتا ہے ضرورت شدید (یعنی بطور علاج) میں یہ کام جائز ہے یعنی مولوی لوگوں سے معلوم کر لیا ہے۔ لہذا عرض کہ اس مسئلہ کو خلاصہ تحریر کیجئے کہ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یہاں یہ کام جائز ہے یا انہوں نے یہ کام کرے اگر یہ کام جائز ہے، نہیں تو اس

کام کے کرنے والے کو مسئلہ سے کیا سزا ہونا چاہئے؟

جواباً فرمایا: ''صورت مستفسرہ میں وہ کافر ہے اور وہ مولویوں پر افترا کرتا ہے۔ کوئی مولوی ایسا نہیں کہہ سکتا اور اگر کسی نام کے مولوی نے مرض سے شفا کے واسطے غیر خدا کی پوجا جائز کر دی ہو تو وہ بھی کافر ہے۔ اور یہ شخص جب کہ تین بار ایسا کر چکا اب مسلمان اسے ہرگز نہ بلائیں اگرچہ توبہ ظاہر کرے کہ وہ جھوٹا ہے اور فریب دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عزوجل فرماتا ہے ﴿**ان الذین اٰمنوا ثم کفروا ثم اٰمنوا ثم کفروا ثم ازدادوا کفرا o لن تقبل توبتهم و اولٰئک هم الضالون**﴾ بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر اور کفر میں بڑھے۔ ان کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی اور وہی ہیں بہکے ہوئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔''

(فتاوی رضویہ، جلد14، صفحہ362، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

فتاوی اجملیہ میں مفتی محمد اجمل قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا: ''زید جو اپنے مسلمان اور پابند شرع ہونے کا دعویدار ہے، اس نے اپنے ایک مرض سے تنگ آ کر ایک برہمن سے اوجھائی کرائی اور خود بھی ہندوؤں کے تہوار ہولی کی رات میں برہنہ ہو کر ٹوٹکے کے طور پر آگ کے جلتے میں کچھ چیزیں ڈالیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسلمانوں کا اس کے ساتھ کیا برتاؤ ہونا چاہئے اور احکام اسلام کی رو سے زید کس گناہ کا مرتکب ہوا۔''

جواباً فرماتے ہیں: ''صورت مسؤلہ میں زید پر ان ناپاک حرکات کی بنا پر توبہ اور تجدید ایمان ضروری ہے۔ پھر اگر وہ بالاعلان توبہ کر کے تجدید ایمان کر لے تو اس کے ساتھ سارے اسلامی معاملات کرنے درست ہیں۔ اور اگر وہ معاذ اللہ توبہ ہی نہ کرے تو پھر اس کے ساتھ میل جول سلام و کلام اور تمام اسلامی تعلقات ترک کر دینے چاہئیں۔''

(فتاوی اجملیہ، جلد4، صفحہ32، شبیر برادرز، لاہور)

موجوده ددور میں بھی علاج کے لئے کئی شرکیہ و بدعتی افعال خصوصا عورتیں کرتی ہیں۔مسلمانوں کوشریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے علاج کروانا چاہئے۔بعض عامل یونہی ساری زندگی کے لئے کسی کو بڑا گوشت کھانے سے منع کر دیتے ہیں اور وہ ساری زندگی بڑے گوشت کو مکروہ جانتا ہے۔اگر واقعی کوئی صحیح عامل بطور علاج کسی گوشت کو منع کرے پھر باز رہنے میں کوئی حرج نہیں۔

دم کرنا

دَم کا مطلب ہے کچھ پڑھ کر پھونکنا۔علاج کے طور پر کسی نیکوکار سے دَم کروایا جاتا ہے یہ بالکل جائز اور احادیث واسلاف سے ثابت ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود یہ عمل فرمایا ہے۔مسلم شریف کی حدیث پاک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دم کے متعلق ارشاد فرمایا" لا بأس بالرقى ما لم يكن فيه شرك" ترجمہ: دم میں کوئی حرج نہیں جب تک کہ اس میں شرکیہ (الفاظ) نہ ہوں۔

(صحيح مسلم، كتاب السلام ،باب لابأس بالرقى مالم يكن فيه شرك، جلد4، صفحه1726، دار إحياء التراث العربي ،بيروت)

وہابی حضرات دَم کو بھی ناجائز و بدعت کہتے ہیں، اس پر کلام کرتے ہوئے صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''دم کرنا قرآن پاک پڑھ کر جائز ہے۔اس کو منع کرنا اور ناجائز بتانا جہل و نادانی ہے۔مشکوۃ شریف میں ہے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے"أن النبي صلى الله عليه و سلم كان إذا أوى إلى فراشه كل ليلة جمع كفيه ثم نفث فيهما فقرأ فيهما (قل هو الله أحد)و (قل أعوذ برب الفلق)و (قل أعوذ برب الناس)ثم يمسح بهما ما استطاع من جسده يبدأ بهما على رأسه ووجهه وما أقبل من جسده

يفعل ذلك ثلاث مرات" یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب وقت خواب بستر مبارک پر تشریف لاتے ہر دو کف دست مبارک کو جمع کر کے ان میں دم کرتے اور سورۃ قل ھواللہ اور سورۃ فلق وسورۃ الناس پڑھتے۔پھر دونوں مبارک ہاتھوں کو جہاں تک وہ ہاتھ پہنچ سکتے اپنے جسم مبارک پر پھیرتے۔سر مبارک، چہرہ مبارک اور بدن اقدس کی سامنے کی جانب سے ابتدا فرماتے اور یہ عمل تین مرتبہ فرماتے۔

اس سے ثابت ہوا کہ قرآن کریم پڑھ کر دم کرنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل ہے اور اس کو منع کرنا اور ناجائز بتانا جہل و نادانی ہے۔اسی حدیث کے حاشیہ میں لمعات سے منقول ہے "قد روى انه صلى الله عليه وآله وسلم في مرضه اخذ بيدى عائشة فقراء و نفث فيهما وامر ها بامرارهما على جسده الشريف" یعنی حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مرض کی حالت میں حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہر دو دست مبارک میں پڑھ کر دم فرماتے اور ان مبارک ہاتھوں کو اپنے جسم مبارک پر پھیرنے کا حکم دیتے۔

دیکھئے دم کرنا اور ہاتھوں کا بدن پر پھیرنا حدیث شریف سے ثابت اور اللہ عزوجل کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فعل مبارک۔اس کو ناجائز اور بدعت کہنا کیسا اندھا پن اور نابینائی ہے۔کیا ان بدنصیبوں کے نزدیک رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افعال بھی بدعت ہو گئے؟ تف ہزار تف اس باطل مذہب پر جس کی ضد اس درجہ کو پہنچ گئی کہ اس نے امور مسنونہ افعال نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی بدعت کہہ ڈالا۔مگر اپنی اس بدعت میں وہ خود کہاں بچے گا۔اس سے کہو کہ گھر کی تو خبر لو اور اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھے اور اپنے استاذ الاساتذہ اور پیر پیراں مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی کتاب

''قول جمیل'' پڑھے جس کی آٹھویں فصل میں لکھا ہے "سمعتہ یقول اذا ظھر مرض الحصبة فخذ خیطا ازرق و اقرء سورة الرحمن و کلما مررت علی قوله تعالیٰ فبای الآء ربکما تکذبٰن فعقد عقدة فیها و علق الخیط فی عنق الصبی یعافه الله تعالیٰ من ذلك المرض" اس کا ترجمہ پیشوائے آں طائفہ مولوی خرم علی نے ان لفظوں میں کیا: اور میں نے حضرت والا سے سنا فرماتے تھے جب چیچک کی بیماری ظاہر ہو تو نیلا تاگا لے اور اس پر سورۃ رحمٰن پڑھ اور جتنی بار کہ ﴿فبای الاء ربکما تکذبٰن﴾ پر پہنچے تو ایک گرہ دے اور اس پر پھونک ڈال اور تاگے کو لڑکے کی گردن میں باندھ دے حق تعالیٰ اس کو اس بیماری سے شفا دے گا۔

اب دیکھئے یہ لوگ اپنے شیخ المشائخ پر کیا حکم لگاتے ہیں؟ انہوں نے پھونکنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تاگا اور گرہ لگانا اور اضافہ فرما دیا۔ ان کے نزدیک تو یہ ڈبل بدعتیں ہوئیں۔ ان کے متعلق بھی کچھ حکم صادر کریں۔ (صدر الافاضل نے مزید شاہ ولی اللہ کے حوالے دیئے پھر فرمایا) مولوی اشرف علی کا ترجمہ قرآن اٹھالایئے اور سورۃ فاتحہ کے خواص دیکھئے جہاں وہ لکھتے ہیں کہ: امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ الحمد شریف چالیس بار پانی پر دم کر کے بخار والوں کے منہ پر چھینٹا دے تو ان شاء اللہ تعالیٰ بخار دفع ہو۔ (در النظیم) آنکھ کے درد کے لئے فجر کی سنت و فرض کے درمیان اکتالیس بار دم کرنے سے درد جاتا ہے۔

اب دیکھئے ان کے دین کے اس نئے مجتہد نے پانی پر دم کرنے کا بھی حکم دیا اور مریض پر دم کرنے کا بھی۔ اور اسی ترجمہ: میں یہی بحوالہ تفسیر عزیزی لکھا ہے کہ ہر قسم کے درد کے لئے سات بار پڑھ کر دم کرنا بھی مجرب ہے۔

دیکھنا ہے کہ اب یہ کیا کہتے ہیں؟ اپنے اس حکم کو غلط مانتے ہیں یا اپنے نئے

پرانے پیروں کو بدعتی گردانتے ہیں۔ یہ حقیقت ہوتی ہے ان کی بدعتوں کی۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔''

(فتاوی صدر الافاضل، صفحہ 475، شبیر برادرز، لاہور)

تعویذ

تعویذ کا مطلب ہے امان، بچاؤ۔ یعنی اللہ عزوجل کے نام سے امان حاصل کرنا۔ مسلمانوں میں رائج ہے کہ وہ کسی بیماری یا نظر بد سے بچنے یا جادو سے بچنے کے لئے تعویذ پہنتے ہیں یا گھر میں لگا دیتے ہیں۔ یہ عمل جائز ہے۔ بہار شریعت میں ہے: ''تعویذ لٹکانا جائز ہے، جب کہ وہ تعویذ جائز ہو یعنی آیاتِ قرآنیہ یا اسمائے الہیہ یا ادعیہ سے تعویذ کیا گیا ہو اور بعض حدیثوں میں جو ممانعت آئی ہے اس سے مراد وہ تعویذات ہیں جو ناجائز الفاظ پر مشتمل ہوں جو زمانہ جاہلیت میں کئے جاتے تھے۔''

(بہار شریعت، جلد2، حصہ16، صفحہ155، ضیاء القرآن، لاہور)

تعویذ کے جواز اور اسے جنابت کی حالت میں پہننے کے متعلق ردالمحتار میں ہے "ولا بأس بأن یشد الجنب والحائض التعاوید علی العضد إذا کانت ملفوفة" ترجمہ: جنب وحائض ونفاس (والی) بھی تعویذات کو گلے میں پہن سکتی ہے جب کہ تعویذات غلاف میں ہوں۔

(ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحت، فصل فی اللباس، جلد6، صفحہ363، دارالفکر، بیروت)

یہ احتیاط کرنی چاہئے کہ آج کل جو جعلی پیر بے نمازی، داڑھی منڈے، ہیں نہ ان سے دم کروایا جائے اور نہ ان سے تعویذ لیا جائے۔ اسی طرح بدمذہب سے ہرگز دم یا تعویذ نہ لیا جائے۔ بعض عورتیں شوہر کو اپنے ماتحت کرنے کے لئے جادو ٹونے کے علاوہ تعویذ وغیرہ لیتی ہیں، ان کا ایسا کرنا جائز نہیں۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ''عملیات و تعویذ اسمائے الہی وکلام الہی عزوجل سے ضرور جائز ہیں جبکہ ان میں کوئی

طریقہ خلاف شرع نہ ہو مثلاً کوئی لفظ غیر معلوم المعنی جیسے حفیظی، رمضان، کعسلہون اور اور دعائے طاعون میں طاسوسا، عاسوسا، ماسوسا، ایسے الفاظ کی اجازت نہیں جب تک حدیث یا آثار یا اقوال مشائخ معتمدین سے ثابت نہ ہو، یونہی دفع صرع وغیرہ کے تعویذ کہ مرغ کے خون سے لکھتے ہیں یہ بھی ناجائز ہے اس کے عوض مشک سے لکھیں کہ وہ بھی اصل میں خون ہے، یونہی حب وتسخیر کے لئے بعض تعویذات دروازہ کی چوکھٹ میں دفن کرتے ہیں کہ آتے جاتے اس پر پاؤں پڑیں یہ بھی ممنوع وخلاف ادب ہے، اسی طرح وہ مقصود جس کے لئے وہ تعویذ یا عمل کیا جائے اگر خلاف شرع ہو ناجائز ہو جائے گا جیسے عورتیں تسخیر شوہر کے لئے تعویذ کراتی ہیں، یہ حکم شرع کا عکس ہے۔ اللہ عزّ وجل نے شوہر کو حاکم بنایا ہے اسے محکوم بنانا عورت پر حرام ہے۔ یونہی تفریق وعداوت کے عمل و تعویذ کہ محارم میں کئے جائیں مثلاً بھائی کو بھائی سے جدا کرنا یہ قطع رحم ہے اور قطع رحم حرام، یونہی زن وشو میں نفاق ڈلوانا ۔حدیث میں فرمایا "لیس منّا من خبب امرأۃ علی زوجھا" جو کسی عورت کو اس کے شوہر سے بگاڑ دے وہ ہمارے گروہ سے نہیں۔"

(فتاوی رضویہ، جلد24، صفحہ196، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

یہ بھی رائج ہے کہ کسی مزار کا دھاگہ ہاتھ یا پاؤں میں بغرض شفا وتبرک کے طور باندھ لیا جاتا ہے۔ اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ پلیٹوں پر متبرک کلام لکھا جاتا ہے پھر اس میں پانی ڈال کر شفا کی غرض سے مریض کو پلایا جاتا ہے۔ برتن پر قرآنی سورت لکھوا کر اس میں پانی پیا جاتا ہے۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے سوال ہوا کہ اگر برتن میں آیات وغیرہ لکھی ہوں تو اس میں کھانا کیسا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: "اگر بغرض اِسْتِشْفَا (یعنی آیات کی برکت سے حصولِ شفا کے لئے) ہے تو حرج نہیں لیکن باوضو، ورنہ اجازت نہیں۔" (ملفوظات، حصہ2، صفحہ236، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

بہار شریعت میں ہے: "اسی طرح تعویذات اور آیات واحادیث وادعیہ رکابی میں لکھ کر مریض کو بہ نیت شفاء پلانا جائز ہے۔"

(بہار شریعت، جلد2، حصہ16، صفحہ155، ضیاء القرآن، لاہور)

کبھی کسی بزرگ کی عطا کردہ چیز کو مرض کے جگہ شفا کی غرض سے رکھا جاتا ہے۔ اس طرح کسی متبرک چیز سے شفا حاصل کرنا اس حدیث سے ثابت ہے جو بخاری شریف میں ہے "حدثنا اسرائیل عن عثمان بن عبد الله بن موھب قال أرسلنی أھلی إلی أم سلمة بقدح من ماء وقبض إسرائیل ثلاث أصابع من قصة فیه شعر من شعر النبی صلی الله علیه وسلم وکان إذا أصاب الإنسان عین أو شیء بعث إلیھا مخضبه، فاطلعت فی الجلجل فرأیت شعرات حمرا" ترجمہ: ہم سے حضرت اسرائیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ حضرت عثمان بن عبداللہ بن موہب فرماتے ہیں کہ میرے گھر والوں نے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک چاندی کا پیالہ دے کر بھیجا، اسرائیل (راوی) نے (پیالے کے چھوٹے ہونے کو بیان کرنے کے لئے) تین انگلیاں سکوڑ لیں، اس پیالے میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بالوں میں سے ایک بال تھا، جب کسی انسان کو نظر لگ جاتی یا کچھ ہو جاتا تو وہ ام المؤمنین کے یہاں ایک برتن بھیجتا، میں نے پیالے میں جھانکا تو چند سرخ بال دکھائی دیئے۔

(صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب مایذکر فیه الشیب، جلد7، صفحہ160، دار طوق النجاۃ، مصر)

اس حدیث پاک کے تحت عمدۃ القاری میں ہے "ان ام سلمه کان عندھما شعرات من شعر النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم حمر فی شئ مثل الجلجل وکان الناس عند مرضھم یتبرکون بھا ویستشفون من برکتھا ویاخذون من شعره ویجعلون فی قدح من الماء فیشربون الماء الذی فیه الشعر فیحصل لھم

الشفاء" ترجمہ: ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس نلکی کی مثل کسی چیز میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سرخ بال مبارک تھے، لوگ اپنے امراض میں ان سے برکتیں حاصل کرتے اور ان کی برکت سے شفاء حاصل کرتے تھے، بال مبارک لے کر کسی پانی کے برتن میں رکھتے اور بال مبارک والا پانی پی لیتے جس کی برکت سے انہیں شفاء حاصل ہو جاتی۔

(عمدة القاری، کتاب اللباس، باب مایذکر فیه الشیب، جلد22، صفحه49، دار إحیاء التراث، بیروت)

ثابت ہوا کہ یہ عمل صحابہ کرام و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے۔ اس کے برعکس وہابی حضرات ان عوامل کے مخالف ہیں بلکہ تعویذ کو بدعت کہتے ہیں۔ مختار احمد ندوی صاحب نے ایک کتاب قرآن خوانی اور ایصال ثواب میں لکھا ہے: ''قرآن کا تعویذ بنا کر اس کا کچھ حصہ لکھ کر نظر بد سے بچنے کے لئے بچوں یا بڑوں کی گردن میں لٹکانا یا موٹر کار پر لٹکانا بھی بدعت ہے۔''

(قرآن خوانی اور ایصال ثواب، صفحه72، دعوت و توعية الجاليات، ربوه، رياض)

بلکہ وہابی حضرات اسے شرک تک کہہ دیتے ہیں۔ اس پر احادیث پیش کرتے ہیں۔ ایک حدیث جو اکثر پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے: ابی حاتم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بیان کیا ہے کہ انہوں نے ایک شخص کے ہاتھ میں گنڈا (دھاگہ) بندھا ہوا دیکھا جو اس نے بخار دور کرنے کے لئے باندھا تھا۔ آپ نے اسے کاٹ دیا اور قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ترجمہ ان میں اکثر اللہ کو مانتے ہیں مگر اس طرح کہ اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ وہابی حضرات اپنی کتب میں تعویذ کے ناجائز ہونے پر جو حدیث پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ حضرت عقبی بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "من تعلق تميمة فقد اشرك" ترجمہ: جس

شخص نے گلے میں تعویذ لٹکایا اس نے شرک کیا۔

جبکہ اہل سنت کے نزدیک جن احادیث میں تعویذ کی ممانعت آئی ہے اس سے مراد شرکیہ تعویذ ہیں۔ کیونکہ زمانہ جاہلیت میں بھی تعویذ و دم سے علاج کیا جاتا تھا اور اس میں شرکیہ الفاظ ہوتے تھے اس لئے اس سے منع کر دیا گیا۔ یہ بات مسلم شریف کی اس حدیث سے واضح ہوتی ہے "عن جابر قال نهى رسول الله صلى الله عليه و سلم عن الرقى فجاء آل عمرو بن حزم إلى رسول الله صلى الله عليه و سلم فقالوا يا رسول الله إنه كانت عندنا رقية نرقى بها من العقرب وإنك نهيت عن الرقى قال فعرضوها عليه فقال ما أرى بأسا من استطاع منكم أن ينفع أخاه فلينفعه" ترجمہ: روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دم پھونک سے منع فرمایا تو عمرو ابن حزم کے گھر والے آئے۔ بولے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہمارے پاس دم ہے جسے ہم بچھو سے دم کرتے ہیں اور آپ نے جھاڑ پھونک سے منع فرمایا ہے۔ رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنا دم پیش کرو۔ چنانچہ انہوں نے وہ حضور پر پیش کیا تو فرمایا کہ اس میں ہم کوئی حرج نہیں دیکھتے۔ تم میں سے جو اپنے بھائی کو نفع پہنچا سکے وہ اسے نفع پہنچائے۔

(صحيح مسلم، كتاب السلام، باب استحباب الرقية من العين والنملة والحمة والنظرة، جلد4، صفحه1726، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

دم و تعویذ کرنا صحابہ کرام علیہم الرضوان سے ثابت ہے۔ ابوداؤد، مشکوٰۃ اور ترمذی شریف کی حدیث پاک ہے "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال إذا فرغ أحدكم في النوم فليقل أعوذ بكلمات الله التامات من غضبه وعقابه و شر عباده و من همزات الشيطان و أن يحضرون

فإنها لن تضره قال و كان عبد الله بن عمرو يعلمها من بلغ من ولده و من لم يبلغ منهم كتبها في صك ثم علقها في عنقه" ترجمہ: روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنی خواب سے گھبرا جائے تو کہہ لے میں اللہ کے پورے کلمات کی پناہ لیتا ہوں اس کی ناراضی اس کے عذاب سے اور اس کے بندوں کے شر اور شیطانوں کے وسوسوں سے اور ان کی حاضری سے، تو تمہیں کچھ نقصان نہ پہنچے گا۔ عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بالغ اولاد کو یہ سکھا دیتے تھے اور ان میں سے نابالغوں کے گلے میں کسی کاغذ پر لکھ کر ڈال دیتے تھے۔

(جامع ترمذی، کتاب الدعوات، باب القول عند الفزع من النوم، جلد5، صفحہ541، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

اس حدیث کی شرح کے تحت وہابیوں ہی کے ایک مولوی صاحب نے عون المعبود میں لکھا ہے "وفيه دليل على جواز تعليق التعوذ على الصغار" ترجمہ: اس میں چھوٹے بچوں کے گلے میں تعویذ ڈالنے کا جواز ہے۔

(عون المعبود، جلد10، صفحہ275، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

ایک اور حدیث پیش کی جاتی ہے جس میں خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابی کے ہاتھ میں تعویذ باندھا چنانچہ معرفۃ الصحابۃ لأبی نعیم الاصفہانی کی حدیث پاک ہے "عن ابن ثعلبة أنه أتى النبي صلى الله عليه وسلم ، فقال يا رسول الله ، ادع الله لي بالشهادة ، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ائتني بشعرات قال فأتاه ، فقال النبي صلى الله عليه وسلم اكشف عن عضدك قال فربطه في عضده ، ثم نفث فيه ، فقال اللهم حرم دم ابن ثعلبة على المشركين المنافقين "

ترجمہ: حضرت ابن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ عزوجل سے میرے لئے شہادت کی دعا کیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے پاس چند بال لاؤ۔ وہ بال لائے گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا اپنی کلائی کھولو۔ آپ نے ان کی کلائی پر یہ بال باندھ دیئے۔ پھر اس میں پھونک ماری، پھر فرمایا اے اللہ عزوجل! ابن ثعلبہ کا خون مشرکین، منافقین پر حرام فرما دے۔

(معرفة الصحابة لأبي نعيم الاصفهاني، ذكر من عرف بالآباء دون أسمائهم، وذكر لهم صحبة، جلد6، صفحہ3056، دار الوطن للنشر، الرياض)

بعض فقہاء نے بطور سد ذرائع کے تعویذ پہننے سے منع کیا ہے کہ کہیں لوگ ناجائز وشرکیہ تعویذ کا استعمال نہ کریں۔ الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ میں ہے "إن كان المعلق شيئا مما كتب فيه الرقى المجهولة والتعوذات الممنوعة فذلك حرام أيضا لقول النبي صلى الله عليه وسلم من تعلق تميمة فلا أتم الله له ، ومن تعلق ودعة فلا ودع الله له ،وإن كان المعلق شيئا كتب فيه شيء مما يجوز الاسترقاء به من القرآن أو الأدعية المأثورة ، فقد اختلف في جواز ذلك فقالت طائفة يجوز ذلك وهو قول عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنه ، وهو ظاهر ما روى عن عائشة رضي الله عنها وبه قال أبو جعفر ، وأحمد في رواية وحملوا حديث النهي عن التمائم على ما فيه شرك ونحوه من الرقى الممنوعة على ما تقدم بيانه" ترجمہ: اگر اس تعویذ میں کلمات مجہولہ وممنوعہ ہوں تو یہ حرام ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کے سبب کہ: "جس نے تعویذ پہنا اللہ عزوجل اسے اس میں کامیابی

نہ دے گا اور جو سکون واطمینان کے لئے پہنے اللہ عزوجل اسے سکون نہ دے گا۔" اگر تعویذ ایسا ہو جس میں جائز کلام لکھا ہو اور قرآن یا ماثورہ دعاؤں سے شفاء طلب کی گئی ہو تو اس کے جائز ہونے کے متعلق اختلاف ہے۔ ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ یہ جائز ہے اس گروہ میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت ابوجعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو اسے جائز کہتے ہیں اور جو حدیث تعویذ کی ممانعت پر ہے اسے شرکیہ اور ممنوع کلام پر محمول کرتے ہیں جیسا کہ ہم نے پہلے اس کے متعلق بیان کیا ہے۔

(الموسوعة الفقهيه الكويتيه، جلد13، صفحه32، دارالسلاسل، الكويت)

لہٰذا جتنی احادیث تعویذات کی ممانعت پر ہیں اس سے مراد شرکیہ تعویذات ہیں یا ویسے ہی لوہا، پیتل، وغیرہ کی چیزیں گلے میں ڈال لینا ہے جو کہ ناجائز ہے یا ان کو مؤثر حقیقی سمجھ لینا ہے۔ مسلمان جو تعویذات پہنتے ہیں اس میں اللہ عزوجل ہی کا کلام ہوتا ہے جسے وہ بطور علاج پہنتے ہیں۔ گویا وہ اللہ عزوجل ہی کے کلام سے شفاء طلب کرتے ہیں۔ لہٰذا بطور علاج تعویذ باندھنا ہرگز ناجائز و شرک نہیں بلکہ احادیث و مستند واقعات سے ثابت ہے۔ البتہ جو بعض مرد ہاتھوں میں ویسے ہی بغیر علاج دھاگہ، ڈوری وغیرہ باندھ لیتے ہیں یہ مکروہ ہے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے "لأن من عادة بعض الناس شد الخيوط على بعض الأعضاء، وكذا السلاسل وغيرها، وذلك مكروه لأنه محض عبث"

ترجمہ: بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ جسم کے بعض اعضاء پر دھاگے اور زنجیر وغیرہ باندھ لیتے ہیں، یہ مکروہ ہے کہ ایسا کرنا عبث فعل ہے۔

(ردالمحتار، كتاب الحظر والاباحت، فصل في اللباس، جلد6، صفحه363، دارالفكر، بيروت)

بعض لوگ ہاتھ پاؤں میں کڑے اور کانوں میں بالیاں ڈال لیتے ہیں یہ ناجائز

ہے۔ کئی مرد حضرت شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی دیوانگی میں ان کے نام کے کڑے پہنتے ہیں کئی منت کے کڑے پہنتے ہیں، یہ سب ناجائز ہے۔ بعض مرد اس طرح لوہے، پیتل، سونا، چاندی کی چیزیں بطور علاج ہاتھ پاؤں میں پہنتے ہیں جبکہ علاج کے طور پر بھی یہ پہننا جائز نہیں کہ موجودہ دور میں ہر بیماری کا حلال طریقے سے علاج ممکن ہے۔

اس روحانی علاج کے علاوہ جو مرد و عورت کالا علم کرنے والوں کے پاس جا کر دوسروں پر جادو ٹونہ کرواتے ہیں، اس کے کاروبار کو ختم کرنے، اسے نقصان واذیت پہنچانے کے لئے سب ناجائز و حرام ہے۔ حضور نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمانِ عبرت نشان ہے "من آذى مسلما فقد آذاني ومن آذاني فقد آذى الله عز وجل"

ترجمہ: جس نے کسی مسلمان کو ناحق ستایا اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ عزوجل کو ایذا دی۔

(المعجم الصغير، باب السين، من اسمه سعيد، جلد1، صفحه284، المكتب الإسلامي، بيروت)

جادو ٹونہ ناجائز تو ہے ہی بعض صورتوں میں کفر بھی ہوتا ہے جب کفریہ افعال کرنے پڑیں جیسا کہ بعض جادوگر کرتے ہیں۔ ہمارے یہاں ذرا سے مصیبت آجائے تو یہ سمجھا جاتا ہے مجھ پر فلاں نے کالا علم کروا دیا ہے اور پھر عاملوں کی روٹیاں شروع ہو جاتی ہیں جو عامل کہے کہ تم پر کالا علم نہیں ہے اسکو صحیح عامل نہیں سمجھا جاتا اور جو کہے کہ تجھ پر کالا علم کیا گیا ہے اسے قابل سمجھا جاتا ہے چاہے وہ جاہل و بے دین ہی کیوں نہ ہو۔ پھر یہ جاہل عامل لوگوں کے گھروں میں لڑائیاں کروا دیتے ہیں کہ فلاں نام کی عورت نے یا فلاں نام کے مرد نے تم پر کالا علم کروایا ہے۔ اکثر اوقات یہ عامل تکے مارتے ہیں اور بے گناہ مسلمانوں پر کالا علم کا الزام لگا دیتے ہیں جو کہ حرام ہے۔ سیدی و مرشدی امیر اہل سنت مولانا الیاس عطار قادری دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں: "کسی مسلمان پر بہتان رکھنا حرام اور جہنم

میں لے جانے والا کام ہے۔عامل کے بتانے یا خواب یا فال یا استخارے کے ذریعے پتہ چلنے کو شرعی ثبوت نہیں کہتے کہ جس کی بنیاد بنا کر کسی مسلمان کی طرف ان گناہوں کو منسوب کیا جاسکے۔ یہاں شرعی ثبوت یہ ہے کہ یا تو ملزم خود اقرار کرلے کہ میں نے جادو کیا یا کروایا ہے۔ یا دو مسلمان مرد یا ایک مسلمان مرد اور دو مسلمان عورتیں گواہی دیں کہ ہم نے اس کو خود جادو کرتے یا کرواتے دیکھا ہے۔''

(پردے کے بارے میں سوال جواب ،صفحہ391،مکتبۃ المدینہ،کراچی)

نظر لگنا

نظر کا لگنا احادیث سے ثابت ہے۔اس کے برے اثرات کا انسان اور اس کے کاروبار وغیرہ پر پڑنا حق ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا"العین حق"،ترجمہ:نظر حق ہے۔

(صحیح بخاری،کتاب الطب،باب العین حق ،جلد7،صفحہ132،دار طوق النجاۃ،مصر)

علامہ شامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں"العین حق تصیب المال والآدمی والحیوان ویظهر اثره فی ذلك عرف بالآثار" ترجمہ:نظر حق ہے۔یہ مال،آدمی اور حیوانات کو لگ جاتی ہے اور اس کا اثر ان پر ہو جاتا ہے۔یہ بات احادیث سے معلوم ہوئی ہے۔ (ردالمحتار،کتاب الحظروالاباحت،فصل فی اللبس،جلد6،صفحہ364،دارالفکر،بیروت)

مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:''نظر کا لگنا صحیح ہے احادیث سے ثابت ہے اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔حدیث میں ہے کہ جب اپنی یا کسی مسلمان بھائی کی چیز دیکھے اور پسند آئے تو برکت کی دعا کرے۔یہ کہے "تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْهِ"،یا اردو میں کہہ دے کہ اللہ برکت کرے۔اس طرح کہنے سے نظر نہیں لگے گی۔''

(بہار شریعت،حصہ16،جلد2،صفحہ156،ضیاء القرآن،لاہور)

نظر بد سے بچنے اور نظر اتارنے کے لئے مختلف ٹوٹکے رائج ہیں جیسے تعویذ پہنا جاتا ہے، گھر میں کوئی تعویذ لکھ کر لٹکا دیا جاتا ہے، چھوٹی کالی پٹی مکان یا گاڑی میں باندھ دی جاتی ہے، نظر اتارنے کے لئے مرچیں یا پھٹکری سر پر سے گھما کر جلائی جاتی ہے، ان سب عوامل میں کوئی حرج نہیں۔اہل عرب میں یہ ٹوٹکہ تھا کہ جس کی نظر لگ جائے اس کے ہاتھ پاؤں کسی برتن میں دھلوا کر جسے نظر لگی ہو اس پر ڈالیں تو نظر اتر جائے گی۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ٹوٹکے کو برقرار رکھا اور حکم دیا کہ اگر تم سے کوئی ہاتھ پاؤں دھونے کا کہے تو دھودو چنانچہ مسلم شریف کی حدیث پاک میں ہے"عن ابن عباس عن النبی صلی الله علیه وسلم قال العین حق ولو کان شیء سابق القدر سبقته العین وإذا استغسلتم فاغسلوا" ترجمہ: روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے راوی فرمایا کہ نظر حق ہے اگر کوئی چیز تقدیر سے بڑھ سکتی ہے تو اس پر نظر بڑھ جاتی ہے اور جب تم دھلوائے جاؤ تو دھودو۔

(صحیح مسلم،کتاب السلام،باب الطب والمرض والرقی ،جلد4،صفحہ1719،دار إحیاء التراث العربی ،بیروت)

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عوام میں مشہور ٹوٹکے اگر خلاف شرع نہ ہوں تو ان کا بند کرنا ضروری نہیں دیکھو نظر والے کے ہاتھ پاؤں دھو کر منظور کو چھینٹا مارنا عرب میں مروج تھا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو باقی رکھا۔ ہمارے ہاں تھوڑی سی آٹے کی بھوسی تین سرخ مرچیں منظور پر سات بار گھما کر سر سے پاؤں تک پھر آگ میں ڈال دیتے ہیں اگر نظر ہوتی ہے تو بھس نہیں اٹھتی اور رب تعالیٰ شفاء دیتا ہے۔ جیسے دواؤں میں نقل کی ضرورت نہیں تجربہ کافی ہے ایسے ہی دعاؤں اور ایسے ٹوٹکوں میں نقل ضروری نہیں خلاف شرع نہ ہوں تو درست ہیں اگرچہ ماثور،

دعائیں افضل ہیں۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک خوبصورت تندرست بچہ دیکھا تو فرمایا اس کی ٹھوڑی میں سیاہی لگا دو تا کہ نظر نہ لگے۔''

(مرأة المناجيح، جلد6،صفحه224،نعيمى كتب خانه، گجرات)

ردالمحتار اور بہار شریعت میں ہے:''بعض کاشت کار اپنے کھیتوں میں کپڑا لپیٹ کر کسی لکڑی پر لگا دیتے ہیں اس سے مقصود نظرِ بد سے کھیتوں کو بچانا ہوتا ہے کیونکہ دیکھنے والے کی نظر پہلے اس پر پڑے گی اس کے بعد زراعت پر پڑے گی اور اس صورت میں زراعت کو نظر نہیں لگے گی ایسا کرنا ناجائز نہیں کیونکہ نظر کا لگنا صحیح ہے احادیث سے ثابت ہے اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔حدیث میں ہے کہ جب اپنی یا کسی مسلمان بھائی کی چیز دیکھے اور پسند آئے تو برکت کی دعا کرے۔یہ کہے '' تَبَارَكَ اللهُ اَحْسَنَ الْخَالِقِينَ اَللّٰهُمَّ بَارِكَ فِيه '' یا اردو میں کہہ دے کہ اللہ برکت کر اس طرح کہنے سے نظر نہیں لگے گی۔''

(بہارشریعت،جلد2،حصہ16،صفحہ156،ضیاء القرآن،لاہور)

بعض لوگ نظر بد سے بچنے کے لئے اپنے گھر ایک ہانڈی لٹکا دیتے ہیں یا گھوڑے کے پاؤں میں لگے ہوئے کھُر کو لگا دیتے ہیں یا جوتا لٹکا دیتے ہیں۔بہتر ومناسب طریقہ یہی ہے کہ اوپر بیان کی گئی دعا لکھ کر لگا دی جائے۔

صدقہ اور اسکے متعلق رائج طریقہ کار

جو چیز خدا کے نام پر دی جائے اسے صدقہ کہا جاتا ہے۔صدقہ دینے کی فضیلت میں بے شمار احادیث ہیں کہ صدقہ بلاؤں کو ٹالتا ہے۔ہمارے یہاں رائج ہے کہ لوگ بیماری وغیرہ میں حسب توفیق صدقہ دیتے ہیں۔منگل اور جمعرات کو زیادہ لوگ صدقہ دیتے ہیں۔صدقہ میں زیادہ تر کالا بکرا دیا جاتا ہے۔کالا بکرا دینا ہی ضروری نہیں دوسرے رنگ کا بھی دے سکتے ہیں اور بکرے کے علاوہ کوئی حسب توفیق چیز بھی صدقہ کر سکتے ہیں۔البتہ بہتر

یہی ہے کہ جان کا صدقہ دیا جائے۔صدقہ دینے سے پہلے جس کی طرف سے ہو اس کا ہاتھ لگوایا جاتا ہے۔اگر گوشت یا دالیں یا پیسے ہوں تو اس کے سر سے سات بار پھیر کر دی جاتی ہیں۔ہاتھ لگوانا یا سات بار پھیرنا صدقہ میں ضروری نہیں البتہ سات بار پھیرنا جیسا کہ رائج ہے درست ہے۔سات کے عدد میں ایک خاص تاثیر ہے۔فتاوٰی رضویہ شریف میں امام اہلسنت، مجدد دین وملت، امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:''سات کے عدد کو دفع ضرر وآفت میں ایک تاثیر خاص ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے مرض وصال شریف میں فرمایا مجھ پر سات مشکوں پر سربستہ کا پانی ڈالو۔صحیح بخاری شریف میں ہے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے''انه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لما دخل بيتى واشتد وجعه قال اهريقوا علىّ من سبع قرب لم تحلل او كيتهن لعلى اعهد الى الناس'' ترجمہ:حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب میرے گھر تشریف لائے تو آپ کے مرض میں اضافہ ہو گیا۔فرمایا مجھ پر ایسے سات مشکیزوں کا پانی بہاؤ کہ جن کے بندھن نہ کھولے گئے ہوں (سربستہ مشکیزے ہوں) شاید میں لوگوں سے کوئی عہد لوں۔مواہب شریف میں ہے''وقدقيل فى الحكمة فى هذا العدد ان له خاصية فى دفع ضرر السم والسحر'' ترجمہ: کہا گیا کہ اس سات کے عدد میں حکمت اور راز یہ ہے کہ اس کو زہر اور جادو کا نقصان زائل کرنے میں خاص تاثیر ہے۔شرح زرقانی میں فتح الباری سے ہے''وقد ثبت حديث من تصبح بسبع تمرات عجوة لم يضره ذلك اليوم سمّ ولا سحر وللنسائى فى قرأة الفاتحة على المصاب سبع مرات وسنده صحيح ولمسلم القول لمن به وجع اعوذ بعزة الله وقدرته من شرما اجدواحاذر سبع مرات وفى النسائى من قال عند مريض لم يحضر اجله اسأل الله العظيم رب العرش

العظیم ان یشفیك سبع مرات"، ترجمہ: حدیث پاک سے ثابت ہے کہ جو کوئی صبح سویرے سات عجوہ کھجوریں کھالے تو اسے اس دن زہر اور جادو سے نقصان نہیں پہنچے گا۔ نسائی شریف میں ہے کہ مصیبت زدہ پر سات مرتبہ فاتحہ پڑھی جائے، اس کی سند صحیح ہے۔ مسلم شریف میں ہے کہ جس کو درد کا عارضہ ہو اس پر یہ کلمات سات مرتبہ پڑھے جائیں: "اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّمَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ" یعنی اللہ تعالیٰ کی عزت اور اس کی قدرت سے پناہ لیتا ہوں اس کے شر سے جس کو میں پاتا ہوں اور اس سے ڈرتا ہوں (چوکنا رہتا ہوں)۔ سنن نسائی شریف میں ہے کہ جو کوئی ایسے مریض کے پاس، جس کی موت مقدر نہ ہو، ان الفاظ سے سات دفعہ دعا کرے تو وہ صحت یاب ہو جائے گا۔ کلمات یہ ہیں "اَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَنْ يَّشْفِيَكَ" یعنی میں اللہ عظمت والے سے سوال کرتا ہوں جو بڑے عرش کا مالک ہے کہ وہ تجھے شفا عطا فرمائے۔"

(فتاوی رضویہ، جلد24، صفحہ183-184، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

عموماً گوشت یا دالوں کو صدقہ کے طور پر سڑکوں میں پھینک دیا جاتا ہے اور وہ لوگوں کے پاؤں میں آ کر خراب ہو جاتا ہے۔ اس میں لوگوں کا یہ نظریہ ہوتا ہے کہ اس کے اوپر سے جو گزرے گا اسے وہ بیماری لگ جائے گی۔ یہ طریقہ اور نظریہ درست نہیں۔ صدقہ میں بہتر یہ ہے کہ کسی غریب کو دیا جائے تا کہ وہ کھالے۔ مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے "قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم افضل الصدقة ان تشبع کبدا جائعا" ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بہترین صدقہ یہ ہے کہ تم کسی بھوکے کلیجے کو سیر کر دو۔

(مشکوٰۃ شریف، کتاب الزکوٰۃ، باب افضل الصدقہ، جلد1، صفحہ 438، المکتب الإسلامی، بیروت)

اس طرح سڑکوں میں پھینک دینا اسراف ہے کہ نہ بندوں کے استعمال میں آتا ہے نہ جانوروں کے بلکہ خراب ہو جاتا ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ لوگ چڑیوں کے لئے دانا چھتوں پر رکھتے ہیں، پرندوں کے لئے چھیچھڑے لے کر ڈالتے ہیں یا دریا کی مچھلیوں کے لئے کھانے کی چیز یا جانوروں کے لئے گوشت صدقہ میں پھینکتے ہیں۔ یہ طریقہ بھی درست و باعث ثواب ہے۔ بخاری شریف کی حدیث پاک میں ہے صحابہ کرام علیہم الرضوان نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا "یا رسول الله وإن لنا فی البهائم أجرا ؟ قال (فی کل کبد رطبة أجر)" ترجمہ: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا ہمارے لئے جانوروں کو کھلانے میں اجر ہے؟ فرمایا ہر تر جگر والی شیء میں ثواب ہے۔

(صحیح البخاری، ابواب مظالم والقصاص، باب الآبار علی الطریق الخ، جلد3، صفحہ111، دار طوق النجاة، مصر)

نفلی صدقے کا کھانا امیر آدمی کے لئے بھی جائز ہے۔ کئی صدقہ کی چیز کو کھانا بہت برا سمجھتے ہیں جبکہ شرعاً وہ حلال ہے۔ البتہ بہتر یہی ہے کہ صدقہ غریب آدمی کو کھلایا جائے۔ صدقہ میں بعض عجیب و غریب اور غیر شرعی حرکات دیکھنے میں آتی ہے۔ یہ حرکات لوگوں کی جہالت اور جعلی عاملوں کی سبب ہوتی ہیں جیسے صدقہ کی چیز کو ضائع کر دینا، دفن کر دینا کہ کسی کے استعمال میں نہ آسکے۔ ملفوظات اعلیٰ حضرت میں امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے سوال ہوا: "ایام وبا میں بعض جگہ دستور ہے کہ بکرے کے داہنے کان میں سورۃ یسین شریف اور بائیں میں سورۃ مزمل شریف پڑھ کر دم کرتے ہیں اور شہر کے اردگرد پھرا کر چوراہے پر ذبح کرتے ہیں اور اس کی کھال دوسری زمین میں دفن کر دیتے ہیں۔ یہ کیسا ہے؟

جواباً فرمایا: "کھال دفن کرنا حرام ہے کہ اضاعتِ مال (یعنی مال کی بربادی) ہے

اور چوراہے (یعنی چوک) پر لے جا کر ذبح کرنا جہالت اور بے کار بات ہے۔ اللہ عزوجل کے نام پر ذبح کر کے مساکین کو تقسیم کر دے۔"

(ملفوظات، حصہ سوم، صفحہ 345، المکتبۃ المدینہ، کراچی)

فصلِ ہشتم: مزارات کے متعلق رسم و رواج

اولیاء اللہ کے مزار پر حاضری

مزار کا مطلب ہوتا ہے زیارت کرنے کی جگہ۔ اولیاء اللہ کے مزارات بنانا اور انکی قبر کی زیارت کرنا باعث برکت و سعادت ہے۔ اولیاء اللہ کے مزارات سے برکتیں حاصل کرنا اَسلاف کا طریقہ کار رہا ہے چنانچہ اصحاب کہف کے متعلق قرآن پاک میں ہے ﴿قَالَ الَّذِیْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓی اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَیْهِمْ مَّسْجِدًا﴾ ترجمہ کنزالایمان: وہ بولے جو اس کام میں غالب رہے تھے قسم ہے کہ ہم تو ان پر مسجد بنائیں گے۔

(سورۃ الکہف، سورت 18، آیت 21)

اس آیت کے تحت تفسیر روح البیان میں ہے "یصلی فیہ المسلمون و یتبرّکون بمکاھم" ترجمہ: ایک تو لوگ اس میں نماز پڑھیں گے دوسرا ان اولیاء کرام کے قرب کی وجہ سے برکتیں حاصل کریں گے۔

(روح البیان، فی التفسیر سورۃ الکہف، سورت 18، آیت 21، جلد 5، صفحہ 232، دار الفکر، بیروت)

اب بھی مزارات کے ساتھ جو مساجد بنائی جاتیں ہیں انکی دلیل یہ آیت ہے۔ مزار کے قریب نماز پڑھنے پر یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ جائز نہیں کہ قبر کی عبادت ہے۔ جبکہ یہ قبر کی عبادت نہیں ہے کہ سجدہ قبلہ کی طرف کیا جاتا ہے نہ کہ قبر کی طرف چنانچہ بنایہ شرح ہدایہ میں ہے "قلت لا یلزم من الصلاۃ علی قبرہ اتخاذہ مسجدا، ألا تری أنھم جوزوا أن یصلی عند قبور أھل العلم والأولیاء مع مزید اعتقاد العامة فی التعظیم

لھم" ترجمہ: میں نے کہا: قبر پر نماز پڑھنے سے قبر کو سجدہ گاہ بنانا لازم نہیں آتا، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اہل علم، اولیاء کرام کے مزارات کے قریب نماز پڑھنے کا جواز ہے، اس لئے کہ عام لوگوں میں ان بزرگوں کی زیادہ تعظیم کرنے کا اعتقاد ہو۔

(البنایة شرح الهدایة، کتاب الصلوٰۃ، باب الجنائز، جلد 3، صفحہ 212، دار الکتب العلمیة، بیروت)

مزارات پر جانا نہ صرف سنت صحابہ و صالحین رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہے بلکہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنے اصحاب کی قبور پر تشریف لے جاتے تھے۔ مسند عبدالرزاق میں ہے "کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یأتی قبور الشھداء عند رأس الحول فیقول السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار، قال وکان أبو بکر وعمر وعثمان یفعلون ذلك" ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر سال شہدا کی قبور پر تشریف لاتے تو انہیں یوں سلام کرتے تھے سلامتی ہو تم پر تمہارے صبر کا بدلہ تو پچھلا گھر کیا ہی خوب ملا۔ اور ابو بکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

(مصنف عبد الرزاق، کتاب الجنائز، باب فی زیارۃ القبور، جلد 3، صفحہ 573، المکتب الإسلامی، بیروت)

مصنف ابن شیبہ اور مصنف عبدالرزاق میں ہے "عن نافع قال کان ابن عمر إذا قدم من سفر أتی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال السلام علیك یا رسول اللہ، السلام علیك یا أبا بکر، السلام علیك یا أبتاہ" ترجمہ: حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب سفر سے واپس آتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک پر آتے اور عرض کرتے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ پر سلام ہو، اے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ پر سلام ہو، اے میرے والد رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ پر سلام ہو۔

(مصنف عبدالرزاق، باب السلام علی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 3، صفحہ

576،المکتب الإسلامی ،بیروت)

یہ وہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہمیشہ کا معمول ہے جو بدعت کے سخت مخالف تھے۔ان سے مزار پر جانا بھی ثابت ہوا اور یارسول اللہ کہنا بھی ثابت ہوا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ مبارک کی زیارت پر بے شمار فضیلتیں احادیث میں آئی ہیں۔بزرگانِ دین کی طرح آج بھی مسلمانوں میں رائج ہے کہ وہ روحانی سکون کے لئے اولیاء اللہ کے مزارات پر جاتے ہیں،ان کی بارگاہ میں سلام عرض کرتے اور ان کے توسل سے دعا مانگتے ہیں۔ولی اللہ کے قرب میں دعا مانگنے سے دعا قبول ہوتی ہے اور یہ قرآن سے ثابت ہے قرآن میں مذکورہ سورۃ آل عمران میں حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے واقعہ میں امام رازی سمیت دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت زکریا نے دیکھا کہ اللہ عزوجل حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بے موسم پھل عطا فرماتا ہے پھر مجھے بھی بڑھاپے میں اولاد عطا کرنے پر قادر ہے پھر اسی مقام پر دعا کی اللہ عزوجل نے قبول فرمائی۔قرآن پاک میں ہے ﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يَا مَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَاءِ ○ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ ترجمہ کنز الایمان: تو اسے اس کے رب نے اچھی طرح قبول کیا اور اسے اچھا پروان چڑھایا اور اسے زکریا کی نگہبانی میں دیا، جب زکریا اس کے پاس اس کی نماز پڑھنے کی جگہ جاتے اس کے پاس نیا رزق پاتے کہا اے مریم! یہ تیرے پاس کہاں سے آیا؟ بولیں وہ اللہ کے پاس سے ہے۔ بیشک اللہ جسے چاہے بے گنتی دے۔ یہاں پکارا زکریا نے اپنے رب کو۔ بولا اے رب! میرے مجھے اپنے پاس سے دے ستھری اولاد، بیشک تو ہی ہے دعا سننے والا۔تو فرشتوں نے اسے آواز دی اور وہ اپنی نماز کی جگہ کھڑا نماز پڑھ رہا تھا بیشک اللہ آپ کو مژدہ دیتا ہے یحییٰ کا جو اللہ کی طرف کے ایک کلمہ کی تصدیق کرے گا اور سردار اور ہمیشہ کے لیے عورتوں سے بچنے والا اور نبی ہمارے خاصوں میں سے۔

(سورۃ آل عمران، سورت 3،آیت 37تا 39)

اولیاء اللہ کے مزار پر دعا مانگنا بزرگانِ دین سے ثابت ہے۔امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:''میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور ان کی قبر مبارک کی زیارت کرتا ہوں۔جب مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے تو دو رکعت نماز پڑھ کر ان سے مزار پر جاتا ہوں اور بارگاہِ الٰہی عزوجل میں دعا کرتا ہوں تو میری حاجت فوراً پوری ہوجاتی ہے۔''

(الخیرات الحسان،صفحہ149،ایچ ایم سعید کمپنی ،کراچی)

سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''ایک مرتبہ مجھے بھی ایک مشکل درپیش آئی میں نے اس مشکل سے خلاصی پانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوا۔اس سے قبل بھی مجھ پر ایسی ہی مشکل پڑی تھی تو میں نے حضرت شیخ سیدنا بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر حاضری دی تھی اور میری وہ مشکل آسان ہوگئی تھی۔''

(کشف المحجوب، صفحہ 100،شبیر برادرز،لاہور)

بلکہ عظیم وجید محدث امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تہذیب التہذیب میں ایک بزرگ یحییٰ بن یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود خواب میں آکر ایک مریض کو ان کی قبر مبارک پر حصول شفاء کے لئے جانے کا حکم ارشاد فرمایا چنانچہ لکھتے ہیں"قال الحاکم سمعت أبا علی النیسابوری یقول کنت فی

غم شديد فرأيت النبي صلى الله عليه وسلم في المنام كأنه يقول لي صر إلى قبر يحيى بن يحيى واستغفر وسل تقض حاجتك فأصبحت ففعلت ذلك فقضيت حاجتي" ترجمہ:امام حاکم فرماتے ہیں میں نے ابوعلی نیسابوری سے سنا،وہ کہتے ہیں میں شدید غم کی حالت میں تھا۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا،آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:یحیٰ بن یحیٰ کی قبر پر جاؤ اور استغفار کرو اور مانگو،تمہاری حاجت پوری کی جائے گی۔صبح ہوئی، پس میں نے ایسا کیا میری حاجت پوری ہوگئی۔

(تهذيب التهذيب،حرف الياء،من اسمه يحيى،جلد 11،صفحه299،دائرة المعارف النظامية، الهند)

ولی اللہ کے مزار پر حاضری کے وقت جتنا ادب ہو سکے کرنا چاہئے کہ ادب فائدہ دیتا ہے۔امام ابن حجر مکی پھر شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہما اللہ نے شرح مشکوٰۃ میں فرمایا"صالحان رامدد بلیغ است به زیارت کنند گانِ خود رابر اندازه ادب ایشان"، ترجمہ:صالحین اپنے زائرین کے ادب کے مطابق ان کی بے پناہ مدد فرماتے ہیں۔ (اشعة اللمعات،باب زيارة القبور،جلد1،صفحه715،مکتبه نوريه رضويه، سکھر)

آج کل کئی چرسی بھنگی نشے کے لئے فرضی مزار بنا لیتے ہیں اور وہاں لوگ چراغ جلاتے ،منتیں مانگتے ہیں یہ سب ناجائز ہے۔فتاوٰی رضویہ میں ہے:''فرضی مزار بنانا اور اس کے ساتھ اصل سا معاملہ کرنا ناجائز و بدعت ہے اور خواب کی بات خلافِ شرع امور میں مسموع نہیں ہوسکتی۔'' (فتاوی رضویه ،جلد9،صفحه425،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

فتاوٰی فیض الرسول میں ہے:''مصنوعی قبر کی زیارت حرام ہے اور حدیث شریف میں لعنت آئی ہے۔فتاوٰی عزیزیہ میں ہے" لعن الله من زار بلا مزار"لہٰذا ملنگ کی

مصنوعی قبر کو زیارت کرنا اور وہاں روٹ ولنگوٹ چڑھانا سخت ناجائز اور حرام ہے۔مسلمانوں کی ایسی خرافات باتوں سے بچنا لازم ہے۔اگر نہیں بچیں گے تو سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہوں گے۔'' (فتاوی فیض الرسول ،جلد2،صفحه543،شبیر برادرز،لاہور)

اسی طرح آج کل کئی جعلی پیروں کے مزارات بنا دیئے جاتے ہیں اور اس کی اولاد یا مریدین پیسے کمانے کیلئے سجادہ نشین بن بیٹھتے ہیں۔مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے جعلی پیروں سے دور رہیں۔عورتوں کے لئے مزارات پر جانے کی ویسے ہی اجازت نہیں اور ان جیسے پیروں سے بچنا ان کیلئے بہت ضروری ہے۔ان ہی جہالتوں کو وہابی حضرات دلیل بنا کر لوگوں کو اہل سنت سے متنفر کرتے ہیں۔

اولیاءاللہ کے مزار پر چادر ڈالنا

اولیاء اللہ کے مزار پر چادر ڈالنا جائز ہے کہ اس سے لوگوں کی نظر میں صاحب مزار کی عزت وتوقیر پیدا ہوتی ہے اور مسلمانوں میں نیک اعمال کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جیسا کہ تعظیم کے لئے بیت اللہ شریف پر غلاف ڈالا جاتا ہے۔ردالمختار میں ہے"كره بعض الفقهاء وضع الستور والعمائم والثياب على قبور الصالحين والأولياء قال في فتاوى الحجة وتكره الستور على القبور ولكن نحن نقول الآن إذا قصد به التعظيم في عيون العامة حتى لا يحتقروا صاحب القبر، ولجلب الخشوع والأدب للغافلين الزائرين، فهو جائز لأن الأعمال بالنيات" ترجمہ:بعض فقہاء نے پردے اور عمامے اور کپڑے صالحین اولیاء کی قبروں پر ڈالنے کو مکروہ لکھا ہے۔فتاوٰی حجۃ میں کہا کہ پردے قبروں پر مکروہ ہیں۔لیکن ہم کہتے ہیں کہ مزار پر چادر ڈالنا اور عمامہ رکھنا اس لئے کہ عوام کی نظر میں تعظیم مقصود ہوتا کہ وہ صاحب قبر کو

حقیر نہ جانے اور غافل زائر سے طلبِ ادب اخلاص منظور ہوتو ایسا کرنا جائز ہے کیونکہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔

(ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحت،فصل فی اللبس،جلد6،صفحہ363،دارالفکر،بیروت)

آج کل جس طرح عرسوں پر ڈھول بجا کر دھمال ڈال کر چادریں ڈالی جاتی ہیں وہ ناجائز فعل ہے۔شریعت میں ڈھول بجانے اور ناچنے کی اجازت نہیں۔

مزار کو سجدہ کرنا

مزار کو سجدہ کرنا جائز نہیں۔مفتی محمد اجمل قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :''ہماری شریعت میں سوائے خدا کے کسی کو سجدہ جائز نہیں۔فتاوٰی عالمگیری میں ہے ''ولا یجوز السجود الا للہ تعالیٰ'' لہٰذا اب کسی صاحب مزار کے لئے بخیال عزت وتحیۃ سجدہ کیا جائے تو وہ ناجائز وحرام ہے۔اگر بہ نیت عبادت سجدہ کیا جائے تو وہ کفر وشرک ہے۔ بالجملہ مزارات بزرگانِ دین پر کسی نیت سے سجدہ کرنا جائز نہیں۔''

(فتاوٰی اجملیہ،جلد4،صفحہ117،شبیر برادرز،لاہور)

مزار کے علاوہ بھی کسی زندہ ولی یا شخص کو سجدہ کرنا جائز نہیں اور اس کے آگے حدِ رکوع تک جھکنا درست نہیں۔امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:''مزارات کو سجدہ یا ان کے سامنے زمین چومنا حرام اور حدرکوع تک جھکنا ممنوع۔۔۔مزار کو سجدہ درکنار کسی قبر کے سامنے اللہ عزوجل کو سجدہ جائز نہیں اگرچہ قبلہ کی طرف ہو۔طحطاوی الدر،جلد1، صفحہ 183''قولہ مقبرۃ لان فیہ التوجہ الی القبر غالبا الصلوۃ الیہ مکروھۃ '' مقبرے میں نماز مکروہ ہے کہ اس مین غالبا کسی قبر کو منہ ہوگا اور قبر کی طرف نماز مکروہ ہے۔۔۔تبیین الحقائق امام زیلعی،جلد1،صفحہ 246''یکرہ ان ینبغی علی القبر اویقعد علیہ او یصلی الیہ نھی علیہ الصلوۃ والسلام عن اتخاذ القبور مساجد ''

قبر کے اوپر کوئی چنائی قائم کرنا یا قبر پر بیٹھنا یا اس کی طرف نماز میں منہ کرنا سب منع ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبروں کو محل سجدہ قرار دینے سے منع فرمایا۔''

(فتاوٰی رضویہ،جلد22،صفحہ 474،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

حدیقہ ندیہ میں امام علامہ عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں''الانحناء البالغ حد الرکوع لایفعل لاحد کالسجود ولا بأس بما نقص من حد الرکوع لمن یکرہ من اھل الاسلام '' ترجمہ: حدرکوع تک جھکنا غیر خدا کے لئے جائز نہیں جیسے سجدہ اور حدرکوع سے کم میں حرج نہیں کہ کسی اسلامی عزت والے کے لئے جھکیں۔(جیسا کہ معظم شخصیت کا جھک کر ہاتھ چوما جاتا ہے)

(الحدیقہ الندیہ شرح الطریقہ محمدیہ،الخلق الثانی عشر،جلد 1،صفحہ547،مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد)

وہابی حضرات نے مزارات اور اہل سنت کو بدنام کرنے کے لئے یہ شور مچا رکھا ہے کہ اہل سنت مزاروں کو سجدہ کرتے ہیں،جبکہ اوپر واضح ہوا کہ اہل سنت کے نزدیک مزار کو سجدہ ناجائز ہے۔کتنے مزارات ہیں سب کو دیکھ لیا جائے شاید ہی کہیں کوئی ایسا جاہل ملے گا جو مزار کو سجدہ کررہا ہوگا۔بس یوں ہی مشہور ہوگیا ہے کہ مزارات کو سجدہ کیا جاتا ہے۔اگر کوئی جاہل سجدہ کرتا ہے تو یہ اس کی اپنی جہالت ہے۔پھر بھی اس کی جہالت ان وہابیوں سے بہت کم ہے جو بات بات پر شرک کے فتوے دیتے ہیں۔

مزار کا طواف کرنا اور چومنا

مزار کا بطور تعظیم طواف کرنا جائز نہیں اور قبر کو چومنے کے متعلق فقہائے کرام کا اختلاف ہے اور اکثریت منع کرتی ہے اور بعض نے کہا کہ اگر بطور تبرک چوما جائے تو حرج نہیں۔الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے''اختلف الفقھاء فی حکم تقبیل القبر واستلامہ

،فذهب الحنفية والمالكية إلى منع ذلك وعدوه من البدع ،وذهب الشافعية والحنابلة إلى الكراهة، قال الشافعيةإن قصد بتقبيل الأضرحة التبرك لم يكره" ترجمہ: فقہائے کرام نے قبر کو چومنے اور استلام کرنے میں اختلاف کیا ہے۔حنفیہ اور مالکیہ منع کی طرف ہیں اور ایسا کرنے کو بدعت کہتے ہیں۔شافعیہ اور حنبلیہ کراہت کی طرف گئے ہیں۔شافعی فقہاء نے فرمایا ہے کہ اگر بطور تبرک چوما جائے تو مکروہ نہیں۔

(الموسوعة الفقهيه الكويتيه،جلد32،صفحه256،دار الصفوة ،مصر)

لہٰذا قبر کو بوسہ دینے سے بچنا چاہئے۔امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ''مزار کا طواف کہ محض بہ نیت تعظیم کیا جائے ناجائز ہے کہ تعظیم بالطّواف مخصوص بخانہ کعبہ ہے۔مزار کو بوسہ دینا نہ چاہئے۔علماء اس میں مختلف ہیں اور بہتر بچنا،اور اسی میں ادب زیادہ ہے آستانہ بوسی میں حرج نہیں اور آنکھوں سے لگانا بھی جائز کہ اس سے شرع میں ممانعت نہ آئی۔اور جس چیز کو شرع نے منع نہ فرمایا منع نہیں ہو سکتے۔قال اللہ تعالیٰ ﴿ ان الحکم الا للہ﴾ (اللہ کا ارشاد ہے حکم نہیں مگر اللہ کا۔)ہاتھ باندھے الٹے پاؤں واپس آنا ایک طرز ادب ہے۔اور جس ادب سے شرع نے منع نہ فرمایا اس میں حرج نہیں۔ہاں اگر اس میں اپنی یا دوسرے کی ایذاء کا اندیشہ ہو تو اس سے احتراز کیا جائے۔واللہ تعالیٰ اعلم''

(فتاوی رضویه،جلد9،صفحه528،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

قبر کو بوسہ دینے کے علاوہ جو دربار کی جالی لگی ہوتی ہے اسے بوسہ دینا یا قبر پر ہاتھ رکھ کر منہ پر پھیر لینا جائز ہے۔فتاوی ہندیہ میں ہے"قال برهان الترجماني لا نعرف وضع اليد على المقابر سنة ولا مستحسنا ولا نرى به بأسا" ترجمہ: ہم نہیں دیکھتے کہ قبر پر ہاتھ رکھنا سنت ہے یا مستحب لیکن ہم قبر پر ہاتھ رکھنے میں کوئی حرج بھی نہیں دیکھتے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الکراہیت،الباب السابع عشر فی الغناء --،جلد5،صفحه351،دار الفکر، بیروت)

مزار کو ہاتھ لگانا جائز تو ہے لیکن زیادہ ادب یہ ہے کہ کم از کم چار ہاتھ کے فاصلہ پر کھڑا ہو۔

صاحب مزار سے مدد مانگنا اور اس کے توسل سے دعا کرنا

زیادہ افضل یہی ہے کہ صاحب مزار کے توسل سے دعا کی جائے۔وہابی حضرات ابن تیمیہ کی تقلید میں وسیلے کے منکر ہیں۔ابن تیمیہ وہ پہلا شخص ہے جس نے وسیلہ سے دعا مانگنے کو بدعت کہا چنانچہ ردالمحتار میں ہے"وقال السبكي يحسن التوسل بالنبي إلى ربه ولم ينكره أحد من السلف ولا الخلف إلا ابن تيمية فابتدع ما لم يقله عالم قبله" ترجمہ: امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا رب تعالیٰ کی بارگاہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے دعا مانگنا اچھا عمل ہے۔پہلے اور بعد والے علماء میں سے کسی نے بھی وسیلہ کا انکار نہ کیا سوائے ابن تیمیہ نے کہ اس نے وسیلہ سے دعا مانگنے کو بدعت کہا جو کہ کسی عالم نے نہ کہا تھا۔

(ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحت،فصل فی البیع،جلد6،صفحه397،دارالفکر،بیروت)

اگر صاحب مزار سے بھی مدد مانگی جائے تو جائز ہے جیسا کہ پہلے باب میں اس کو ثابت کیا گیا ہے۔مفتی جلال الدین امجدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''بے شک غیر اللہ سے استمداد جائز ہے۔جیسا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں"حجة الاسلام امام محمد غزالی گفته هر که استمداد کرده شود بوے درحیات استمداد کرده می شود بوے بعد ازوفات ویکے از مشائخ عظام گفته است دیدم چهار کس راز مشائخ که تصرف می کنند درقبور خود مانندتصرفهائے ایشاں درحیات خود یا بیشتر شیخ معروف کرخی و شیخ عبد

القادر جیلانی ودو کس دیگر را از اولیاء شمردہ و مقصودہ حصر نیست آنچه خود دیدہ و یافته است گفته و سیدی احمد بن مرزوق که از عاظم فقها وعلماء و مشائخ دیار مغرب ست گفت که روزے شیخ ابو العباس حضرمی ازمن پرسید که امداد حی اقوی ست یا امداد میت من بگفتم قومے می گویند که امداد حی قوی ترست و من می گویم که امداد میت قوی ترست پس شیخ گفت نعم زیرا که دے درسباط حق ست ددر حضرت اوست و نقل دریں معنیٰ ازیں طائفه بیشتر ازاں است که حصر و احصا کردہ شود و یافته نمی شود درکتاب و سنت واقوال سلف صالح که منافی و مخالف ایں باشد ورد کند ایں را" یعنی حجۃ الاسلام حضرت محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جس سے زندگی میں مدد طلب کی جاتی ہے اس سے اس کی وفات کے بعد بھی مدد طلب کی جاسکتی ہے۔مشائخ میں سے ایک نے فرمایا کہ میں نے بزرگوں سے چار شخص کو دیکھا کہ وہ اپنی قبروں میں ویسے ہی تصرف کرتے ہیں جیسے اپنی زندگی میں یا کچھ زیادہ۔شیخ معروف کرخی و شیخ عبدالقادر جیلانی اور دوسرے حضرات کو۔اور مقصود حصر نہیں ہے جو خود دیکھا اور پایا کہا۔اور سیدی احمد بن مرزوق جو عظماء فقہاء وعلماء ومشائخ مغرب میں سے ہیں انہوں نے فرمایا کہ ایک دن شیخ ابوالعباس حضرمی نے مجھ سے پوچھا کہ زندہ کی امداد زیادہ قوی ہے یا فوت شدہ کی؟ میں نے کہا ایک قوم کہتی ہے کہ زندہ کی امداد زیادہ قوی ہے اور میں کہتا ہوں کہ فوت شدہ کی امداد زیادہ قوی ہے۔تو شیخ ابوالعباس نے فرمایا ہاں۔اس لئے کہ وہ بارگاہ حق میں ہے اور اس کے حضور میں۔اور اس گروہ سے اس معنیٰ کی نقل حصر واحصا کی حد سے باہر ہے۔اور کتاب وسنت نیز اقوال سلف میں کوئی بات ایسی نہیں پائی جاتی جو اس کے منافی

ہو۔(اشعۃ اللمعات،جلد1،صفحہ 716) اور جب کتاب وسنت میں کوئی ایسی بات نہیں پائی جاتی جو غیر اللہ سے استمداد کے منافی ہو تو یہی قرآن وحدیث سے اس کے جواز کی اصل ہے۔"

(فتاوی فیض الرسول ،جلد2،صفحہ483،شبیر برادرز،لاہور)

تاریخ طبری میں حضرت عبدالرحمٰن بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں لکھا ہے کہ وہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ مل کر کفار سے جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے تو وہاں کے لوگ ان کے معتقد تھے اور ان کے مزار مبارک سے بارش طلب کرتے تھے چنانچہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "ولم یمنعهم ذلك من اتخاذ جسد عبد الرحمن، فهم یستسقون به حتی الآن" ترجمہ:صحابہ کرام علیہم الرضوان نے وہاں کے لوگوں کو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جسم مبارک رکھنے سے منع نہ کیا اور وہاں کے لوگ ان سے بارش طلب کرتے تھے اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔

(تاریخ الطبری ،الجزء الرابع،سنة اثنتین وعشرین،جلد4،صفحہ149،دار التراث ،بیروت)

حضور غوثِ پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد پاک ہے" من استغاث بی فی کربة کشفت عنه و من نادانی باسمی فی شدة خرجت عنه و من توسل بی الی اللہ فی حاجة قضیت "ترجمہ:جو کوئی رنج وغم میں مجھ سے مدد مانگے تو اس کا رنج وغم دور ہوگا اور جو سختی کے وقت میرا نام لے کر مجھے پکارے تو وہ شدت دفع ہوگی اور جو کسی حاجت میں رب کی طرف مجھے وسیلہ بنائے تو اسکی حاجت پوری ہوگی۔

(بہجۃ الاسرار،ذکر فضل الصحابه وبشراہم ،صفحہ102،مصطفیٰ البابی ،مصر)

عظیم فقیہ ومحدث حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی فرمان کو نزہۃ الخاطر الفاتر میں نقل فرمایا ہے۔

مزار پر حاضری دینے کا صحیح طریقہ بیان کرتے ہوئے سیدی اعلیٰ حضرت امام

اہلسنت مجدد دین وملت حضرت علامہ مولانا الشاہ احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشادفرماتے ہیں:''مزارات شریفہ پر حاضر ہونے میں پائنتی (پاؤں) کی طرف سے جائے اورکم ازکم چار ہاتھ کے فاصلہ پرمواجہہ میں کھڑا ہواورمتوسط آواز بادب سلام عرض کرے" السلام علیك یا سیدی و رحمة الله و بركاته" پھردرودغوثیہ تین بار،الحمد شریف ایک بار،آیۃ الکرسی ایک بار،سورۃ اخلاص سات بار، پھردرودغوثیہ سات بار،اور وقت فرصت ہوتو سورۃ یاسین اورسورۃ ملک بھی پڑھ کراللہ عزوجل سے دعا کرے کہ الٰہی !اس قراءت پر مجھے اتنا ثواب دے جو تیرے کرم کے قابل ہے نہ اتنا جو میرے عمل کے قابل ہے اوراسے میری طرف سے اس بندہ خدامقبول کونذر پہنچا۔ پھراپنا جومطلب جائز شرعی ہواس کے لئے دعا کرے اورصاحب مزار کی روح کواللہ عزوجل کی بارگاہ میں اپنا وسیلہ قراردے، پھراسی طرح سلام کرکے واپس آئے۔مزارکونہ ہاتھ لگائے نہ بوسہ دےاور طواف بالاتفاق ناجائزہےاورسجدہ حرام۔''

(فتاوی رضویہ، جلد 9، صفحہ522 ، رضا فاؤنڈیشن ،لاہور)

اولیاءاللہ کےمزارپرگنبدبنانا

حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگرصحابہ کرام علیہم الرضوان کے مزار مبارک پر بنے گنبد کی طرح اولیاءاللہ کے مزار پر بھی گنبد بنانا جائز ہے۔علامہ شیخ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ روح البیان میں لکھتے ہیں"فبناء قباب علی قبور العلماء و الاولیاء و الصلحاء امر جائز اذا كان القصد بذلك التعظيم فی اعين العامة حتیٰ لا يحتقروا صاحب هذاالقبر و كذا إيقاد القناديل والشمع عند قبور الأولياء والصلحاء من باب التعظيم والإجلال ايضا للاولياء فالمقصد فيها مقصد

حسن" ترجمہ:علماء،اولیاءاورصالحین کرام کی قبروں پر قبےتعمیر کرنا جائز کام ہے جبکہ اس سے مقصود لوگوں کی نگاہوں میں صاحبِ قبر کی تعظیم پیدا کرنا ہو کہ لوگ اسے حقیر نہ سمجھیں۔اسی طرح اولیاءاورصلحاء کے مزار کے پاس شمع اورقندیل جلانا درست ہے کہ اس میں ان کی عزت وعظمت ہے جوکہ اچھا مقصد ہے۔

(روح البیان، فی التفسیر سورۃ التوبہ، سورت9،آیت18،جلد3،صفحہ400،دارالفکر،بیروت)

جبکہ وہابی حضرات مزار پرگنبد بنانے کوناجائز سمجھتے ہیں اورانہیں ختم کرنا نہ صرف ثواب بلکہ واجب جانتے ہیں چنانچہ ایک وہابی مولوی نواب نورالحسن خان اپنی کتاب عرف الجادی میں لکھتا ہے:''اونچی قبروں کوزمین کے برابر کردینا واجب ہے چاہے نبی کی قبر ہو یا ولی کی۔''

(عرف الجادی، صفحہ60، ماخوذ از،رسائل اہل حدیث،حصہ اول، جمعیۃ اہل سنۃ،لاہور)

ابن سعود نے سرزمین حرم پر ظلم کئے،مزارات صحابہ و تابعین وغیرہ کوختم کیا۔موجودہ دور میں بھی مزارات کوشرک کےاڈے سمجھ کرختم کیاجارہاہےاوروہاں دھماکے کئے جارہے ہیں۔وہابی حضرات کے نزدیک تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبرانور بھی بت ہے چنانچہ غیرمقلد مولوی شوکانی کی کتاب شرح الصدور بتحریم رفع القبور کے حاشیہ میں ابن عبدالوہاب نجدی لکھتا ہے:''حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر ہرلحاظ سے بت ہے کاش کہ لوگ اس بات کوسمجھیں۔'' محمد بن اسماعیل یمنی وہابی غیرمقلد لکھتا ہے:''اگرتو سوال کرے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر پر جوایک بہت بڑا قبہ(گنبد)تعمیر کیا گیا ہے اوراس پر بہت مال خرچ کیا ہے۔(یہ شرعا کیسا ہے) میں (محمد بن اسماعیل) جواباً کہتا ہوں کہ یہ حقیقۃً بہت بڑی جہالت ہے۔''

(تطہیر الاعتقاد لابن اسماعیل الصعنائی،صفحہ40,41، المملکۃ العربیہ،سعودیہ)

یہ دونوں کتابیں سعودی عرب میں چھپی ہیں۔اس طرح کے عقیدے پر اور کئی کتابیں وہاں کے وہابی لکھ رہے ہیں اور اہل سنت کی کتابوں پر پابندی لگا رہے ہیں۔بھولے بھالے مسلمان یہاں سے حج وعمرہ کرنے جاتے ہیں وہاں ان کتابوں کو بڑی عقیدت سے لا کر اپنا عقیدہ خراب کر ڈالتے ہیں۔اللہ عزوجل مسلمانوں کو سمجھ عطا فرمائے اوران کے عقیدے کی حفاظت فرمائے۔

جمعیۃ العلماء کے مفتی مولوی کفایت اللہ صاحب لکھتے ہیں: ''اونچی اونچی قبریں بنانا، قبریں پختہ بنانا، قبروں پر گنبد اور قبے اور عمارتیں بنانا ،غلاف ڈالنا، چادریں چڑھانا، نذریں ماننا، طواف کرنا ،سجدہ کرنا، یہ تمام امور منکرات شرعیہ میں داخل ہیں ،شریعت مقدسہ اسلامیہ نے ان امور سے صراحتاً منع فرمایا ہے۔احادیث صحیحہ میں اس قسم کے امور کی ممانعت وارد ہے جو شرک مفضی الی الشرک ہے۔''

(ماخوذ از، فتاوٰی صدر الافاضل، صفحہ 191،شبیر برادرز،لاہور)

صدر الافاضل مفتی نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ نے مفتی کفایت اللہ کا یہ کلام اور جو احایث وہابی حضرات اس پر پیش کرتے ہیں وہ نقل فرمائیں:۔(1) اللہ عزوجل نے یہود ونصاری پر لعنت فرمائی ہے جنہوں نے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنایا۔(2) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں اوران پر مسجدیں بنانے اور چراغ رکھنے والوں پر لعنت فرمائی۔(3) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو ہیاج اسدی سے فرمایا تجھے اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھیجا تھا وہ یہ کہ تو کسی تصویر کو بے مٹائے نہ چھوڑے اور نہ کسی قبر بلند کو برابر کئے (بغیر چھوڑے)۔(4) حضرت جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے میں نے نبی کریم صلی اللہ سے سنا فرماتے تھے خبردار جو لوگ تم سے پہلے تھے وہ اپنے انبیاء علیہم السلام وصالحین کی

قبروں کو مسجد بناتے تھے۔خبردار تم قبروں کو مسجد نہ بنانا میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں۔(5) ام حبیبہ اورام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک کنیسہ کا ذکر کیا جو انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا۔اس میں تصویریں ہیں۔تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ ذکر کیا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ان لوگوں کی یہ حالت تھی کہ جب ان میں کوئی مرد صالح انتقال فرماتا اس کی قبر پر مسجد تعمیر کرتے اوراس میں تصویریں بناتے۔وہ اللہ عزوجل کے نزدیک روز قیامت بدترین خلق ہیں۔(6) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا الٰہی عزوجل میری قبر کو بت نہ بنا کہ پوجی جائے۔اللہ کا غضب اس قوم پر بہت سخت ہے جس نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنایا۔(7) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا کہ قبروں پر گچ کیا جائے ،انہیں روندا جائے۔

اس کے بعد مفتی نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ جواباً فرماتے ہیں: ''حدیث نمبر 1,2,3,4,5 اور 6 میں یہود ونصاری پر انبیاء علیہم السلام وصلحا کی قبروں کو مسجد بنانے کی وجہ سے لعنت فرمائی گئی ہے۔حدیث نمبر 3 میں بلند قبر کو برابر کرنے کا ذکر ہے۔حدیث نمبر 7 میں قبروں کو پختہ کرنے سے نہی (ممانعت) ہے۔

ان احادیث کو بزرگانِ دین اور صلحاء وانبیاء علیہم السلام کے قبہائے مزار سے کیا تعلق ہے۔اتنا تو ہر اردو جاننے والا محض ترجمہ سے سمجھ سکتا ہے۔یہود ونصاری پر انبیاء وصلحا کی قبروں کو مسجد بنا لینے پر جو لعنت فرمائی گئی ہے اس کا سبب کیا ہے احادیث کی شروح کی طرف ہاتھ بڑھانے سے قبل پانچویں اور چھٹی حدیث پر نظر کرنے سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے۔پانچویں حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کا دستور تھا کہ جب ان میں کوئی مرد صالح انتقال فرماتا تو وہ اس کی قبر پر مسجد تعمیر کرتے اور اس

میں ان کی تصویر بناتے ۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بروز قیامت بدترین خلق ہیں۔ اس حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کا قبور انبیاء پر مسجد بنانا ان قبور یا تصویر کی عبادت کے لئے تھا اور یہ بے شک مستحق لعنت ہے۔

چھٹی حدیث میں اس سے بھی زیادہ صراحت ہے کہ ارشاد فرمایا: ''یارب میری قبر کو بت نہ بنا کہ پوجی جائے۔ اللہ عزوجل کا سخت غضب ہے اس قوم پر جس نے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو مساجد بنایا۔'' اس حدیث نے بتادیا کہ قبروں کو مسجد بنانے کے یہ معنی ہیں کہ ان کی عبادت کی جائے یا کم ازکم انہیں قبلہ بنا کر ان کی طرف نماز پڑھی جائے۔ جیسا کہ ابومرثد غنوی کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا'' لا تجلسوا علی القبور ولا تقبلوا الیھا ''یعنی قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ ان کی طرف نماز ادا کرو۔ اس سے خاص قبر کے اوپر نماز بھی ممنوع ہوئی کہ اس میں جلوس علی القبر ہوگا اور قبر حقِ مقبور ہے۔ ''والقبر حق للمقبور ''اور اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود ونصاریٰ پر لعنت فرمائی اور اس سے اپنی امت کو متنبہ فرمایا۔ ہر مسلمان کا ایمان ہے اور ہر مومن قبر کی عبادت کو شرک جانتا ہے۔ معاذ اللہ کون مومن ہوگا جو قبر کو معبود بنائے؟ مسلمانوں پر یہ افتراء ملک گیری کے لئے انہیں مشرک ٹھہرا کر ان پر جہاد کرنے اور ان کے ملک و مال کو لوٹنے کا ذریعہ ہے اور بس جن احادیث میں بناء کی ممانعت ہے۔ ان سے بھی یہی بناء مراد ہے۔ یہ حدیث ان کی بہترین شرح ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ احادیث مذکورہ بالا سے قبہ کی حرمت تو کیا ثابت ہوئی جس کا ذکر تک ان میں نہیں اور مسجد کی حرمت بھی ثابت نہیں ہوتی جو قبر کے نزدیک عبادت الٰہی عزوجل کے لئے بنائی گئی ہو۔ ائمہ محدثین رحمہم اللہ نے بھی ان احادیث کا یہی مطلب سمجھا

ہے۔ شیخ العصر اوحد الحفاظ قاضی القضاہ علامہ ابوالفضل شہاب الدین ابن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری شرح صحیح البخاری میں فرماتے ہیں ''قال البیضاوی لما کانت الیهود والنصاری یسجدون لقبور الأنبیاء تعظیما لشأنهم ویجعلونها قبلة یتوجهون فی الصلاة نحوها واتخذوها أوثانا لعنهم ومنع المسلمین عن مثل ذلك، فأما من اتخذ مسجدا فی جوار صالح وقصد التبرك بالقرب منه لا التعظیم له ولا التوجه نحوه فلا یدخل فی ذلك الوعید'' ترجمہ: بیضاوی نے کہا جب کہ یہود ونصاریٰ انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو بہ نیت تعظیم سجدہ کرتے تھے۔ اور ان قبور کو قبلہ بنا کر نماز میں ان کی طرف منہ کرتے تھے۔ اور انہیں بت بنا کر پوجتے تھے تو اللہ عزوجل اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر لعنت فرمائی اور مسلمانوں کو ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ لیکن جس شخص نے کسی صالح کے مزار کے قریب بقصد تبرک مسجد بنائی اور بہ نیت تعظیم نماز اس کی طرف پڑھی وہ اس وعید میں داخل نہیں۔۔۔۔۔

حدیث نمبر 3 جس میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی اس روایت کا بیان ہے کہ حضور علیہ السلام نے مجھے مامور فرمایا کہ میں جو تصویر پاؤں محو کروں اور جو قبر بلند پاؤں اس کو برابر کردوں۔ اس حدیث سے استدلال کرنے سے قبل (وہابی) مفتی صاحبان پر لازم تھا کہ وہ یہ ثابت کرتے کہ وہ قبور مسلمانوں کی تھی۔ دوم یہ کہ برابر کرنے سے کیا مراد ہے؟ آیا بالکل زمین سے ہموار کردینا کہ نشان بھی باقی نہ رہے تو یہ سنت متوارثہ سے معارض ہے۔ (کہ شروع سے سنت یہ چلی آرہی ہے کہ قبر زمین کے برابر نہ ہو۔ بلکہ ایک بالشت اونچی ہو کہ ممتاز ہوسکے) تیسرا یہ کہ تصاویر کا ذکر قبروں کے ساتھ کیا مناسبت رکھتا ہے؟ جب ان امور کو صاف کرلیتے تب انہیں استدلال کی گنجائش تھی۔

اب میں بالاختصار عرض کروں یہ بات تو ہر مومن کے لئے یقینی ہے کہ زمانہ اقدس میں مسلمانوں کی جو قبور بنیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم واجازت سے کہ عادت شریف دفن میں شرکت کی تھی اور اپنے نیاز مندوں کو اپنی شرکت سے محروم نہیں فرماتے تھے۔ تو جس قدر قبور زمانہ اقدس میں بنیں صحابہ نے بنائیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں بنائیں اور موجودگی نہ بھی ہوتی تو صحابہ کوئی کام بے دریافت کئے کب کرتے تھے؟ وہ کون سے مسلمانوں کی قبریں تھیں جو ناجائز طور پر اونچی بن گئی تھیں اور ان کے مٹانے کا حکم دیا۔ یہ بات بالکل عقل کے خلاف ہے۔ البتہ کفار کی قبریں بہت اونچی بنائی جاتی تھیں جیسا کہ اب بھی نصاریٰ کی قبریں دیکھی جاتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ڈھانے کا حکم دیا۔ کمافی الصحاح (جیسا کہ صحیح کتب میں ہے)۔ اور کفار کی قبریں ڈھانا جائز بھی ہے۔ مسلمانوں کی قبریں ڈھانا توہین ہے۔ بخاری شریف میں ہے "امر النبی صلی الله علیه وآله وسلم بقبور المشرکین فنبشت" یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین کی قبروں کے لئے حکم فرمایا وہ اکھاڑ دی گئیں۔

یہ کہاں سے کہا جاتا ہے کہ علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو مسلمانوں کی قبروں کے لئے حکم دیا گیا تھا؟ یا مشرکین کا حکم مسلمانوں پر چسپاں کیا جاتا ہے۔ علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں فرماتے ہیں "هل تنبش قبور مشركی الجاهلية أی دون غيرها من قبور الأنبياء وأتباعهم لما فی ذلك من الإهانة لهم، بخلاف المشركين فإنهم لا حرمة لهم" ترجمہ: کیا مشرکینِ جاہلیت کی قبور اکھاڑ دی جائیں یہ جائز ہے۔ عنوان باب یہ تھا۔ علامہ فرماتے ہیں یعنی ماسوا انبیاء اور ان کے متبعین (امتیوں) کے کیونکہ ان کی قبریں ڈھانے میں ان کی اہانت ہے۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں "وفی

الحدیث جواز تصرف فی المقبرة مملوكة بالهبة و البيع و جواز نبش قبور الدارسة اذالم يكن محرمة" یعنی حدیث میں دلیل ہے اس پر کہ جو مقبرہ ہبہ و بیع سے ملک میں آ گیا ہو۔ اس میں تصرف کیا جا جائے اور پرانی بوسیدہ قبریں اکھاڑ دی جائیں، بشرطیکہ محترم نہ ہوں۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی قبریں محترم ہیں۔ ان کو ڈھانا ان میں تصرف کرنا ناجائز اور ان کی اہانت ہے۔ قبریں اکھاڑنے کا حکم مشرکین کی قبروں کے لئے ہے۔۔۔۔۔" (فتاوی صدر الافاضل، صفحہ189۔۔۔، شبیر برادرز، لاہور)

عُرس

عُرس کا معنی ہے خوشی یعنی جب مومن قبر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار کر لیتا ہے، قبر کے امتحان میں پاس ہو جاتا ہے تو اس خوشی کو عرس کہا جاتا ہے۔ مرأۃ المناجیح میں مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "عشاق اس دیدار قبر کی بنا پر موت کی تمنا کرتے ہیں اور عاشقوں کی موت کو عرس کہا جاتا ہے یعنی برات کا دن یا دولہا کی دید کی عید کا دن۔" (مرأة المناجیح، جلد1، صفحہ128، نعیمی کتب خانہ، گجرات)

جس اسلامی تاریخ کو کوئی ولی اللہ فوت ہوا ہو اس تاریخ کو عرس کرنا رائج ہے جو کہ شرعاً جائز ہے جبکہ اس میں غیر شرعی حرکات نہ ہوں۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ملفوظات میں فرماتے ہیں: "ہاں اولیائے کرام کی ارواح طیبہ کو ان کے وصال شریف کے دن قبور کریمہ کی طرف توجہ زیادہ ہوتی ہے چنانچہ وہ وقت جو خاص وصال کا ہے اخذ برکات کے لئے زیادہ مناسب ہوتا ہے۔"

(ملفوظات، حصہ سوم، صفحہ383، المکتبۃ المدینہ، کراچی)

عرس کا دن مقرر کرنے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس سے لوگوں کو جمع ہونے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''عرس کا دن اسلئے مقرر ہے کہ وہ ان کی وفات کو یاد دلاتا ہے ورنہ جس دن بھی یہ کام (ایصال ثواب) کیا جائے اچھا ہے اور فلاح ونجات کا ذریعہ ہے۔'' (زبدۃ النصائح)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ''ایسا عرس جس میں عورتوں اور مردوں کا اختلاط نہ ہو، شرکیہ امور اور فسق وفجور کا ارتکاب نہ ہو، کھیل تماشے اور رقص وسرود موسیقی نہ ہو جائز ہے کیونکہ محفلِ عرس کا مقصد تو ایصالِ ثواب، فاتحہ وقرآن خوانی ہے۔''

عرس کے موقع پر بعض جگہ قوالی بھی ہوتی ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ مروّجہ قوالی ناجائز ہے۔ صوفیہ اور بزرگوں سے جو سماع منسوب کیا جاتا ہے وہ مروّجہ سماع نہیں ہے۔

(مزاراتِ اولیاء اور توسّل، صفحہ 123تا125، زاویہ پبلیشرز، لاہور)

حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی برادر شاہ عبدالعزیز ختم المحدثین رحمۃ اللہ علیہ جنہیں وہابی حضرات بھی مانتے ہیں ان کے فتوے میں لکھا ہے "پس امداد بدعاء وختم واطعام بدعتے مباح است (یعنی درعرس سالانہ بزرگان دین اگر صلحائے وقت جمع شدہ قرآن شریف خوانند وخیرات کردہ ثواب رسانند مضائقہ ندارد، ایں رابدعت مباح باید گفت) وجہ قبح ندارد ۔ اما ارتکاب محرمات از روشن کردن چراغ ها وملبوس ساختن قبور وسرودها نواختن معازف بدعات شنیعه اند حضور چنیں مجالس ممنوع" ترجمہ: دعا، ختم قرآن اور کھانا کھلانے کے ذریعے مدد کرنا ایک جائز بدعت ہے (یعنی بزرگان دین کے سالانہ عرس میں اگر اس زمانے کے نیک لوگ جمع ہو کر قرآن شریف پڑھیں اور خیرات کر کے ثواب پہنچائیں تو کوئی مضائقہ نہیں اسے بدعت مباحہ کہا جاسکتا ہے) قبیح ہونے کی کوئی وجہ

نہیں۔ لیکن حرام باتوں کا ارتکاب جیسے چراغ روشن کرنا، قبروں کو ملبوس کرنا، گانے، باجے بجانا شنیع بدعتیں ہیں۔ ایسی مجلسوں میں شرکت منع ہے۔

(فتاویٰ شاہ رفیع الدین، صفحہ14، مکتبہ مجتبائی، ماخوذ از، فتاویٰ رضویہ، جلد 9، صفحہ643، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

عرس کے موقع پر چراغاں بھی ہوتا ہے جس میں آج کل دیکھا جاتا ہے کہ بہت زیادہ عجیب وغریب طریقے سے چراغ جلائے جاتے ہیں۔ لاہور میں مادھولال حسین رحمۃ اللہ علیہ کے عرس مبارک میں مچھ جلائی جاتی ہے جس میں ہزاروں موم بتیاں ڈالی جاتی ہیں، دور تک اس کی گرمی محسوس ہوتی ہے یہ طریقہ جائز نہیں بلکہ اسراف ہے۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ''روشنی کا بے فائدہ اور فضول استعمال جیسا کہ بعض لوگ ختم قرآن والی رات یا بزرگوں کے عرسوں کے مواقع پر کرتے ہیں سینکڑوں چراغ عجیب وغریب وضع وترتیب کے ساتھ اوپر نیچے اور باہم برابر طریقوں سے رکھتے ہیں محل نظر ہے اور اسراف کے زمرے میں آتا ہے چنانچہ فقہائے کرام نے کتب فقہ مثلاً غمز العیون وغیرہ میں اسراف (فضول خرچی) کی بنا پر ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاں اسراف صادق آئے گا وہاں پرہیز ضروری ہے۔''

(فتاویٰ رضویہ، جلد23، صفحہ259، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

اسراف سے بچتے ہوئے اگر چند چراغ بطور تعظیم عرس مبارک یا عام دنوں میں مزارات پر جلائیں جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں ہے "قال الوالد رحمه اللّٰه تعالٰى فى شرحه على شرح الدرر من مسائل متفرقة اخراج الشموع الى القبور بدعة اتلاف مال كذا فى البزازية وهذا كله اذاخلا عن فائدة واما اذاكان موضع القبور مسجدا اوعلى طريق او كان هناك احد جالس

او كان قبر ولى من الاولياء اوعالم من المحققين تعظيماً لروحه المشرقة علٰى تراب جسده كاشراق الشمس على الارض اعلاماللناس انه ولى ليتبركوا به ويدعوا الله تعالٰى عنده فيستجاب لهم فهو ا مرجائز لامنع منه والاعمال بالنيات " ترجمہ: یعنی والد رحمہ اللہ تعالیٰ نے حاشیہ دررو غرر میں فتاوٰی بزازیہ سے نقل فرمایا کہ قبروں کی طرف شمعیں لے جانا بدعت اور مال کا ضائع کرنا ہے، یہ سب اس صورت میں ہے کہ بالکل فائدہ سے خالی ہو اور اگر شمعیں روشن کرنے میں فائدہ ہو کہ موضع قبور میں مسجد ہے یا قبور سرراہ ہیں یا وہاں کوئی شخص بیٹھا ہے یا مزار کسی ولی اللہ یا محققین علماء میں سے کسی عالم کا ہے وہاں شمعیں روشن کریں ان کی روح مبارک کی تعظیم کے لیے جو اپنے بدن کی خاک پر ایسی تجلی ڈال رہی ہے جیسے آفتاب زمین پر، تاکہ اس روشنی کرنے سے لوگ جانیں کہ یہ ولی کا مزار پاک ہے تاکہ اس سے تبرک کریں اور وہاں اللہ عزوجل سے دعا مانگیں کہ ان کی دعا قبول ہو، تو یہ امر جائز ہے اس سے اصلاً ممانعت نہیں اور اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔ (الحديقه الندية ،ايقاد الشموع في القبور ،جلد2،صفحه630،نوريه رضويه، فيصل آباد)

اولیاء کے نام نذرونیاز

مسلمانوں میں رائج ہے کہ وہ اولیاء اللہ کے مزار پر جاکر حسبِ توفیق خیرات کرتے ہیں۔کئی مسلمانوں نے منت مانگی ہوتی ہے کہ میرا فلاں کام ہوگیا تو داتا صاحب اتنی دیگیں دوں گا، بکرا صدقہ کروں گا۔وہابی حضرات اس عمل کو ناجائز وحرام کہتے ہیں اور دلیل کے طور پر قرآن پاک کی یہ آیت پیش کرتے ہیں﴿وَمَا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ﴾ اس آیت کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے''اور وہ جو غیر اللہ کے نام ہو۔'' (سورة المائده،سورت5،آیت3)

مختار احمد ندوی صاحب نے ایک کتاب قرآن خوانی اور ایصال ثواب میں لکھا:''

قبروں پر مردوں کی برسی کے دن ختم قرآن کرانا اور جانور ذبح کرکے قرآن خوانی اور برسی کی تقریب میں شریک ہونے والوں کو کھانا کھلانا، اور قبر پر نقد روپے پیسے کی شکل میں نذر پیش کرنا اور اس سب اعمال کے ساتھ یہ عقیدہ رکھنا کہ صاحب قبر ان چیزوں سے خوش ہوکر ہمیں فائدہ پہنچائیں گے اور ہمیں نقصان سے بچائیں گے اور یہ کہ صاحب قبر ہدایا کو قبول فرماتے ہیں۔سخت بدعت بلکہ شرک ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے شخص پر لعنت فرمائی ہے'' ملعون من ذبح لغير الله ''جس نے غیر اللہ کے لئے ذبح کیا وہ ملعون ہے۔'' (قرآن خوانی اور ایصال ثواب،صفحہ77،دعوت و توعية الجاليات،ربوه،رياض)

اسی لئے مزار کے تبرک کو حرام کہہ دیتے اور بعض تو اسے مندر کے پرشاد کے برابر سمجھتے ہیں۔جبکہ مسلمان جب کسی ولی اللہ کے نام چیز صدقہ کرتے ہیں تو اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس کا ثواب اس ولی اللہ کو پہنچے۔جو آیت پیش کی جاتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ مشرکین جب کسی جانور کو ذبح کرتے تھے اس وقت بت کا نام لیتے تھے جبکہ مسلمان کسی ولی اللہ کے نام جو جانور نذر کرتے ہیں انہیں ذبح کرتے وقت ولی اللہ کا نام نہیں لیتے بلکہ اللہ عزوجل کا نام لیتے ہیں۔اس آیت کی یہی تفسیر مفسرین نے کی ہے۔امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں''لا خلاف بين المسلمين أن المراد به الذبيحة إذا أهل بها لغير الله عند الذبح'' ترجمہ:مسلمانوں کا اس مسئلہ میں اختلاف نہیں کہ اس سے مراد ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لینا ہے۔

(أحكام القرآن،فی تفسیر،سورة البقره،آیت 173،جلد1،صفحه154،دار إحياء التراث العربی ،بيروت)

وہابی حضرات کسی ایک جید مفسر وفقیہ کا قول نہیں پیش کرسکتے ،جس میں کہا گیا ہے کہ جو چیز اولیاء کرام کی طرف منسوب ہو وہ حرام ہے۔بلکہ اس کے جواز کی صراحت ملتی ہے

چنانچہ ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ تفسیرات احمدیہ میں فرماتے ہیں"اما البقرۃ المنذورۃ للاولیاء کما ھو الرسم فی زماننا حلال طیب" ترجمہ: وہ گائے جو اولیاء کرام کے ایصالِ ثواب کے لئے نذر کی گئی جیسا کہ ہمارے زمانے میں رواج ہے حلال وطیب ہے۔

(تفسیرات احمدیہ، صفحہ 45، مکتبہ حقانیہ، پشاور)

خلیفہ اعلیٰ حضرت صدر الافاضل مفتی نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ اس پر تفصیلی کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''ان آیات میں ﴿وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ کو حرام فرمایا گیا۔ تحقیق طلب بات یہ ہے کہ قرآن کریم میں ﴿وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ سے کیا مراد ہے۔ اس کے لئے ذیل کے حوالے ملاحظہ کیجئے۔ مفردات راغب اصفہانی صفحہ 566، مطبع میمنیہ مصر (میں فرماتے ہیں)"قولہ وما اھل لغیر اللہ ای ما ذکر علیہ غیر اسم اللہ وھو ما کان یذبح لاجل الاصنام" ترجمہ: مااھل بہ لغیر اللہ یعنی وہ جس پر غیرِ نام خدا ذکر کیا گیا، یہ وہ جانور ہے جو بتوں کے لئے ذبح کیا جاتا تھا۔

تفسیر جلالین، پارہ 2، رکوع 5 (میں ہے) "وما اھل بہ لغیر اللہ ای ذبح علی اسم غیرہ والاھلال رفع الصوت وکانوا یرفعونہ عند الذبح لالھتھم" ترجمہ: وما اھل بہ لغیر اللہ یعنی جو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا اور اہلال کے معنی آواز بلند کرنا ہیں اور مشرکین اپنے معبودوں کے لئے ذبح کرنے کے وقت آواز بلند کرتے تھے۔

تفسیر مدارک تحت آیت مذکورہ بالا میں ہے "وما اھل بہ لغیر اللہ ای ذبح للاصنام فذکر علیہ غیر اسم اللہ و اصل الاھلال رفع الصوت ای رفع بہ الصوت للصنم و ذالک قول اھل الجاھلیۃ باسم اللات و العزی" ترجمہ: وما اھل بہ لغیر اللہ یعنی جو بتوں کے لئے ذبح کیا گیا اس پر غیر نام خدا ذکر کیا گیا اور اصل میں اہلال

آواز بلند کرنا ہے یعنی اس کے ساتھ بت کے لئے آواز بلند کی گئی اور وہ اہل جاہلیت کا بنام لات وعزّیٰ کہنا تھا۔ لات وعزّیٰ مشرکین کے بتوں کے نام ہیں۔ ان کے لئے جو جانور قربانی کرتے تھے اس کو بنام لات وعزّیٰ کہہ کر پکارتے تھے۔۔۔۔۔

ان تمام تفاسیر معتبرہ سے ثابت ہوا کہ وقتِ ذبح جس جانور پر غیر خدا کا نام ذکر کیا جائے، اس کا کھانا حرام ہے جیسا کہ مشرکین عرب بتوں کی قربانی کے جانوروں کو ان کے ناموں پر ذبح کرتے تھے۔ جس جانور پر وقت ذبح غیر خدا کا نام نہ لیا گیا، اگرچہ عمر بھر اس کو غیر کے نام سے پکارا ہو، مثلاً یہ کہا ہو زید کی گائے، عبدالرحمٰن کا دنبہ، عقیقہ کا بکرا، ولیمہ کی بھیڑ، مگر وقت ذبح بسم اللہ اللہ اکبر کہا گیا ہو، اللہ عزوجل کے سوا کسی اور کا نام نہ لیا گیا ہو تو وہ حلال طیب ہے۔ مااھل بہ لغیر اللہ میں داخل نہیں۔۔۔۔ لہٰذا فاتحہ و نیاز وصدقات و خیرات وغیرہ کو مااھل بہ لغیر اللہ میں داخل کرنا قرآن کریم کے معنی میں تبدیلی اور تمام تفاسیر معتبرہ کی مخالفت اور غلط ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔''

(فتاوٰی صدر الافاضل، صفحہ 215۔۔، شبیر برادرز، لاہور)

ایک جلالی طبیعت کے وہابی پروفیسر صاحب نے اھل لغیر اللہ کی ایک نئی خودساختہ تفسیر کی کہ اس سے مراد غیر اللہ کے لئے مشہور چیز ہے چنانچہ لکھتے ہیں: ''آج جو نام نہاد مسلمان عبدالقادر جیلانی کے نام کی گیارہویں، جعفر کے کونڈے، حسین کے نام کی نیاز دیتے ہیں اور قبروں پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں یہ سب قطعی حرام اور شرک ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ ترجمہ: بے شک تم پر مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے لئے مشہور کی گئی چیز حرام ہے۔ (پھر مزید وہابی مولوی صاحب لکھتے ہیں) ہمارے علاقے میں ایک پیٹ پرست ملاں ایک مرتبہ وما اھل بہ لغیر اللہ کی یہ تشریح کر رہا تھا کہ: ''غیر اللہ کے نام

ذبح کرتے وقت بسم اللہ واللہ اکبر کہہ کر ذبح کرنا چاہئے، کسی اور کا نام نہیں لینا چاہئے۔ اور اگر اس کا مطلب کریں کہ کسی اور کے نام سے مشہور یا منسوب نہیں کرنا چاہئے تو پھر ہر چیز ہی حرام ہو جائے گی۔ مثلاً چچا کی گائے، ماموں کا بکرا، نذیر کا مکان، بشیر کی دکان، ابا کی روٹی، امی کی جوتی کہا جائے تو یہ سب چیزیں حرام ہو جائیں گی کیونکہ غیر اللہ کے نام سے مشہور اور منسوب کی جاتی ہیں۔ لہذا اس کا اتنا ہی مطلب ہے کہ صرف حلال کرتے وقت اللہ کے سوا کسی دوسرے کے نام نہیں لینا چاہئے اور بس!"

اس جاہل کو یا تو علم نہیں تھا کہ اس مسئلے میں اختلاف کس بات پر ہے یا پھر وہ بے ایمانی سے بے علم لوگوں کو اھل کا معنی حلال بتا کر دھوکہ دے رہا ہے۔ اس مسئلہ میں اختلاف یہ ہے کہ کیا اللہ کے سوا کسی پیر، بزرگ یا کسی بھی دوسری ہستی کے لئے نذر و نیاز کے طور پر کوئی چیز دی جا سکتی ہے؟ فلاں کا مکان یا فلاں کی دکان کہنے سے شرک نہیں ہوگا کیونکہ کسی کی ملکیت کو اس کی طرف منسوب کرنے کو کوئی بھی شرک نہیں کہتا۔ شرک یہ ہے کہ کوئی آدمی نذر یا نیاز دینے کے لئے مشہور کر دے کہ یہ بکرا گیارہویں والے پیر کے نام سے ہے یا یہ شرینی لاہور والے یا پاک پتن والے بابے کے نام کی ہے۔ یعنی کسی غیر اللہ کے لئے نذر و نیاز کو منسوب کرنا یا مشہور کرنا شرک ہے۔ جہاں تک لفظ اُھل کا تعلق ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے مشہور کرنا۔ اسی لئے پہلی رات کے چاند کو ہلال کہا جاتا ہے کیونکہ پہلے دن چاند نکلنے پر اکثر لوگ کہتے ہیں کہ چاند نظر آ گیا ہے گویا یہ بات عام ہو جاتی ہے اور لوگوں میں مشہور ہو جاتی ہے۔ باقی جو ذبح کے معنوں میں لفظ "حلال" استعمال کیا جاتا ہے۔ اس میں (ح) حلوے والی ہے۔ اور آیت کریمہ میں جو "اھل" استعمال ہوا ہے اس میں ھ دو آنکھوں والی استعمال کی گئی ہے۔ مگر برا ہو اس پیٹ کے لالچ کا جس نے ان ملاؤں

کی آنکھوں پر اتنی چربی چڑھا دی ہے کہ انہیں آنکھوں والی "ھ" کی جگہ حلوے والی "ح" ہی دکھائی دیتی ہے۔۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب کنز الدقائق کی شرح بحر الرائق میں درج ہے ۔مخلوق کی نذر کے حرام ہونے پر امت کا اجماع ہے بلکہ حرام مردار کی طرح ہے۔"

(تفہیم توحید، صفحہ 128، التوحید اکیڈمی، لاہور)

وہابی مولوی صاحب نے ایسے شخص کو جاہل پیٹ پرست ملاں کہا جو بالکل صحیح بات تفاسیر کی روشنی میں کہہ رہا تھا۔ خود وہابی مولوی صاحب نے جو جہالتیں کی ہیں وہ پیش خدمت ہیں۔ وہابی مولوی صاحب نے اھل لغیر اللہ کی ایک نئی تفسیر یہ کی کہ غیر اللہ کے نام پر مشہور کرنا شرک ہے۔ ان سے پوچھا جائے کہ کونسی تفسیر یا لغت میں اھل کا معنی مشہور کرنا لکھا ہے؟ عربی لغت المنجد میں "اُھِلَّ الھلال" کا معنی نیا چاند نکلنا کیا ہے۔ مشہور ہونا پتہ نہیں کونسی عربی ڈکشنری میں ہے؟ ہوسکتا ہے اس مولوی صاحب نے اپنی کوئی ڈکشنری بنائی ہو۔ درحقیقت لفظ "اُھل" جو آیت میں استعمال ہوا ہے ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ المنجد میں "اَھَلَّ بالتسمیة علی الذبیحة" کا معنی ہے اس نے ذبیحہ پر اللہ کا نام لیا۔

(المنجد، بذیل مادہ، ھ ل، صفحہ 1029، خزینۃ علم و ادب)

پروفیسر صاحب نے جو "احل" کا معنیٰ ذبح کیا ہے وہ بھی کوئی وہابیہ ڈکشنری سے کیا ہے ورنہ عربی لغت المنجد میں اَحَلَّ الشیٔ" کا معنی ہے حلال کرنا۔

(المنجد، بذیل مادہ، ح ل، صفحہ 169، خزینۃ علم و ادب)

پروفیسر صاحب نے آٹھ دس سال لگا کر پی۔ ایچ۔ ڈی تو کر لی، تھوڑا عرصہ کسی مدرسے میں پڑھ کر عربی سیکھ لیتے تو یہ ندامت نہ دیکھنی پڑتی۔ دراصل پروفیسر صاحب کی آنکھ میں شرک شرک کہنے کی اتنی چربی چڑھی ہے کہ انہیں خود "اھل" اور "احل" کا معنی پتہ نہیں اور الزام سنیوں پر لگا رہے ہیں۔ وہابی مولوی صاحب سے پوچھا جائے کہ آپ کے

نزدیک جو چیز غیر اللہ کے نام کی مشہور کردی جائے وہ حرام وشرک ہوجاتی ہے تو اگر کوئی غیر اللہ کے نام پر کوئی چیز مشہور نہ کرے دل میں نیت کرے تو پھر بتائیں یہ حرام وشرک ہوگا یا نہیں کہ مشہوری تو پائی نہیں گئی؟ دوسرا وہابی مولوی صاحب نے پوری کتاب میں کہاں کی آیت کو کہاں منطبق کیا ہے دعوی کے مطابق دلیل دی ہی نہیں اگر دی ہے تو یہاں فقہ حنفی کی کتاب کنز الدقائق کی شرح بحرالرائق سے دلیل دی ہے کہ غیر اللہ کے لئے نذر حرام ہے۔اس میں بھی مولوی صاحب کی جہالت کا یہ حال ہے کہ دعویٰ شرک کا کیا ہے اور دلیل حرام کی دی ہے۔انہیں یہی پتہ نہیں کہ حرام اور شرک میں بہت فرق ہے۔شراب حرام ہے تو کیا اس کا مرتکب مشرک ہوگا؟ وہابی حضرات کو شرک گھرتی کے طور پر پلایا گیا ہے، بات بات پر شرک کہہ دیتے ہیں۔ باقی جو فقہ حنفی میں غیر اللہ کے نام کی نذر کو حرام کہا گیا اس کا مطلب ہے کہ جب مقصود ہی غیر اللہ کا ہو اور اگر معاذ اللہ غیر اللہ کو خدا سمجھ کر کریں تو کفر ہے۔اگر نذر رب تعالیٰ کی ہو اور اس کا مصرف غیر اللہ ہو تو حرام نہیں۔ ہمارے یہاں جو بزرگوں کے نام کی نذر و نیاز ہوتی ہے اس میں ہوتا یہ رب تعالیٰ کے نام ہی ہے اس کا ثواب بزرگوں کے نام ہوتا ہے۔ردالمحتار میں ہے"إن قال يا الله إنى نذرت لك إن شفيت مريضى أو رددت غائبى أو قضيت حاجتى أن أطعم الفقراء الذين بباب السيدة نفيسة أو الإمام الشافعى أو الإمام الليث -- فيجوز بهذا الاعتبار -- وأخذه أيضا مكروه ما لم يقصد الناذر التقرب إلى الله تعالى وصرفه إلى الفقراء"

ترجمہ: اگر کہا اے اللہ میں تیرے نام کی نذر مانتا ہوں کہ اگر میں بیماری سے صحت یاب ہوگیا یا میرا غائب (دوست، وغیرہ) واپس آگیا یا میں حاجت پوری ہوگئی تو ان فقراء کو کھانا کھلاؤں گا جو سیدہ نفیسہ کے دربار پر ہیں یا امام شافعی یا امام لیث رحمہا اللہ کے دربار پر فقراء

ہیں انہیں کھلاؤں گا۔تو اس اعتبار سے نذر ماننا جائز ہے۔اسی طرح مکروہ ہے جب تک نذر ماننے والے کا تقرب رب تعالیٰ کی طرف نہ ہو اور اس کا مصرف فقراء ہوں۔

(ردالمحتار، کتاب الصوم، جلد 1، صفحہ 487، دارالفکر، بیروت)

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مایہ ناز کتاب جاء الحق میں اس مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:''اولیاء اللہ کے نام کی جو نذر مانی جاتی ہے یہ نذر شرعی نہیں نذر لغوی ہے۔جس کے معنی ہیں نذرانہ جیسے کہ میں اپنے استاد سے کہوں کہ یہ آپ کی نذر ہے یہ بالکل جائز ہے اور فقہاء اُس کو حرام کہتے ہیں جو کہ اولیاء کے نام کی نذر شرعی مانی جائے۔اس لئے فرماتے ہیں"تقربا اليهم"نذر شرعی عبادت ہے وہ غیر اللہ کے لئے ماننا یقیناً کفر ہے۔کوئی کہتا ہے کہ یا حضور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ آپ دعا کریں اگر میرا مریض اچھا ہوگیا تو میں آپ کے نام کی دیگ پکاؤں گا۔اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ آپ میرے خدا ہیں اس بیمار کے اچھے ہونے پر میں آپ کی یہ عبادت کرونگا۔ بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ پلاؤ کا صدقہ کرونگا اللہ عزوجل کے لئے اس کا جو ثواب ملے گا آپکو بخشوں گا جیسے کوئی شخص کسی طبیب سے کہے کہ اگر بیمار اچھا ہوگیا تو پچاس روپیہ آپ کی نذر کرونگا۔اس میں کیا گناہ ہے؟ اسی کو شامی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الصوم بحث اموات میں اس طرح بیان فرمایا"بان تكون صيغة النذر لله تعالىٰ للتقرب اليه ويكون ذكر الشيخ مرادابه فقراء ه" صیغہ نذر کا عبادت کیلئے ہو اور شیخ کی قبر پر رہنے والے فقراء اس کا مصرف ہوں۔ یہ محض جائز ہے۔تو یوں سمجھو کہ یہ صدقہ اللہ کے لئے اس کے ثواب کا ہدیہ روح شیخ کے لئے، اس صدقہ کا مصرف مزار بزرگ کے خدام فقراء جیسے کہ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ نے نذر مانی تھی کہ اپنے پیٹ کا بچہ خدایا تیرے لئے نذر کرتی ہوں جو بیت المقدس کی خدمت کیلئے وقف ہوگا۔نذر اللہ کی اور مصرف بیت المقدس کا (قرآن پاک

میں اس کا تذکرہ یوں ہے) ﴿إِنِّی نَذَرْتُ لَکَ مَا فِی بَطْنِیْ مُحَرَّرًا ﴾ (میں تیرے لئے منت مانتی ہو جو میرے پیٹ میں ہے کہ خالص تیری ہی خدمت میں رہے) دیکھو غیر اللہ کی قسم کھانا شرعا منع ہے اور خود قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قسمیں کھائیں ﴿وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْن O وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ﴾ وغیرہ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا "افلح وابیہ" اس کے باپ کی قسم وہ کامیاب ہوگیا۔ مطلب یہی ہے کہ شرعی قسم جس پر احکام قسم کفارہ وغیرہ جاری ہو وہ خدا کے سوا کسی کی نہ کھائی جائے۔ مگر لغوی قسم جو محض تاکید کلام کے لئے ہو وہ جائز ہے۔ یہی نذر کا حال ہے۔ ایک شخص نے نذر مانی تھی کہ میں بیت المقدس میں چراغ کے لئے تیل بھیجوں گا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس نذر کو پورا کرو۔ مشکوٰۃ، باب النذور میں ہے کہ کسی نے نذر مانی تھی کہ میں بوانہ مقام میں اونٹ ذبح کروں گا۔ تو فرمایا گیا کہ اگر وہاں بت وغیرہ نہ ہو تو نذر پوری کرو۔ کسی نے نذر مانی تھی کہ بیت المقدس میں نماز پڑھوں گا تو فرمایا کہ مسجد حرام میں نماز پڑھ لو۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ وخیرات کی نذر میں کسی جگہ یا کسی خاص جماعت فقراء کی قید لگانا جائز ہے۔ اسی طرح یہ بھی ہے۔ (وہابی مولوی رشید گنگوہی کے) فتاوٰی رشیدیہ، جلد اول، کتاب الحظر والاباحت، صفحہ 54 میں ہے اور جو اموات اولیاء اللہ کی نذر ہے تو اس کے اگر یہ معنی ہیں کہ اس کا ثواب ان کی روح کو پہنچے تو صدقہ درست ہے۔ جو نذر بمعنی تقرب ان کے نام پر ہے تو حرام ہے۔

مشکوٰۃ، باب مناقب عمر میں ہے کہ بعض بیویوں نے نذر مانی تھی کہ اگر حضور علیہ السلام جنگ اُحد سے بخریت واپس آئے تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں گی۔ یہ نذر بھی عرفی تھی نہ کہ شرعی یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں خوشی کا نذرانہ۔ غرضیکہ لفظ

نذر کے دو معنی ہیں لغوی اور شرعی۔ لغوی معنی سے نذر بزرگانِ دین کے لئے جائز ہے بمعنی نذرانہ۔"

(جاء الحق، صفحہ 314، نعیمی کتب خانہ، گجرات)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو وہابی حضرات اپنا پیشوا مانتے ہیں اور زبردستی ان کو وہابی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ وہ خود سنی حنفی تھے اور نذر و نیاز کو ماننے والے تھے چنانچہ وہ ختم خواجگان کا طریقہ یوں بتاتے ہیں "وہ مرتبہ درود بخواند ختم کنند و برقدرے شیرینی فاتحہ بنام خواجگان چشت عموماً بخوانند وحاجت ازخدائے تعالیٰ سوال نمایند همیں طور هرروزمیخوانده باشنده اِن شاء اللّٰہ درایام معدودہ مقصود بحصول انجامد" ترجمہ: دس مرتبہ درود شریف پڑھ کر ختم دیں اور کچھ شیرینی پر خواجگان چشت کے نماز کی فاتحہ پڑھیں اور اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت کا سوال کریں۔ یہ عمل روزانہ کریں ان شاء اللہ چند روز میں مقصود حاصل ہو جائے گا۔

(الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، صفحہ 100، مطبوعہ آرمی برقی پریس، دہلی)

یہی شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ "زبدۃ النصائح" میں مذکور فتوی میں لکھتے ہیں "اگر ملیدہ شیربرنج بنا بر فاتحہ بزرگے بقصد ایصال ثواب بروحِ ایشاں پزند وبخورانند مضائقہ نیست جائز ست وطعام نذر اللّٰہ اغنیاء راخوردن حلال نیست واگرفاتحہ بنام بزرگے دادہ شد پس اغنیاء راهم خوردن دراں جائز ست" ترجمہ: اگر کسی بزرگ کی فاتحہ کے لئے ان کی روح مبارک کو ایصال ثواب کے قصد سے ملیدہ اور کھیر پکائیں اور کھلائیں تو مضائقہ نہیں، جائز ہے۔ اور خدا کی نذر کا کھانا اغنیاء کے لیے حلال نہیں۔ لیکن اگر کسی بزرگ کے نام کی فاتحہ دی جائے تو اس میں اغنیاء کو کھانا بھی جائز ہے۔

(زبدۃ النصائح)

لیکن وہابی حضرات اپنے پیشوا کی بھی مخالف کرتے ہوئے نذرونیاز کو ناجائز و حرام کہتے ہیں۔ایک وہابی مولوی رشید احمد گنگوہی سے کسی نے محرم کے دنوں میں جو سبیل امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایصال ثواب کے لئے لگتی ہے،اس سبیل سے پینے کے متعلق مسئلہ پوچھا تو کہا ناجائز ہے۔پھر کسی اور نے پرشاد جو کہ بتوں کے نام ہوتا ہے،اس کے متعلق پوچھا تو تو جواب میں کہا:''ہندو کی ہولی،دیوالی کا پرشاد وغیرہ جائز ہے۔''

(فتاوی رشیدیہ،جلد2،صفحہ123،رحیمیہ کتب خانہ ،دہلی)

فصلِ نہم:متفرق رسم ورواج

رہن سہن

اسلام ایک ایسا دین ہے جس نے ہمیں زندگی گزارنے کا ایک مکمل ضابطہ حیات دیا۔جتنے بھی اسلام کے احکامات ہیں اس میں بے شمار حکمتیں وفوائد ہیں۔مگر افسوس ہم مسلمان اسلامی نظام کو چھوڑ کر کفار کے طور طریقوں پر چلنے میں فخر محسوس کرتے ہیں، بلکہ دین اسلام پر چلنے والوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ہماری شکل وصورت ایسی ہے کہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ یہ مسلمان ہے یا کافر ہے۔مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:'' گورنمنٹ نے ہزاروں محکمے بنادیئے ہیں۔ریلوے،ڈاکخانہ،پولیس،فوج اور کچہری وغیرہ اور ہر محکمے کے لئے وردی علیحدہ علیحدہ مقرر کردی کہ اگر لاکھوں آدمیوں میں کسی محکمہ کا آدمی کھڑا ہو تو صاف پہچان میں آجاتا ہے۔اگر کوئی سرکاری نوکر اپنی ڈیوٹی کے وقت اپنی وردی میں نہ ہو تو اس پر جرمانہ ہوتا ہے۔اگر بار بار کہنے پر نہ مانے تو برخاست کردیا جاتا ہے۔اسی طرح ہم بھی محکمہ اسلام اور سلطنت مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حکومت الٰہیہ کے نوکر ہیں۔ہمارے لئے علیحدہ شکل مقرر کردی کہ اگر لاکھوں کافروں کے بیچ میں کھڑے ہوں تو

پہچان لئے جائیں کہ مصطفیٰ علیہ السلام کا غلام وہ کھڑا ہے۔اگر ہم نے اپنی وردی چھوڑ دی تو ہم بھی سزا کے مستحق ہوں گے۔۔۔۔کسی کو معلوم نہیں کہ اس کی موت کہاں ہوگی۔اگر ہم پردیس میں مرگئے،جہاں ہمارا جان پہچان والا کوئی نہ ہو تو سخت مشکل درپیش ہوگی۔لوگ پریشان ہوں گے کہ ان کو دفن کریں یا آگ میں جلادیں کیونکہ صورت سے پہچان نہ پڑے گی چنانچہ چند سال پیشتر علی گڑھ کے ایک صاحب کا ریل میں انتقال ہوگیا۔خبر ہونے پر رات میں نعش اتارلی گئی۔مگر اب یہ فکر ہوئی کہ یہ ہے کون؟ ہندو یا مسلمان؟ اس کو سپرد خاک کریں یا آگ میں ڈالیں۔آخر ان کا ختنہ دیکھا گیا تب پتہ لگا کہ یہ مسلمان ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ کفار کی سی شکل اور ان کا سا لباس زندگی میں بھی خطرناک ہے اور مرنے کے بعد بھی۔''

(اسلامی زندگی،صفحہ58،60،قادری پبلیشرز،لاہور)

داڑھی جس کا ایک مٹھی رکھنا واجب ہے وہ اکثر مسلمانوں کے چہروں سے نہ صرف غائب ہے بلکہ جنہوں نے رکھی ہے اس پر بھی طنز کیا جاتا ہے۔بخاری شریف کی حدیث پاک ہے"عن ابن عمر عن النبی صلی الله علیه وسلم قال خالفوا المشرکین وفروا اللحی وأحفوا الشوارب وکان ابن عمر إذا حج أو اعتمر قبض علی لحیته فما فضل أخذه" ترجمہ:حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مشرکین کی مخالفت کرو داڑھی بڑھاؤ اور موچھیں پست کرو۔حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب حج یا عمرہ کرتے تو اپنی داڑھی مٹھی میں لیتے اور جو مٹھی سے زائد ہوتی اسے کاٹ دیتے تھے۔

(صحیح بخاری، کتاب اللباس،تقلیم الاظفار،جلد7،صفحہ160،دار طوق النجاة،مصر)

مردوں کا موچھیں بڑھانا کہ اوپر والا ہونٹ چھپ جائے،جائز نہیں۔بغلوں کے بال اور موئے زیر ناف چالیس دن کے اندر صاف کرنا ضروری ہیں اور حالت جنابت میں

صاف کرنا مکروہ ہے۔عورتوں کا بھنویں ترشوانا،مرد کا عورتوں کی مشابہت کرنا یا عورت کا مردوں کی مشابہت کرنا ناجائز ہے۔آجکل مسلمان مرد عورتوں جیسا خلیہ اپناتے ہیں جیسے شانوں سے نیچے تک بال رکھنا،چٹیاں رکھنا،کانوں میں بالیاں پہننا،ہاتھ پاؤں پر مہندی لگانا،اور عورتیں مردوں والا خلیہ اپناتی ہیں جیسے پینٹ شرٹ پہننا،مردوں کی طرح شانوں سے کم بال رکھنا وغیرہ یہ مشابہت بھی حرام اور باعثِ لعنت ہے۔بخاری شریف کی حدیث پاک میں ہے "عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم لعن اللہ المتشبھین من الرجال بالنساء والمتشبھات من النساء باالرجال "ترجمہ:حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ان مردوں پر جو عورتوں سے مشابہت کریں اور ان عورتوں پر جو مردوں سے مشابہت کریں۔

(صحیح بخاری،کتاب اللباس،باب المتشبھون بالنساء ، والمتشبھات بالرجال، جلد7،صفحہ159 ،دار طوق النجاۃ ،مصر)

مرد وعورت کا اپنے بال کالے کرنے کے لئے کالا کولا،کالی مہندی وغیرہ لگانا ناجائز ہے۔ابوداؤد شریف کی حدیث پاک میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے " یکون قوم فی اخر الزمان یخضبون بھذا السواد کحواصل الحمام لا یجدون رائحۃ الجنۃ "ترجمہ:آخری زمانے میں ایک قوم ہوگی جو اس سیاہی سے خضاب کیا کرے گی،کبوتروں کے پوٹوں کی طرح وہ جنت کی خوشبو تک نہ پائیں گے۔

(ابو داؤد ،کتاب الترجل ،باب ما جاء فی خضاب السواد ،جلد2،صفحہ486، دار الفکر،بیروت)

شوہر کا بیوی اور بیوی کا شوہر کو کالا خضاب لگانے کا کہنا جائز نہیں اور اان کے کہنے پر لگانا بھی ناجائز ہے۔شوہر طلاق دینے کا کہے تب بھی لگانا جائز نہیں کہ اللہ عزوجل کی

نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں۔کالا خضاب سوائے حالت جہاد کے مطلقا ناجائز ہے چنانچہ امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:"صحیح مذہب میں سیاہ خضاب حالت جہاد کے سوا مطلقاً حرام ہے جس کی حرمت پر احادیث صحیحہ ومعتبرہ ناطق۔"

(فتاوی رضویہ،جلد23،صفحہ496،رضافاؤنڈیشن ،لاہور)

بزرگوں کی سواری آنا

ایک نظریہ ہمارے معاشرے میں جعلی پیروں،جاہل عورتوں نے بزرگوں کی سواری کا پیدا کر رکھا ہے۔اس میں یہ ہوتا ہے کہ کسی مرد یا عورت پر کسی بزرگ کی سواری اس طرح آتی ہے کہ اس مرد یا عورت کی آواز بدل جاتی ہے پھر اس سے جو بھی بات غیب کے متعلق پوچھی جائے وہ بتا دیتے ہیں۔یہ نظریہ باطل ہے کہ وہ بزرگ جس نے ساری زندگی اپنی نگاہوں اور جسم کی حفاظت کی،دنیا سے پردہ کرنے کے بعد وہ معاذ اللہ غیر محرم عورتوں پر سواری کی صورت میں آئے۔حقیقت میں یہ سارا شیطانی جنات کا کھیل ہوتا ہے جس سے وہ لوگوں میں پھوٹ ڈالتے ہیں۔مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مفتی محمد وقار الدین قادری رضوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:"کسی مرد یا عورت پر کسی بزرگ کی سواری نہیں آتی یہ دعوی فریب ہے۔صرف جنات کا اثر ہوتا ہے وہ بھی کسی کسی پر مگر ان جنات سے سوال کرنا یا آئندہ کا حال معلوم کرنا ناجائز ہے۔"

(وقار الفتاوی ،جلد1،صفحہ177،بزم وقار الدین گلستان مصطفی ،کراچی)

جس عورت پر یہ اثرات ہوتے ہیں وہ ہر سال عورتوں کو بلاتی ہے جسے پنجابی میں"پیڑی" کہا جاتا ہے۔دیگر عورتیں اس عورت کی بہت عزت کرتی اور اس سے بہت ڈرتی ہیں۔محفل میں جب جن اس پر سوار ہوتا ہے تو یہ تصور کیا جاتا ہے کہ بابا جی آگئے ہیں،عورت کی آواز بدل جاتی ہے،دیگر عورتیں اس سے دعائیں کراتی ہیں،غیب کی خبریں

پوچھتی ہیں، وہ جن جھوٹی خبریں دے کر گھروں میں لڑائی کرواتا ہے کہ فلاں نے تیرے اوپر جادو کیا ہے۔ بعض عورتوں اور جاہل عاملوں کو تو یہ آسیب ہوتا ہی نہیں ویسے ہی ڈرامہ کرکے لوگوں کو بے وقوف بنایا جاتا ہے۔ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''آسیب جن کی ایک قسم ہے جو کسی انسان پر مسلط ہوکر اسے ایذا دیتا ہے۔ یہ اس وقت ہے کہ واقع میں کسی پر آسیب کا تسلط ہو، ورنہ اس زمانہ میں بہت سے عورتوں کو اور بعض مردوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ حقیقۃً آسیب زدہ نہیں ہیں۔ لوگوں کو پریشان کرنے کے لئے آسیب زدہ ہونا ظاہر کرتے ہیں اور بنتے ہیں۔ اور آسیب زدہ میں دو صورتیں ہوتی ہیں کبھی وہ آسیب خود ہی مسلط ہوتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بعض اعمال کے ذریعہ جن کو لوگ مسخر کر لیتے ہیں اور یہ مسخر کرنے والے اسے حکم دیتے ہیں کہ فلاں پر مسلط ہو جا۔ اسکے کہنے سے وہ مسلط ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ اسی آسیب نے جسکا نام بتایا ہو اسے خواہ مخواہ متہم (الزام) کیا جائے اور اسی کا بھیجا ہوا سمجھا جائے کہ اولا تو اسی میں شبہ ہے کہ یہاں آسیب ہے، ہوسکتا ہے کہ بناوٹ ہو۔ اور اگر آسیب ہو بھی تو یہ یقینی بات ہے کہ آسیب بکثرت جھوٹ بولتے ہیں۔ ہر عامل اس کو جانتا ہے اور اس قسم کا اسکو سابقہ پڑتا ہے۔ لہذا صرف اسکے کہہ دینے سے ہرگز یہ تسلیم نہیں کیا جاسکتا کہ یہ سچا ہے اور اسی کا بھیجا ہے۔ خصوصا کسی مسلمان عورت پر ایسی تہمت رکھنا اور خصوصا ایسے وقت جبکہ باعتبار دین و دیانت بہتر حالت رکھتی ہو۔ محض آسیب زدہ کے کہہ دینے سے اس پر تہمت رکھنا حرام ہے۔''

(فتاوی امجدیہ، جلد4، صفحہ229، مکتبہ رضویہ، کراچی)

گھروں میں بزرگوں کے نام کے چراغ جلانا

کئی گھروں میں یہ رائج ہوتا ہے کہ وہ کسی خاص دن یا عموما جمعرات کو چراغ اس وجہ سے جلاتے ہیں کہ فلاں بزرگ کا یہاں گزر ہوتا ہے۔ شرعی اعتبار سے اس طرح چراغ جلانا جائز نہیں اسراف ہے۔ اسی طرح کئی لوگ کوئی منت مانگتے ہیں کہ ہمارا فلاں کام ہوگیا تو دریائے راوی میں ایک چھوٹی سے کشتی بنا کر اس میں چراغ رکھ کر بہائیں گے۔ نہ یہ منت درست ہے اور نہ اس طرح کشتی اور چراغ کے پیسے ضائع کرنا درست ہے۔ شب براءت میں بھی دریائے راوی میں چراغ جلا کر بہائے جاتے ہیں یہ سب اَفعال ناجائز واسراف ہیں۔ قرآن پاک میں ہے ﴿إِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا إِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنِ﴾ یعنی فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔ اور فرمایا ﴿إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ یعنی اللہ عزوجل اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

البتہ جس جگہ کسی بزرگ نے بیٹھ کر عبادت کی ہو یا کسی بزرگ کی قبر مبارک ہو تو وہاں بطور تعظیم چراغ جلانا جائز ہے۔ ردالمحتار پر حاشیہ لگاتے ہوئے امام رافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ایقاد القنادیل والشمع عند قبور اولیاء والصلحاء من باب التعظیم والاجلال ایضا للاولیاء فالمقصد فیها مقصد حسن" ترجمہ: اولیاء وصلحا کی قبور مبارک پر چراغ جلانا جائز ہے کہ یہ ان کی تعظیم ہے اور یہ اچھا مقصد ہے۔

(تقریرات الرافعی، حاشیہ علی ردالمحتار، کتاب الصلوٰۃ، باب صلوٰۃ الجنازۃ، جلد3، صفحہ170، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سورج گرہن اور چاند گرہن

سورج اور چاند گرہن اللہ عزوجل کی نشانیاں میں سے ہے۔ یہ گرہن اللہ عزوجل کی قدرت اور قیامت کے منظر کی یاد دلاتا ہے۔ بخاری ومسلم کی حدیث پاک ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا"إن الشمس والقمر لا يخسفان لموت أحد ولا حياته ولكنهما آيتان من آيات الله فإذا رأيتموهما فصلوا " ترجمہ: سورج، چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دونشانیاں ہیں نہ توکسی کی موت کی وجہ سے گھٹتے ہیں نہ کسی کی زندگی کی وجہ سے جب تم یہ دیکھو تو نماز پڑھو۔

(صحيح بخاری، کتاب الجمعة، باب الصلاة فی کسوف الشمس، جلد 2، صفحه 34، دار طوق النجاة، مصر)

اس کلام شریف میں اس جہالت کے عقیدہ کا رد ہے جو اہلِ عرب میں پھیلا ہوا تھا اور اتفاقاً اس دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال بھی ہوا تھا اس سے ان کے خیالات میں اور پختگی ہونے کا اندیشہ تھا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا۔ موجودہ دور میں بھی سورج گرہن اور چاند گرہن کے متعلق عجیب وغریب نظریات مشہور ہیں۔ حاملہ کو گھر سے باہر نہیں جانے دیتے، کوئی بچوں کو مٹی میں دبا کر سر باہر نکالتا ہے وغیرہ۔ یہ سب جہالتیں ہیں۔ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''کفار عرب اور مشرکین ہند کے اس گرہن کے متعلق عجیب خیالات ہیں۔ کفار عرب کہتے تھے کہ کسی بڑے آدمی کی پیدائش یا اچھے آدمی کی وفات پر گرہن کرسکتا ہے۔ مشرکین ہند کا عقیدہ ہے کہ چانداور سورج پہلے انسان تھے انہوں نے بھنگیوں چماروں سے کچھ قرض لیا اور ادا نہ کیا اس سزا میں انہیں گرہن لگتا ہے۔ چنانچہ ہندو گرہن کے وقت بھنگیوں کو خیرات دیتے ہیں اور مانگنے والے بھنگی بھی کہتے ہیں کہ سورج

مہاراج کا قرض چکاؤ۔ اسلام ان لغویات سے علیحدہ ہے وہ فرماتا ہے کہ یہ اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں جب چاہے چاند سورج کو نورانی کردے اور جب چاہے ان کا نور چھین لے چونکہ یہ قہر خداندی کے ظہور کا وقت ہے اس لیے اس وقت نماز پڑھو۔ دعائیں مانگو، صدقہ دو۔''

(مرأة المناجیح، جلد2، صفحه379، نعیمی کتب خانه، گجرات)

مؤکلات کا تصور

موجودہ دور میں کئی جعلی صوفیا اور عاملین لوگوں پر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارے پاس مؤکلات (جن) ہیں اور لوگوں میں جس کی چوری، ڈکیتی جیسے امور ہوجائیں یا مستقبل کے مسائل کے حل کے لئے ان جیسوں کے پاس جاتے ہیں، یہ اٹکل سے کہہ دیتے ہیں کہ چور کا نام فلاں حرف مثلاً ''ن'' سے شروع ہوتا ہے، اب اگر نون سے اس کے کسی رشتہ دار کا نام نکلتا ہوتو رشتہ دار پر الزام و بہتان اور لڑائی جھگڑے کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ قرآن سے یہ بات ثابت ہے کہ جنات کو غیب کا علم نہیں ہوتا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جنوں سے بیت المقدس کو تعمیر کروا رہے تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے وصال کا وقت قریب آگیا، نبی کی یہ شان ہوتی ہے کہ ملک الموت علیہ السلام روح مبارک نکالنے سے پہلے ان سے اجازت لیتے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے دعا کی کہ مولیٰ مسجد کی تکمیل باقی ہے تب آپ کو حکم ہوا کہ نماز کی نیت باندھ لیں چنانچہ اسی حال میں روح شریف قبض کر لی گئی اور جنات یہی سمجھتے رہے کہ آپ زندہ ہیں اور ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے﴿فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَى مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَنْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ﴾ ترجمہ کنزالایمان: پھر جب ہم نے اس پر موت کا حکم بھیجا جنوں کو اس

کی موت نہ بتائی مگر زمین کی دیمک نے کہ اس کا عصا کھاتی تھی پھر جب سلیمان زمین پر آیا جنوں کی حقیقت کھل گئی اگر غیب جانتے ہوتے تو اس خواری کے عذاب میں نہ ہوتے۔

(سورة السباء ، سورت 34،آیت 14)

تفسیر طبری میں ہے "فی قراءة ابن مسعود فمكثوا يدأبون له من بعد موته حولا كاملا فأيقن الناس عند ذلك أن الجن كانوا يكذبونهم، ولو أنهم علموا الغيب لعلموا بموت سليمان ولم يلبثوا في العذاب سنة يعملون له" ترجمہ: قراءت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے کہ شیاطین جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے وصال کے بعد ایک سال تک کام کرتے رہے پھر بعد میں لوگوں کو یقین ہو گیا کہ جنات کا دعویٰ علم غیب کرنا جھوٹ ہے کہ اگر یہ غیب جانتے ہوتے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے وصال کو جان لیتے اور ایک سال تک اس عذاب میں گرفتار نہ ہوتے۔

(جامع البيان في تأويل القرآن،صفحہ 429،مؤسسة الرسالة ،بيروت)

قرآن سے ثابت ہو گیا کہ جن یہ نہیں بتا سکتا ہے کہ چوری کس نے کی، کالا علم کس نے کیا، کل کیا ہوگا وغیرہ۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: "اگر غیب کی بات ان سے دریافت کرنی ہو جیسے بہت لوگ حاضرات کر کے موکل جن سے پوچھتے ہیں فلاں مقدمہ میں کیا ہوگا فلاں کام کا انجام کیا ہوگا یہ حرام ہے اور کہانت کا شعبہ بلکہ اس سے بدتر۔ زمانہ کہانت میں جن آسمانوں تک جاتے اور ملائکہ کی باتیں سنا کرتے انکو جو احکام پہنچے ہوتے اور آپس میں تذکرہ کرتے یہ چوری سے سن آتے اور سچ میں دل سے جھوٹ ملا کر کاہنوں سے کہہ دیتے جتنی بات سچی تھی واقع ہوتی۔ زمانہ اقدس حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکا دروازہ بند ہو گیا آسمانوں پر پہرے بیٹھ گئے اب جن کی طاقت نہیں کہ سننے جائیں جو جاتا ہے ملائکہ اس پر شہاب مارتے ہیں جسکا بیان سورۂ جن شریف میں ہے۔ تو اب جن

غیب سے نرے جاہل ہیں ان سے آئندہ کی بات پوچھنی عقلا حماقت اور شرعا حرام اور انکی غیب دانی کا اعتقاد ہو تو کفر۔ مسند احمد و سنن اربعہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے "من اتى كاهنا فصدقه بما يقول او اتى امرأة حائضا او اتى امرأة في دبرها فقد برى مما انزل على محمد صلى الله عليه وسلم" یعنی جو کسی کاہن کے پاس جائے اور اسکی بات سچی سمجھے یا حالت حیض میں عورت سے قربت کرے یا عورت کی پیٹھ سے دخول کرے وہ بیزار ہوا اس چیز سے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری گئی۔ مسند احمد و صحیح مسلم میں ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "من اتى عرافا فساله عن شئى لم تقبل له صلاة اربعين ليلة" جو کسی غیب گو کے پاس جا کر اس سے غیب کی کوئی بات پوچھے چالیس دن اس کی نماز قبول نہ ہو۔ مسند احمد و صحیح مستدرک میں بسند صحیح ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے رسول اللہ عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "من اتى عرافا او كاهنا فصدقه بما يقول فقد كفر بما انزل على محمد صلى الله عليه وسلم" یعنی جو کسی غیب گو یا کاہن کے پاس جائے اور اسکی بات کو سچ اعتقاد کرے وہ کافر ہوا اس چیز سے جو اتاری گئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ معجم کبیر طبرانی میں واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "من اتى كاهنا فساله عن شئى حجبت عنه التوبة اربعين ليلة فان صدقه بما قال كفر" یعنی جو کسی کاہن کے پاس جا کر اس سے کچھ پوچھے اسے چالیس دن توبہ نصیب نہ ہو اور اگر اسکی بات پر یقین رکھے تو کافر ہو۔

سوال بر بنائے ظن بھی ہو سکتا ہے اور کسی کی نسبت ظنی طور پر غیب جاننے کا اعتقاد کفر نہیں ہاں غیب کا علم یقینی بے وساطت رسول کسی کو ملنے کا اعتقاد کفر ہے۔ ﴿ **قال تعالیٰ**

عالم الغیب فلا یظھر علی غیبه احد ا الامن ارتضی من رسول ترجمہ: اللہ عالم الغیب ہے تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا مگر اپنے پسندیدہ رسولوں کو۔ تا تارخانیہ میں ہے کہ "یکفر بقوله انا اعلم المسروقات او انا اخبر باخبار الجن ایای " یعنی جو کہے میں گمی ہوئی چیزوں کو جان لیتا ہوں یا جن کے بتانے سے بتا دیتا ہوں وہ کافر ہے۔''

(فتاوی افریقه ، صفحه 177،نوری کتب خانه،لاہور)

یہ ممکن ہے کہ عامل جن کو یہ پتہ کرنے کے لئے بھیجے کہ چوری کس نے کی ہے اور جن چونکہ لوگوں کو نظر نہیں آتا تو رشتہ داروں اور محلے داروں کے گھر جا کر کوئی بات سن کر عامل کو بتا دے۔ کیونکہ جن جھوٹ بھی بولتے ہیں اس لئے جن کے کہنے پر بھی کسی پر چوری کا الزام نہیں لگایا جا سکتا ہے۔ دوسرا یہ کہ اکثر عامل جھوٹ بولتے ہیں کہ ان کے پاس مؤکلات ہیں۔ مؤکلات کو قید کرنا ہر کسی کا کام نہیں، جان جانے کا خطرہ ہوتا ہے اور اگر مؤکلات ہوں بھی تو اس کا نقصان ہے کہ بندے میں تکبر پیدا ہوتا اور کئی حرام کا ارتکاب ہوتا ہے مثلا کسی کو جن کی مدد سے جانی و مالی نقصان پہنچایا جاتا ہے۔ فتاویٰ رضویہ شریف میں ہے: ''حضرت سیدنا شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کم از کم وہ نقصان کہ صحبتِ جن سے ہوتا ہے یہ ہے کہ آدمی متکبر ہو جاتا ہے۔'' مزید امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جن کو تابع کر کے اس کے ذریعہ سے لوگوں کے مال معصوم منگوائے جائیں تو اشد سخت حرام کبیرہ ہے اور اگر سفلیات سے ہو تو قریب بکفر اور علویات سے ہو تو خود یہ شخص مارا جائے گا یا کم از کم پاگل ہو جائے یا سخت سخت امراض و بلایا میں گرفتار ہو۔ اعمال علویہ کو ذریعہ حرام بنانا ہمیشہ ایسے ثمرے لاتا ہے اور اس کے حرام قطعی ہونے میں کیا شبہ ہے۔''

(فتاوٰی رضویه ،جلد 21،صفحه 218،رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اسٹارز کی حقیقت

علم ہیئت کے ماہرین اور قدیم یونانی فلسفیوں کا اسٹارز کی حقیقت کے بارے میں یہ قول ہے کہ سات آسمانوں میں سے ہر آسمان پر ایک ستارہ گردش کر رہا ہے جسے وہ کوکب سیارہ کہتے ہیں۔ آٹھویں آسمان پر حرکت نہ کرنے والے ستارے ہیں۔ اس پر سیاروں کے اجتماع سے مختلف شکلیں بنتی ہیں جو نویں آسمان پر منعکس ہوتی ہیں انہیں یہ لوگ برج کا نام دیتے ہیں یہ برج بارہ ہیں۔ اہل نجوم کہتے ہیں کہ فلاں ستارہ فلاں برج میں پہنچ جائے تو بارش ہوتی ہے یا قحط پڑتا ہے یا طوفان آتے ہیں وغیرہ۔ اسی طرح یہ لوگ انسان کا نام اور تاریخ پیدائش سے سیارہ نکالتے ہیں، پھر کہتے ہیں اس کی پیدائش کے وقت یہ سیارہ فلاں برج میں تھا اور اس کی تاثیر سے یہ سعادت مند ہے یا منحوس ہے۔ پھر اس کی زندگی کے واقعات کو اس ستارے سے جوڑتے ہیں کہ مثلا جب وہ فلاں برج پر پہنچے گا تو اس سفر میں ،تجارت میں یا کسی اور مقصد میں کامیابی ہوگی یا ناکامی۔ اخبارات میں کالم شائع ہوتے ہیں کہ آپ کا ہفتہ کیسا رہے گا؟ یہ سب اٹکل پچو باتیں ہیں ظن و تخمین کے علاوہ کچھ بھی نہیں ۔اسلام میں ایسے باطل نظریات کی قطعاً گنجائش نہیں ہے نظام کائنات کی مکمل باگ دوڑ اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے، وہی مالک و مختار ہے، اس کی مشیت کے بغیر ایک پتہ نہیں ہلتا اور جو ستاروں کی تاثیر کے قائل ہیں یعنی یقین رکھتے ہیں ان پر حکم کفر ہے۔

(شرح مسلم،جلد1،صفحه527،فرید بك سٹال،لاہور)

صحیح بخاری و صحیح مسلم کی حدیث مبارک میں ہے "عن زید بن خالد الجهنی أنه قال صلى لنا رسول الله صلى الله عليه و سلم صلاة الصبح بالحديبية على إثر سماء كانت من الليلة فلما انصرف أقبل على الناس فقال هل تدرون ماذا

قال ربکم قالوا الله ورسوله أعلم قال أصبح من عبادی مؤمن وکافر فأما من قال مطرنا بفضل الله ورحمته فذلك مؤمن بی وکافر بالکوکب وأما من قال بنوء کذا وکذا فذلك کافر بی ومؤمن بالکوکب"ترجمہ:زید بن خالد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں حدیبیہ میں صبح کی نماز پڑھائی،اس وقت رات کی بارش کا اثر باقی تھا،نماز سے فارغ ہوکر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حاضرین کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا تم جانتے ہو تمہارے رب عزوجل نے کیا فرمایا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا اللہ عزوجل اور اس کا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:''اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندوں میں سے بعض کی صبح ایمان پر ہوئی اور بعض کی کفر پر ہوئی۔جس شخص نے یہ کہا کہ ہم پر خدا عزوجل کے فضل وکرم سے بارش ہوئی اس نے مجھ پر ایمان رکھا اور ستاروں کا کفر کیا اور جس نے یہ کہا کہ فلاں فلاں ستاروں کی تاثیر سے بارش ہوئی اس نے میرا انکار کیا اور ستاروں پر ایمان رکھا۔

(صحیح بخاری،کتاب صفة الصلوٰة،باب یستقبل الإمام الناس إذا سلم،جلد 1،صفحہ169،دار طوق النجاة،مصر)

یونہی امام اہلسنت پروانہ شمع رسالت مجدد دین وملت سیدی ومولائی اعلیٰحضرت فاضل بریلوی الشاہ احمد رضا خان رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ کواکب فلکی کے اثرات سعد ونحس پر عقیدت رکھنا کیسا ہے؟ تو آپ علیہ الرحمۃ نے جواب میں ارشاد فرمایا:''مسلمان مطیع پر کوئی چیز نحس نہیں اور کافروں کے لئے کچھ سعد نہیں اور مسلمان عاصی کے لئے اس کا اسلام سعد ہے۔طاعت بشرط قبول سعد ہے۔معصیت بجائے خود نحس ہے اگر رحمت و شفاعت اس کی نحوست سے بچالیں بلکہ نحوست کو سعادت کردیں﴿اولئک یبدل اللہ

سیاٰتھم حسنات﴾(یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دیتا ہے۔بلکہ کبھی گناہ یوں سعادت ہوجاتا ہے کہ بندہ اس پر خائف وترساں وتائب وکوشاں رہتا ہے وہ دُھل گیا اور بہت سی حسنات مل گئیں۔باقی کواکب میں کوئی سعادت ونحوست نہیں اگر ان کو خود مؤثر جانے شرک ہے اور ان سے مدد مانگے تو حرام ہے ورنہ ان کی رعایت ضرور خلاف توکل ہے۔'' (فتاوی رضویہ، جلد 21، صفحہ223 ،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

بہار شریعت میں ہے:''نجومی کی اس قسم کی باتیں جن میں ستاروں کی تاثرات بتائی جاتی ہیں کہ فلاں ستارہ طلوع کرے گا تو فلاں بات ہوگی یہ بھی خلاف شرع ہے اس طرح پچھتروں کا حساب کہ فلاں پچھتر سے بارش ہوگی یہ بھی غلط ہے حدیث میں اس پر سختی سے انکار فرمایا۔'' (بہار شریعت،جلد2،حصہ16،صفحہ159،ضیاء القرآن،لاہور)

ستاروں کا تعلق انسانی قسمت کے ساتھ نہیں چنانچہ صحیح بخاری شریف میں ہے"وقال قتادة ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح خلق ھذہ النجوم لثلث:جعلھا زینة للسماء ورجوماً للشیاطین وعلامات یھتدی بھا فمن تاول فیھا بغیر ذلك اخطاء واضاع نصیبه وتکلف مالا علم له به" ترجمہ:حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا(اللہ عزوجل کا ارشاد ہے)اور بلاشبہ ہم نے قریب کے آسمان کو چراغوں سے مزین فرمایا۔یہ ستارے تین فائدے کے لئے پیدا گئے ہیں:۔آسمان کی زینت کے لئے اور شیطانوں کو سنگسار کرنے کے لئے اور علامتیں ہیں جن سے راستہ جانا جاتا ہے۔جس نے ان کے علاوہ اور کوئی تاویل کی اس نے غلطی کی اور علم سے اپنا حصہ ضائع کردیا اور اس کا تلف کیا جس کا اسے علم نہیں۔

(صحیح بخاری،کتاب بدء الخلق،باب فی النجوم،جلد4 صفحہ107،دار طوق النجاة،مصر)

لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ قطعاً ان اسٹارز پر یقین نہ رکھیں اور نہ ہی کوئی ایسی تحریر

پڑھیں جس میں لکھا ہو کہ آپ کا یہ ہفتہ کیسے گزرے گا۔

قسمت کا حال معلوم کرنا

اسی طرح رائج ہے کہ ہاتھ دکھا کر، فال نکلوا کر قسمت کا حال معلوم کیا جاتا ہے یہ سب ناجائز ہے۔ سیدی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں: ''کاہنوں جوتشیوں سے ہاتھ دکھا کر تقدیر کا بھلا برُا دریافت کرنا اگر بطور اعتقاد یعنی جو یہ بتائیں حق ہے تو کفر خالص ہے اسی کو حدیث میں فرمایا" فقد کفر بما نزل علی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم " ترجمہ: تحقیق اس نے انکار کیا اس کا جو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوا یعنی کافر ہوگیا اور اگر بطور اعتقاد تیقن نہ ہو مگر میل و رغبت کے ساتھ ہو تو گناہ کبیرہ ہے اور اسی کو حدیث شریف میں فرمایا "لم یقبل اللہ لہٗ صلاۃ اربعین صباحا " ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں فرمائیگا اور اگر بطور ہزل واستہزاء ہو تو عبث و مکروہ وحماقت ہے ہاں اگر بقصد تعجیز (عاجز کرنے کے ارادے سے) ہو تو حرج نہیں۔'' (فتاوی رضویہ، جلد21، صفحہ155، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

مفتی محمد خلیل خان قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ فال نکالنے کے بارے میں فرماتے ہیں: ''نجومی ہوئے، رمال ہوئے، جفار ہوئے کہ اپنے جھوٹے سچے علم نجوم وجفر سے فال نکالنا اپنا ذریعہ معاش بنائے بیٹھے ہیں اور لوگوں کو فریب میں مبتلا رکھنا ان کا وطیرہ ہے۔ ان کے پاس جانا اور ان سے قسمت کا حال، غیب کی باتیں کرنا زمانہ جاہلیت کا دستور اور مشرکین عرب کا معمول رہا ہے۔ قرآن کریم نے ﴿ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ﴾ (اور پانسے ڈال کر بانٹا کرنا) فرما کر ان سب طریقوں کو حرام وناجائز وگناہ قرار دیا ہے۔ ان کے پاس جا کر ان باتیں سننا بھی گناہ وحرام ہے اور ان کی باتوں پر یقین کر لینا، اپنے ایمان وعقیدہ

کو تباہ کرنے کے برابر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔''

(فتاوی خلیلیہ، جلد3، صفحہ225، ضیاء القرآن، لاہور)

قرآن سے بھی فال نکالنا ناجائز ہے۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ''قرآن عظیم سے فال دیکھنے میں ہمارے علمائے حنفیہ فرماتے ہیں کہ ناجائز وممنوع و مکروہ تحریمی ہے۔ قرآن عظیم اس لئے نہ اتارا گیا۔''

(فتاوی افریقہ، صفحہ128، مکتبہ غوثیہ، کراچی)

آج کل بعض قرآن پاک کے آخر میں فال نکالنے کا ایک آسان طریقہ لکھا ہوتا ہے کہ آنکھیں بند کر کے ایک دائرے کے اندر چند مخصوص حرفوں پر انگلی پھیریں جس حرف پر انگلی روک کر آنکھیں کھولیں گے اس حرف کے تحت نیچے فال لکھی ہوگی۔ ایک اور طریقہ بھی فال نکالنے کا لکھا ہوتا ہے۔ الغرض یہ دونوں اور دیگر فال نکالنے کے طریقے جائز نہیں۔

استخارہ

استخارہ کا معنی ہے "(الاستخارۃ) اسم بمعنی طلب الخیر فی الشیء"
ترجمہ: کسی شے کے بارے میں خیر طلب کرنا استخارہ کہلاتا ہے۔

(القاموس الفقہی لغۃ واصطلاحا، حرف الخاء، جلد1، صفحہ125، دارالفکر، بیروت)

اصطلاحی معنی ہیں کہ کسی کام کے شروع کرنے سے پہلے اسکے خیر اور شر ہونے کے متعلق راہنمائی حاصل کرنا۔ علامہ محمد طاہر صدیقی رحمۃ اللہ تعالی علیہ لکھتے ہیں " استخیرك ای اطلب منك الخيرة بوزن العنبة متلبسا بعلمك بخيري و شری (الی) واستقدرك ای اطلب منك القدرة ای تجعلنی قادرا علیه " یعنی " استخیرك " کا معنی ہے میں تجھ سے خیر طلب کرتا ہوں جو کہ تیرے علم میں میرے خیر وشر

کے بارے میں ہے۔ (دوسرا معنی یہ ہے کہ) میں تجھ سے قدرت طلب کرتا ہوں یعنی تو مجھے اس کام کے کرنے پر قادر کردے۔

(مجمع بحار الانوار ،جلد2، صفحہ130 ،مطبوعہ المدينة المنورة)

استخارہ کی شرائط میں سے ہے کہ وہ جائز کاموں میں سے ہو چنانچہ حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ استخارے کے متعلق حدیث پاک کی شرح بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ''بشرطیکہ وہ کام نہ حرام ہو نہ فرض وواجب اور نہ روزمرہ کا عادی کام۔ لہذا نماز پڑھنے، حج کرنے یا کھانا کھانے پانی پینے پر استخارہ نہیں۔ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کام کا پورا ارادہ نہ کیا ہو صرف خیال ہو جیسے کوئی کاروبار، شادی بیاہ، مکان کی تعمیر وغیرہ کا معمولی ارادہ ہو اور تردد ہو کہ نہ معلوم اس میں بھلائی ہوگی یا نہیں، تو استخارہ کرے۔''

(مرأة المناجيح شرح مشكوٰة المصابيح، جلد2، صفحہ301، نعيمي كتب خانه، گجرات)

استخارہ کرنے کے کافی طریقے رائج ہیں جیسے تسبیح سے بھی استخارہ کیا جاتا ہے اور کسی دوسرے سے استخارہ کروایا جاتا ہے، یہ طریقہ بھی جائز ہے لیکن زیادہ بہتر طریقہ وہی ہے جو حدیث پاک میں آیا ہے چنانچہ صحیح بخاری، سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ، جامع ترمذی، سنن نسائی، مصنف ابن شیبہ کی بسند صحیح حدیث پاک ہے "عن جابر رضي الله عنه، قال كان النبي صلى الله عليه وسلم يعلمنا الاستخارة في الأمور كلها، كالسورة من القرآن إذا هم بالأمر فليركع ركعتين ثم يقول" ترجمہ: جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کو تمام امور میں استخارہ کی تعلیم فرماتے جیسے قرآن کی سُورت کی تعلیم فرماتے۔ فرمایا جب کوئی کسی امر کا قصد کرے تو دو رکعت نفل پڑھے پھر یہ دعا پڑھے ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ

وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَ اَسْأَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَ تَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ وَ عَاجِلِ اَمْرِی وَاٰجِلِهٖ فَاقْدُرْهُ لِیْ وَیَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْهِ وَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ وَ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَاٰجِلِهٖ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدُرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ رَضِّنِیْ بِهٖ" ترجمہ: اے اللہ میں تجھ سے استخارہ کرتا ہوں تیرے علم کے ساتھ اور تیری قدرت کے ساتھ طلب قدرت کرتا ہوں اور تجھ سے تیرے فضل عظیم کا سوال کرتا ہوں اس لئے کہ تو قادر ہے اور میں قادر نہیں اور تو جانتا ہے میں نہیں جانتا اور تو غیبوں کا جاننے والا ہے۔ اے اللہ عزوجل! اگر تیرے علم میں یہ ہے کہ یہ کام میرے لئے بہتر ہے، میرے دین ومعیشت اور انجام کار میں، اس وقت اور آئندہ میں، تُو اس کو میرے لئے مقدر کردے اور آسان کر، پھر میرے لئے اس میں برکت دے اور اگر تو جانتا ہے کہ میرے لئے یہ کام برا ہے، میرے دین ومعیشت اور انجام کار میں، اس وقت میں اور آئندہ میں تو اس کو مجھ سے پھیر دے اور مجھ کو اس سے پھیر اور میرے لئے خیر کو مقرر فرما جہاں بھی ہو پھر مجھے اُس سے راضی کر۔''

(اس دعا کے بعد) پھر اپنی حاجت کا ذکر کرے۔

(صحيح بخاری، كتاب الدعوات، باب الدعاء عند الاستخارة، جلد8، صفحہ81، دار طوق النجاة)

مستحب یہ ہے کہ اس دُعا کے اوّل آخر الحمد للہ اور درود شریف پڑھے اور پہلی رکعت میں ﴿قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ﴾ اور دوسری میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ﴾ پڑھے۔ بہتر یہ ہے کہ سات بار استخارہ کرے کہ ایک حدیث میں ہے اے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ! جب تو کسی کام کا قصد کرے تو اپنے رب سے اس میں سات بار استخارہ کر پھر نظر کر تیرے دل

میں کیا گزرا کہ بیشک اُسی میں خیر ہے اور بعض مشائخ سے منقول ہے کہ دُعائے مذکورہ پڑھ کر باطہارت قبلہ رُو سورہے اگر خواب میں سفید یا سبز دیکھے تو وہ کام بہتر ہے اور سیاہ یا سرخ دیکھے تو بُرا ہے اس سے بچے۔ استخارہ کا وقت اس وقت تک ہے کہ ایک طرف رائے پوری جم نہ چکی ہو۔ (بہارشریعت، جلد1، حصہ4، صفحہ18، ضیاء القرآن، لاہور)

یعنی کسی جگہ رشتہ طے کیا ہے اب اس کے متعلق استخارہ کرنا ہے کہ یہ رشتہ کرنا صحیح ہے یا نہیں تو دو رکعت نماز پڑھی جائے پھر مذکورہ دعا پڑھے، آخر میں اپنی حاجت عرض کرے، پھر قبلہ رو ہو کر سو جائے اگر رات کو سبز یا سفید رنگ نظر آئے تو یہ رشتہ صحیح ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اگر سرخ یا کالا نظر آئے تو یہ نہ کرنے کی طرف اشارہ ہے، لیکن پھر بھی اگر نکاح کرلیا تو ناجائز نہیں۔ اس بات پر استخارہ نہیں ہوسکتا کہ میرا نکاح کب، کس سے ہوگا۔ اسی طرح بدمذہب سے نکاح کرنا جائز بھی نہیں اور اس پر استخارہ بھی کرنا درست نہیں۔

گمشدہ اشیاء کا استخارہ

آج کل گمشدہ اشیاء کا استخارہ کیا جاتا ہے۔ شرعاً استخارہ سے یقین کا درجہ نہیں پایا جاتا۔ مفتی محمد خلیل خان قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اس سے جو اشارے سمجھ میں آتے ہیں وہ یقین کا درجہ نہیں پاسکتے۔ ہوتا وہی ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔''

(فتاوٰی خلیلیہ، جلد3، صفحہ226، ضیاء القرآن، لاہور)

لہٰذا کسی عامل سے استخارہ کروا کے دوسرے مسلمان کو چور ثابت نہیں کیا جاسکتا اور عامل کے لئے بھی جائز نہیں کہ وہ فقط اپنے استخارہ پر کسی کو چور ثابت کرے۔

نئے مکان پر بہنوں سے گانے بندھوانا

رائج ہے کہ جب بھائی اپنا گھر تعمیر کرنے لگتا ہے تو دروازوں پر بہنوں سے گانے بندھواتا ہے۔ پھر بہنوں کو خوشی سے پیسے دیتا ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں کہ یہ محبت کا ذریعہ ہے۔

مکان کی بنیادوں میں جانور کا خون ڈالنا

بعض لوگ جب مکان بناتے ہیں تو ایک جانور صدقہ کرتے ہیں اور اس کا خون مکان کی بنیادوں میں ڈالتے ہیں۔ اس سے غالباً ان کا نظریہ یہ ہوتا ہے کہ مکان خیر و آباد رہے۔ یہ جہالت ہے۔ صرف جانور صدقہ کیا جائے یہ بہت بہتر ہے۔ جب گھر کی چھت ڈالی جاتی ہے تو اس خوشی میں دیگ پکا کر مزدوروں کو کھلائی جاتی ہے۔ ایسا کرنا بھی بہت اچھا ہے۔ بعض جگہ یہ رائج ہے کہ جب بہن کے گھر کی چھت ڈالی جاتی ہے تو والدین یا بھائی دیگوں کا اہتمام کرتے ہیں یہ بھی جائز ہے جبکہ انہیں مجبور نہ کیا جائے اور نہ دینے پر طعنہ زنی نہ ہو۔

پیری مریدی

اسلامی معاشرے میں پیری مریدی بہت رائج ہے اور مسلمانوں کی اکثریت اپنی باطنی اصلاح کے لئے کسی ولی اللہ کی بیعت کرتی ہے۔ درحقیقت پیری مریدی جسے طریقت، راہ سلوک بھی کہا جاتا ہے، اس کی تاریخ بہت پرانی ہے، برسوں سے اولیائے کرام اپنے مرشد کے فیضان سے آگے مسلمانوں کا تزکیہ کرتے رہے ہیں اور ان کے اخلاق اچھے کرنے کی تربیت کرتے رہے ہیں، آج برصغیر پاکستان و ہند میں جو اسلام کی شمع روشن ہے وہ انہی بزرگوں سے ہے۔

پیری مریدی بزرگوں کی خودساختہ رسم نہیں ہے بلکہ تزکیہ نفس کرنا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے کہ وہ اپنے امتیوں کی ظاہری اصلاح کے ساتھ ساتھ باطنی اصلاح بھی کرتے تھے،ان سے حسد،بغض،کینہ،نکال کراس میں نورِایمانی،حسن اخلاق کواجاگر کرتے تھے۔ جس طرح سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کوشریعت کے احکام سکھائے اسی طرح طریقت کے بھی احکام سکھائے چنانچہ قرآن پاک میں ہے ﴿كَمَا أَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلاً مِّنْكُمْ يَتْلُوْ عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ﴾ ترجمہ کنزالایمان: جیسا کہ ہم نے تم میں بھیجا ایک رسول تم میں سے کہ تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں پاک کرتا اور کتاب اور پختہ علم سکھاتا ہے اور تمہیں وہ تعلیم فرماتا ہے جس کا تمہیں علم نہ تھا۔

(سورۃ البقرۃ، سورت 2، آیت 151)

اس آیت میں آیات کا تلاوت کرنا پہلے ذکر کیا گیا اور تزکیہ کا اس کے بعد کہ جب دل کفر وشرک اور گناہوں سے پاک ہوگا آیات اس پر اثر انداز ہوں گی۔اگر دل میں کفرو شرک ہوتو ابوجہل وکفار کی طرح جتنی مرضی قرآن کی آیات کوسنا جائے فلاح نہ ملی گی۔لہذا شریعت وطریقت دونوں سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی ہیں آپ کا قرآنی احکام سنانا شریعت ہے اور دلوں کو پاک کرنا طریقت ہے۔

بیعت کرنا سنت ہے اورقرآن وحدیث سے ثابت ہے چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پرسرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے بیعت لی جس کواللہ جل مجدہ نے قرآن مجیدفرقان حمید میں ذکر فرمایا چنانچہ فرمان خداوندی عزوجل ہے ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور وہ جوتمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ (پارہ 26، سورۃالفتح ،آیت10)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت علامہ مفسر شہیر مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:''بزرگوں کے ہاتھ پر بیعت سنت صحابہ ہے خواہ بیعت اسلام ہو یا بیعت تقوی یا بیعت توبہ یا بیعت اعمال وغیرہ۔''

(تفسیرنور العرفان،سورۃالفتح ،سورت 48،آیت10،صفحہ614،نعیمی کتب خانہ ،گجرات)

بخاری شریف میں ہے''عن جرير بن عبد الله، قال بايعت رسول الله صلى الله عليه وسلم على إقام الصلاة، وإيتاء الزكاة، والنصح لكل مسلم'' ترجمہ:حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے نماز کی پابندی زکوۃ کی ادائیگی اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے پر بیعت کی۔

(بخاری شریف ،کتاب الایمان،باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم--،جلد 1، صفحہ 21،دار طوق النجاۃ،مصر)

موجودہ دور میں بھی جب بیعت کی جاتی ہے تو پیر صاحب اس سے توبہ کرواکر گناہوں سے بچنے اور نیک کام کرنے کا عہد لیتے ہیں۔

وہابی حضرات کے ساتھ ساتھ ہمارے معاشرے کے کئی افراد جعلی پیروں کے کردار کو دیکھ کر پیری مریدی کو غیر اسلامی سمجھتے ہیں۔کئی یہ کہتے ہیں کہ ماں باپ سب سے بڑے پیر ہیں ان کے ہوتے ہوئے کسی کا مرید ہونا جائز نہیں۔یہ غلط نظریات ہیں۔جس طرح معاشرے کے دیگر معاملات میں دھوکہ باز افراد ہوتے ہیں اسی طرح پیری مریدی میں بھی جعلی پیر شروع سے ہی ہیں جن کی اولیاء کرام نے اپنی کتابوں میں بہت مذمت فرمائی ہے۔اگرآج مزارات اولیاء جاہل لوگ جوخلافِ شرع کام کرتے ہیں اس میں اولیاء اللہ کا کیا قصور ہے؟ باقی یہ کہ دنیا میں اتنے بڑے بڑے اولیاء کرام گزرے ہیں جن کے

والدین نیک وکار تھے لیکن انہوں نے والدین کے علاوہ دیگر اولیاء کی بیعت کی اور اس بیعت کو تزکیہ نفس کے لئے ضروری کہا، یہاں تک فرمایا کہ جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے۔فتاوٰی افریقہ میں ہے :'' بے پیرا فلاح نہ پائیگا حضرت سیدنا شیخ الشیوخ شہاب الحق والدین سہروردی قدس سرہ عوارف المعارف شریف میں فرماتے ہیں''سمعت کثیر امن المشائخ یقولون من لم یر مفلحا لا یفلح'' ترجمہ: میں نے بہت اولیائے کرام کوفرماتے سنا کہ جس نے کسی فلاح پائے ہوئے کی زیارت نہ کی وہ فلاح نہ پائے گا۔سیدنا بایزید بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہوا کہ فرماتے ہیں جس کا کوئی پیر نہیں اسکا امام شیطان ہے۔'' (فتاوی افریقه ،صفحه 128،نوری کتب خانه،لاہور)

بیعت کی ضرورت نہ صرف دنیا کے لئے کارآمد ہے بلکہ آخرت میں بھی فائدہ بخش ہے۔دنیا میں یہ فائدہ ہے کہ پیر راہِ سلوک پر چلنے میں راہنمائی کرتا ہے،شیطانی حملوں سے بچاتا اور ایمان سلامت رہتا ہے اور مرید اس ہستی کے سبب گناہوں اور دوسری آفات سے محفوظ رہتا ہے۔حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا کے واقعہ کے متعلق قرآن پاک میں ہے﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنْ رَأَى بُرْهَانَ رَبِّهِ كَذَلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور بے شک عورت نے اس کا ارادہ کیا اور وہ بھی عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا ہم نے یونہی کیا کہ اس سے برائی اور بے حیائی کو پھیر دیں بے شک وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے ہے۔ (سورۃ یوسف،سورت12،آیت 24)

مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ رحمۃ اللہ الھادی اسکی تفسیر میں فرماتے ہیں:''ایک روایت یہ بھی ہے کہ جس وقت زلیخا آپ کے درپے ہوئی اس وقت آپ نے

اپنے والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام کو دیکھا کہ انگشت مبارک دندان اقدس کے نیچے دبا کر اجتناب کا اشارہ فرماتے ہیں۔''

(تفسیر خزائن العرفان ،فی تفسیر،سورۃ یوسف،سورت12،آیت 24،صفحہ 835،قدرت اللہ کمپنی، لاہور)

جس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے اللہ عزوجل کی عطا کردہ قوت سے اپنے صاحبزادہ حضرت یوسف علیہ السلام کی رہنمائی فرمائی،اسی طرح دیگر کئی ایسے مستند واقعات ہیں کہ پیر نے اپنے مرید کوکسی آزمائش میں رہنمائی فرمائی۔

آخرت میں مرشد اپنے مریدوں کا شفیع ہوگا۔سیدی اعلیٰحضرت امام اہلسنت الشاہ احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ضرورت واہمیت بیعت ومرشد کے متعلق اپنے رسالہ مبارکہ " نقاء السلافة فی احکام البیعۃ والخلافۃ "میں فرماتے ہیں:''قرآن عظیم نے حکم فرمایا﴿وابتغوا الیہ الوسیلۃ﴾ ترجمہ:اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔اللہ کی طرف وسیلہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلم ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلم کی طرف وسیلہ مشائخ عظام۔سلسلہ بہ سلسلہ جس طرح اللہ عزوجل تک بے وسیلہ رسائی محال قطعی ہے یونہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلم تک رسائی بے وسیلہ دشوار عادی ہے۔احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلم صاحبِ شفاعت ہیں اللہ عزوجل کے حضور وہ شفیع ہونگے اور اُن کے حضور علماء واولیاء اپنے متوسلوں کی شفاعت کریں گے۔مشائخ کرام دنیا ودین نزع وقبر وحشر سب حالتوں میں اپنے مریدین کی امداد فرماتے ہیں۔میزان الشریعہ میں ارشاد فرمایا'' قد ذکرنا فی کتاب الاجوبة عن ائمة الفقهاء والصوفية کلهم یشفعون فی مقلدیهم و یلاحظون احدهم عند طلوع روحه و عند سوال منکر و نکیر له و عند النشر والحشر والحساب والمیزان

والصراط ولا یغفلون عنھم فی موقف من المواقف" ترجمہ: تحقیق ہم نے ذکر کیا ہے "کتاب الاجوبہ عن ائمة الفقھاء والصوفیة" میں کہ فقہاء اور صوفیہ سب کے سب اپنے متبعین کی شفاعت کریں گے اور وہ اپنے متبعین کی شفاعت کریں گے اور وہ اپنے متبعین و مریدین کے نزع کی حالت میں روح کے نکلنے اور منکر نکیر کے سوالات نشر و حشر اور حساب اور میزانِ عدل پر اعمال تلنے اور پل صراط گذرنے کے وقت ملاحظہ فرماتے ہیں اور تمام مواقف میں سے کسی ٹھہرنے کی جگہ سے غافل نہیں ہوتے۔

اس محتاج بے دست و پا سے بڑھ کر احمق اپنی عافیت کا دشمن کون جو اپنی سختیوں کے وقت اپنے مدد گار نہ بنائے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم فرماتے ہیں "استکثروا من الاخوان فان لکل مؤمن شفاعة یوم القیٰمة رواہ ابن النجار فی تاریخه عن انس بن مالك رضی الله تعالیٰ عنه" ترجمہ: اللہ کے بکثرت نیک بندوں سے رشتہ و علاقہ محبت پیدا کرو کہ قیامت میں ہر مسلمان کامل کو شفاعت دی جائے گی کہ اپنے علاقہ والوں کی سفارش کرے۔ (اس کو ابن النجار نے اپنی تاریخ میں انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا)

اور بالفرض معاذ اللہ اور کچھ نہ ہوتا تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم تک اتصال سلسلہ کی برکت کیا تھوڑی تھی جس کے لئے علماء کرام آج تک حدیث کی سندیں لیتے ہیں۔ سلاسل و اسانید اولیاء کرام کا کیا کہنا خصوصاً سلسلہ عالیہ علیہ حضور پرنور سیدنا غوثِ اعظم قطبِ عالم جو ارشاد فرماتے ہیں کہ: "میرا ہاتھ میرے مرید پر ایسا ہے جیسے زمین پر آسمان۔" اور فرماتے ہیں: "اگر میرے مرید کا پاؤں پھسلے گا میں ہاتھ پکڑ لوں گا۔" اسی لئے حضور کو پیر دستگیر (ہاتھ پکڑنے والے) فرماتے ہیں: "مجھے ایک دفتر دیا گیا حدِ نگاہ تک کہ

اس میں میرے مریدوں کے نام تھے قیامت تک اور مجھ سے فرمایا گیا" وھبتھم لك" یہ سب ہم نے تمھیں دے ڈالے" رواھا عنه الائمة الثقات رضی الله تعالیٰ عنھم و عنا بھم اٰمین۔"

(فتاوی رضویه، جلد21، صفحه424.425، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

نقل ہے کہ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ جو شخص میرا یا میرے فرزندوں کا مرید ہوگا معین الدین جنت میں اس وقت تک داخل نہ ہوگا جب تک وہ جنت میں نہ چلا جائے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ فرزندوں سے مراد آپ کے خلفاء ہیں یا اولاد؟ فرمایا کہ فرزندوں سے مراد قیامت تک ہونے والے (فرزندانِ معنوی) یعنی خلفاء ہیں۔

(سبع سنابل، صفحه436، فرید بك سٹال، لاہور)

آج کل لوگ بیعت کرتے وقت یہ نہیں سوچتے کہ جس پیر کی بیعت کی جا رہی ہے وہ کامل پیر بھی ہے یا نہیں؟ داڑھی منڈے، جاہل، بے نمازی، چرسی بھنگی، لمبے بال والے، انگوٹھیاں پہننے والوں کی بیعت کر لی جاتی ہے۔ یہ جعلی پیر ڈھکوسلے مارتے ہیں، داڑھی نہ رکھنے پر کہتے ہیں ڈاکٹر اقبال نے بھی نہیں رکھی تھی، نماز نہ پڑھنے پر کہتے ہیں ہماری نماز مدینے ہوتی ہے۔ ظاہری شریعت کی خلاف ورزی کر کے کہتے ہیں ظاہر کا کوئی اعتبار نہیں رب تعالیٰ دل دیکھتا ہے۔ پھر بعض جعلی پیر کچھ جادو ٹونہ بھی سیکھ کر لوگوں کی نظر بندی کر کے اپنا تابعدار بناتے ہیں۔ کسی جعلی پیر کا دل کی بات بتا دینا، کئی دن بھوکے رہنا، ہوا میں اڑنا، پیری نہیں۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ایسے جعلی پیروں سے بچیں، جو اس طرح شریعت کا مذاق اڑاتے ہیں۔ طریقت کی بنیاد شریعت پر ہے جو ولی شریعت کا ادب نہیں کرتا وہ راہ طریقت پر نہیں۔ حضور داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا ولی کون ہے؟ انہوں نے فرمایا" الولی ھو الصابر تحت الامر والنھی" یعنی ولی وہ ہے جو اللہ کے امر و نہی کے تحت صبر کرے۔

کیونکہ جس کے دل میں جتنی محبت زیادہ ہوگی اتنی ہی وہ اسکے حکم کی دل سے تعظیم کرے گا اور اس کی مخالفت سے دور رہے گا۔ نیز یہ بھی انہی سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ لوگوں نے مجھے بتا یا کہ فلاں شہر میں اللہ کا ایک ولی رہتا ہے۔ میں اٹھا اور اس کی زیارت کی غرض سے سفر شروع کر دیا۔ جب میں اس کی مسجد کے پاس پہنچا تو وہ مسجد سے نکل رہا تھا میں نے دیکھا کہ منہ کا تھوک فرش مسجد پر گر رہا ہے۔ میں وہیں سے واپس لوٹ پڑا اسے سلام تک نہ کیا۔ میں نے کہا کہ ولی کے لئے شریعت کی پاسداری ضروری ہے تا کہ حق تعالیٰ اس کی ولایت کی حفاظت فرمائے۔ اگر یہ شخص ولی ہوتا تو اپنے منہ کے تھوک سے مسجد کی زمین کو آلودہ نہ کرتا اس کا احترام کرتا۔ اسی رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میں نے خواب میں دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ''اے بایزید! جو کام تم نے کیا ہے اسکی برکتیں تم ضرور پاؤ گے۔'' دوسرے دن ہی میں اس درجہ پر فائز ہو گیا جہاں تم سب مجھے دیکھ رہے ہو۔

حضرت ابوسعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں ایک شخص آیا اس نے مسجد میں پہلے بایاں قدم رکھا۔ انہوں نے حکم دیا ''اسے نکال دو جو شخص دوست کے گھر میں داخل ہونے کا سلیقہ نہیں رکھتا اور بایاں قدم رکھتا ہے وہ ہماری مجلس کے لائق نہیں ہے۔''

(حضور داتا سرکار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) ''ملحدوں کی ایک جماعت اس بزرگ کے ساتھ تعلق کا اظہار کرتی ہے۔ وہ ملحدین کہتے ہیں کہ خدمت یعنی عبادت اتنی ہی کرنی چاہئے جس سے بندہ ولی بن جائے۔ جب ولی ہو جائے تو خدمت وعبادت ختم۔ یہ کھلی گمراہی ہے کیونکہ راہ حق میں کوئی مقام ایسا نہیں جہاں خدمت وعبادت کے ارکان میں سے کوئی رکن ساقط ہو جائے۔'' (کشف المحجوب، صفحہ 318، شبیر برادرز، لاہور)

مفتی احمد یار خان نعیمی اس قول کہ ''ظاہر کا اعتبار نہیں رب تعالیٰ دل دیکھتا ہے'' کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اگر ظاہر کا کوئی اعتبار نہیں، دل کا اعتبار ہے تو آپ میرے گھر کھانا کھاؤ یا شربت پیو اور نہایت عمدہ بادام کا شربت یا عمدہ بریانی کھلاؤں پلاؤں، مگر گلاس یا رکابی میں اوپر کی طرف خوب اچھی گندگی پلیدی لگا دوں۔ آپ اس برتن میں کھالو گے؟ ہرگز نہیں۔ کیوں جناب! برتن کا کیا اعتبار؟ اس کے اندر کی چیز تو اچھی ہے۔''

(اسلامی زندگی، صفحہ 61، قادری پبلیشرز، لاہور)

لہٰذا یہ باطل قول ہے کہ ظاہری شریعت کی مخالفت کر کے کہا جائے رب تعالیٰ دل دیکھتا ہے۔ رب تعالیٰ نے ظاہر و باطن دونوں کی اصلاح کا حکم دیا ہے۔

جس کسی نے ایسے جعلی پیر کی بیعت کی ہو اس پر واجب ہے اس کی بیعت توڑ دے اور کسی کامل پیر کی بیعت کرے۔ دنیا میں ہر وقت اللہ عزوجل کے اولیاء کرام موجود ہوتے ہیں، مسلمانوں کو چاہئے کہ ان سے اپنا تعلق قائم کریں تا کہ دنیا و آخرت میں اس تعلق سے فائدہ حاصل کر سکیں۔ بیعت اس نیت سے نہ کریں کہ اچھی نوکری مل جائے، کاروبار میں برکت ہو جائے، اولاد مل جائے، یا دنیاوی مفاد حاصل ہو جائیں بلکہ اس نیت سے کی جائے کہ میرا باطن پاک وصاف ہو جائے، جب اپنی اصلاح کے لئے بیعت کی جائے گی تو دنیاوی فوائد خود بخود حاصل ہو جائیں گے۔ بزرگانِ دین نے بیعت کی چند شرائط بیان فرمائی ہیں جو درج ذیل ہیں:۔

بیعت کرنے سے قبل تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے ایک یہ کہ پیر زندہ ہو کہ جو دنیا سے پردہ کر گیا اس سے بیعت نہیں ہو سکتی۔ دوسرا یہ کہ پیر مجذوب نہ ہو کہ وہ اپنے مریدوں کی صحیح تربیت نہ کر پائے گا۔ تیسرا یہ کہ مرد ہو کیونکہ عورت مرشد نہیں ہو سکتی۔ اولیائے کرام کا اجماع ہے کہ داعی الی اللہ کا مرد ہونا ضرور ہے۔ لہذا سلف صالحین سے آج تک کوئی عورت

نہ پیر بنی نہ بیعت کیا۔ پھر جب کسی سے بیعت کرنے لگو تو اُس میں چار شرطوں کا ہونا ضروری ہے جن میں سے اگر ایک بھی کم ہوگی اس کا مرید ہونا جائز نہ ہوگا۔ اگر کسی ایسے سے بیعت کی ہو تو اس بیعت کا توڑنا لازم ہے۔(1) ایک یہ کہ سنی صحیح العقیدہ ہو۔(2) دوسری شرط ضروری علم کا ہونا اس لئے کہ بے علم خدا کو نہیں پہچان سکتا۔(3) تیسری یہ کہ کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرنے والا ہو۔(4) چوتھی اجازت صحیح متصل ہو (یعنی شیخ کا سلسلہ باتصال صحیح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا ہو بیچ میں منقطع نہ ہو) جیسا کہ اس پر اہل باطن کا اجماع ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "من لم یحفظ القراٰن و لم یکتب الحدیث لایقتدی به فی هذا الامر لان علمنا هذا مقید بالکتاب و السنة" ترجمہ: جس نے نہ قرآن یاد کیا نہ حدیث لکھی یعنی جو علمِ شریعت سے آگاہ نہیں دربارِ طریقت اس کی اقتدا نہ کریں اسے اپنا پیر نہ بنائیں کہ ہمارا یہ علمِ طریقت بالکل کتاب و سنت کا پابند ہے۔ (الرسالة القشيرية ،جلد1،صفحہ 79،دار المعارف، القاہرۃ)

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں " لو نظر تم الی رجل اعطی من الکرامات حتی یرتقی فی الهواء فلا تغترّوا به حتی تنظروا کیف تجد ونه عند الامر و النهی و حفظ الحدود و آداب الشريعة" ترجمہ: اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ ایسی کرامات اسے دی گئی ہیں کہ ہوا پر چار زانو بیٹھ سکے تو اس سے فریب نہ کھانا جب تک یہ نہ دیکھو کہ فرض و واجب و مکروہ و حرام و محافظتِ حدود و آدابِ شریعت میں اس کا حال کیسا ہے۔ (الرسالة القشيرية ،جلد1،صفحہ 58،دار المعارف، القاہرۃ)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ''اقول (میں کہتا ہوں) اب

مرشد بھی دو قسم ہے:۔

اول عام کہ کلام اللہ و کلام الرسول ائمہ شریعت و طریقت و کلام علمائے دین اہل رشد و ہدایت ہے۔ اسی سلسلہ صحیحہ پر کہ عوام کا ہادی کلام علماء، علماء کا رہنما کلام ائمہ، ائمہ کا مرشد کلام رسول، رسول کا پیشوا کلام اللہ جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ فلاح ظاہر ہو یا فلاح باطن اسے اس مرشد سے چارہ نہیں جو اس سے ہے بلاشبہ کافر ہے یا گمراہ اور اس کی عبادت برباد و تباہ۔

دوم خاص کہ بندہ کسی عالم سنی صحیح العقیدہ صحیح الاعمال جامع شرائط بیعت کے ہاتھ میں ہاتھ دے، یہ مرشد خاص جسے پیر و شیخ کہتے ہیں۔ پھر دو قسم ہے:۔

اول شیخ اتصال (بنائے فوقانی) یعنی جس کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انسان کا سلسلہ حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک متصل ہو جائے اس کیلئے چار شرطیں ہیں:۔

(1) شیخ کا سلسلہ باتصال صحیح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچا ہو، بیچ میں منقطع نہ ہو کہ منقطع کے ذریعہ سے اتصال ناممکن۔ بعض لوگ بلاد بیعت محض بزعم وراثت اپنے باپ دادا کے سجادے پر بیٹھ جاتے ہیں یا بیعت تو کی تھی مگر خلافت نہ ملی تھی بلا اذن مرید کرنا شروع کر دیتے ہیں یا سلسلہ ہی وہ ہو کہ قطع کر دیا گیا اس میں فیض نہ رکھا گیا لوگ براہ ہوس اس میں اذن و خلافت دیتے چلے آتے ہیں۔ یا سلسلہ فی نفسہٖ اچھا تھا مگر بیچ میں کوئی ایسا شخص واقع ہوا جو بوجہ انتفائے بعض شرائط قابل بیعت نہ تھا اس سے جو شاخ چلی وہ بیچ میں سے منقطع ہے ان صورتوں میں اس بیعت سے ہرگز اتصال حاصل نہ ہوگا، بیل سے دودھ یا بانجھ سے بچہ مانگنے کی مت جدا ہے۔

(2) شیخ سنی العقیدہ ہو بدمذہب گمراہ کا سلسلہ شیطان تک پہنچے گا نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک۔ آج کل بہت کھلے ہوئے بددینوں بلکہ بے دینوں حتیٰ کہ وہابیہ نے کہ سرے سے منکر ودشمن اولیاء ہیں مکاری کے لئے پیری مریدی کا جال پھیلا رکھا ہے۔ ہوشیار خبردار احتیاط احتیاط:

اے بسا ابلیس آدم روئے هست   پس بهر دستے نباید داددست

(بہت سے ابلیس انسانی شکلوں میں ہیں پس ہر ہاتھ میں ہاتھ نہیں دینا چاہئے۔)

(3) عالم ہو اقول (میں کہتا ہوں) علم فقہ اسی کی اپنی ضرورت کے قابل کافی اور لازم کہ عقائد اہلسنت سے پورا واقف کفر واسلام وضلالت وہدایت کے فرق کا خوب عارف ہو ورنہ آج بدمذہب نہیں کل ہو جائے گا'' فمن لم یعرف الشر فیوما یقع فیہ'' (جو شر سے آگاہ نہیں ایک دن اس میں پڑ جائیگا۔) صدہا کلمات وحرکات ہیں جن سے کفر ولازم آتا ہے اور جاہل براہ جہالت ان میں پڑ جاتے ہیں۔ اول تو خبر ہی نہیں ہوتی کہ ان کے قول یا فعل سے کفر سرزد ہوا اور بے اطلاع توبہ ناممکن تو مبتلا کے مبتلا ہی رہے اور اگر کوئی خبر دے تو ایک سلیم الطبع جاہل ڈر بھی جائے تو یہ بھی کرلے مگر وہ جو سجادہ مشیخت پر ہادی ومرشد بنے بیٹھے ہیں ان کی عظمت کہ خود ان کے قلوب میں ہے کب قبول کرنے دے ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ﴾ جب اس سے کہا جائے اللہ تعالیٰ سے ڈر تو اسے اور ضد چڑھتی ہے گناہ کی۔

اور اگر ایسے ہی حق پرست ہوئے اور مانا تو کتنا، اتنا کہ آپ توبہ کرلیں گے۔ قول وفعل کفر سے جو بیعت فسخ ہوگئی اب کسی کے ہاتھ پر بیعت کریں اور شجرہ اس جدید شیخ کے نام سے دیں اگرچہ شیخ اول ہی کا خلیفہ ہو یہ ان کا نفس کیونکر گوارا کرے، نہ اسی پر راضی ہوں

گے کہ آج سے سلسلہ بند کریں مرید کرنا چھوڑیں لاجرم وہی سلسلہ کہ ٹوٹ چکا جاری رکھیں گے لہٰذا علم عقائد ہونا لازم ہے۔

(4) فاسق معلن نہ ہو، اقول (میں کہتا ہوں) اس شرط پر حصول اتصال کا توقف نہیں کہ مجرد فسق باعث فسخ نہیں مگر پیر کی تعظیم لازم ہے اور فاسق کی توہین واجب ہے۔ دونوں کا اجتماع باطل، تبیین الحقائق امام زیلعی وغیرہ میں در بارہ فاسق ہے "فی تقدیمة للامامة تعظیمة قد وجب علیهم اهانته شرعا" امامت کے لئے اسے آگے کرنے میں اس کی تعظیم ہے اور شرع میں تو اس کی توہین واجب ہے۔

دوم شیخ ایصال کہ شرائط مذکورہ کے ساتھ مفاسد نفس النفس کے فسادات ومکائد شیطان (شیطان کی مکاریاں) ومصائر ہوا (خواہشات کا شکار) سے آگاہ ہو، دوسرے کی تربیت جانتا اور اپنے متوسل پر شفقت تامہ رکھتا ہو کہ اس کے عیوب پر اسے مطلع کرے ان کا علاج بتائے، جو مشکلات اس راہ میں پیش آئیں حل فرمائے نہ محض سالک ہو نہ نرا مجذوب، عوارف شریف میں فرمایا: یہ دونوں قابل پیری نہیں۔

اقول (میں کہتا ہوں): اس لئے کہ اول خود ہنوز راہ میں ہے اور دوسرا طریق تربیت سے غافل، بلکہ مجذوب سالک ہو یا سالک مجذوب، اور اول اولیٰ ہے۔

اقول: اس لئے کہ وہ مراد ہے اور یہ مرید۔ پھر بیعت بھی دو قسم ہے:۔

اول بیعت برکت کہ صرف تبرک کے لئے داخل سلسلہ ہو جانا آج کل عام بیعتیں یہی ہیں، وہ بھی نیک نیتوں کی، ورنہ بہتوں کی بیعت دنیاوی اغراض فاسدہ کے لئے ہوتی ہے۔ وہ خارج از بحث ہے۔ اس بیعت کے لئے شیخ اتصال کہ شرائط اربع کا جامع ہو بس ہے۔

اقول: بیکار یہ بھی نہیں، مفید اور بہت مفید، اور دنیا وآخرت میں بکار آمد ہے۔ محبوبان خدا کے غلاموں کے دفتر میں نام لکھا جانا ان سے سلسلہ متصل ہوجانا فی نفسہٖ سعادت ہے۔

اولا ان کے خاص غلاموں سا لکان راہ سے اس امر میں مشابہت اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں"من تشبه بقوم فهو منهم " جوجس قوم سے مشابہت پیدا کرلے وہ انہی میں سے ہے۔

دوم: بیعت ارادت کہ اپنے ارادہ واختیار سے یکسر باہر ہوکر اپنے آپ کو شیخ مرشد ہادی برحق واصل حق کے ہاتھ میں بالکل سپرد کردے۔ اسے مطلقا اپنا حاکم ومالک ومتصرف جانے، اس کے چلانے پر راہ سلوک چلے، کوئی قدم بے اس کی مرضی کے نہ رکھے، اس کے لئے بعض احکام یا اپنی ذات میں خود اس کے کچھ کام اگر اس کے صحیح نہ معلوم ہوں انھیں افعال خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مثل سمجھے، اپنی عقل کا قصور جانے، اس کی کسی بات پر دل میں بھی اعتراض نہ لائے، اپنی ہر مشکل اس پر پیش کرے۔ غرض اس کے ہاتھ میں مردہ بدست زندہ ہوکر رہے۔ یہ بیعت سالکین ہے اور یہی مقصود ومشائخ مرشدین ہے۔ یہی اللہ عزوجل تک پہنچاتی ہے یہی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لی ہے جسے سیدنا عبادہ بن صامت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ "بايعنا رسول اللهصلى الله تعالى عليه وسلم على السمع والطاعة فى العسر واليسر والمنشط والمكره وان لاننازع الامر اهله" ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس پر بیعت کی کہ ہر آسانی ودشواری، ہر خوشی وناگواری میں حکم سنیں گے اور اطاعت کریں گے اور صاحب حکم کے کسی حکم میں چون چرا نہ کریں گے۔۔۔

پیروں پر اعتراض سے بچے کہ یہ مریدوں کے لئے زہر قاتل ہے۔ کم کوئی مرید ہوگا جو اپنے دل میں شیخ پر کوئی اعتراض کرے پھر فلاح پائے۔۔۔ جو اپنے پیر سے کسی بات میں کیوں کہے گا کبھی فلاح نہ پائے گا۔"

(فتاوی رضویه ،جلد 21،صفحه 505۔۔۔،رضا فاؤنڈیشن ،لاہور)

بیعت کی شرائط میں ہاتھ میں ہاتھ دینا نہیں بلکہ بیعت میں اصل اِرادتِ قلبی ہے اور اسکا نافذ ہونا ایجاب وقبول پر موقوف ہے۔ لہذا خط، اسپیکر یا لائیو پروگرام کے ذریعے سے بیعت ہوسکتی ہے۔

پیر کی تصویر اور نقش نعلین لگانا

آج کل رائج ہے کہ لوگ اپنے پیر یا بزرگان دین کی تصویروں کو گھروں میں سجاتے ہیں۔ بلکہ اب تو حضور داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر بزرگانِ دین کی خود ساختہ تصویریں بنائی گئی ہیں۔ جس میں کسی بزرگ کی داڑھی ایک مٹھی سے چھوٹی ہے کوئی ننگا بیٹھا ہے وغیرہ۔ لوگ اسے برکت کے طور پر دکانوں میں لگاتے ہیں، یہاں تک بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ تصویر پر ہار ڈال دیا جاتا ہے۔ یہ سب ناجائز ہے۔ جاندار کی تصویریں چاہے بزرگوں کی ہوں یا والدین کی یا عام لوگوں کی گھر میں لٹکانا حرام ہے اور پیر یا والدین کی تصویر کو تعظیما چومنا بھی جائز نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا"لا تدخل الملائكة بيتا فيه كلب ولا تصاوير" ترجمہ: فرشتے اس گھر میں نہیں جاتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔

(صحیح البخاری ، کتاب اللباس،باب التصاویر ،جلد7،صفحه169،دار طوق النجاة ،مصر)

امام اہلسنت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "حضور سرور عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ذی روح کی تصویر بنانا، بنوانا، اعزازاً اپنے پاس رکھنا سب حرام فرمایا اور اس پر سخت

وعیدیں ارشاد کیں اوران کودورکرنے مٹانے کاحکم دیا۔احادیث اس بارے میں حدتواتر پر ہیں۔''
(فتاوی رضویہ، جلد21،صفحہ426،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

مزید فرماتے ہیں: ''معظمینِ دین کی تصویروں کوان احکامِ خداورسول سے خارج کرنامحض باطل ووہم عاطل ہے بلکہ شرعِ مطہر میں زیادہ شدتِ عذاب تصاویر کی تعظیم ہی پر ہےاورخودابتداء بت پرستی انہیں تصویراتِ معظمین سے ہوئی۔قرآن عظیم میں جو پانچ بتوں کا ذکرسورہ نوح علیہ السلام میں فرمایا: ود،سواع،یغوث،یعوق،نسر، یہ پانچ بندگانِ صالحین تھے کہ لوگوں نے ان کے انتقال کے بعد باغوائے ابلیس لعین ان کی تصویریں بنا کران کی مجلسوں میں قائم کیں،پھر بعدکی آنے والی نسلوں نے انہیں معبودسمجھ لیا۔''
(فتاوی رضویہ، جلد21،صفحہ433،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

اس کے برعکس جومکہ مدینہ،بزرگان دین کے مزارات کی بے جان تصویریں رکھی جاتی ہیں بالکل جائز ہے۔خصوصانقش نعلین کی تصویریانقش نعلین کا بیج لگانا نہ صرف جائز بلکہ عقیدت سے لگایا جائے تو مستحب بھی ہے۔اگرنقش نعلین اوپر ہواور نیچے کوئی مقدس تصویر یا عبارت لکھی ہوتو کوئی حرج نہیں۔اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدددین وملت مولانا شاہ احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے ایک سوال پوچھا گیا کہ تمثالِ (نقشِ)نعل شریف کےاوپر بسم اللہ شریف لکھنا کیسا؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا:''بسم اللہ شریف اس (نقشِ نعلِ پاک) پر لکھنے میں کچھ حرج نہیں، اگر یہ خیال کیجئے کہ نعلِ مقدس قطعاً تاج فرقِ اہلِ ایمان ہے،مگر اللہ عزوجل کا نام وکلام ہر شئے سے اجل واعظم وارفع واعلیٰ ہے، یو ہیں تمثال (نقشہ) میں بھی احتراز چاہیے،تو یہ قیاس مع الفارق ہے،اگر حضورسید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی جاتی کہ نامِ الٰہی یا بسم اللہ شریف حضورکی نعلِ اقدس مقدس پرلکھی جائے توپسند نہ فرماتے،مگراس قدرضروری ہے کہ نعل بحالتِ استعمال وتمثال

محفوظ عن الابتذال میں تفاوت بدیہی ہے(یعنی حضورصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جوتا استعمال ہونے کی حالت میں اورحضورصلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم کے جوتے کے نقشے میں جوکہ استعمال ہونے سے محفوظ ہے،ان دونوں میں صاف فرق ہے)،اوراعمال کا مدار نیت پر ہے،امیرالمومنین فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جانورانِ صدقہ کی رانوں پر "حبیس فی سبیل اللہ"(یعنی اللہ کی راہ میں وقف) داغ فرمایا تھا،حالانکہ ان کی رانیں بہت محلِ بےاحتیاطی ہیں۔''
(فتاوی رضویہ ،جلد21،صفحہ413,414، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

البتہ نقش نعلین میں کوئی درودوغیرہ لکھنے سے بچنا چاہئے کہ بعض مسلمان بھائی کم علمی کے سبب اعتراض کرتے ہیں۔نقش کے علاوہ جونبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چڑے والے نعل شریف کی تصویریں ہوتی ہیں،ان کی بھی تعظیم کرنا بہت اچھا ہےلیکن ان کاحکم اورہے،ان تصویروں پرکوئی درودشریف ونام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ لکھا جائے اورنہ اس تصویر کے نیچےقرآن پاک کی سورت یالوح قرآنی کےطغرے لگائے جائیں۔

نقش نعلین یا اورکوئی دینی بیج لگا کراستنجا خانے نہیں جانا چاہئے بلکہ اتارکر جیب میں ڈال لیں اوبہتر یہ ہے کہ باہر رکھ دیں۔حدیث پاک میں ہے"عن أنس قال کان النبی صلی اللہ علیه و سلم إذا دخل الخلاء نزع خاتمه" ترجمہ:حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب پاخانے جاتے تو اپنی انگوٹھی اتاردیتے۔
(مشکوٰۃ ،کتاب الطہارت،باب آداب الخلاء ،جلد1،صفحہ74،المکتب الإسلامی ،بیروت)

اس کی شرح میں مفتی احمد یارخان نعیمی مرأۃ المناجیح میں فرماتے ہیں:''یعنی حضورانگوٹھی پہنے پاخانہ میں نہ جاتے بلکہ یا تو اتارکر باہر ہی رکھ جاتے یا جیب میں ڈال لیتے تھے کیونکہ اس

میں لکھا تھا ''محمد رسول اللہ'' اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ جس چیز میں اللہ تعالیٰ یا انبیائے کرام کا نام لکھا ہو اس کا ادب کرے اسے گندگی میں نہ ڈالے پاخانہ میں نہ لے جائے جیسے تعویذ وغیرہ جس میں اسمائے الٰہیہ یا آیاتِ قرآنیہ ہوں۔''

(مرأۃ المناجیح، جلد1، صفحہ261، نعیمی کتب خانہ، گجرات)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے سوال ہوا: ''اگر جیب میں کوئی لکھا ہوا کاغذ ہو تو بیت الخلا جا سکتا ہے یا نہیں؟'' جواباً فرمایا: ''چھپا ہوا ہے جا سکتا ہے اور احتیاط یہ ہے کہ علیحدہ کر دے۔'' (ملفوظات اعلیٰ حضرت، حصہ3، صفحہ 428، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

وہابی حضرات نقش نعلین شریف پر عجیب وغریب اعتراض کرتے ہیں۔ ایک مشہور اعتراض یہ ہے کہ سنیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر محفل میں آتے ہیں اور یہ نقش نعلین والے جھنڈوں سے ان کا استقبال کرتے ہیں گویا سنی (معاذ اللہ) جوتے اٹھا کر استقبال کرتے ہیں جو کہ بے ادبی ہے۔ یہ اعتراض بالکل جاہلانہ ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارا عقیدہ یہ نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر محفل میں تشریف لاتے ہیں بلکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ جہاں چاہیں تشریف لے جا سکتے ہیں، جسے چاہیں خواب میں اپنی زیارت کروا سکتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ نقش نعلین کا جھنڈا اٹھانے اور جوتا اٹھانے میں زمین آسمان کا فرق ہے جسے جاہل سے جاہل بھی سمجھ سکتا ہے لیکن بے دین نہیں سمجھ سکتا۔ نقش نعلین آپ کے نعل شریف کا ڈیزائن ہے حقیقۃً نعل نہیں ہے۔ اہل سنت والے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش نعلین شریف سے محبت کرتے ہیں اور اس نقش کو اپنے سروں کا تاج سمجھتے ہیں۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعلین شریف کا جھنڈا اٹھانا ہرگز بے ادبی نہیں بلکہ عقیدت کا اظہار ہے۔ جس چیز کو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت ہو اس کی تعظیم کا حکم ہے۔ شفاء شریف میں ہے " ومن اعظامہ و

اکبارہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعظام جمیع اسبابہ و مالمسہ او عرف بہ" ترجمہ: رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کا ایک جزیہ بھی ہے کہ جس چیز کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ علاقہ ہو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے چھوا ہو یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پاک سے پہچانی جاتی ہو اس سب کی تعظیم کی جائے۔

(الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، جلد2، صفحہ 44، عبد التواب اکیڈمی بوہر گیٹ، ملتان)

اس کو بے ادبی کہنا جہالت ہے کہ بے ادبی کا مدار عرف پر ہوتا ہے اور عرفاً اس کو بے ادبی نہیں بلکہ ادب ومحبت سمجھا جاتا ہے۔ امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ''علمائے کرام فرماتے ہیں ادب میں طریقہ معہودہ فی الشاہد کا اعتبار ہوتا ہے۔'' (فتاوی رضویہ، جلد5، صفحہ411، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اہل سنت کی مساجد میں نقش نعلین شریف لگا ہوتا ہے۔ ایک جگہ قبلہ کی طرف نقش نعلین شریف لگا ہوا تھا کہ بعض وہابی حضرات نے مشہور کر دیا کہ سنی نعلین شریف کی عبادت کرتے ہیں۔ جبکہ مسجد میں نقش نعلین لگانا اگرچہ قبلہ کی دیوار پر ہو ہرگز کفر وشرک نہیں، کوئی بھی نقش کو سجدہ نہیں کرتا بلکہ ہر مسلمان رب تعالی ہی کو سجدہ کرتا ہے۔ نقش نعلین کو گھروں اور مسجدوں میں لگانا تو تعظیم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تعظیم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی شرک نہیں ہوتی۔ امام ابن حجر مکّی رحمۃ اللہ علیہ جوہر منظم میں فرماتے ہیں "تعظیم النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم بجمیع انواع التعظیم التی لیس فیھا مشارکۃ اللّٰہ تعالٰی فی الالوھیۃ امر مستحسن عند من نوراللّٰہ ابصارھم" ترجمہ: وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے آنکھوں کا نور عطا فرمایا ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کی تمام اقسام وصورتوں کو امر مستحسن تصور کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان میں ہرگز باری تعالیٰ

کے ساتھ شرک کا کوئی پہلو نہیں۔

(الجوہر المنظم،الفصل الاول ،صفحہ12، ادارۃ المرکزیۃ واشاعۃ القرآن،لاہور)

لیکن وہابی حضرات کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم ان سے نسبت رکھنے والی ہر چیز کی تعظیم شرک ہے۔ وہابیوں کے بڑے امام نے تقویۃ الایمان میں لکھا ہے: ''گردو پیش کے جنگل کا ادب کرنا یعنی وہاں شکار نہ کرنا، درخت نہ کاٹنا، یہ کام اللہ نے اپنی عبادت کے لیے بتائے ہیں پھر جو کوئی کسی پیر، پیغمبر یا بھوت و پری کے مکانوں کے گردو پیش کے جنگل کا ادب کرے تو اس پر شرک ثابت ہے۔''

(تقویۃ الایمان ،مقدمۃ الکتاب ،صفحہ8،مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ، لاہور)

یہی وہابی مولوی صاحب اپنے پیروکاروں کو پکا توحید پرست بننے کا نسخہ یہ بتاتے ہیں کہ نبی کی تعظیم عام انسانوں سے بھی کم کرو چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کے متعلق لکھا ہے: ''جو بشر کی سی تعریف ہو (وہ کرو) اس میں بھی اختصار (کمی) کرو۔''

(تقویۃ الایمان، الفصل الخامس فی ردالاشراک ،صفحہ 44، مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ ،لاہور)

جس دن وہابیوں کو شرک کی صحیح تعریف سمجھ آ گئی اس دن یا تو وہابی نہ رہیں گے یا شرک ہی نہ رہے گا۔

جانور پالنا

لوگ جانور، پرندے، مچھلیاں پالتے ہیں۔ ان کے متعلق بھی شرعی احکامات ہیں۔بعض جانوروں کو پالنے کی اجازت نہیں جیسے شیر، سانپ، بندر، کوے جیسے موذی و فاسق جانور۔ کتے کے متعلق تو احادیث ہیں کہ بلاوجہ یعنی گھر میں چوری ہونے کے خطرے

،شکار، بکریوں کی حفاظت کے علاوہ کتا پالنے پر رحمت کے فرشتے گھر میں داخل نہیں ہوتے اور روزانہ ثواب میں کمی ہوتی ہے۔صحیح بخاری، ترمذی، نسائی کی حدیث پاک حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے "من اقتنى كلبا الا كلب ماشية او ضاريا نقص من عمله كل يوم قيراطان" ترجمہ: جو کتا پالے مگر گلے (بکریوں کی حفاظت) کا کتا یا شکاری، روز اس کی نیکیوں سے دو قیراط کم ہوں۔

(صحیح البخاری ،کتاب الذبائح ،باب من اقتنى كلبا ليس بكلب صيد أو ماشية، جلد 7، صفحہ87،دار طوق النجاۃ،مصر)

کبوتر، چڑیاں، مچھلیاں، طوطے، وغیرہ پالنا جائز ہے اور ان کا کاروبار کرنا بھی جائز ہے جبکہ ان کی صحیح طرح دیکھ بھال کی جائے، ان کو وقت پر دانہ پانی دیا جائے اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہو جیسا کہ سیدی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن پرندے وغیرہ پالنے کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: ''بلاشبہہ جائز ہے جبکہ انہیں ایذا سے بچائے اور آب و دانہ کی کافی خبر گیری رکھے۔۔۔مگر خبر گیری کی یہ تاکید ہے کہ دن میں ستر دفعہ دانہ، پانی دکھائے "كما ورد فی الحديث" (جیسا کہ حدیث پاک میں ہے) ورنہ پالنا اور بھوکا پیاسا رکھنا سخت گناہ ہے۔''

(فتاوی رضویہ ،جلد 24،صفحہ644، رضا فاؤنڈیشن ،لاہور)

پالتو جانوروں کو بھوکا رکھنا ان پر ظلم ہے اور علماء فرماتے ہیں کہ جانور پر ظلم کافر ذمی پر ظلم سے سخت تر ہے اور کافر ذمی پر ظلم مسلمان پر ظلم سے اشد ہے۔صحیح بخاری اور ابن حبان کی حدیث پاک ہے۔ ایک عورت دوزخ میں گئی ایک بلی کے سبب کہ اسے باندھے رکھا تھا، نہ اسے کھانا دیا نہ چھوڑا کہ زمین کے چوہے وغیرہ کھا لیتی۔وہ بلی دوزخ میں اس عورت پر مسلط کی گئی ہے کہ اس کا آ گا پیچھا دانتوں سے نوچ رہی ہے۔

ہمارے یہاں جو کبوتر باز ہوتے ہیں، کبوتر پالتے ہیں، اس پر بازیاں لگاتے ہیں اور جوا کھیلتے ہیں، اونچے اونچے مکان بنا کر اس پر جال رکھتے ہیں، لوگوں کے کبوتر پکڑ کر بیچ دیتے ہیں، چھتوں پر چڑھ کر لوگوں کے گھروں میں جھانکتے ہیں، کبوتروں کو بروقت دانہ نہیں دیتے ان کا سانس پکا کروانے کے لئے کئی کئی گھنٹے بھوکا اڑاتے رہتے ہیں، یہ سب ناجائز و حرام ہے۔ جس کا کبوتر ہو اسے واپس کرنا لازم ہے۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ''کبوتر پالنا جبکہ خالی دل بہلانے کے لئے ہو اور کسی امر ناجائز کی طرف مؤدی نہ ہو جائز ہے اور اگر چھتوں پر چڑھ کر اڑائے کہ مسلمانوں کی عورات پر نگاہ پڑے یا ان کے اڑانے کو کنکریاں پھینکے جو کسی کا شیشہ توڑیں یا کسی کی آنکھ پھوڑیں یا کسی کا دم بڑھائے اور تماشا ہونے کے لئے دن بھر انہیں بھوکا اُڑائے جب اُترنا چاہیں نہ اُترنے دیں ایسا پالنا حرام ہے۔'' (فتاوی رضویہ جلد 24، صفحہ659، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

بٹیر بازی، مرغبازی اور اسی طرح ہر جانور کا لڑانا جیسے مینڈھے، ریچھوں کو لڑاتے ہیں سب ناجائز ہے حدیث پاک میں جانور لڑانے سے منع کیا گیا ہے چنانچہ ابوداؤد، ترمذی شریف کی حدیث پاک حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے "نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم عن التحریش بین البھائم" ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جانوروں کے لڑانے سے منع فرمایا۔

(جامع الترمذی، ابواب فضائل الجہاد، باب ما جاء فی کراھیۃ التحریش بین البھائم، جلد 4، صفحہ220، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

بعض جانوروں جیسے تتر کے متعلق لوگوں کا ذہن ہے کہ یہ جادو ٹونہ نہیں ہونے دیتا۔ اس لئے اسے گھروں میں رکھتے ہیں۔ اس کے متعلق کوئی روایت نظر سے نہیں گزری البتہ سفید مرغ کے فوائد کے متعلق کئی احادیث ہیں اور یہ جادو سے بچاتا ہے چنانچہ امام بیہقی

رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا "عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنھما قال قال رسول اللہ تعالی علیہ وسلم الدیك یؤذن بالصلوۃ من اتخذ دیکا ابیض حفظ من ثلثة من شر کل شیطان و ساحر و کاھن" ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مرغ نماز کے لئے اذان دیتا ہے جس کسی نے سفید مُرغ پالا وہ تین آفتوں سے محفوظ ہو گیا (1) شیطان کے شر سے (2) جادوگر کے شر سے (3) کاہن کے شر سے۔

(کنز العمال، کتاب الفضائل، الحمام والدیك، جلد12، صفحہ603، مؤسسة الرسالہ، بیروت)

کبوتر کے متعلق حدیث پاک ہے "اتخذوا ہذہ الحمام المقاصیص فی بیوتکم فإنہا تلھی الجن عن صبیانکم" ترجمہ: اپنے گھروں میں پَر کٹے ہوئے کبوتر رکھو کہ یہ کبوتر بچوں کو آسیب سے بچاتے ہیں۔

(کنز العمال، کتاب الفضائل، الحمام من الإکمال، جلد12، صفحہ608، مؤسسة الرسالہ، بیروت)

بعض محدثین نے ان دونوں حدیثوں کی صحت پر کلام کیا ہے۔ البتہ دوسری صحیح حدیث بکری کے پالنے کے متعلق ہے کہ بکری میں برکت ہے۔

دیکھا گیا ہے کہ مزارات کے باہر لوگ چڑیا یا دیگر پرندے پنجرے میں قید کر کے بیٹھے ہوتے ہیں اور لوگ پیسے دے کر اسے آزاد کرتے ہیں اور اسے باعث ثواب وصدقہ سمجھتے ہیں، جبکہ ان پرندوں کو آزاد کرنا کوئی صدقہ و ثواب نہیں ہے کہ جب پرندے پالنا جائز ہے تو پھر آزاد کرنا کیسے ثواب ہو گیا۔ ردالمحتار میں پرندے پالنے اور انکو آزاد کرنے کے متعلق ہے "یجوز حبسھا للاستئناس بھا، وأما إعتاقھا فلیس فیه ثواب، وقتل المؤذی منھا ومن الدواب جائز" ترجمہ: پرندوں کو قید کرنا کہ ان سے مانوس ہوا جائے جائز ہے اور ان کے آزاد کرنے میں کوئی ثواب نہیں اور موذی پرندوں اور جانوروں کو قتل

کرنا جائز ہے۔

(ردالمحتار ،کتاب الحظر والاباحة،فصل فی البیع ، جلد6،صفحه401،دارالفکر،بیروت)

مرد کا انگوٹھیاں پہننا

اسلام میں مرد کے لئے چاندی کی ساڑھے چار ماشے سے کم ایک انگوٹھی ایک نگینہ کے ساتھ جائز ہے ۔اس کے علاوہ سونے ،پیتل،تانبے کی انگوٹھی یا چاندی کی دو انگوٹھیاں یا ایک انگوٹھی دو نگوں کے ساتھ یا خالی چھلہ پہننا مرد کو ناجائز وحرام ہے۔انگوٹھی کے متعلق حدیث پاک ہے "أن رجلا جاء إلى النبي صلى الله عليه وسلم وعليه خاتم من حديد فقال ما لي أرى عليك حلية أهل النار فطرحه ثم جاء ه وعليه خاتم من شبه فقال ما لي أجد منك ريح الأصنام فطرحه قال يا رسول الله من أي شيء أتخذه قال من ورق ولا تتمه مثقالا" ترجمہ:ایک شخص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں لوہے کی انگوٹھی پہن کر حاضر ہوا۔فرمایا کیا بات ہے کہ تم پر جہنمیوں کا زیور دیکھتا ہوں۔اس نے وہ انگوٹھی پھینک دی ۔پھر دوسرے دن پیتل کی انگوٹھی پہن کر حاضر ہوا۔فرمایا کیا بات ہے کہ تم سے بت کی بو آتی ہے۔اس نے اس کو بھی اتار دیا اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کس چیز کی انگوٹھی بناؤں فرمایا کہ چاندی کی اور اس کو ایک مثقال (ساڑھے چار ماشے) پورا نہ کرنا۔

(نسائی شریف،کتاب الزینة ،مقدار ما یجعل فی الخاتم من الفضة، جلد 8 ، صفحه 172،مکتب المطبوعات الإسلامیة ،حلب)

آجکل مرد حضرات کئی انگوٹھیاں پہنے پھرتے ہیں اور انگوٹھیوں کے متعلق عجیب و غریب نظریات رکھتے ہیں کہ فلاں پتھر پہننے سے یہ ہوجاتا ہے وہ ہوجاتا ہے وغیرہ۔نگینہ پہننے سے تقدیر نہیں بدل جاتی ۔البتہ دواء کی طرح بعض نگینوں کی تاثیرات ہوتی ہیں چنانچہ

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "عقیق کا نگینہ بہت مبارک ہے حدیث شریف میں ہے " تختموا بالعقيق فانه مبارك" چاندی کی انگوٹھی عقیق سیاہ کا نگینہ بہت اعلیٰ ہے۔بعض روایات میں ہے کہ پیلے یاقوت کی انگوٹھی طاعون سے محفوظ رکھتی ہے۔بعض میں ہے کہ عقیق کی انگوٹھی فقیری دور کرتی ہے۔"

(مرأة المناجيح،جلد6،صفحه131،نعیمی کتب خانہ ،گجرات)

فیض القدیر میں ہے"في حديث له شأن من تختم بالعقيق وفق لكل خير وأحبه الملكان ومن خواصه تسكين الروع عند الخصام ويقطع نزف الدم" ترجمہ:عقیق کے نگینہ کے متعلق حدیث پاک میں ہے (کہ یہ پہننے والے) کو ہر قسم کی بھلائی ملے گی اور فرشتے اس سے محبت کریں گے۔اس کے خواص سے ہے کہ دل مدِمقابل کے وقت سکون میں رہتا ہے اور نکسیر پھوٹنا ختم ہوجاتا ہے۔

(فیض القدیر،حرف التاء،جلد3،صفحه235،المکتبة التجاریة الکبری ،مصر)

اس کے علاوہ مرد کا ناک،کان میں بالیاں ڈالنا،کندھوں سے نیچے تک بال رکھنا، عورتوں والے لباس پہننا سب ناجائز ہے۔ان تمام حالتوں میں نماز پڑھے گا تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی اگر امام ہوگا تو سب کی نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔اکثر لوگ حالت نماز میں دو انگوٹھیاں یا چھلہ وغیرہ پہنے ہوتے ہیں،جتنی نمازیں اس حالت میں پڑھیں سب کو لوٹانا واجب ہے۔

عورتوں کے لئے سونا چاندی کے ساتھ ساتھ دیگر آرٹیفشل جیولری کا استعمال جائز ہے۔زیور کے سوا دوسری طرح سونے چاندی کا استعمال مرد عورت دونوں کے لیے ناجائز ہے۔سونے چاندی کے برتن میں کھانا پینا،سونے چاندی کے چمچے سے کھانا،ان کی سلائی یا سرمہ دانی سے سرمہ لگانا،ان کے آئینہ میں دیکھنا،ان کی قلم دوات سے لکھنا،ان کی کرسی پر

بیٹھنا مرد وعورت دونوں کے لیے ممنوع ہے۔

قرآن ومقدس کلمات کو بطور تبرک رکھنا

مسلمانوں میں رائج ہے کہ وہ برکت کے طور پر بسم اللہ، لوح قرآنی اور دیگر آیات وسورتیں مختلف ڈیزائن میں گھروں، دکانوں اور مساجد میں رکھتے ہیں، اس لئے ان کی شرعی حیثیت کو واضح کرنا ضروری ہے۔ شرعی طور پر اس طرح کرنا بالکل جائز و باعث برکت ہے۔ یہ ضروری ہے کہ ان کے تقدس کا خیال رکھا جائے قرآنی آیات ولوح قرآنی کو بغیر وضو نہ چھوا جائے، گھروں میں جو قرآنی سورۃ یا آیۃ الکرسی کے طغرے لگے ہوں یہ طغرے بالکل پاؤں کی سیدھ میں نہ ہوں بلکہ اوپر ہوں۔ جس کمرے میں ہو اس میں ننگا ہونا یا جماع کرنا تب تک درست نہیں جب تک اس کو کپڑے سے ڈھانک نہ دیں۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے سوال ہوا: ''کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کانچ کی ایک سطح پر آیات واذکار تیزاب وسپیدی سے الٹے لکھے جاتے ہیں جو دوسری طرف سیدھے دکھائی دیتے ہیں۔ ایسے تختے و نیز کاغذ میں لکھے ہوئے آیات واذکار کانچ میں مڑھا کر مکان میں برکت وآرائش کے لئے رکھتے ہیں ایسے مکان میں جماع کرنا بے ادبی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا (بیان فرمائے اجر پائیے۔)

جوابا آپ نے فرمایا: ''جہاں قرآن کریم کی کوئی آیت کریمہ لکھی ہو کاغذ یا کسی شے پر اگرچہ اوپر شیشہ ہو جو اسے حاجب نہ ہو جب تک اس پر غلاف نہ ڈال لیں وہاں جماع یا برہنگی بے ادبی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔''

(فتاوی رضویہ، جلد23، صفحہ404، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

کئی جگہ یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ پورا قرآن یا سورۃ فاتحہ ایک طغرے میں

انتہائی چھوٹی لکھائی میں لکھی ہوتی ہے کہ پڑھی نہیں جاتی، یہ مکروہ ہے۔ عموماً قرآنی آیات، اسمائے مبارکہ کو اس طرح لکھا جاتا ہے کہ وہ لکھائی مور، کبوتر، شیر وغیرہ کی شکل میں بن جاتی ہے، ایسا کرنا ناجائز و بے ادبی ہے۔ کبھی یہ دینی عبارات گنبد مینار یا محراب یا پھول پھلوں کی شکل میں لکھی جاتی ہیں، اس میں عموماً دیکھنے میں آتا ہے کہ الفاظ صحیح طرح پڑھے نہیں جاتے اور بعض اوقات الفاظ آگے پیچھے ہوتے ہیں، نہ رسم عثمانی میں نہیں ہوتے، لہٰذا اس طرح لکھنے کی اجازت نہیں۔ شادیوں، محفل میلاد یا بعض مساجد میں قرآنی آیات ومقدس کلمات کو جلتے بجھتے قمقموں کے ذریعہ اس طرح سیٹ کیا جاتا ہے کہ دائیں بائیں چلتے، پھیلتے، سکڑے، ٹھہرتے، اچانک غائب، ظاہر ہوتے نظر آتے ہیں، گویا رقص کا سماں پیدا ہوتا ہے، لہٰذا ایسا کرنا درست نہیں ہے۔ اگر ان قمقموں میں غیر قرآنی کلمات دکھائے جائیں جیسے خوش آمدید، مرحبا وغیرہ تو حرج نہیں۔ اسی طرح اگر مقدس کلمات کی حرکت نہ ہوں بلکہ وہ ساکن ہوں اس پر لائٹنگ وغیرہ کردی جائے جس طرح عموما مساجد میں ہوتا ہے کہ محراب میں مقدس کلمات کے اردگرد لائٹنگ کی ہوتی ہے تو کوئی حرج نہیں۔

(خلاصہ از، ماہنامہ اشرفیہ، اپریل 2011، صفحہ50، مبارکپور، انڈیا)

اخبارات وڈائریوں میں سودا سلف ڈال کر دیا جاتا ہے حالانکہ ان پر مقدس اسماء ہوتے ہیں۔ اگر ان اوراق میں کوئی آیت یا حدیث یا اسمائے معظّمہ یا مسائل فقہ لکھے ہوئے ہیں تو اس میں سودا سلف ڈال کر دینا جائز نہیں ورنہ جائز ہے۔ فتاوٰی رضویہ میں ہے: ''جبکہ ان میں آیت یا حدیث یا اسمائے معظّمہ یا مسائل فقہ ہوں تو جائز نہیں ورنہ حرج نہیں۔ ان اوراق کو دیکھ کر اشیائے مذکورہ میں ان سے علیحدہ کرلیں پھر بیچ سکتے ہیں۔ عالمگیری میں ہے ''لایجوز لف شیء فی کاغذ فیہ مکتوب من الفقہ وفی الکلام الاولی ان لایفعل وفی کتب الطب یجوز ولو کان فیہ اسم اللہ تعالٰی او اسم النبی صلی

اللہ تعالی علیه و سلم یجوز محوه لیلف فیه شیء" (ترجمہ) کسی چیز کو کسی ایسے کاغذ میں لپیٹنا کہ جس میں علم فقہ کے مسائل لکھے ہوں جائز نہیں، اور کلام میں بہتر یہ ہے کہ ایسا نہ کیا جائے البتہ علم طب کی کتابوں میں ایسا کرنا جائز ہے، یا اگر اس میں اللہ تعالیٰ کا مقدس نام یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم گرامی تحریر ہو تو اسے مٹا دینا جائز ہے تا کہ اس میں کوئی چیز لپیٹی جا سکے۔"

(فتاوی رضویه، جلد23، صفحہ400، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

گلیوں میں پڑے اوراق کو اٹھا کر دیواروں یا کھڑکیوں وغیرہ میں رکھ دینا جائز ہے کہ صاحب دیوار اس پر ناراض نہیں ہوتا البتہ بہتر ہے ایسی جگہ رکھا جائے جہاں سے وہ ہوا یا آندھی سے نہ گریں۔ قرآن ومقدس اوراق کو جلانے کی اجازت نہیں۔ قرآن کے علاوہ وہ کتابیں اور کاغذات جن سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا ان سے اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں کے مقدس نام کسی طرح مٹا کر باقی حصہ جلا سکتے ہیں۔ ہو سکے تو مقدس اوراق کو دریا میں بہا دیں یا دفن کر دیں۔ مزید رہنمائی کے لئے امیر اہلسنت مولانا الیاس عطار قادری دامت برکاتہم العالیہ کا رسالہ "مقدّس تحریرات کے آداب کے بارے میں سوال جواب" کا مطالعہ کریں۔

آج کل موبائل میں دینی میسج بہت بھیجے جاتے ہیں اور اکثر ان میں شرعی خرابیاں ہوتی ہیں۔ ہر اسلامی مہینے کے متعلق یہ جھوٹی حدیث ہوتی ہے کہ جو اس مہینے کہ آنے کی خوشخبری دے اس پر جنت واجب ہے۔ جو صفر کے مہینے کے جانے کی خوشخبری دے اس پر جنت واجب ہے۔ ان سب جھوٹی احادیث سے بچنا بہت ضروری ہے جھوٹی حدیث بیان کرنے پر جہنم کی وعید ہے۔ جو بھی دینی میسج آئے اسے بغیر تصدیق کے آگے نہ بھیجا جائے۔ اسی طرح دینی میسج کے ذریعے کسی کو تشویش میں بھی مبتلا نہ کیا جائے کہ یہ میسج آگے نہ

بھیجا تو نقصان ہوگا۔ اگر کوئی ایسا میسج کرے تو مزید آگے نہ بھیجیں کچھ نہیں ہوگا اللہ عزوجل پر توکل کیا جائے۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے سوال ہوا: "، ہمارے پاس ہمیشہ ذیل کے مضمون کے کارڈ آتے ہیں ﴿ اھدنا الصراط المستقیم صراط ، انعمت ﴾ اس کے علاوہ اور مضمون کے بھی دیتے ہیں اور لکھا ہوتا ہے؟ 9 یا 11 مرتبہ لکھ کر مختلف لوگوں کو تقسیم کرو ورنہ نقصان ہوگا۔ مہربانی فرما کر تحریر فرمائیں کہ کیا کرنا چاہئے؟

جوابا فرمایا: "یہ محض بے اصل بات ہے اس پر عمل نہ کیجئے ناحق تضیع مال ہے اور وہ دھمکی غلط باطل ہے۔ ان کارڈوں پر خدا ترس لوگ آیات کریمہ لکھتے ہیں کہ ان کی نقلیں کر کے بھیجو حالانکہ وہ بے وضو بلکہ جنب کو کفار کے ہاتھ میں آتی ہیں اور زمین پر رکھ کر ان پر ڈاک کہ مہریں لگائی جاتی ہے۔ قرآن عظیم کی اس بے ادبی کا وبال ان لکھنے والوں پر ہے۔"

(فتاوی رضویه، جلد23، صفحہ404، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

میسج میں قرآنی آیات کو رومن انگلش میں لکھنا جائز نہیں کہ اس میں زیر زبر صحیح نہ ہونے کی صورت میں حروف و معنیٰ تبدیل ہو جاتے ہیں۔ البتہ قرآن کا اردو ترجمہ رومن انگلش میں لکھنے کی اجازت ہے۔ دینی میسج کو ڈیلیٹ کرنا بھی جائز ہے۔ آجکل جو مشہور ہے کہ دینی میسج ڈلیٹ کرنا درست نہیں کہ حدیث پاک ہے آخری وقت میں لوگ اپنے ہاتھوں سے قرآن و حدیث مٹائیں گے۔ یہ حدیث بالکل جھوٹی ہے۔ البتہ ایک حدیث پاک یوں ہے کہ قیامت پر اللہ عزوجل قرآن پاک اٹھالے گا چنانچہ اَخبار مکہ میں ہے "عن عبد الله بن عمرو بن العاص، قال إن الله تعالى يرفع القرآن من صدور الرجال، والحجر الأسود قبل يوم القيامة" ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، اللہ عزوجل قیامت سے قبل حجر اسود اور لوگوں کے سینوں سے قرآن اٹھالے گا۔

(اخبار مكة وما جاء فيها من الأثار، جلد1، صفحہ345، دار الأندلس، بيروت)

آج کل موبائل ٹون میں تلاوت ونعت لگائی جاتی ہے جو کہ جائز نہیں۔ذکر اللہ کو غیر محل میں استعمال کرنا درست نہیں۔لہذا سادہ سی کوئی ٹون لگائی جائے۔

دینی فلمیں

آج کل انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی سیرت بلکہ عذاب قبر پر فلمیں بنائی جاتی ہیں۔ان فلموں میں کفار وفساق کو نبی وصحابی وفرشتہ بنا کے دکھایا جاتا ہے، بے پردگی ہوتی ہے اور کئی مرتبہ جو دکھایا جاتا ہے وہ عقائد وشرع کے خلاف ہوتا ہے۔الغرض ایسی فلمیں بے شمار گناہوں کا مجموعہ ہیں جس سے بچنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسی فلمیں بنانے، چلانے اور دیکھنے میں تعاون نہ کریں۔اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ترجمہ قرآن کنزالایمان: اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔ (سورۃ المائدہ ،سورت5،آیت 02)

ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور میں ہے:''اسلامی غزوات،فتوحات اور اسلامی واقعات پر مشتمل جتنی بھی اینیمیٹڈ فلمیں ہیں،ان میں شاید باید ایک فیصد ایسی فلم مل جائے جو عورت اور میوزک سے خالی ہو۔واقعہ یہ ہے کہ عموماً غزوات اور واقعات وغیرہ کی حکایت کرنے والی فلمیں محظورات سے قطعی خالی نہیں ہوتیں۔بلکہ یہ دینی پروگرام گمراہی پھیلانے کا ایک مستقل ذریعہ ہیں،شیعہ،مرزائی،ملحد،کمیونسٹ اور ناپختہ علم لوگ ان دینی پروگراموں کو بناتے ہیں اور اناپ شناپ جو ان کے منہ میں آتا ہے کہتے ہیں۔اسلام کے حسین چہرے کو مسخ کیا جاتا ہے۔اسلام اپنی اشاعت وسربلندی کے لئے ان شیطانی آلات کا منت کش نہیں ہے،جن میں نہ حلال وحرام کی تمیز ہو نہ مرد وزن کے حدود ہوں، نہ نیکی وبدی کا تصور ہو۔ان مقدس ہستیوں کے مقدس بزرگانہ تصور کو مٹا کر ایک فلمی ہیرو کی شکل میں لایا جاتا

ہے۔دشمن ممالک کے لوگوں کو ناچتے ہوئے اور لڑکیوں کے ساتھ شہوت انگیز انداز میں عیش کرتے ہوئے اس طور پر دکھایا جاتا ہے کہ عین موقع پر اسلامی فوجیں پہنچ جاتی ہیں۔بسا اوقات کسی صحابی کو کسی لڑکی پر عاشق بنا کر پیش کیا جاتا ہے اور یہ دکھایا جاتا ہے کہ دشمن ملک کی لڑکی سے پیار کے نتیجے میں دشمن ملک فتح ہو گیا۔معاذ اللہ،نعوذ باللہ من ذلک۔یعنی جس طرح اردو ناولوں میں مقدس غزوات وفتوحات کو مسخ کرکے پیش کیا جاتا ہے،اسی طرح یہاں بھی فلمی متحرک تصاویر کے ذریعہ اسی کی نقل وحکایت کی جاتی ہے۔ان فلموں کی قباحت بیان کی جائے تو دفتر کا دفتر درکار ہوگا۔یہ اینیمیٹڈ فلمیں بے پناہ برائیوں،غلط مناظر اور جھوٹی باتوں کا مجموعہ ہیں۔'' (ماہنامہ اشرفیہ،اپریل2011ء،صفحہ22،مبارکپور،انڈیا)

ان کے علاوہ جو مقدس مقامات کی مووی ہوتی ہے جس میں نہ کوئی میوزک نہ کوئی عورت ہوتی ہے صرف مقدس مقامات کو دکھایا جاتا ہے،جس جگہ جنگ بدر ہوئی اس مقام کو،جہاں کسی نبی کی جائے پیدائش ہے اس مقام کو دکھایا جائے تو ایسی مووی بنانا اور دیکھنا جائز ہے۔

کسب حصول مال

موجودہ دور میں حصول دولت کی دوڑ جاری ہے۔ہر کوئی اسی فکر میں لگا ہے۔سوچ یہ ہے کہ پیسہ آنا چاہئے چاہے کسی طرح سے بھی آئے،چاہے کسی کی زمین پر قبضہ کرکے آئے،چاہے رشوت سے آئے،چاہے سود سے آئے،چاہے جوے سے آئے۔مسلمان یہ سوچنا گوارہ ہی نہیں کرتا کہ میں جو کاروبار یا نوکری کر رہا ہوں وہ جائز بھی ہے یا نہیں۔اگر کوئی عالم کاروبار ونوکری کے ناجائز ہونے کا کہہ دے تو اس کے خلاف ہو جاتے ہیں۔

موجودہ دور کی عکاسی اس حدیث پاک سے ہوتی ہے۔صحیح بخاری کی حدیث پاک ہے "عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال يأتي على الناس زمان لا يبالي المرء ما أخذ منه أمن الحلال أم من الحرام" ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا بندہ یہ پرواہ نہ کرے گا کہ اس نے حلال طریقے سے مال لیا یہ حرام طریقے سے۔

(صحيح بخاری، كتاب البيوع، من لم يبال من حيث كسب، جلد 3، صفحه 55، دار طوق النجاة، مصر)

یہی وجہ ہے کہ ہمارے مال، جان، اولاد، ملک، میں برکت نہیں اور ہماری دعاؤں میں اثر نہیں۔المعجم الاوسط للطبرانی کی حدیث پاک میں ہے "عن ابن عباس قال تليت هذه الآية عند رسول الله صلى الله عليه وسلم ﴿**يا أيها الناس كلوا مما في الأرض حلالا طيبا**﴾ فقام سعد بن أبي وقاص، فقال يا رسول الله، ادع الله أن يجعلني مستجاب الدعوة، فقال له النبي صلى الله عليه وسلم يا سعد أطب مطعمك تكن مستجاب الدعوة، والذي نفس محمد بيده، إن العبد ليقذف اللقمة الحرام في جوفه ما يتقبل منه عمل أربعين يوما، وأيما عبد نبت لحمه من السحت والربا فالنار أولى به" ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارگاہ میں یہ آیت پڑھی گئی، اے لوگوں کھاؤ جو کچھ زمین میں حلال پاکیزہ ہے۔حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ اللہ عزوجل سے میری دعائیں قبول ہوجانے کی دعا کیجئے۔تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے

سعد! اپنی کمائی کو صاف ستھرا کرتو تیری دعا قبول ہوگی۔اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان ہے بے شک جو شخص ایک لقمہ حرام کا پیٹ میں ڈالتا ہے اس کا چالیس دن تک کوئی عمل قبول نہیں کیا جاتا۔جو گوشت سود وحرام میں پلا ہو وہ آگ کا زیادہ حقدار ہے۔ (المعجم الاوسط للطبرانی، جلد6، صفحہ310، دار الحرمین، القاہرۃ)

یوں نہیں کہنا چاہئے کہ مہنگائی اور بیروزگاری سے تنگ آکر لوگ سود، رشوت اور چوریاں نہیں کریں گے تو اور کیا کریں گے، اس سے ہر تنگ دست کا ذہن شیطان حرام فعل کی طرف لے جاتا ہے۔ بلکہ لوگوں کو یہ ذہن دیا جائے کہ رزق حلال کی تلاش کی جائے، حلال میں برکت ہے۔ بکری حلال ہے اور کتیا حرام ہے، بکری کی نسبت کتیا کی افزائش نسل بہت زیادہ ہے اور بکری سارا سال ذبح ہوتی ہے پھر بھی بکریوں کا ریوڑ دیکھنے میں آتا ہے جبکہ کتیا کا ریوڑ دیکھنے میں نہیں آتا۔ یہ حلال میں برکت ہونے کی زندہ مثال ہے۔ آج حرام کھانے والے کو جب کہا جائے کہ تمہارا یہ کام حرام ہے تو وہ آگے سے کہتا ہے کہ کیوں حرام ہے، اس میں میری محنت ہوتی ہے، میں اپنی محنت کا کھاتا ہوں۔ یہ کوئی دلیل نہیں کہ جس کام میں محنت ہوتی ہے وہ حلال ہے ورنہ چوری، ڈاکے ڈالنا کیا بغیر محنت کے ہوتا ہے۔ شریعت نے حلال وحرام کو واضح کیا ہے جو حرام ہے سو حرام ہے۔ بعض لوگ حرام اس آڑ میں کھاتے ہیں کہ اگر یہ حرام چھوڑ دیں گے تو بھوکے مر جائیں گے۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن رزق حلال پر بڑا پیارا کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "رزق اللہ عزوجل کے ذمہ ہے۔ جس نے ہوائے نفس کی پیروی کرکے طریقہ حرام اختیار کیا اسے ویسے ہی پہنچتا ہے اور جس نے حرام سے اجتناب اور حلال کی طلب کی اسے رزقِ حلال پہنچاتے ہیں۔ امام سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو نوکری حکّام سے منع

فرمایا۔ کہا بال بچّوں کو کیا کروں۔ فرمایا ذرا سنیو یہ شخص کہتا ہے کہ میں خدا کی نافرمانی کروں جب تو میرے اہل وعیال کو رزق پہنچائے گا اور اطاعت کروں تو بے روزی چھوڑ دے گا۔ امام عبدالوہاب شعرانی طبقاتِ کبریٰ میں زیرِ ترجمہ امام ممدوح فرماتے ہیں "نصح یوما انسانا راٰہ فی خدمة الولاة فقال فما اصنع بعیالی فقال الا تسمعون لهذا یقول انه اذا عصی اللّٰه رزق عیاله واذا اطاعه ضیعهم" امام سفیان ثوری نے ایک شخص کو نصیحت فرمائی جو والیوں کی خدمت میں رہتا تھا۔ اس نے کہا پھر میں بال بچّوں کا کیا کروں؟ آپ نے فرمایا کیا تم لوگ اس شخص کی بات نہیں سنتے جو یہ کہہ رہا ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے بال بچّوں کو روزی دے گا اور اگر وہ اس کی اطاعت کرے تو وہ اس کے بال بچّوں کو ضائع کر دے گا۔

بلکہ اس بارے میں ایک حدیث بھی مروی کہ عمرو بن قرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں بہت تنگ حال رہتا ہوں اس حیلہ کے سوا دوسری صورت سے مجھے رزق ملتا معلوم نہیں ہوتا مجھے ایسے گانے کی اجازت فرما دیجئے جس میں کوئی امر خلافِ حیا نہیں۔ فرمایا اصلاً کسی طرح اجازت نہیں اپنے اور اپنے بال بچوں کے لئے حلال روزی تلاش کر کہ یہ بھی راہِ خدا میں جہاد ہے اور جان لے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد نیک تاجروں کے ساتھ ہے۔"اخرج عبدالرزاق فی مصنفه عن یحیٰی بن العلاء عن بشیر بن نمیر عن مکحول ثنا یزید بن عبد ربه عن صفوان بن امیة رضی اللّٰه تعالٰی عنه قال کنا عند رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فجاءه عمرو بن قرة فقال یارسول اللّٰه ان اللّٰه قد کتب علیّ الشقوة وما ارا فی ارزق الا من دفی بکفی فاذن لی بالغناء من غیرفاحشة فقال

لا اذن لك ولا كرامة ولا نعمة ابتغ علی نفسك وعيالك حلالا فان ذلك جهاد فی سبیل اللّٰه واعلم ان عون اللّٰه تعالٰی مع صالحی التجار هكذا اخرجه فی معرفة الصحابة من طریق الحسن بن الربیع عن عبدالرزاق ذکره الحافظ فی الاصابة" محدّث عبدالرزاق نے اپنے مصنّف میں تخریج فرمائی یحییٰ بن علا کے حوالے سے اس نے بشر بن نمیر اس نے مکحول سے اس نے فرمایا ہم سے فرمایا یزید بن عبدربہ نے اس نے صفوان بن امیہ کے حوالے سے (اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو) اس نے کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں حاضر تھے کہ عمرو بن قُرہ آئے اور عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھ پر تنگ دستی لکھ دی اور میں نہیں سمجھتا کہ مجھے رزق دیا جائے گا مگر میرے دف بجانے سے جو میری ہتھیلی میں ہے لہٰذا مجھے ایسے گانے کی اجازت دیں جو فحش نہ ہو۔ آپ نے فرمایا تمہیں قطعاً اجازت نہیں اس عمل میں کوئی شرافت اور فائدہ نہیں۔ لہٰذا اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے حلال روزی تلاش کرو کیونکہ حلال روزی کی تلاش بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں (ایک گونہ) جہاد ہے، اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ کی مدد نیک تاجروں کے ساتھ ہے۔ یونہی اس کی تخریج فرمائی معرفة الصحابة میں حسن بن ابی الربیع کے طریقہ سے بحوالہ عبدالرزاق۔ حافظ نے اس کو الاصابہ میں ذکر کیا ہے۔" (فتاوٰی رضویہ، جلد23، صفحہ528، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ رزقِ حلال کا طالب ہو۔ اپنے روزگار کے متعلق علمائے کرام سے رہنمائی حاصل کرے۔ موجودہ دور میں جو مروجہ حصولِ مال کا طریقہ کار ہے اس کا مختصر حکم پیش خدمت ہے:۔

☆ موجودہ دور میں لائف و جنرل انشورنس و میڈیکل انشورنس وغیرہ بہت

زیادہ رائج ہیں۔شرعی طور پر یہ سب ناجائز وحرام ہیں۔اس میں سود اور جوا پایا جاتا ہے۔مفتی وقارالدین علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:''ہرقسم کا بیمہ ناجائز ہے۔اسلام کا قاعدہ یہ ہے کہ جو کسی کا مالی نقصان کرے گا وہی ضامن ہوگا اور بقدرِ نقصان تاوان دے گا۔قرآن کریم میں ہے﴿فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم﴾یعنی جو تم زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کرلو(لیکن)اسی قدر جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہو۔لہذا چوری،ڈکیتی،آگ لگنے اور ڈوبنے وغیرہ کا بیمہ ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب مال کا نقصان انشورنس کمپنی نے نہیں کیا وہ تاوان کیوں دے گی؟ پھر زندگی کے اور دیگر ہر قسم کے بیمے میں جوا بھی شامل ہے کیونکہ یہ معلوم نہیں کہ زندگی کے بیمے کی کتنی قسطیں ادا کرے گا کہ موت آجائے گی اور وہ پوری رقم(جتنے کا بیمہ تھا)اس کے وارثوں کو مل جائے گی۔اور اگر زندہ رہ گیا تو دی ہوئی رقم مع سود کے واپس کردی جائے گی۔غرض یہ کہ بیمہ محرمات کا مجموعہ ہے۔اب یہ کہا جارہا ہے کہ ایک دوسرے کی مدد کرنے کے لیے لوگوں سے جو روپیہ لیا جاتا ہے وہ ان لوگوں کو دے دیا جاتا ہے جن کا نقصان ہوتا ہے اگر یہ صحیح ہے تو جتنا روپیہ وصول کیا جاتا ہے وہ ان لوگوں کی اجازت سے ہے جن سے لیا گیا ہے،اگر نقصان زدہ لوگوں میں تقسیم کردیا جائے تو پھر انشورنس کمپنیاں کروڑوں روپے کہاں سے کماتی ہیں؟معلوم ہوا کہ یہ عذر صرف لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لیے گھڑے گئے ہیں۔''

(وقار الفتاوی، جلد1،صفحہ240،بزم وقارالدین ،کراچی)

انشورنس کمپنیاں جو لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے انشورنس کے متعلق جواز کے فتاوی دکھاتی ہیں ان میں بعض فتاوی تو بالکل غلط ہیں جو کہ غیر مفتیوں کے ہیں اور باقی جو واقعی صحیح مفتیانِ کرام کے ہیں،وہ فتاوی کفار کی کمپنیوں کے متعلق ہیں۔شرعاً کفار سے نفع

لینا جائز ہے کہ حدیث پاک میں ہے"لا ربا بین المسلم و الحربی"ترجمہ:مسلمان اور حربی(غیر ذمی ومستامن)کافر کے درمیان سود نہیں۔لہذا اگر کسی کافر کی انشورنس کمپنی ہے جس میں مسلمان کے شیئرز نہیں تو وہاں سے بغیر سود کی نیت کے نفع لینا جائز ہے۔امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کے دور میں حکومت کافروں کی تھی اور آپ نے کافروں سے بیمہ کی اجازت فرمائی تھی۔جوفتوی احکام شریعت کا دکھاتے ہیں اس میں اس کی صراحت ہے چنانچہ فرماتے ہیں:''جب کہ یہ بیمہ صرف گورنمنٹ کرتی ہے اور اس میں اپنے نقصان کی کوئی صورت نہیں تو جائز ہے کوئی حرج نہیں۔''

(احکام شریعت،حصہ2،صفحہ191،نظامیہ کتاب گھر،لاہور)

دوسری جگہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن نے مسلمانوں کے ساتھ بیمہ کو ناجائز وحرام کہا ہے چنانچہ آپ علیہ الرحمۃ سے بیمہ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا:''جس کمپنی سے یہ معاملہ کیا جارہا ہے اگر اس میں کوئی مسلمان بھی شریک ہے تو مطلقاً حرام قطعی ہے کہ قمار ہے اور اس پر جو زیادت ہے ربا اور دونوں حرام اور سخت کبیرہ ہیں۔اور اگر اس میں کوئی مسلمان اصلاً نہیں تو یہاں جائز ہے جبکہ اس کے سبب حفظ صحت وغیرہ میں کسی معصیت پر مجبور نہ کیا جاتا ہو جواز اس لیے کہ اس میں اپنے نقصان کی شکل نہیں،اگر بیس برس تک زندہ رہا پورا روپیہ بلکہ زیادت ملے گا،اور پہلے مرگیا تو ورثہ کو اور زیادہ ملے گا مثلا سال بھر بعد ہی مرگیا تو دیئے 246روپے چار آنے اور ملے 5000روپے،ہاں یہ ضرور ہے جو زائد ملے ربا سمجھ کر نہ لے بلکہ یہ سمجھے کہ غیر مسلم کا مال اس کی خوشی سے بلا غدر ملا،یہ حلال ہے۔''

(فتاوی رضویہ، جلد23،صفحہ595،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)

بعض اوقات انشورنس کمپنیوں کے ملازم علماء کی طرف جھوٹ بھی منسوب کردیتے ہیں کہ فلاں عالم نے خود انشورنس کروائی ہے۔ بلکہ ایک مرتبہ تو انشورنس والوں نے

دارالافتاء اہلسنت سے انشورنس کے متعلق فتویٰ لیا۔فتویٰ میں انشورنس کو ناجائز کہا گیا تھا۔انہوں نے اوپر مونوگرام اور نیچے مہر کو رہنے دیا اور درمیان سے کاٹ کر اپنی تحریر شامل کر دی۔اور بعد میں اس کی کاپیاں کروا کر لوگوں کو یہ فتوی دکھانا شروع کر دیا کہ دارالافتاء اہلسنت کی طرف سے یہ فتوی ہے کہ انشورنس جائز ہے۔

☆ لکی کمیٹی دن بدن بہت چل رہی ہے۔اس کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ چند ممبران مل کر ماہانہ کمیٹی ڈالتے ہیں۔اس میں ایک موٹر سائیکل ہوتی ہے جس کا نام قرعہ اندازی میں آجائے اس کو موٹر سائیکل دیدی جاتی ہے اور بقیہ کمیٹی معاف ہو جاتی ہے۔جس کا نام نہیں نکلتا اسے پوری کمیٹی پر موٹر سائیکل ملتی ہے۔موٹر سائیکل کی یہ کمیٹی ناجائز ہے۔اس میں جہالت پائی جارہی ہے کسی کو موٹر سائیکل تیرہ سو کی مل رہی ہے کسی کو چھبیس سو وغیرہ کی اور کسی کو پوری قیمت کی اور ایسی بیع جس میں چیز یا قیمت میں جہالت ہو وہ بیع جائز نہیں۔فتاوٰی عالمگیری میں ہے "جهالة المبيع او الثمن مانعة جواز البيع"ترجمہ:مبیع اور قیمت میں جہالت کا ہونا خرید وفروخت کے مانع ہے۔

(ہندیہ، کتاب البیوع، الفصل الثامن فی جہالۃ المبیع او الثمن ،جلد3، صفحہ122، دارالفکر،بیروت)

☆بولی والی کمیٹی بھی بہت زیادہ رائج ہے۔اس کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ کچھ ممبر ہوتے ہیں مثلاً 25 ممبر ہوتے ہیں جو مہینہ چھ ہزار دیتے ہیں۔کمیٹی ڈیڑھ لاکھ کی ہوتی ہے۔قرعہ اندازی میں جس کی کمیٹی نکل آئے ،دوسرا ضرورت منداس کمیٹی کو ایک لاکھ چالیس یا ایک لاکھ تیس میں خرید لیتا ہے اور زائد یہ پیسے ممبرز میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔بولی والی یہ کمیٹی ناجائز ہے۔اس کے ناجائز ہونے کی وجہ غیر مدیون کے ساتھ قرض کی فروخت ہے۔یعنی زید کا بکر پر ہزار روپے قرض ہے،اب زید عمر سے کہتا ہے میرا بکر پر ہزار روپے کا

قرض ہے تم مجھے آٹھ سو روپیہ دیدو اور بکر سے ہزار لے لو۔اسے قرض کی فروخت کہتے ہیں جو ناجائز ہے۔ بولی والی کمیٹی میں بھی یہی ہوتا ہے اس لئے یہ ناجائز ہے۔ردالمحتار میں ہے"وبيع الدين لايجوز ولو باعه من المديون او وهبه جاز"ترجمہ:قرض کی فروخت جائز نہیں۔اگر یہ فروخت مدیون سے کی جائے یا اسے ہبہ کی جائے تو جائز ہے۔

(ردالمحتار، کتاب الصلح،فصل فی التخارج،جلد5،صفحہ644،دارالفکر،بیروت)

مفتی وقارالدین قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ لکی کمیٹی کے متعلق فرماتے ہیں:

''پچھتر ہزار کی بیسی کو کم یا زیادہ میں بیچنا حرام ہے۔''

(وقارالفتاوی ،جلد1،صفحہ256،بزم وقارالدین قادری، کراچی)

☆ قسطوں پر کاروبار رائج ہے۔جس میں یہ ہوتا ہے کہ ایک چیز مثلاً موٹر سائیکل نقد 50,000 کی ہے تو قسطوں پر 60,000 کی ملتی ہے۔یہ کاروبار جائز ہے کہ یہ خرید وفروخت ہے قرض نہیں ہے کہ جس پر نفع سود ہو۔فتح القدیر میں ہے"كون الثمن على تقدير النقد الفاًوعلى تقدير النسيئة الفين ليس فی معنى الربا"ترجمہ:نقد کی صورت میں ثمن ایک ہزار ہونا اور ادھار کی صورت میں ثمن دو ہزار ہونا سود کے حکم میں نہیں ہے۔

(فتح القدیر، کتاب البیوع،باب خیار الشرط،جلد6،صفحہ447،دارالفکر،بیروت)

اس میں یہ ضروری ہے کہ قسط لیٹ ہونے پر جرمانے کی شرط نہ رکھی ہو ورنہ یہ ناجائز ہوگا۔اسلامی بینک کے نام پر جو بینک ہیں وہ ضرور قسط لیٹ ہونے پر جرمانہ رکھتے ہیں لیکن وہ جرمانہ خود نہیں رکھتے ہیں کسی فلاحی ادارے میں دے دیتے ہیں۔یہ صورت بھی ناجائز ہے۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر قسط ہم لیٹ ہونے نہ دیں بلکہ بروقت جمع کروادیں تو کیا جائز ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تب بھی جائز نہیں کہ عقد ہی اس شرط پر ہوا ہے کہ قسط لیٹ ہونے پر جرمانہ دوں گا۔

☆ آجکل جس طرح شیئرز کا کاروبار ہورہا ہے اس میں کئی ایسی وجوہات ہیں کہ جن کی وجہ سے یہ کاروبار ناجائز وحرام ہے۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا محمد وقارالدین رضوی قادری علیہ الرحمہ نے ارشادفرماتے ہیں: ''کسی کمپنی کے شیئرز خریدنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اس کمپنی کے ایک حصہ کوخریدلیا ہے اور آپ اس حصہ کے مالک ہوگئے اور وہ کمپنی جو جائز وناجائز کام کرے گی اس میں آپ بھی حصہ دار ہوں گے۔ جتنی کمپنیاں قائم ہوتی ہیں وہ اپنے شیئرز کے اعلان کے ساتھ مکمل تفصیلات بھی شائع کردیتی ہیں کہ یہ کمپنی کتنے سرمایہ سے قائم کی جائے گی، اس میں غیرملکی سرمایہ کتنا ہوگا اور ملکی قرضہ کتنا ہوگا اور کمپنی قائم کرنے والے اپنا کتنا سرمایہ لگائیں گے اور کتنے سرمایہ کے شیئرز فروخت کیے جائیں گے۔ لہٰذا شیئرز خریدنے والا اس سود کے لین دین میں شریک ہوجائے گا۔ جس طرح سود لینا حرام ہے اسی طرح سود دینا بھی حرام ہے تو وہ شیئرز خریدنا بھی حرام ہے۔ اسکے علاوہ شیئرز مارکیٹ میں عام طور پرسٹہ ہوتا ہے۔ جوجوا ہے وہ بھی حرام ہے۔''

(وقارالفتاوی، جلد1، صفحہ 235، بزم وقارالدین، کراچی)

☆ گروی پر مکان، دکان لینے کا بہت رواج ہے۔ رہن (گروی) رکھنا جائز ہے۔ اس کا ثبوت قرآن وحدیث سے ہے چنانچہ بخاری شریف کی حدیث پاک حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے'' رھن النبی صلی اللہ علیہ وسلم درعا له بالمدینة عند یھودی '' ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں یہودی کے پاس ذرہ گروی رکھی۔

(صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب شراء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالنسیئة، جلد3، صفحہ 57، دار طوق النجاۃ، مصر)

لیکن گروی مکان سے نفع اُٹھانا حرام ہے کہ یہ سود ہے۔ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم نے ارشادفرمایا''کل قرض جر منفعة فھو ربا'' ترجمہ: ہروہ قرض جونفع کھینچے وہ سود ہے۔

(کنزالعمال، کتاب الدعوی من قسم الأفعال، جلد06، صفحہ351، مؤسسة الرسالة، بیروت)

لہٰذا ہمارے یہاں جو پیسے دے کر گروی مکان یا دکان لے لی جاتی ہے اور جب تک پیسے واپس نہ کئے جائیں اسے استعمال کیا جاتا ہے یہ ناجائز وسود ہے۔

بعض لوگ ایڈوانس زیادہ دے کر تھوڑا سا کرایہ طے کر لیتے ہیں، شرعا یہ بھی سود ہے۔

☆ پگڑی پر دوکان لینے کا طریقہ رائج ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ اصل مالک اپنی دوکان دوسرے کوفروخت کرتا ہے مگر کلی طور پر فروخت نہیں کرتا بلکہ دوکان جس کی اصل قیمت تقریباً پانچ لاکھ ہے اور پگڑی پر صرف دولاکھ کی دیتا ہے۔ شرائط یہ ہوتی ہیں کہ ماہانہ 1500 کرایہ وصول کروں گا اور دوکان میں کوئی ردو بدل (توڑ پھوڑ) کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ جب پگڑی پر دکان لینے والا پانچ، دس سال بعد دوکان واپس کرنا چاہے گا تو موجودہ وقت کے حساب سے دوکان کی جو قیمت ہوگی اس کی نصف رقم مالک اصلی پگڑی والے کودے گا اور دوکان واپس لے گا اور پگڑی والا کسی دوسرے کوآگے فروخت نہیں کرسکتا، ہاں صرف قبضہ ہی دے سکتا ہے۔ منافع میں سے پچیس فیصد مالک اصلی کو دے گا۔

یہ طریقہ کارناجائز وحرام ہے۔ دولاکھ لینے کوخرید وفروخت مانا جائے تو پندرہ سو ماہانہ کرایہ وصول کرنے کی شرط ایک عقد کے اندر دوسرا عقد ہے جو ناجائز ہے۔ ترمذی شریف کی حدیث پاک ہے''نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن بیعتین فی بیعة'' حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک بیع میں دو بیع کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(جامع ترمذی، کتاب البیوع، باب ما جاء فی النہی عن بیعتین فی بیعة، جلد3، صفحہ533، دار

إحياء التراث العربي ،بيروت)

اسی طرح عقد میں مزید شرائط بھی فاسدہ ہوتی ہیں۔

☆ انشورنس اور بینک کی وہ نوکری جس میں سودی معاملات میں شریک ہونا پڑتا ہے جیسے سود کا لین دین، حساب کتاب، بینک کی طرف سے لوگوں کو لون کے لینے کے لئے تیار کرنا، اقساط و اقراض کی ادائیگی کا تقاضا کرنا۔ ایسی نوکری اور تنخواہ دونوں ناجائز ہیں۔ حدیث پاک میں اس پر لعنت کی گئی ہے چنانچہ مسلم شریف کی حدیث پاک ہے " لعن رسول اللّٰه صلى الله تعالىٰ عليه واٰله وسلم اكل الربوٰا و موكله و كاتبه و شاهديه قال وهم سواء" ترجمہ: رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلم نے سود کھانے والے، اس کی وکالت کرنے والے، اسکے لکھنے والے اور اسکے گواہوں پر لعنت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ تمام لوگ برابر ہیں۔

(صحيح مسلم ،كتاب البيوع،باب لعن آكل الربا ومؤكله،جلد 3 ،صفحه 1219، دار إحياء التراث العربي ،بيروت)

وہ نوکری جس میں بذات خود سودی معاملہ میں شریک تو نہ ہونا پڑے لیکن سودی معاملے میں معاونت ہوتی ہے جیسے کیشئر اور مینیجر کی نوکری کہ یہ بھی ناجائز و گناہ ہے۔ قرآن پاک میں اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے ﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔ (سورة المائدہ، سورت5،آیت2)

وہ نوکری جن میں نہ سودی معاملہ ہو نہ معاونت جیسے گارڈ، چپراسی ،ڈرائیور، پوسٹ مین، نیٹ ورکر وغیرہ کی نوکری یہ سب جائز ہیں۔

☆ سرکاری و پرائیویٹ نوکری کے لئے رشوت دینا ناجائز ہے البتہ اگر اس نوکری کے اہل ہیں تو سفارش کروانا جائز ہے۔

☆ بینک میں فکس اور سیونگ اکاؤنٹ ناجائز ہے کہ اس میں سود ہوتا ہے۔ کرنٹ جائز ہے۔

☆ کریڈٹ کارڈ کہ جس میں ہوتا ہے کہ نوے دن کے اندر اگر آپ نے بل ادا نہ کیا تو بعد میں جرمانہ شروع ہو جائے گا، ناجائز ہے۔ A.T.M کارڈ جائز ہے۔

☆ پرائز بانڈ سے جو انعام نکلتا ہے یہ لینا بالکل جائز ہے۔ کیونکہ نہ یہ جوا ہے اور نہ یہ سود ہے۔ یہ حکومت کی طرف سے انعام ہے۔

☆ آجکل جو بعض کمپنیاں کمیشن پر ورکر رکھتی ہیں جیسے G.M.I، Tines، وغیرہ کہ آپ جس کسٹمر کو لائیں گے اس کی کمیشن آپ کو ملے گی، پھر آپ کا لایا ہوا کسٹمر آگے مزید کسٹمرز لائے گا تو اس میں سے بھی آپ کو کمیشن ملے گی۔ اس میں کئی قباحتیں ہیں جس کی وجہ سے یہ جائز نہیں۔ مزید تفصیل کی لئے دارالافتاء اہلسنت کی طرف رجوع کیا جائے۔

☆ ملازمین کو جو جی۔ پی فنڈ میں رقم ملتی ہے اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ جتنی رقم ان کی اپنی جمع ہوئی ہو وہ لے سکتے ہیں اور جو زائد رقم ہے وہ سود ہے۔ کسی فقیر کو بغیر نیت ثواب صدقہ کردے۔ اگر بیٹا یا بھائی شرعی فقیر ہے تو اسے بھی صدقہ کرسکتا ہے۔

☆ آجکل لوگ کسی کے چلتے کاروبار میں اپنے پیسے شامل کر کے کاروبار میں شرکت کر لیتے ہیں، جبکہ چلتے کاروبار میں شرکت نہیں ہوسکتی۔ بعض تو ایسا بھی کر لیتے ہیں کہ کسی کاروباری شخص کو پانچ یا دس لاکھ دے کر ماہانہ کچھ پیسے لیتے رہتے ہیں اور بعد میں پانچ یا دس لاکھ روپے بھی لے لیتے ہیں، تو یہ سیدھا سیدھا سود ہے۔

☆ اس کے علاوہ خرید و فروخت میں چیز کا موجود ہونا ضروری ہے، پھر خریدی ہوئی چیز پر بغیر قبضہ کئے آگے بیچنا جائز نہیں۔ اگر کسی کو ملازم رکھیں یا مکان کرایہ پر دیں تو

اس کی مدت اور اجرت طے کرنا ضروری ہے کہ اتنے سالوں کی لئے ماہانہ اتنی اجرت وکرایہ ہے۔سفر کرنے سے پہلے کرایہ طے کرلیں۔

بدشگونی

آج کل بے شمار چیزوں کو بدشگون ومنحوس سمجھا جاتا ہے۔شادی پر بانجھ یا بیوہ عورتوں کو بعض عورتیں دلہن کو مہندی لگانے نہیں دیتیں، صفر ومحرم میں نکاح نہیں کیا جاتا کہ کامیاب نہیں ہوگا، دو بہنوں کے اکٹھے نکاح کو صحیح نہیں سمجھا جاتا ہے کہ طلاق ہو جائے گی ،اگر نکاح یا رشتہ پکا ہوتے وقت آندھی آئے تو اسے بدشگونی سمجھا جاتا ہے، کسی انسان کو منحوس سمجھ لیا جاتا ہے، بلیوں کے رونے کو منحوس سمجھا جاتا ہے اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ گھر میں فوتگی ہونے والی ہے، آنکھ پھڑکنے پر کہا جاتا ہے کچھ بُرا ہونے والا ہے۔ یہ سب باتیں جہالت ہیں۔اسلام میں بدشگونی اور منحوست کا کوئی نظریہ نہیں، ہونا وہی ہوتا ہے جو قسمت میں ہوتا ہے۔مسند احمد، طبرانی، شرح السنہ اور مجمع الزوائد کی حدیث پاک ہے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں"كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يتفاءل ولا يتطير وكان يعجبه الاسم الحسن" ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نیک فال لیتے، بدشگونی نہ مانتے اور اچھے نام کو دوست رکھتے۔

(مجمع الزوائد، كتاب الادب، باب الأسماء وما جاء في الأسماء الحسنة، جلد8، صفحہ92، دار الفكر، بيروت)

نیک فال لینے سے مراد یہ ہے کہ شادی پر بارش ہو جائے تو نیک فال ہے کہ بارش رحمت ہے۔اس کے برعکس شادی پر آندھی آجائے تو اسے منحوس سمجھنا جائز نہیں۔حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "ثلاث لم تسلم منها هذا ا لامة الحسد و الظن و الطيرة الاانبئكم بالمخرج منها اذا ظننت فلا

تحقق و اذا حسدت فلاتبغ و اذا تطيرت فامض" ترجمہ: ترجمہ: تین خصلتیں اس امت سے نہ چھوٹیں گی، حسد، بدگمانی اور بدشگونی، کیا میں تمہیں ان کا علاج نہ بتادوں، بدگمانی آئے تو اس پر کاربند نہ ہو اور حسد آئے تو محسود پر زیادتی نہ کرو اور بدشگونی کے باعث کام سے نہ رکو۔

(كنز العمال، كتاب الموت، الفصل الثالث في الترهيب الثلاثي، جلد16، صفحه42، مؤسسة الرسالة، بيروت)

دوسری حدیث پاک میں ہے "عن ابی هريرة رضی الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بلفظ اذاحسدتم فلاتبغوا و اذا ظننتم فلا تحققوا و اذا تطيرتم فامضوا وعلى الله فتوكلوا" ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے دل میں حسد آئے تو زیادتی نہ کرو اور بدگمانی آئے تو اسے دل میں جگہ نہ دو اور بدشگونی آئے تو رکو نہیں اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو۔

(كنز العمال، كتاب الاخلاق، الحسد، جلد3، صفحه834، مؤسسة الرسالة، بيروت)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے سوال ہوا: "کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہ جو مشہور ہے کہ گھر اور گھوڑا اور عورت منحوس ہوتے ہیں اس کی کیا اصل ہے؟

جوابا فرمایا: "یہ سب محض باطل ومردود خیالات ہندوؤں کے ہیں۔شریعت مطہرہ میں ان کی کوئی اصل نہیں، شرعا گھر کی نحوست یہ ہے کہ تنگ ہو، ہمسائے برے ہوں۔گھوڑے کی نحوست یہ کہ شریر ہو، بدلگام، بدرکاب ہو۔عورت کی نحوست یہ کہ بدزبان ہو، بدرویہ ہو۔باقی وہ خیال کہ عورت کے پہرے سے یہ ہوا، فلاں کے پہرے سے یہ، یہ سب

باطل اور کافروں کے خیال ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔''

(فتاوٰی رضویہ، جلد21، صفحہ220، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے سوال ہوا: ''ایک شخص نجابت خاں جاہل اور بدعقیدہ ہے اور سودخور بھی ہے، نماز روزہ خیرات وغیرہ کرنا بے کار محض سمجھتا ہے، اس شخص کی نسبت عام طور پر جملہ مسلمانان واہل ہنود میں یہ بات مشہور ہے کہ اگر صبح کو اس کی منحوس صورت دیکھ لی جائے یا کہیں کام کو جاتے ہوئے یہ سامنے آجائے تو ضرور کچھ نہ کچھ وقت اور پریشانی اٹھانی پڑے گی اور چاہے کیسا ہی یقینی طور پر کام ہوجانے کا وثوق ہو لیکن ان کا خیال ہے کہ کچھ نہ کچھ ضرور رکاوٹ اور پریشانی ہوگی چنانچہ اُن لوگوں کو ان کے خیال کے مناسب بار بار تجربہ ہوتا رہتا ہے اور وہ لوگ برابر اس امر کا خیال رکھتے ہیں کہ اگر کہیں جاتے ہوئے سامنا پڑ گیا تو اپنے مکان کو واپس جاتے ہیں اور چند وقت توقف کر کے یہ معلوم کر کے وہ منحوس سامنے تو نہیں ہے جاتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ ان لوگوں کا یہ عقیدہ اور طرزِ عمل کیسا ہے؟ کوئی قباحتِ شرعیہ تو نہیں؟

جواباً فرمایا: ''شرع مطہر میں اس کی کچھ اصل نہیں، لوگوں کا وہم سامنے آتا ہے۔ شریعت میں حکم ہے "اذا تطیرتم فامضوا" جب کوئی شگون بدگمان میں آئے تو اس پر عمل نہ کرو۔

وہ طریقہ محض ہندوانہ ہے مسلمانوں کو ایسی جگہ چاہیے کہ "اللّٰھم لا طیر الا طیرك ولا خیر الا خیرك ولا الٰه غیرك" اے اللہ! نہیں ہے کوئی برائی مگر تیری طرف سے اور نہیں ہے کوئی بھلائی مگر تیری طرف سے اور تیرے بغیر کوئی معبود نہیں۔ پڑھ لے، اور اپنے رب پر بھروسا کر کے اپنے کام کو چلا جائے، ہرگز نہ رُکے نہ واپس آئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔''

(فتاوٰی رضویہ، جلد29، صفحہ641، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے سوال ہوا: ''یہاں عام طور سے تمام شہر متفق ہے کہ درخت پپیتہ جس کو ارنڈ خربزہ کہتے ہیں مکان مسکونہ میں لگانا منحوس ہے اور منع ہے چونکہ یہاں یہ بکثرت اور نہایت لذیذ ہیں لہذا التماس ہے کہ اس بارے میں احکام شرعی سے مع حوالہ کتب بالتشریح خبردار کیجئے؟

جواباً فرمایا: ''شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں، شرع نے نہ اسے منحوس ٹھہرایا نہ مبارک، ہاں جسے عام لوگ نحس سمجھ رہے ہیں اس سے بچنا مناسب ہے کہ اگر حسب تقدیر اسے کوئی آفت پہنچے ان کا باطل عقیدہ اور مستحکم ہوگا کہ دیکھو یہ کام کیا تھا اس کا یہ نتیجہ ہوا اور ممکن کہ شیطان اس کے دل میں بھی وسوسہ ڈالے۔۔۔۔ ان سب کا کھانا بہتر نہیں اگرچہ درحقیقت یہ حلال ہیں اس لئے کہ لوگوں میں مشہور ہے کہ ان کے کھانے سے مصیبت آتی ہے لہذا ان کے کھانے سے پرہیز کیا جائے (اگر کھالیا اور تقدیر سے مصیبت آ گئی تو عام لوگوں کا عقیدہ خراب ہوجائے گا) علامہ شامی نے غرر الافکار سے اسے نقل فرمایا۔''

(فتاوٰی رضویہ، جلد23، صفحہ267، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

بہار شریعت میں ہے: ''قمر در عقرب یعنی چاند جب برج عقرب میں ہوتا ہے تو سفر کرنے کو برا جانتے ہیں اور نجومی اسے منحوس بتاتے ہیں اور جب اس برج میں ہوتا ہے تو کپڑے قطع کرانے اور سلوانے کو برا جانتے ہیں ایسی باتوں کو ہرگز نہ مانا جائے یہ باتیں خلافِ شرع اور نجومیوں کے ڈھکوسلے ہیں۔''

(بہارشریعت، جلد2، حصہ16، صفحہ159، ضیاء القرآن، لاہور)

لہٰذا بدشگونی و منحوست کی اسلام میں کوئی حیثیت نہیں، ان باتوں کی پیروی کرنا درست نہیں۔ درحقیقت نحوست گناہوں میں ہے کہ اپنے گناہوں کی نحوست سے آزمائش آتی ہیں۔ امام طبرانی نے ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم نے فرمایا"البذاء شوم"ترجمہ:فحش بکنا منحوس ہے۔

(الجامع الصغیر ،برمز طب عن ابی الدرداء ،جلد1،صفحہ191،دارالکتب العلمیہ، بیروت)

بیوہ اور بے اولاد عورتوں کو اس طرح منحوس نہ سمجھنا چاہئے کہ اس میں ان کی دل آزاری ہے جو کہ حرام ہے۔ بلکہ ان کو خوش رکھنا چاہئے کہ مسلمان کا دل خوش کرنا باعث ثواب ومبارک ہے۔

نعرہ لگانا

ہمارے یہاں محافل وجلوس میں نعرے لگائے جاتے ہیں جیسے نعرہ تکبیر ،نعرہ رسالت ،نعرہ تحقیق ، نعرہ حیدری ،نعرہ غوثیہ وغیرہ۔ان نعروں میں اہل سنت والے اپنی عقیدت ومحبت اور نظریے کا اظہار کرتے ہیں جو کہ نہ صرف جائز بلکہ اظہار عقیدہ کے سبب مستحب ہے۔ کثیر احادیث سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے نعرہ لگایا۔صحیح ابن حبان کی حدیث پاک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا"(إنی لأرجو أن یکون من تبعنی من أمتی ربع أهل الجنة)قال فکبرنا ثم قال (إنی لأرجو أن یکونوا الثلث)قال فکبرنا ثم قال (إنی لأرجو أن یکونوا الشطر)قال فکبرنا۔۔۔" ترجمہ:میں امید کرتا ہوں کہ اہل جنت کا چوتھائی میری امت میں سے جس نے میری اتباع کی وہ ہوگی۔صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اس پر تکبیر کہی۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں امید کرتا ہوں کے تہائی ہوگی۔صحابہ کرام نے اس پر تکبیر کہی۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں امید کرتا ہوں کہ اہل جنت کا نصف میری امت ہوگی۔اس پر صحابہ کرام نے تکبیر کہی۔

(صحیح ابن حبان، کتاب التاریخ،باب من صفته صلی الله علیه و سلم وأخباره،جلد14، صفحہ341،مؤسسة الرسالة ،بیروت)

اس کے علاوہ دیگر احادیث میں نعرہ لگانے کا ثبوت ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس میں صرف نعرہ تکبیر کا جواز ہے باقی نعرہ رسالت،نعرہ غوثیہ،نعرہ تحقیق،نعرہ حیدری،نعرہ غوثیہ کا جواز نہیں،تو اس کا جواب ہے کہ باقی نعرے لگانا ناجائز کہاں سے ثابت ہیں؟ دوسرے نعروں میں تعظیم ومحبت کا اظہار ہوتا ہے جو کہ شرعا پسندیدہ عمل ہے۔ مفتی جلال الدین امجدی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا"نعرہ تکبیر کا دستور تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کرام علیہم الرضوان کے زمانہ مقدسہ میں تھا مگر نعرہ رسالت اور نعرہ حیدری اور نعرہ غوثیہ وغیرہ کا رواج کب سے اور کیسے پڑا؟ آپ تفصیلی طور پر تحریر فرمائیں۔

جوابا مفتی جلال الدین امجدی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:"کسی فعل کے جائز ہونے کے لئے یہ جاننا ضروری نہیں کہ اس کا رواج کب اور کیسے پڑا؟ نعرہ رسالت،نعرہ حیدری اور نعرہ غوثیہ وغیرہ لوگوں نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بعد ایجاد کیا کہ اس میں سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ،مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعظیم وتکریم ہے۔اور قرآن مجید میں ہے ﴿و تعزروه و توقروه﴾ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم وتکریم کرو اور حضرت علی وغوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تعظیم بھی حقیقت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی تعظیم ہے۔"

(فتاوی فیض الرسول،جلد2،صفحہ611،شبیر برادرز،لاہور)

نعرہ لگانے میں جو یارسول اللہ، یاغوث کہا جاتا ہے یہاں ہر وقت مقصود ان سے مدد مانگنا نہیں ہوتا بلکہ اپنے عقائد ومحبت کا اظہار بھی ہوتا ہے۔لہذا مدد کے لئے پکارا جائے یا بغیر مدد فقط اظہار محبت وعقائد کے لئے پکارا جائے دونوں طرح درست ہے۔اس طرح پکارنا تو صحابی رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ثابت ہے۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ الادب

المفرد میں حدیث پاک نقل کرتے ہیں"عن عبد الرحمن بن سعد قال خدرت رجل ابن عمر ، فقال له رجل اذكر أحب الناس إليك،فقال يا محمد" ترجمہ:حضرت عبدالرحمٰن بن سعد سے مروی ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پاؤں سو گیا۔ان سے کسی نے کہا اسے یاد کرو جسے تم لوگوں میں سب سے زیادہ پیار کرتے ہو۔تو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پکارا یا محمد۔(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

(الادب المفرد ،كتاب العطاس،باب ما يقول الرجل إذا خدرت رجله،جلد1،صفحه335،دار البشائر الإسلامية ،بيروت)

ان نعروں میں دیگر فرقے والوں کو جلایا بھی جاتا ہے۔جو یارسول اللہ نہیں کہتے بلکہ اسے شرک کہتے ہیں ان کے سامنے یارسول اللہ کہا جاتا ہے، جو چار یاروں کو نہیں مانتے ان کے سامنے حق چار یار کہا جاتا ہے، جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گستاخ ہیں ان کے سامنے نعرہ حیدری لگایا جاتا ہے، جو غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت وشان کے منکر ہیں یا غوث کہنے کو بلاوجہ شرک کہتے ہیں ان کے سامنے نعرہ غوثیہ لگایا جاتا ہے۔لہذا گمراہ لوگوں کو جلانے کے لئے یہ نعرے لگانا بھی اچھا عمل ہے جو حدیث پاک سے ثابت ہے۔ابوداؤد شریف کی حدیث پاک ہے "عن ابن عباس أن رسول الله صلى الله عليه و سلم أهدى عام الحديبية فى هدايا رسول الله صلى الله عليه و سلم جملا كان لأبى جهل فى رأسه برة (حلقة تجعل فى أنف البعير) فضة قال ابن منهال برة من ذهب زاد النفيلى يغيظ بذلك المشركين" ترجمہ:روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ کے سال ہدی بھیجی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدیوں میں ابوجہل کا اونٹ بھی تھا۔جس کے سر میں چاندی کی بالی تھی اور ایک روایت میں ہے سونے کی بالی تھی،جس سے مشرکین کو جلائیں۔

(ابوداؤد،كتاب المناسك،باب فى الهدى،جلد2،صفحه154،المكتبة العصرية، بيروت)

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:" ابوجہل کا یہ اونٹ جنگ بدر میں بطور غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا تھا خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے لیا تھا۔اس سال مکہ معظّمہ اسے لے جانا مشرکین کو جلانے کے لیے تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی کاموں سے مشرکوں کو جلانا بھی عبادت ہے،قربانی گائے میں یہ راز بھی ہے۔رب تعالیٰ فرماتا ہے﴿ **لیغیظ بھم الکفار**﴾شعر۔

غیظ میں جل جائیں بے دینوں کے دل

یارسول اللہ کی کثرت کیجئے

(مرأة المناجيح، جلد4،صفحه162،نعیمی کتب خانه ،گجرات)

حرفِ آخر

الحمدللہ عزوجل!اس پوری کتاب میں قرآن وحدیث اور فقہ حنفی کی روشنی میں رسم ورواج کی شرعی حیثیت کو واضح کیا ہے۔کسی کو ہرگز اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ اپنی عقل سے ناجائز رسم ورواج کو جائز سمجھے اور جائز کو ناجائز وحرام کہے۔بغیر علم کے فتوی دینا سخت حرام ہے۔الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ میں ہے"الإفتاء بغير علم حرام ، لأنه يتضمن الكذب على الله تعالى ورسوله ، ويتضمن إضلال الناس ، وهو من الكبائر ، لقوله تعالى﴿**قل إنما حرم ربى الفواحش ما ظهر منها وما بطن والإثم والبغى بغير الحق وأن تشركوا بالله ما لم ينزل به سلطانا وأن تقولوا على الله ما لا تعلمون** فقرنه بالفواحش والبغى والشرك" ترجمہ:بغیر علم کے فتوی دینا حرام ہے، اسلئے کہ یہ اللہ عزوجل و رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ اور لوگوں کے گمراہ ہونے کا سبب ہے۔یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:تم فرماؤ میرے

رب نے تو بے حیائیاں حرام فرمائی ہیں جو ان میں کھلی ہیں اور جو چھپی اور گناہ اور ناحق زیادتی اور یہ کہ اللہ کا شریک کرو جس کی اس نے سند نہ اتاری اور یہ کہ اللہ پر وہ بات کہو جس کا علم نہیں رکھتے۔اس آیت میں بغیر علم اللہ پر بات کرنے کو بے حیائی، ناحق زیادتی اور شرک کے ساتھ ذکر کیا۔ (الموسوعة الفقهية الكويتية،جلد32،صفحه24، دار الصفوة ،مصر)

معجم ابن عساکر کی حدیث پاک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے "قال رسول الله صلى الله عليه و سلم من أفتى الناس بغير علم لعنته ملائكة السماء والأرض "ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو لوگوں کو بغیر علم کے فتوی دے اس پر زمین وآسمان کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔

(کنزالعمال، کتاب العلم ،الباب الثانی فی آفات العلم--جلد10،صفحہ349،مؤسسة الرسالة،بيروت)

موجودہ دور میں ہمارا معاشرہ رسم ورواج میں اس قدر منہمک ہو چکا ہے کہ لوگ یہ سوچنا گوارا ہی نہیں کرتے کہ یہ رسم جائز ہے یا ناجائز ہے۔ بلکہ بعض جاہل تو ناجائز رسموں کو جائز ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔ایک سیاسی آدمی نے بسنت کو نہ صرف جائز ثابت کیا بلکہ اسے تصوفانہ شُغل قرار دیا، ویلنٹائن ڈے کو محبت کا موسم کہا جاتا ہے، گانے باجے کا تو پوچھئے ہی نہیں وہ نہ صرف جائز ہے بلکہ صوفیانہ کلام پڑھنا اور اس پر ناچنا، میوزک والی نعتیں، مروجہ قوالیاں پڑھنا تو معاذ اللہ عبادت سمجھا جاتا ہے۔ ہمارے بوڑھے لوگ تو سب سے بڑے مفتی ہیں کون سی رسم جائز ہے اس کا فیصلہ وہ اپنی عقل اور خاندانی طریقے سے کرتے ہیں۔ اگر کوئی دین دار حلال وحرام کے متعلق رہنمائی کرے تو سب اس کے خلاف ہو جاتے ہیں۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ رسم ورواج کو شریعت کی کسوٹی پر پرکھے اپنے نفس کو جو بات اچھی لگے اسے ہی جائز نہ سمجھے کہ نفس تو برائی ہی کی

طرف لے جاتا ہے۔قرآن پاک میں ہے ﴿إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ﴾ ترجمہ کنزالایمان: بیشک نفس تو برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے۔ (سورۃ یوسف،سورت12،آیت53)

جو بے حیائی کو پسند کرنے والا اور عورتوں کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کرنے والا ہے اسے بے حیائی میں کوئی قباحت نظر نہیں آئے گی اور جو بے حیائی کے خلاف بات کرے گا اسے تنگ نظر کہے گا جیسا کہ ہمارے دور میں بعض افراد کو دیکھا گیا ہے کہ وہ میراتھن ریس ، ویلنٹائن ڈے وغیرہ کو جائز سمجھتے ہیں۔اسی طرح جو کوئی جعلی پیروں اور گمراہ مولویوں کی محبت میں گرفتار ہے اسے انکی جہالت و بے دینی نظر نہیں آتی۔ حدیث پاک میں ہے "حبك الشيء يعمي و يعصم" ترجمہ: شے کی محبت تجھے اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔

(مسند احمد بن حنبل ،مرویات ابو الدرداء ، جلد6،صفحہ450، دارالفکر ،بیروت)

لہٰذا ایک مسلمان کے دل میں شریعت کی محبت ہونی چاہئے اپنی نفسانی خواہشات میں اندھا بہرا نہیں ہونا چاہئے۔ جب پتہ چل جائے کہ یہ عمل شریعت کے خلاف ہے تو چاہے وہ عمل باپ دادا سے چلا آرہا ہو یا پیر یا عالم کرتا ہو فورا چھوڑ دے۔یہی اسلامی تعلیمات اور کامل دین ہے۔مشکوٰۃ شریف کی حدیث پاک ہے "عن عبد الله بن عمرو قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم لا يؤمن أحدكم حتى يكون هواه تبعا لما جئت به" ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہش میرے لائے ہوئے کے تابع نہ ہو۔

(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان،باب الاعتصام بالکتاب والسنة،جلد 1،صفحہ36،المکتب الإسلامی ،بیروت)

ایک بات ہمیشہ یاد رکھنے والی ہے کہ حرام فعل کو کرنا ناجائز اور باعث مصیبت

ہے۔آج ہمارے لیڈر خیانت تو کرتے ہی ہیں عام شخص بھی رشوت خور، دھوکے باز ہے، ہمارے بڑوں میں دور دور تک اسلامی روایات باقی نہیں فلمیں ڈرامے ہمارے بوڑھے حضرات دیکھتے ہیں، سارا دن تاش کھیلنا، گھپیں مارنا ان کا شیوہ ہے، اگر مسجد میں جائیں گے تو وہاں مولویوں کے پیچھے پڑے رہیں گے، اپنے بچوں کو نیکی کی دعوت اور برائی سے منع نہیں کرتے، نوجوانوں میں بزرگوں کا ادب نہیں، سنت و بدعت کا پتہ کچھ نہیں، میڈیا پر بڑے سے بڑا جاہل مولوی مفتی بن کر غلط فتوے دے رہا ہوتا ہے، گانا باجا بے حیائی ہر گھر میں عام ہے، آج ہم ان گناہوں کی وجہ سے غربت وافلاس اور آزمائشوں میں مبتلا ہیں اور بُرے حکمران ہم پر مسلط ہیں، ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔حدیث پاک ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "يأتي على الناس زمان وجوههم وجوه الآدميين، وقلوبهم قلوب الشياطين سفاكين الدماء لا يرعون عن قبيح وإن بايعتهم واربوك وإن ائتمنتهم خانوك، صبيهم عارم،وشابهم شاطر، وشيخهم لا يأمر بمعروف ولا ينهى عن منكر، السنة فيهم بدعة والبدعة فيهم سنة، وذو الأمر منهم غاو، فعند ذلك يسلط الله عليهم شرارهم فيدعو خيارهم فلا يستجاب لهم" ترجمہ: لوگوں پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ لوگوں کی شکلیں آدمیوں جیسی ہوں گی لیکن دل شیطان جیسے ہوں گے، خون بہانے والے گناہوں کی طرف توجہ نہ کریں گے اور انکا خریدنا بیچنا دھوکہ بازی پر مشتمل ہوگا اور ان کے لیڈر خیانت کرنے والے ہوں گے، انکے بچے شدید شرارتی ہوں گے، ملاوٹ کرنے والے چالاک ہوں گے، انکے بڑے نیکی کا حکم اور برائی سے منع نہ کریں گے، سنت انکی نظر میں بدعت ہوگی اور بدعت سنت ہوگی، زیادہ دین کے باتیں کرنے والے گمراہ ہونگے، ان

پر اللہ عزوجل شریر لوگوں کو مسلط فرمادے گا تو نیکوکار دعا کریں گے لیکن انکے لئے قبولیت نہ ہوگی۔ (کنزالعمال، کتاب الفتن والھواء۔۔، جلد11، صفحہ282، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

آج جو پاکستان میں آئے دن زلزلے، طوفان، سیلاب وغیرہ کی آفات آتی ہیں یہ ہمارے گناہوں کا نتیجہ ہے۔مجمع الزوائد، جامع ترمذی اور مشکوٰۃ المصابیح میں حدیث پاک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔رسول اللہ عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "إذا اتخذ الفيء دولا والأمانة مغنما والزكاة مغرما وتعلم لغير الدين، وأطاع الرجل امرأته وعق أمه، وأدنى صديقه وأقصى أباه، وظهرت الأصوات في المساجد، وساد القبيلة فاسقهم، وكان زعيم القوم أرذلهم، وأكرم الرجل مخافة شره، وظهرت القينات والمعازف، وشربت الخمور، ولعن آخر هذه الأمة أولها فليرتقبوا عند ذلك ريحا حمراء وزلزلة وخسفا ومسخا وقذفا وآيات تتابع كنظام لآل قطع سلكه فتتابع" ترجمہ: جب غنیمت کو اپنی دولت اور امانت کو غنیمت اور زکوٰۃ کو ٹیکس بنا لیا جاوے اور غیر دین کیلئے علم حاصل کیا جاوے اور آدمی اپنی بیوی کی اطاعت ماں کی نافرمانی کرے اور اپنے دوست کو قریب باپ کو دور کرے اور مسجدوں میں آوازیں اونچی ہوں اور قبیلہ کا بدکار قوم کی سرداری کرے اور قوم کا ذمہ دار ان کا کمینہ ہو اور آدمی کی تعظیم کی جاوے اس کی شرارت کے خوف سے اور رنڈیاں باجے ظاہر ہو جاویں اور شراب پی جاویں اور اسکے پچھلے اگلوں پر لعنت کریں تو اس وقت تم سرخ آندھیاں، زلزلہ، دھنسنا اور صورتیں بدلنا، پتھر برسنے اور ان نشانیوں کا انتظار کرنا جو لگا تار ہوں گے جیسے ہار جس کا دھاگہ توڑ دیا جاوے تو لگا تار کر کے گرے۔

(جامع ترمذی، ابواب الفتن، باب ما جاء في علامة حلول المسخ والخسف، جلد4، صفحہ495، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

عصر حاضر میں مسلمانوں کے اتنے ممالک ہیں، کثیر تعداد ہے، پھر بھی ہم کفار سے ڈرتے ہیں اور ان کے اشاروں پر چلتے ہیں اور وہ مل کر ہمارے ملکوں پر حملے کر کے ان پر قبضہ کر رہے ہیں اور مسلمانوں کا قتل عام کر رہے ہیں۔ اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ ہمارے اعمال قرآن وسنت کے مطابق نہیں، ہم اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کے عادی ہو گئے ہیں اور یہی ذہن میڈیا ہمیں دے رہا ہے، ہم سنت کو چھوڑ کر کفار کے طریقوں پر چلنے میں فخر سمجھتے ہیں، ہم موت کو بھول کر دنیا کی رنگینیوں میں کھو گئے ہیں۔ اللہ عزوجل کے محبوب دانا غیوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کی اتنی تعداد کے باوجود ذلت وخواری کے متعلق پیشین گوئی فرمائی تھی چنانچہ امام ابوداؤد سلیمان ابن اشعث رحمۃ اللہ علیہ سنن داؤد میں حدیث پاک روایت کرتے ہیں ”عن ثوبان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يوشك الأمم أن تداعى عليكم كما تداعى الأكلة إلى قصعتها فقال قائل ومن قلة نحن يومئذ قال بل أنتم يومئذ كثير ولكنكم غثاء كغثاء السيل ولينزعن الله من صدور عدوكم المهابة منكم وليقذفن الله فى قلوبكم الوهن فقال قائل يا رسول الله وما الوهن قال حب الدنيا وكراهية الموت“ ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قریب ہے کہ امتیں تم پر ایک دوسرے کو ایسی دعوت دیں جیسے کھانے والے اپنے پیالہ کی طرف۔ تو کوئی کہنے والا بولا کیا اس دن ہماری کمی کی وجہ سے ایسا ہوگا؟ فرمایا بلکہ تم اس دن بہت ہوگے لیکن تم سیلاب کے میل کی طرح ایک سیل بن جاؤ گے اور اللہ عزوجل تمہارے دشمن کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکال دے گا اور تمہارے دل میں وہن ڈال دے گا۔ کسی کہنے والے نے عرض کیا یا رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہن کیا چیز ہے؟

فرمایا دنیا کی محبت اور موت سے ڈر۔

(سنن ابوداؤد، کتاب الملاحم، باب فی تداعی الامم علی الاسلام، جلد 4، صفحہ 111، المکتبة العصرية، صيدا ،بيروت)

جب گناہوں کی یہ نحوست ہے کہ شریر لوگ ہم پر مسلط کر دیئے جائیں گے، دعائیں قبول نہ ہوں گی، زلزلے آئیں گے تو اگر گناہ کو گناہ ہی نہ سمجھا جائے بلکہ حرام کو حلال سمجھ لیا جائے جیسے بے پردگی وبے حیائی، داڑھی منڈانا، سودی نوکری اور مروجہ انشورنس، گانے باجے، حرام کھیل اور کھیل کود پر لگی شرطوں کو جائز سمجھنا وغیرہ تو ان کا وبال تو اور زیادہ ہے اور یہ تو زری تباہی ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”اذا استحلت هذالامة الخمر بالنبيذ والربا بالبيع والسحت بالهدية واتجروا بالزكوٰة فعند ذلك هلاكهم ليزدادوا اثما“ ترجمہ: جب یہ امت شراب کو نبیذ کے ساتھ اور سود کو کاروبار میں حلال بنالے گی اور رشوت کو تحفہ بنا لے گی اور تجارت کو زکوٰۃ بنالے گی تو اس وقت ان بڑھتے ہوئے گناہوں کی سبب ان کی ہلاکت ہوگی۔

(كنز العمال، كتاب القيامة، الإكمال من أشراط الساعة الكبرى، جلد 14، صفحه 264، مؤسسة الرسالة ،بيروت)

مجمع الزوائد میں ہے ”عن أنس بن مالك قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ذا استحلت أمتى ستاً فعليهم الدمار إذا ظهر فيهم التلاعن وشربوا الخمور ولبسوا الحرير واتخذوا القيان واكتفى الرجال بالرجال والنساء بالنساء“ ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب میری امت چھ (حرام) چیزوں کو حلال سمجھ لی گی اس

وقت ان کی ہلاکت ہوگی ۔ جب ایک دوسرے کو لعنت کریں، شرابیں پئیں، ریشم پہنیں، گانے باجوں کو اختیار کریں، مرد مرد کی حاجت پوری کرنے کے لئے کافی ہو (یعنی مرد مرد سے زنا کرے) عورت عورت کی حاجت پوری کرنے کے لئے کافی ہو۔

(مجمع الزوائد، کتاب الفتن، باب ثان فی امارت الساعۃ، جلد7، صفحہ640، دار الفکر، بیروت)

ابھی تو گناہوں کے سبب سیلاب و زلزلوں کی آفت آتی ہے آنے والے وقت میں چہروں کا بگڑنا، پتھر برسنا اور زمین میں دھنسنا بھی ہوگا۔ المعجم الکبیر للطبرانی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "سيكون في آخر الزمان خسف وقذف ومسخ، قيل ومتى ذلك يا رسول الله؟ قال إذا ظهرت المعازف والقينات، واستحلت الخمر" ترجمہ: قرب قیامت زمین میں دھنسنا، پتھر برسنا اور چہرے بگڑنے ہوگا۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا کب ہوگا؟ فرمایا جب گانے باجے عام ہوجائیں اور شراب کو حلال جانا جائے گا۔

(المعجم الكبير للطبراني، عبد الرحمن بن زيد بن أسلم عن أبي حازم، جلد6، صفحہ150، مكتبة ابن تيمية، القاهرة)

آج امت مسلمہ جو پوری دنیا میں ذلت و تباہی کے گڑھے میں گر رہی ہے اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہم میں حلال و حرام کی تمیز باقی نہیں رہی۔ ناجائز کو ناجائز سمجھنا تو دور کی بات اب تو ناجائز کاموں کو باعث ثواب و فخر سمجھا جاتا ہے۔ شرعی معاملات میں علماء سے پوچھنے کی زحمت ہی نہیں کی جاتی بلکہ علماء کے بارے میں شیطان اور میڈیا یہ ذہن دے رہا ہے کہ یہ تو جاہل اور شدت پسند ہیں۔ ڈاکٹر اگر کسی کو کہہ دے کہ تیرے اندر کیڑے ہیں لہذا تو فلاں فلاں حلال چیز نہ کھانا تو ڈاکٹر کی بات بغیر دلیل مان لی جاتی ہے اور حلال کھانا چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یعنی وہ ڈاکٹر جو پیسے لے کر کیڑے ڈال رہا ہے اس کی بات بغیر دلیل مان لی

جاتی ہے، اس کی عزت کی جاتی ہے اور وہ مفتی جو مفت میں کیڑے نکال رہا ہے، حرام سے بچا رہا ہے، حلال کی نشاندہی کر رہا ہے، اس کو برا بھلا کہا جاتا ہے۔ اگر کبھی مجبورا مسئلہ پوچھنا بھی پڑے تو ایسے مولوی سے سے پوچھتے ہیں جو ان کی منشا کے موافق فتویٰ دے چاہے وہ مولوی جاہل و بے دین ہی کیوں نہ ہو۔ جیسے آج کل تین طلاقیں دے کر مرضی کے فتوی پر عمل کرلیا جاتا ہے۔ اگر دینی آدمی سے کوئی غلطی ہوجائے تو اسے خوب اچھالا جاتا ہے۔ اگر کوئی داڑھی رکھ لے تو خاندان والے اس پر تنقید کرتے ہیں، داڑھی والوں پر آوازیں کستے ہیں، جس نے داڑھی رکھی ہو اسے نوکری پر نہیں رکھا جاتا، مولویوں کے بارے میں لطیفے بنائے جاتے ہیں، بے نمازی، بے دین دل کو شیطانی تسلی دیتے ہوئے کہتا ہے کہ ان مولویوں کی نمازیں بیکار ہیں انہوں نے کون سا بخشا جانا ہے، دینی سوچ والے دوسروں کو دین پر چلانے کی کوشش تو کیا خود اپنی زندگی دین کے مطابق نہیں گزار سکتے، اگر کوئی کہے کہ میں نے سنت کے مطابق اپنی شادی کرنی ہے تو خاندان والے اس کی سنت کے مطابق شادی نہیں ہونے دیں گے۔ یعنی اب مسلم ممالک میں رہتے ہوئے بھی دین پر چلنا مشکل ہوگیا ہے۔ جامع ترمذی کی حدیث پاک میں ہے "عن أنس بن مالك قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يأتي على الناس زمان الصابر فيهم على دينه كالقابض على الجمر" ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ ان میں دین پر چلنا ایسا ہوگا جیسے کوئلہ ہاتھ میں لینا۔

(جامع ترمذی، باب الفتن، ماجاء فی النہی عن سب الریاح، جلد 4، صفحہ526، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

ان اعمال کے باوجود اگر ایک مہینے تک کوئی عذاب نہ آئے تو یہ بھی رب تعالیٰ کی

بڑی کرم نوازی ہے۔ وہ کونسا گناہ ہے جس کے سبب پچھلی امتوں پر عذاب آیا ہو اور وہ گناہ اس دور میں نہیں ہوتا۔ اللہ عزوجل مسلمانوں کی حالت پر رحم فرمائے اور انہیں قرآن وسنت کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق دے۔ آمین۔

اللہ عزوجل اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے سے میری اس ادنی سے کوشش کو قبول فرمائے اور میری میرے ماں باپ، پیرومرشد، رشتہ دار، ناشر، دوست احباب کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

۞۔۔۔المصادر و المراجع۔۔۔۞

مصنف کا نام　　کتاب کا نام　　مکتبہ کا نام　　سن اشاعت

الف

(1) القرآن
(2) ابن بطال، شرح صحیح البخاری لابن بطال، مکتبۃ الرشد، الریاض، 1423ھ۔2003ء
(3) ابوالحسن علی بن عثمان الجلابی الھجویری، کشف المحجوب، شبیر برادرز، لاہور
(4) ابوالحسن علی بن عمر، سنن الدارقطنی، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1424ھ۔2004ء
(5) ابوالحسن علی بن محمد، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، المکتبۃ الاسلامیہ، ریاض
(6) ابوالحسن مبشر احمد ربانی، کلمہ گو مشرک، دارالسلام، لاہور
(7) ابوالسعود حنفی، فتح المعین شرح الکنز لملا مسکین، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی
(8) ابوالفتح محمد بن عبدالکریم بن أبی بکر أحمد الشہرستانی، الملل والنحل، مؤسسۃ الحلبی
(9) ابوالفداء إسماعیل بن عمر بن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، دارطیبۃ، 1420ھ
(10) ابوالفداء إسماعیل بن عمر بن کثیر، البدایۃ والنھایۃ، دار إحیاء التراث العربی، بیروت
(11) ابوالولید محمد بن عبداللہ الغسانی، أخبار مکۃ وما جاء فیھا من الأثار، دارالأندلس، بیروت
(12) ابوبکر أحمد البیہقی، شعب الإیمان، مکتبۃ الرشد، الریاض، 1423ھ۔2003ء
(13) ابوبکر أحمد بن علی البغدادی، تاریخ بغداد، دارالکتب العلمیہ، بیروت
(14) ابوبکر بن علی بن محمد الحدادالیمنی، الجوھرۃ النیرۃ، المطبعۃ الخیریۃ، 1322ھ
(15) ابوبکر عبدالرزاق، مصنف عبدالرزاق، المکتب الإسلامی، بیروت، 1403ھ
(16) ابوبکر عبداللہ، مصنف ابن أبی شیبۃ، مکتبۃ الرشد، الریاض، 1409ھ
(17) ابوبکر محمد بن إسحاق، صحیح ابن خزیمہ، المکتب الإسلامی، بیروت
(18) ابوجعفر الطبری، جامع البیان فی تأویل القرآن، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1420ھ
(19) ابوجعفر الطبری، تاریخ طبری، دارالتراث، بیروت، 1387ھ

(20)ابوجعفر محمد بن عمرو، الضعفاء الکبیر، دار المکتبۃ العلمیۃ، بیروت، 1404ھ۔1984ء

(21)ابوداؤد سلیمان بن داؤد، مسند أبی داؤد الطیالسی، دار ہجر، مصر 1419ھ۔1999ء

(22)ابوزکریا یحییٰ نووی، شرح صحیح مسلم، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، 1392ھ

(23)ابوزکریا یحییٰ نووی، شرح اربعین للنووی، مصطفیٰ البابی، مصر

(24)ابوزکریا یحییٰ نووی، کتاب الاذکار، دار الکتاب العربیہ، بیروت

(25)ابوطالب محمد بن علی مکی، قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب، دار صادر، مصر

(26)ابوعبداللہ أحمد بن محمد بن حنبل، مسند الإمام أحمد بن حنبل، دار الفکر، بیروت

(27)ابوعبداللہ الحاکم، المستدرک، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1411ھ۔1990ء

(28)ابوعبداللہ محمد، الجامع لاحکام القرآن، دار الکتب المصریۃ، 1384ھ۔1964ء

(29)ابوعبداللہ محمد بن أحمد بن عثمان، میزان الاعتدال، دار المعرفۃ، بیروت

(30)ابوعبداللہ محمد القرطبی، البدع والنہی عنہا، مکتبۃ ابن تیمیۃ، القاہرۃ، 1416ھ

(31)ابوعمر یوسف بن عبداللہ، وزارۃ عموم الأوقاف والشؤون الإسلامیۃ، المغرب، 1387ھ

(32)ابومحمد عبداللہ بن محمد، الفوائد، دار الصمیعی، الریاض، 1412ھ۔1992ء

(33)ابومحمد عبداللہ بن یوسف الحنفی الزیلعی، نصب الرایۃ لاحادیث الھدایہ، المکتبہ الاسلامیہ

(34)ابومحمد محمود عینی، البنایۃ شرح الھدایۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1420ھ۔2000ء

(35)ابومحمد محمود بن أحمد عینی، عمدۃ القاری، دار إحیاء التراث العربی، بیروت

(36) أبونعیم أحمد بن عبداللہ الأصبہانی، دلائل النبوۃ لابی نعیم، عالم الکتب، بیروت

(37)ابونعیم أحمد الأصبہانی، معرفۃ الصحابۃ لأبی نعیم، دار الوطن، الریاض، 1419ھ۔1998ء

(38)اجمل قادری رضوی، فتاوٰی اجملیہ، شبیر برادرز، 2005ء

(39)احمد المروف ملاجیون، تفسیرات احمدیہ، مکتبہ حقانیہ، پشاور

(40)احمد بن الحسین، سنن البیہقی الکبری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1424ھ۔2003ء

(41)احمد بن الحسین بیہقی، شعب الإیمان، مکتبۃ الرشد، ریاض، 1423ھ۔2003ء

(42)احمد بن حجر مکی، الجوہر المنظم، ادارۃ المرکزیۃ واشاعۃ القرآن، لاہور

(43)احمد بن علی عسقلانی، الإصابۃ فی تمییز الصحابۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1415ھ

(44)احمد بن علی عسقلانی، المواہب اللدنیۃ، المکتب الاسلامی، بیروت

(45)احمد بن علی عسقلانی، تہذیب التہذیب، دائرۃ المعارف النظامیۃ، الہند، 1326ھ

(46)احمد بن علی عسقلانی، فتح الباری، دار المعرفۃ، بیروت، 1379ھ

(47)احمد بن علی، أحکام القرآن، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، 1405ھ

(48)احمد بن محمد الحموی المکی، غمز العیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر، ادارۃ القرآن، کراچی

(49)احمد بن محمد الصاوی، تفسیر صاوی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور

(50)احمد بن محمد بن إسماعیل الطحاوی الحنفی، حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، دار المعرفہ، بیروت

(51)احمد بن محمد طحاوی، حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، الکبری الأمیریۃ، مصر، 1318ھ

(52)احمد رضا خان، احکام شریعت، نظامیہ کتاب گھر، لاہور، 2009ء

(53)احمد رضا خان، فتاوٰی افریقہ، مکتبہ غوثیہ، کراچی، 2005ء

(54)احمد رضا خان، فتاوٰی رضویہ، رضا فاؤنڈیشن، لاہور

(55)احمد رضا خان، کنز الایمان، مکتبۃ المدینہ، کراچی

(56)احمد رضا خان، ملفوظات، المکتبۃ المدینہ، کراچی، 1430ھ، 2009ء

(57)احمد یار خان نعیمی، اسلامی زندگی، قادری پبلیشرز، لاہور، 2003ء

(58)احمد یار خان نعیمی، جاء الحق، نعیمی کتب خانہ، گجرات

(59)احمد یار خان نعیمی، مرأۃ المناجیح، نعیمی کتب خانہ، گجرات

(60)اسماعیل حقی، تفسیر روح البیان، دار الفکر، بیروت

(61)اسماعیل دہلوی، صراطِ مستقیم، مطبوعہ المکتبہ السّلفیہ، لاہور

(62)العظیم آبادی، عون المعبود شرح سنن أبی داود، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1415ھ

(63) آل مصطفےٰ مصباح، حاشیہ فتاوٰی امجدیہ، مکتبہ رضویہ، کراچی

(64) الیاس عطار قادری، پردے کے بارے میں سوال جواب، مکتبۃ المدینہ، کراچی
(65) امجد علی اعظمی، بہار شریعت، ضیاء القرآن، لاہور 1416ھ۔1995ء
(66) امجد علی اعظمی، فتاوٰی امجدیہ، مکتبہ رضویہ، 1429ھ۔2008ء

ب

(67) بدرالدین محمود بن اسرائیل بابن قاضی، جامع الفصولین، اسلامی کتب خانہ، کراچی
(68) برہان الدین علی بن ابی بکر، الہدایہ فی شرح البدایہ، داراحیاء التراث العربی، بیروت

ت

(69) تراب الحق شاہ صاحب، مزاراتِ اولیاء اور توسّل، زاویہ پبلیشرز، لاہور

ج

(70) جلال الدین امجدی، فتاوٰی فیض الرسول، شبیر برادرز، لاہور
(71) جمعیت علماء اورنگ زیب عالمگیر، فتاوی ہندیہ، دارالفکر، بیروت، 1411ھ۔1991ء

ح

(72) حامد رضا خان، فتاوٰی حامدیہ، شبیر برادرز، لاہور، 2004ء
(73) حبیب اللہ نعیمی اشرفی، حبیب الفتاوٰی، شبیر برادرز، لاہور، 2005ء

خ

(74) خلیل خان قادری برکاتی، فتاوٰی خلیلیہ، ضیاء القرآن، لاہور، 2008ء

ز

(75) زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم، البحر الرائق، دارالکتاب الاِسلامی، بیروت
(76) زین الدین عبدالرحمٰن، جامع العلوم والحکم، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت
(77) زین الدین عبدالرحمٰن، فتح الباری لابن رجب، مکتبۃ الغرباء الأثریۃ، المدینۃ النبویۃ
(78) زین الدین محمد المدعو بعبد الرؤوف، فیض القدیر، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، مصر، 1356ھ

س

(79) سعدالدین تفتازانی، شرح عقائد نسفی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور
(80) سعدی ابوحبیب، القاموس الفقہی، دارالفکر، بیروت، 1408ھ۔1988ء
(81) سلیمان بن احمد ابوالقاسم الطبرانی، المعجم الأوسط، دارالحرمین، القاہرۃ، 1415ھ
(82) سلیمان بن احمد الطبرانی، المعجم الصغیر، المکتب الاِسلامی، بیروت، 1405ھ۔1985ء
(83) سلیمان بن احمد ابوالقاسم الطبرانی، المعجم الکبیر، مکتبۃ ابن تیمیۃ، القاہرۃ
(84) سلیمان بن الأشعث ابوداود السجستانی، سنن ابوداؤد، المکتبۃ العصریۃ، بیروت

ش

(85) شاہ عبدالعزیز دہلوی، تفسیر فتح العزیز، مسلم بکڈ پو، دہلی
(86) شاہ عبدالعزیز دہلوی، شرح العقائد النسفیہ، مکتبہ رحمانیہ، لاہور
(87) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، مطبوعہ آرمی برقی پریس، دہلی
(88) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، القول الجمیل مع شفاء العلیل، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی
(89) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، فتوح الغیب ضمیمہ جواہر خمسہ، دارالاشاعت، کراچی
(90) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، مسوی مصفی شرح موطا امام مالک، اسلامی کتب خانہ، کراچی
(91) شبیر احمد عثمانی، فتح الملہم، مکتبۃ الحجاز، کراچی
(92) شریف الحق امجدی، نزہۃ القاری شرح صحیح البخاری، فرید بک سٹال، لاہور
(93) شہاب رملی انصاری، فتاوی الرملی، درالکتب العلمیہ، بیروت
(94) شہزاد قادری ترابی، ویلنٹائن ڈے کیا ہے؟، زاویہ پبلشرز، لاہور
(95) شیخ احسان بن محمد العتیبی، 100 مشہور ضعیف احادیث، فقہ الحدیث پبلی کیشنز

ص

(96) صفی الرحمٰن مبارکپوری، الرحیق المختوم، المکتبۃ السلفیۃ، لاہور، مئی 2000ء
(97) صلاح الدین یوسف، ایک مجلس میں تین طلاقیں اور اس کا شرعی حل، دارلسلام، لاہور
(98) صلاح الدین یوسف، توحید اور شرک کی حقیقت، دارالسلام، لاہور

ط

(99)طاہرفتنی،مجمع بحارالانوار،نولکشور،لکھنؤ

ظ

(100)ظفرالدین بہاری قادری رضوی،فتاوٰی ملک العلماء،نوری کتب خانہ،لاہور

ع

(102)عالم بن العلاءالانصاری الاندر پتی الدہلوی،تارتارخانیہ،قدیمی کتب خانہ،کراچی

(103)عبدالباقی زرقانی،شرح الزرقانی علی المواہب،مطبعۃ عامرہ،مصر

(104)عبدالحفیظ بلیاوی،المنجد،خزینہ علم وادب،لاہور

(105)عبدالحق محدث دہلوی،اشعۃ اللمعات،فرید بک سٹال،لاہور،1422ھ۔2002ء

(106)عبدالحکیم شرف قادری،مصنف عبدالرزاق کی پہلی جلد کے دس گم گشتہ ابواب،مکتبہ قادریہ،لاہور،1426ھ۔2006ء

(107)عبدالرحمٰن جلال الدین السیوطی،التعقبات علی الموضوعات،مکتبہ اثریہ،سانگلہ ہل

(108)عبدالرحمٰن بن أبی بکر جلال الدین السیوطی،الجامع الصغیر،دارالکتب العلمیہ،بیروت

(109)عبدالرحمٰن السیوطی،الحاوی للفتاوٰی،دارالفکر،بیروت،1424ھ۔2004ء

(110)عبدالرحمٰن بن أبی بکر جلال الدین السیوطی،الخصائص الکبریٰ،دارالکتب العلمیۃ،بیروت

(111)عبدالرحمٰن السیوطی،اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ،مطبع ادبیہ،مصر

(112)عبدالرحمٰن السیوطی،تاریخ الخلفاء،مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز،1425ھ۔2004ء

(113)عبدالرحمٰن بن أبی بکر جلال الدین السیوطی،درمنثور،دارالفکر،بیروت

(114)عبدالرحمٰن کیلانی،آئینہ پرویزیت،مکتبۃ السلام،لاہور،2004ء

(115)عبدالرحیم،محمد یونس رضا اویسی(مرتبین)،فتاوٰی بریلی شریف،شبیر برادرز،لاہور

(116)عبدالغنی نابلسی،الحدیقۃ الندیہ شرح الطریقۃ محمدیہ،مکتبہ نوریہ رضویہ،فیصل آباد

(117)عبدالکریم بن ہوازن بن عبدالملک القشیری،الرسالۃ القشیریۃ،دارالمعارف،القاہرۃ

(118)عبداللہ أبومحمد الدارمی،سنن الدارمی،دارالکتاب العربی،بیروت،1407ھ

(119)عبداللہ بن محمود بن مودود الموصلی،الاختیار لتعلیل المختار،مطبعۃ الحلبی،القاہرۃ

(120)عبدالمصطفیٰ اعظمی،جنتی زیور،فرینڈز پرنٹر،جہلم

(121)عبدالملک بن حسین بن عبدالملک العصامی المالکی،سمط النجوم العوالی فی أنباء الأوائل والتوالی،دارالکتب العلمیۃ،بیروت،1419ھ۔1998

(122)عبدالواجد قادری،فتاوٰی یورپ،شبیر برادرز،لاہور،2006ء

(123)عبدالوہاب شعرانی،المیزان الکبریٰ للشعرانی،مصطفیٰ البابی،مصر

(124)عثمان بن علی،تبیین الحقائق،المطبعۃ الکبری الأمیریۃ،القاہرۃ،1313ھ

(125)علاءالدین ابی بکر،البدائع الصنائع،دارالکتب العلمیۃ،بیروت،1406ھ۔1986ء

(126)علاءالدین عبدالعزیز،کشف الأسرار،دارالکتب العلمیۃ بیروت 1418ھ۔1997ء

(127)علی بن حسام الدین المتقی الہندی،کنزالعمال،مؤسسۃ الرسالۃ،بیروت، 1989ء

(128)علی بن سلطان محمد القاری،المعروف ملاعلی قاری،الاسرارالمعرفۃ المعروف بالموضوعات الکبریٰ،مطبوعہ دارالکتاب العربیہ،بیروت

(129)علی بن سلطان محمد القاری،شرح فقہ اکبر،قدیمی کتب خانہ،کراچی

(130)علی بن سلطان محمد القاری،مرقاۃ المفاتیح،دارالفکر،بیروت،1422ھ۔2002ء

(131)علی بن عبدالکافی سبکی،شفاءالسقام،مکتبہ نوریہ رضویہ،فیصل آباد

(132)علی بن نفیع العلیانی،تبرک،مکتبہ السنۃ،کراچی

(133)عمرو بن عبدالمنعم بن سلیم،عبادات میں بدعت،مکتبہ قدوسیہ

غ

(134)غلام رسول سعیدی،شرح مسلم،فرید بک سٹال،لاہور،1429ھ۔2008ء

ف

(135)فیروزالدین،فیروزاللغات،فیروزسنز،لاہور

(136) فیض احمد اویسی، فتاوی اویسیہ، صدیقی پبلیشرز، کراچی

ق

(137) قاسم قادری، علم اور علماء، مکتبہ اہل سنت، فیصل آباد، 2008ء

ک

(138) کاظمی شاہ صاحب، مقالات کاظمی، مکتبہ ضیائیہ، راولپنڈی

(139) کمال الدین محمد المعروف بابن الہمام، فتح القدیر، دار الفکر، بیروت

م

(140) محمد اکرم نسیم، تفہیم توحید، التوحید اکیڈمی، لاہور

(141) محمد امین بن شامی، رد المحتار، دار الفکر، بیروت، 1421ھ۔2000ء

(142) محمد بن احمد السرخسی، المبسوط للسرخسی، دار المعرفۃ، بیروت، 1414ھ۔1993ء

(143) محمد بن اسماعیل، الادب المفرد، دار البشائر الإسلامیۃ، بیروت 1409ھ۔1989ء

(144) محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، دار طوق النجاۃ، 1422ھ

(145) محمد بن حبان، صحیح ابن حبان، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1414ھ۔1993ء

(146) محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی، المقاصد الحسنۃ، دار الکتب العلمیہ، بیروت

(147) محمد بن عبد اللہ الخطیب، مشکٰوۃ المصابیح، المکتب الإسلامی بیروت 1405ھ۔1985ء

(148) محمد بن علی بن محمد الشوکانی، الفوائد المجموعہ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

(149) محمد بن علی شوکانی، نیل الأوطار من أحادیث سید الأخیار، مکتبۃ الکلیات الازہریۃ

(150) محمد بن عیسی الترمذی، سنن الترمذی، مصطفٰی البابی الحلبی، مصر، 1395ھ۔1975ء

(151) محمد بن فرامرز بن علی، درر الحکام شرح غرر الحکام، دار إحیاء الکتب العربیۃ

(152) محمد بن محمد الغزالی أبو حامد، احیاء العلوم، دار المعرفہ، بیروت

(153) محمد بن محمد الغزالی أبو حامد، کیمیائے سعادت، انتشارات گنجینہ، ایران

(154) محمد بن محمد شہاب المعروف بابن البزار، فتاوی بزازیہ، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

(155) محمد بن یزید أبو عبد اللہ القزوینی، سنن ابن ماجہ، دار إحیاء الکتب العربیۃ

(156) محمود آلوسی، روح المعانی، دار إحیاء التراث العربی، بیروت

(157) مختار احمد مدنی، بدعت اس کی تعریف اسباب اور علاج، الدعوۃ الجالیات بالجبیل، سعودیہ

(158) مختار احمد ندوی، قرآن خوانی اور ایصال ثواب، دعوت وتوعیۃ الجالیات، ربوہ، ریاض

(159) مسعود الدین عثمانی، وسیلے کا شرک، مسجد توحید، کراچی

(160) مسلم بن الحجاج أبو الحسین القشیری، صحیح مسلم، دار إحیاء التراث العربی، بیروت

(161) مشتاق احمد کریمی، عقیدہ یا جہالت، الدار السّلفیہ

(162) مصطفٰی رضا خان، فتاوٰی مصطفویہ، شبیر برادرز، لاہور، 1421ھ

(163) منیب الرحمٰن، تفہیم المسائل، ضیاء القرآن، لاہور، 2004ء

(164) میر عبد الواحد بلگرامی، سبع سنابل، فرید بک اسٹال، لاہور

ن

(165) نعیم الدین مراد آبادی، فتاوٰی صدر الافاضل، شبیر برادرز، لاہور، 2008ء

(166) نور الدین أبو الحسن السندی، حاشیۃ السندی مع ابن ماجہ، دار المعرفہ، بیروت

(167) نور الدین علی بن أبی بکر الہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، دار الفکر، بیروت، 1412ھ

و

(168) وحید الزمان، ہدیۃ المہدی، میور پریس، دہلی

(169) وزارۃ الأوقاف والشؤن الإسلامیۃ الکویت، الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، 1427ھ

جلد 1 تا 23، الطبعۃ الثانیۃ، دار السلاسل، الکویت

جلد 24 تا 38، الطبعۃ الأولی، مطابع دار الصفوۃ، مصر

جلد 39 تا 45، الطبعۃ الثانیۃ، طبع الوزارۃ

(170) وقار الدین قادری رضوی، وقار الفتاوٰی، بزم وقار الدین، کراچی، 1428ھ

(171) وہبۃ الزحیلی، الفقہ السلامی والادلۃ، دار الفکر، سوریّۃ، دمشق